جمالین

فی شرح

جلالین

جلد دوم

للشیخ عبد الرحمن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

استاذ دار العلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن

جمالین

فی شرح

جلالین

جلد دوم

للشیخ عبد الرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری
اُستاذ دار العلوم دیوبند

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اُردو بازار، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ــــــ جمالین فی شرح جلالین جلد دوم

تاریخ اشاعت ــــــ مارچ ۲۰۱۱ء

باہتمام ــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ــــــ ۵۲۴

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

Madrasah Arabia Islamia
1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
Azaadville 1750 South Africa
Tel : 00(27)114132786

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

Islamic Book Centre
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
U.K
Tel/Fax : 01204-389080

Al Farooq International
68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640




الشیخ محمد جمال القاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند (الہند)

MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جلالین کے حقوق اشاعت وطباعت باہمی ایک معاہدہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشر کراچی کو دیدیئے گئے ہیں، لہذا پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ جمالین کے کل یا جزء کی اشاعت وطباعت کا مجاز نہ ہوگا بصورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہوگا

محمد جمال غفرلہ
استاذ دارالعلوم دیوبند الہند
۱۸ دسمبر سنہ ۲۰۰۴ء ۶ / ۱۱ / سنہ ۱۴۲۵ھ

فہرست مضامین جلد دوّم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

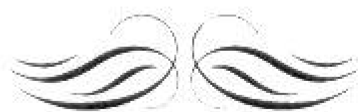
فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست نقشہ مضامین

تمت



وَّ حُرِّمَتْ عليكم الْمُحْصَنٰتُ اى ذَوَاتُ الاَزْوَاجِ مِنَ النِّسَآءِ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ قَبْلَ مُفَارَقَةِ اَزْوَاجِهِنَّ
حَرَائِرَ مُسْلِمَاتٍ كُنَّ اَوْلاَ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج مِنَ الاِمَاءِ بِالسَّبْيِ فلكم وَطْؤُهُنَّ وان كَانَ لَهُنَّ اَزْوَاجٌ
فِى دَارِ الْحَرْبِ بَعْدَ الاِسْتِبْرَاءِ كِتٰبَ اللّٰهِ نَصْبٌ على الْمَصْدَرِ اى كَتَبَ ذٰلِكَ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ
وَالْمَفْعُوْلِ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اى سِوٰى مَا حُرِّمَ عليكم من النِّسَاءِ لِ اَنْ تَبْتَغُوْا تَطْلُبُوا النِّسَاءَ بِاَمْوَالِكُمْ
بِصِدَاقٍ اوثَمَنٍ مُّحْصِنِيْنَ مُتَزَوِّجِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ زَانِيْنَ فَمَا فَمَنِ اسْتَمْتَعْتُمْ تَمَتَّعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ مِمَّنْ تَزَوَّجْتُمْ
بِالْوَطْيِ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ التى فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ انتم و هُنَّ
بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ مِنْ حَطِّهَا او بَعْضِهَا او زِيَادَةٍ عليها اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا (٢٤) فِيْمَا دَبَّرَهٗ لهم
وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا غِنًى اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الحَرَائِرَ الْمُؤْمِنٰتِ هُوَ جَرْيٌ على الغَالِبِ فلا مَفْهُوْمَ لَهٗ
فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ يَنْكِحُ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ فَاكْتَفُوْا بِظَاهِرِهٖ وَكِلُوا السَّرَائِرَ اليه فَاِنَّهٗ
العَالِمُ بِتَفَاصِيْلِهَا وَرُبَّ اَمَةٍ تَفْضُلُ الْحُرَّةَ فيه و هذا تَأْنِيْسٌ بِنِكَاحِ الاِمَاءِ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ اى انتم وهُنَّ
سَوَاءٌ فِى الدِّيْنِ فَلَا تَسْتَنْكِفُوْا من نِكَاحِهِنَّ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ مَوَالِيْهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اَعْطُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
مُهُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مِنْ غَيْرِ مَطْلٍ و نَقْصٍ مُحْصَنٰتٍ عَفَائِفَ حَالٌ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ زَانِيَاتٍ جَهْرًا
وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ اَخِلَّاءَ يَزْنُوْنَ بِهَا سِرًّا فَاِذَآ اُحْصِنَّ زُوِّجْنَ وفى قراءةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ تَزَوَّجْنَ
فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ زِنًا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ الحَرَائِرِ الاَبْكَارِ اِذَا زَنَيْنَ مِنَ الْعَذَابِ الحَدِّ فَيُجْلَدْنَ
خَمْسِيْنَ وَيُغَرَّبْنَ نِصْفَ سَنَةٍ و يُقَاسُ عليهِنَّ العَبِيْدُ و لَمْ يُجْعَلِ الاِحْصَانُ شَرْطًا لِوُجُوْبِ الحَدِّ بل لِاِفَادَةِ
اَنَّهٗ لا رَجْمَ عَلَيْهِنَّ اَصْلًا ذٰلِكَ اى نِكَاحُ الْمَمْلُوْكَاتِ عِنْدَ عَدَمِ الطَّوْلِ لِمَنْ خَشِىَ خَافَ الْعَنَتَ الزِّنَا و
اَصْلُهُ الْمَشَقَّةُ سُمِّىَ بِهِ الزِّنَا لا نَّهٗ سَبَبُهَا بالحَدِّ فى الدنيا والعُقُوْبَةِ فى الاٰخرةِ مِنْكُمْ بخلافِ مَنْ لا يَخَافُهٗ
مِنَ الاَحْرَارِ فَلَا يَحِلُّ له نِكَاحُهَا و كذا مَنِ اسْتَطَاعَ طَوْلَ حُرَّةٍ وعليه الشَّافِعِىُّ وَخَرَجَ بِقَوْلِهٖ من فَتَيٰتِكُمُ
الْمُؤْمِنٰتِ الكَافِرَاتُ فَلَا يَحِلُّ له نِكَاحُهَا ولَوْ عَدِمَ وخَافَ وَاَنْ تَصْبِرُوْا عن نِكَاحِ الْمَمْلُوْكَاتِ خَيْرٌ لَّكُمْ
لِئَلَّا يَصِيْرَ الوَلَدُ رَقِيْقًا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٢٥) بالتَّوْسِعَةِ فى ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور حرام کردی گئی ہیں تمہارے لئے شوہر والی عورتیں یہ کہ ان سے ان کے شوہروں کی مفارقت کے بغیر نکاح کرو خواہ آزاد مسلمان عورتیں ہوں یا دیگر، مگر یہ کہ وہ باندیاں کہ جو گرفتار ہو کر تمہاری قید میں آجائیں تو تمہارے لئے جائز ہے کہ ان سے وطی کرو استبراء (رحم) کے بعد، اگرچہ دارالحرب میں ان کے شوہر موجود ہوں، اللہ نے (ان احکام کو) تم پر فرض کردیا ہے نصب مصدریت کی وجہ سے ہے ای کَتَبَ ذٰلِك، اور تمہارے لئے مذکورہ حرام کردہ عورتوں کے علاوہ حلال کردی

گئی ہیں یہ کہ تم عورتوں کو اپنے مالوں کے ذریعہ مہر یا قیمت دیکر طلب کرو (اس طریقہ پر) کہ ارادہ نکاح کا ہو نہ کہ (محض) شہوت رانی کرنے والے، اس لئے جن سے تم نے فائدہ اٹھایا ہے تو ان کو ان کا طے شدہ مہر دیدو جو تم نے ان کیلئے مقرر کیا ہے اور تم پر اس مقدار کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم اور وہ مہر مقرر ہونے کے بعد راضی ہو جاؤ کل کو ساقط کر کے یا کچھ کمی زیادتی کر کے بے شک اللہ اپنی مخلوق کے بارے میں بڑا جاننے والا اور اس نظم کے بارے میں جو اس نے مخلوق کے لئے قائم کیا ہے بڑی حکمت والا ہے اور جو شخص تم میں سے آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو ایمان کی صفت غالب کی بناء پر ہے لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے۔ تو وہ مسلمان باندیوں سے جن کے تم مالک ہو (نکاح کرلے) اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے لہٰذا اس کے ظاہری ایمان پر اکتفاء کرو، اور رازوں کو اللہ کے حوالہ کرو، اسلئے کہ وہ رازوں کی تفصیلات کو جانتا ہے، اور بہت سی باندیاں ایمان میں آزاد (عورتوں) پر فضیلت رکھتی ہیں اور یہ باندیوں کے نکاح سے مانوس کرنا ہے اور تم آپس میں ایک ہی تو ہو یعنی تم اور وہ دین میں برابر ہو لہٰذا ان سے نکاح کرنے میں عار محسوس نہ کرو اس لئے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو، اور دستور کے مطابق بغیر ٹال مٹول اور بغیر کمی کے ان کے مہر ان کو دیدیا کرو۔ حال یہ کہ وہ پاک دامن ہوں نہ کہ کھلم کھلا زنا کرنے والیاں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، کہ جس کی وجہ سے خفیہ طور پر زنا کرنے والی ہوں۔ پس جب یہ باندیاں نکاح میں آجائیں اور ایک قراءت میں معروف کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی جب وہ نکاح کرلیں، پھر اگر وہ بے حیائی زنا کی مرتکب ہوں تب ان کی سزا آزاد غیر شادی شدہ کی آدھی ہے جب وہ زنا کریں تو ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں اور نصف سال کیلئے جلاوطن کردیا جائے۔ اور اسی پر غلاموں کو قیاس کیا جائیگا، اور احصان وجوب حد کے لئے شرط کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس بات کا فائدہ دینے کے لئے ہے کہ ان پر رجم قطعاً نہیں ہے (آزاد پر) قدرت نہ ہونے کی صورت میں باندیوں سے نکاح کا یہ حکم ان لوگوں کیلئے ہے جنہیں تم میں سے گناہ زنا، کا اندیشہ ہے اور عَنَتٌ کے اصل معنی مشقت کے ہیں اور زنا کا نام مشقت اسلئے رکھا گیا ہے کہ زنا دُنیا میں حدّ، اور آخرت میں سزا کا سبب ہے۔ بخلاف ان آزاد لوگوں کے کہ ان کو (زنا میں مبتلا ہونیکا) خوف نہیں ہے، تو ان کے لئے باندیوں سے نکاح حلال نہیں ہے، اور یہی حکم اس شخص کا ہے جو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور یہی مذہب امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول مومنات کی قید سے کافرات خارج ہوگئیں اس شخص کے لئے بھی باندیوں سے نکاح حلال نہیں ہے اگر چہ قدرت مفقود ہو اور زنا کا خوف ہو۔ اور اگر تم باندیوں سے نکاح کرنے کو ضبط کرو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے تا کہ بچہ غلام نہ ہو۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور اس معاملہ میں وسعت کے ذریعہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: و حُرِّمَتْ عَلَیکم المحصَنٰتُ، جمہور کے نزدیک فتحۂ صاد کے ساتھ، اسم مفعول ہے، وہ عورتیں جنہوں نے نکاح کے ذریعہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کرلیا ہو (یعنی شادی شدہ عورتیں) اس آیت کے علاوہ ہر جگہ کسائی نے صاد کے کسرہ

کے ساتھ بصیغۂ اسم فاعل پڑھا ہے۔

قولہ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ، حُرِّمَتْ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اَلْمُحْصَنٰتُ کا عطف اُمَّهَاتُكُمْ پر ہے مُحْصَنات (یعنی شوہر والی عورتیں) بھی سلسلۂ محرمات میں داخل ہیں، اَلمحصنٰت، اسم مفعول جمع مؤنث کا صیغہ ہے واحد مُحْصَنَةٌ ہے قرآن کریم میں اِحْصَان چار معنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ① شادی شدہ عورتیں ② آزاد عورتیں ③ پاک دامن عورتیں ④ مسلمان عورتیں، یہاں پہلے معنی یعنی شادی شدہ عورتیں مراد ہیں، مفسّر علّام نے ذَوَاتُ الْاَزْواج کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: حرمت افعال میں ہوتی ہے نہ کہ ذوات میں حالانکہ حُرِّمَتْ عَلَيكم المحصنٰت سے ذات کی حرمت مفہوم ہو رہی ہے؟

جواب: مفسر علام نے اَنْ تنكِحوهُنَّ، کا اضافہ کر کے اسی سوال کا جواب دیا ہے یعنی محصنٰت سے نکاح کرنا حرام ہے نہ کہ ان کی ذات۔

قولہ: قَبْلَ الْمُفَارَقَةِ اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بعد المفارقت نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے خواہ عورت آزاد ہو یا باندی۔

قولہ: بالسَّبْيِ اس میں اشارہ ہے کہ بلا مفارقت، وطی اسی باندی سے جائز ہے جو گرفتار ہو کر آئی ہو اور اگر خرید کردہ ہے اور وہ شادی شدہ ہے تو اس سے بلا مفارقت زوج وطی جائز نہیں ہے۔

قولہ: نَصْبٌ علی المَصْدَرِيَّةِ، اس میں اشارہ ہے کہ، کتابَ اللّٰه مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے کتابَ کا عامل كَتَبَ، حُرِّمَتْ سے مستفاد ہے، اس لئے کہ تحریم اور کتاب اور فرض ایک ہی معنی میں ہیں مفسّر علّام نے كَتَبَ ذلك، کہہ کر اسی عامل محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: وَاُحِلَّ لكم، اس کا عطف کتابَ اللّٰه کے عاملِ مقدر پر ہے، اگر فعل مقدر كَتَبَ پر عطف ہو تو اَحَلَّ، معروف ہوگا اور اگر حُرِّمَتْ، پر ہو تو اُحِلَّ، مجہول ہوگا۔

قولہ: هُوَ جَرْيٌ علَى الغَالِب، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: المؤمنات کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات سے نکاح درست نہیں ہے۔

جواب: المؤمنات کی قید غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ نکاح کے بارے میں جو حکم آزاد مومنات کا ہے وہی حکم آزاد کتابیات کا بھی ہے، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد لینا درست نہ ہوگا۔

قولہ: مُحْصَنَات، یہ فانکحوهنَّ کی ضمیر سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ ضمیر نہ موصوف واقع ہوتی ہے اور نہ صفت، مشہور قاعدہ ہے اَلضمیر لا يُوْصَفُ ولا يوصفُ به.

قَوْلُہٗ: غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ یہ حال مؤکدہ ہے، مُسَافِحِیْنَ، مُسَافِحٌ، کی جمع ہے بمعنی زانی۔
قَوْلُہٗ: اَخْدَان یہ خِدْنٌ کی جمع ہے بمعنی دوست۔

تفسیر و تشریح

اس رکوع میں محرّمات کا ذکر ہے، محرمات کی چار قسمیں ہیں جن میں تین محرماتِ ابدیہ ہیں (۱) محرمات نسبیہ (۲) محرمات رضاعیہ (۳) محرمات بالمصاہرۃ، ان کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے (۴) محرمات غیر ابدیہ۔ اس چوتھی قسم کا ذکر والمحصنٰت من النساء سے کیا ہے محصنٰت سے مراد شوہر دار عورتیں ہیں، عورت جب تک کسی کے نکاح میں ہو تو دوسرے شخص کے لئے اس سے نکاح جائز نہیں اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شوہر دار نہیں ہوسکتی، اِلّا ما ملکت ایمانکم یہ جملہ المحصنٰت من النساء سے استثناء ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر دار عورت سے کسی دوسرے شخص کا نکاح جائز نہیں ہے اِلَّا یہ کہ وہ عورت مملوکہ باندی ہوکر آجائے اگرچہ اس کا شوہر دارالحرب میں موجود ہو چونکہ عورت کے دارالاسلام میں آجانے کی وجہ سے اس کا نکاح، سابق شوہر سے ختم ہوگیا ہے یہ عورت خواہ کتابیہ ہو یا مسلمہ اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کرسکتا ہے مگر استمتاع ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہوگا، اور حاملہ ہے تو وضع حمل ضروری ہے، اس کے بغیر استمتاعِ جنسی درست نہ ہوگا، اور اگر حکومت کی جانب سے مال غنیمت میں حاصل شدہ باندی کسی فوجی سپاہی کو مال غنیمت کے طور پر دیدی جائے تب بھی اس سے جنسی استمتاع جائز ہے مگر یہ استمتاع بھی وضع حمل یا ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہوگا۔

جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں انکو پکڑتے ہی ہر سپاہی ان کے ساتھ مباشرت کا مجاز نہیں، بلکہ اسلامی قانون یہ ہے کہ ایسی عورتیں حکومت کے حوالہ کردی جائیں گی، حکومت کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو ان کو رہا کردے اور اگر چاہے تو ان سے فدیہ لے، چاہے ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کرے جو دشمن کے ہاتھ میں ہوں اور چاہے تو انھیں سپاہیوں میں تقسیم کردے، سپاہی صرف اسی عورت سے استمتاع کا مجاز ہے جو حکومت کی طرف سے باقاعدہ اس کی ملک میں دی گئی ہو۔

جنگ میں پکڑی گئی عورتوں کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں، ان کا مذہب خواہ کچھ بھی ہو جب تقسیم کے بعد جس کے حصے میں آئیں ان سے استمتاع کرسکتا ہے۔

جو عورت جس کے حصہ میں آئے وہی شخص اس سے استمتاع کرسکتا ہے کسی دوسرے کو اسے ہاتھ لگانے کا حق نہیں، اس عورت سے جو اولاد ہوگی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائیگی جس کی ملک میں وہ عورت ہے، اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لئے مقرر ہیں صاحب اولاد ہونے کے بعد وہ عورت فروخت نہ ہوسکے گی وہ عورت ام ولد کہلائے گی اور مالک کے مرتے ہی خود بخود آزاد ہوجائے گی۔

مالک اگر اپنی مملوکہ کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کردے تو پھر مالک کو دیگر خدمات لینے کا تو حق رہتا ہے لیکن جنسی

تعلقات قائم کرنے کا حق نہیں رہتا۔
اسیرانِ جنگ میں سے اگر کوئی اسیر حکومت کسی شخص کو دیدے تو حکومت کو اس سے واپس لینے کا حق نہیں رہتا۔
کِتابَ اللّٰہِ عَلَیْکم، یہ مصدریت کی وجہ سے فعل محذوف کے ذریعہ منصوب ہے ای کَتَبَ اللّٰہ ذلکَ عَلَیْکم کتابًا، یعنی جن محرمات کا ذکر ہوا ہے ان کی حرمت اللہ کی طرف سے ہے اور یہ خدائی قانون ہے جو تمہارے اوپر لازم ہے۔
اَنْ تَبْتَغُوا بِاَمْوَالِکُم، یعنی محرمات کا یہ بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ تم اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو اور ان کو اپنے نکاح میں لاؤ، ابوبکر جصاص رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ نکاح مہر کے بغیر نہیں ہوسکتا حتی کہ اگر زوجین آپس میں یہ طے کرلیں کہ نکاح، مہر کے بغیر کریں گے تب بھی مہر لازم ہوگا دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مہر وہ چیز ہوگی جس کو مال کہا جاسکے، احناف کا مذہب یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہ ہونا چاہیے ایک درہم ساڑھے چار ماشہ یا ۳ گرام ٦٢ ملی گرام کے برابر ہوتا ہے اور دس درہم ٣٦ گرام اور ۲ ملی گرام کے مساوی ہوں گے۔

متعہ کی بحث:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً (یعنی بعد از نکاح) جن عورتوں سے استمتاع کرلو تو ان کے مہر دیدو، یہ دینا تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے، اس آیت میں استمتاع سے بیویوں سے ہمبستر ہونا مراد ہے، اگر محض نکاح ہوجائے مگر شوہر کو وطی کا موقع نہ ملے بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق دیدے یا عورت کا انتقال ہوجائے تو نصف مہر واجب ہوتا ہے اور اگر استمتاع کا موقع مل جائے تو پورا مہر واجب ہوتا ہے، اس آیت میں اسی حکم کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔
لفظ استمتاع کا مادہ م، ت، ع، ہے جس کے معنی استفادہ کرنے اور فائدہ اٹھانے کے ہیں فائدہ خواہ مالی ہو یا جسمانی، اس لغوی تحقیق کی روشنی میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا سیدھا اور صاف مطلب پوری امت کے نزدیک خلفاً عن سلفٍ وہی ہے جو اوپر بیان کیا ہے لیکن فرقۂ امامیہ کے نزدیک اس سے اصطلاحی متعہ مراد ہے اور وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ اصطلاحی متعہ کی صاف تردید قرآن کریم کی آیت بالا میں لفظ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ سے ہو رہی ہے۔

متعہ کی صورت:

اصطلاحی متعہ جس کے جواز کا فرقۂ امامیہ مدعی ہے یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے یوں کہے کہ اتنے دن یا اتنے وقت کے لئے اتنی رقم کے عوض میں تم سے متعہ کرتا ہوں، متعہ اصطلاحی کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، محض مادۂ اشتقاق کو دیکھ کر یہ فرقہ مدعی ہے کہ اس آیت سے حلت متعہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔
جواز متعہ کی نسبت حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی جانب بھی بعض حضرات نے کی ہے جن میں صاحب ہدایہ اور امام سرخسی صاحب مبسوط بھی شامل ہیں لیکن یہ نسبت تسامح ہے جیسا کہ شراح ہدایہ نے تصریح کی ہے کہ صاحب ہدایہ سے یہ تسامح ہوا ہے۔

البتہ بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ آخر تک حلّت متعہ کے قائل تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی جانب جواز متعہ کی نسبت میں بڑی قیل وقال ہوئی ہے بعض اکابر حنفیہ جن میں پیش پیش ہدایہ کے نامور شارح ابن ہمام ہیں نے اس انتساب کو غلط ٹھہرایا ہے اَلنسبة الی مالك غلط (فتح القدیر) ونقل الحل عن مالك لا اصل له. (روح)

اور بڑی بات یہ ہے کہ مالکیہ کی کتابوں سے بھی اس فتوے کے جواز کی تائید نہیں ہوتی بلکہ براہ راست یا بالواسطہ اس کی مخالفت ہی نکلتی ہے۔ وَامّا متعة النساء فهی من غرائب الشريعة لانّها ابيحت فی صدر الاسلام ثم حرمت بعد ذلك استقر الامر على التحريم (ابن عربی) وَ الأنكحة الّتی ورد النهی فيها اربعة نكاح منها المتعة (بدایہ المجتهد) تواترت الاَ خبار عن رسول اللّٰه ﷺ بتحريمه. (بداية المجتهد)

حدیث میں متعہ کی ممانعت:

سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حدیث نبوی میں اس کی صاف ممانعت آچکی ہے، مسلم میں ایک طویل حدیث سبرہ بن معبد جہنی سے نقل ہوئی ہے جس کے آخر میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

یا یّها الناس اِنّی آذنْتُ لکم فی الاِسْتِمْتاعِ مِنَ النسَاءِ و اِنَّ اللّٰهَ تعالى قدحرَّم ذلك الى يَوْمِ القيامَةِ فمنْ كان عِنْدَهٗ مِنهُنّ شِيئٌ فَلْيُخلِ سَبِيْلَهٗ، ولا تَاْ خُذُوْا بِمَا اٰتيتُمُوْهُنَّ شَيْئًا.

ترجمہ: اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن اب اللہ نے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے، سوجس کسی کا اس پر عمل ہو وہ اب اس سے باز آجائے اور جو کچھ تم نے ان عورتوں کو دیا ہے وہ ان سے واپس نہ لو۔

دوسری حدیثیں بھی بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہیں ان کا حاصل بھی حکم متعہ کی حرمت ہے اسی لئے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے فتوائے جواز سے رجوع منقول ہے۔

ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ صح رجوعه الى قولهم (ہدایہ) قيل ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ رجع عن ذلك (معالم) اب فقہائے اہل سنت کا حرمت متعہ پر اتفاق ہے اور ان کے تمام مفسرین نے اسی شق کو اختیار کیا ہے، اختلاف صرف فرقۂ امامیہ (شیعہ) تک محدود رہ گیا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ آخر تک حلت متعہ کے قائل رہے صحیح نہیں امام ترمذی نے باب ماجاء فی نكاح المتعة کا باب قائم کر کے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

❶ عن علی بن ابی طالب اَنّ النبی ﷺ نهٰى عن متعة النساء و عن لحوم الحمر الاهلية زمن خَيْبَرَ.

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مذکورہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

❷ یہ حدیث بھی امام ترمذی نے نقل کی ہے۔ عن ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قال انما کانت المتعة فی اول الاسلام حتّی اذا نزلَتْ الآیةُ اِلّا علی اَزْواجِهم اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیما نُهُم قال ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فکلُّ فَرْجٍ سِوَا هُمَا فَهُوَ حَرامٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، فرماتے ہیں متعہ اسلام کے عہد اول میں مشروع تھا یہاں تک کہ آیت کریمہ اِلا علی ازواجِهم او مَا ملکت اَیمانهم، نازل ہوئی تو وہ منسوخ ہو گیا، اس کے بعد حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ زوجۂ شرعیہ اور مملوکہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کچھ عرصہ تک متعہ کے جواز کے قائل رہے پھر حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سمجھانے سے (جیسا کہ صحیح مسلم، ج:۱ ص:۴۵۲ پر ہے) اور آیت شریفہ اِلّا علی ازوجهم او ما ملکت ایمانهم سے متنبہ ہو کر رجوع فرمالیا جیسا کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوا۔ (معارف)

قولِ فیصل در بارۂ متعہ:

متعہ کے بارے میں قول فیصل محدِّث حازمی کا ہے جسے ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔

حازمی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو ان لوگوں کے لئے جائز نہیں کیا جو کہ وہ اپنے وطن یا گھروں میں بیٹھے ہوں، آپ نے اسے صرف ضرورت ہی کے موقعوں پر جائز کیا ہے، اور آپ نے اپنی آخری عمر میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر اسے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا چنانچہ اس بارے میں ائمہ اور ملک کے علماء میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں بجز شیعوں کے ایک فرقہ کے۔

(ماجدی)

نکاح کا اصل مقصد:

نکاح کا اہم مقصد حصول اولاد اور نسل انسانی کی بقا ہوتی ہے نہ کہ محض شہوت رانی، اسی لئے قرآن مجید نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ قید نکاح میں لانے کا مقصد عفت و عصمت کا حصار فراہم کرنا ہو نہ کہ محض مستی نکالنا، اور متعہ مذکورہ باتوں سے خالی ہوتا ہے، متعہ چونکہ ایک محدود وقت کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے نہ اس سے حصول اولاد مقصود ہوتی ہے اور نہ گھر بسانا اور نہ عفت و عصمت

اور یہی وجہ ہے کہ فریق مخالف اس کو زوجۂ وارثہ قرار نہیں دیتا اور نہ اس کو ازواج معروفہ کی گنتی میں شمار کرتا ہے، چونکہ مقصد قضاء شہوت ہوتا ہے اس لئے مرد اور عورت نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ متعہ عفت وعصمت کا ضامن نہیں ہے بلکہ دشمن ہے۔

قرآن کریم نے محرمات کا ذکر کرنے کے بعد یوں فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ اپنے اموال کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو اس حال میں کہ پانی بہانا یعنی محض مستی نکالنا اور شہوت رانی کرنا ہی مقصد نہ ہو۔

متعہ ایک ہنگامی ضرورت تھی:

تاریخی روایتوں اور حدیثوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یا طویل سفر کے موقعہ پر عقد مؤقت یا عارضی نکاح کی یہ اجازت محض سپاہیوں کے لئے ہنگامی اور وقتی ضرورت کے پیش نظر ایک بار یا چند بار دی گئی تھی اور بعض صحابہ ایک عرصہ تک اسی خیال میں رہے، باقی مستقل حکم عدم جواز ہی کا ہے (ماجدی) اسی کی تائید عبد اللہ بن مسعود کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی بخاری اور مسلم دونوں میں نقل ہوئی ہے۔

كُنَّا نغزُو مع النَّبِيّ ﷺ ليس مَعَنَا نِساءٌ فقلنا ا لا نَخْتَصِيْ فنها نا عن ذلك ثم رَخَّصَ لنا ان نَسْتَمْتِعَ.

ترجمہ: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں تھے اور بیویاں ہمارے ہمراہ نہ تھیں تو ہم لوگوں نے کہا کہ ہم خود کو خصی کرالیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہمارے لئے متعہ کی اجازت دیدی۔

اور مندرجہ ذیل روایت بھی سلمۃ بن اکوع کے حوالہ سے صحیحین میں نقل ہوئی ہے۔

رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ عامَ اَوْطاس فی الْمُتْعَةِ ثلاثاً ثم نهى عنها.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اوطاس کے سال متعہ کی اجازت تین رات دیدی تھی مگر اس کے بعد اس کی ممانعت کردی۔

مسئلہ: متعہ کی طرح نکاحِ مؤقت بھی حرام ہے صرف لفظ نکاح کا فرق ہے۔

ولا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ، اس کا مطلب یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں دونوں فریقوں کی رضامندی سے کمی بیشی ہوسکتی ہے، بیوی اگر چاہے تو پورا یا کچھ حصہ معاف کرسکتی ہے اور شوہر کے لئے بھی جائز ہے کہ مقرر کردہ مقدار سے زیادہ دیدے۔

ومن لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ (الآیہ) سابق میں نکاح کے احکام کا بیان تھا، اس لئے اسی کے ذیل میں اب شرعی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے کا ذکر شروع ہوا، اسی کے ضمن میں باندی اور غلام کی حد زنا کا بھی حکم بیان کردیا کہ ان کی حد آزاد کی نصف ہوتی ہے۔

طـــولٌ، قدرت اور غناء کو کہتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو مومن باندیوں سے نکاح کرسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ہو سکے آزاد عورت سے نکاح کرنا چاہئے اگر باندی سے نکاح کرنا پڑہی جائے تو باندی مومنہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا یہی مسلک ہے کہ آزاد عورت پر قدرت ہوتے ہوئے باندی یا کتابیہ سے نکاح مکروہ ہے۔ دیگر ائمہ مثلاً امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک آزاد پر قدرت کے باوجود باندی سے نکاح حرام ہے اسی طرح کتابیہ باندی سے نکاح بالکل جائز نہیں۔ (معارف)

فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، (یعنی) باندیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کروا گر وہ اجازت نہ دیں تو نکاح صحیح نہ ہوگا اسلئے کہ باندی کو خود اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہوتی یہی حکم غلام کا بھی ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا۔ پھر فرمایا کہ باندیوں کا مہر خوبی کے ساتھ ادا کردو باندی سمجھ کر ٹال مٹول نہ کرو، امام مالک کے نزدیک زرمہر باندی کا حق ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک زرمہر مالک کا حق ہے۔

مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ یعنی مومن باندیوں سے نکاح کرو تاکہ وہ حصار نکاح میں محفوظ (محصنات) ہوکر رہیں آزاد شہوت رانی کرتی نہ پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں، پھر بھی اگر وہ حصار نکاح میں محفوظ ہونے کے بعد بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کی ہے، اس سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں ان کی سزا سو کوڑے ہیں، اور اگر شادی شدہ آزاد مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے رجم کی چونکہ تنصیف نہیں ہوسکتی اسلئے چاروں اماموں کے نزدیک حکم یہ ہے کہ غلام یا باندی خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اگر ان سے زنا سرزد ہو جائے تو ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں۔

ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ (الآیہ) یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت ایسے لوگوں کے لئے ہے جو جوانی کے جذبات پر قابو رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کہ کسی آزاد خاندانی عورت سے شادی کے قابل نہ ہو جائیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ و مَصَالِحَ اَمْرِكُمْ **وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ** طَرَائِقَ **الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ** مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فِي التَّحْلِيْلِ وَالتَّحْرِيْمِ فَتَتَّبِعُوْهُمْ **وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ** يَرْجِعَ بِكُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ الَّتِي كُنْتُمْ عَلَيْهَا اِلَى طَاعَتِهِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِكُمْ **حَكِيْمٌ** ﴿۲۶﴾ فِيْمَا دَبَّرَهُ لَكُمْ **وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ** كَرَّرَهُ لِيُبْنَى عَلَيْهِ **وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ** اليَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسُ او الزُّنَاةُ **اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا** ﴿۲۷﴾ تَعْدِلُوْا عَنِ الحَقِّ بِارْتِكَابِ مَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ فَتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ **يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ** فَيُسَهِّلَ عَلَيْكُمْ اَحْكَامَ الشَّرْعِ **وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا** ﴿۲۸﴾ لَا يَصْبِرُ عَنِ النِّسَاءِ وَالشَّهَوَاتِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ** بِالْحَرَامِ فِي الشَّرْعِ كَالرِّبَوا

والغصب **اِلَّآ** لكن **اَنْ تَكُوْنَ** تقع **تِجَارَةً** وفى قراءةٍ بالنصب اَنْ تكُوْنَ الاموالُ اموالَ تِجارةٍ صادِرةً
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وطِيبِ نفسٍ فلكم اَنْ تاكُلُوها **وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** بارْتِكابِ مَايُؤَدِّيْ الى هَلاكِها اَيًّا
كَانَ فى الدنيا او الاخرةِ بقرينَةِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا** ﴿٢٩﴾ فى مَنْعِه لكم مِن ذٰلِك **وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ** اى
مَانُهِيَ عَنْهُ **عُدْوَانًا** تَجاوُزًا لِلحلالِ حالٌ **وَّظُلْمًا** تاكِيدٌ **فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ** نُدْخِلُه **نَارًا** يَحْتَرِقُ فِيها
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ هَيِّنًا **اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ** وهِيَ مَاوَرَدَ عليها وَعِيدٌ كالقَتْلِ والزِّنا
والسَّرِقَةِ وعن ابنِ عبَّاسٍ رضى اللّٰه تعالى عنه هِيَ الى السَّبْعِمائَةِ اَقْرَبُ **نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ** الصَّغائِرَ
بالطَّاعاتِ **وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا** بِضَمِّ المِيمِ و فَتْحِها اى اِدْخالًا او مَوْضِعًا **كَرِيْمًا** ﴿٣١﴾ هُوَ الجنَّةُ
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِن جِهةِ الدُّنيا والدِّينِ لِئلَّا يُؤَدِّيَ الى التَّحاسُدِ والتَّباغُضِ
لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ ثوابٌ **مِّمَّا اكْتَسَبُوْا** بِسَبَبِ مَا عَمِلُوْا من الجِهادِ وغيرِه **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ** مِن طَاعَةِ
اَزْواجِهِنَّ وحِفْظِ فُرُوجِهِنَّ نَزَلَتْ لَمَّا قالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ لَيْتَنا كُنَّا رِجالًا فجاهَدْنا و كَانَ لنا مِثْلُ اَجْرِ الرِّجالِ
وَاسْئَلُوا بِهَمْزَةٍ ودُوْنِها **اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ** مَااحْتَجْتُمْ اليه يُعْطِيْكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا** ﴿٣٢﴾ ومِنه مَحَلُّ
الفَضْلِ و سُؤالُكم **وَلِكُلٍّ** مِن الرِّجالِ والنِّسآءِ **جَعَلْنَا مَوَالِيَ** اى عَصَبَةً يُعْطَوْنَ **مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ**
لهم من المَالِ **وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ** بالِفٍ ودُونِها **اَيْمَانُكُمْ** جَمْعُ يَمِيْنٍ بمعنى القَسمِ او اليَدِ اى الحُلَفاءُ الَّذِيْنَ
عَاهَدْتُمُوْهُمْ فى الجاهِلِيَّةِ على النُّصْرَةِ والاِرْثِ **فَاٰتُوْهُمْ** الاٰن **نَصِيْبَهُمْ** حَظَّهُم مِن المِيْراثِ
وهوالسُّدُس **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا** ﴿٣٣﴾ مُطَّلِعًا ومِنه حالُكُم وهُوَ مَنْسُوْخٌ بقوله وَاُولُوا الاَرْحامِ ٥ع٢
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے تمہارے دین کے احکام اور تمہارے معاملہ کی مصلحتیں خوب کھول کھول کر بیان کرے، اور تم کو تم سے پہلے لوگوں انبیاء کے حلال وحرام میں حالات (طریقے) بتادے تاکہ تم ان کی اتباع کرو (اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے) کہ تم کو ان معصیتوں سے کہ جن پر تم تھے اپنی طاعت کی طرف پھیر دے اللہ تمہارے حالات کا جاننے والا اور جو نظم اس نے تمہارے لئے قائم کیا ہے اس میں باحکمت ہے اور اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے اس (جملہ کو) مکرر لایا ہے تاکہ مابعد کو اس پر مبنی کیا جائے، اور جو لوگ خواہشات کے بندے ہیں یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور زناکار وہ چاہتے ہیں کہ حرام چیزوں کا ارتکاب کرا کے تم کو حق سے پوری طرح برگشتہ کر دیں، اور اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف کرے کہ تمہارے لئے احکام شرع آسان کردے۔ اور انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ عورتوں اور شہوتوں سے صبر نہیں کرسکتا، اے ایمان والو تم آپس میں ایک دوسرے کا مال شرعاً حرام طریقہ سے مثلاً سود اور غصب کے طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ اگر

کوئی تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے ہو جائے (تو کھا سکتے ہو) اور ایک قراءت میں (تجارۃٌ) کے نصب کے ساتھ ہے یعنی اموال تجارت یعنی آپسی رضامندی اور خوش دلی کے ساتھ وجود میں آئے تو تم کو اس کے کھانے کی اجازت ہے۔ ہلاک ہونے والی چیز کا ارتکاب کرکے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو وہ ہلاکت خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں (اِن اللہ کان بکم رحیمًا) کے قرینہ کی وجہ سے بے شک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے تم کو اس ہلاکت سے منع کرنے کی وجہ سے، اور جو کوئی ممنوع کا ارتکاب کرے گا حلال کو ترک کرکے (تجاوزًا) حال ہے اور بطور ظلم کے یہ تاکید ہے تو ہم اس کو عنقریب آگ میں ڈالیں گے کہ اس میں جلتا رہے گا، اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے اور اگر تم ان بڑے گناہوں کے کاموں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے بچتے رہے اور بڑے گناہ وہ ہیں جن پر وعید وارد ہوئی ہے مثلاً قتل، زنا، چوری، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ سات سو کے قریب ہیں، ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو طاعت کے صلہ میں معاف کردیں گے اور تمہیں ایک معزز مقام میں کہ وہ جنت ہے داخل کریں گے (مُدْخلًا) میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ داخل کرنا اور مقام دخول۔ اور تم ایسی چیز کی تمنا نہ کرو جس میں اللہ نے بعض کو بعض پر دنیا اور دین کی بہت سی فضیلت دے رکھی ہے تاکہ آپس میں حسد اور بغض پیدا نہ ہو۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا ثواب ہے جو انہوں نے جہاد وغیرہ کی صورت میں کئے ہیں اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا ثواب ہے جو انہوں نے اپنے شوہروں کی فرمانبرداری اور اپنی ناموس کی حفاظت کی صورت میں کئے ہیں (یہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ نے تمنا کی کہ کاش ہم مرد ہوتے تو ہم جہاد کرتے اور ہم کو بھی مردوں کے مانند اجر ملتا، اور اللہ سے اس کا فضل طلب کرو ہمزہ اور بدون ہمزہ کے، جس کے تم محتاج ہوگے وہ تم کو دے گا بے شک اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے ان ہی میں محل فضل اور تمہارا سوال بھی ہے اور جو مال والدین اور اقرباء ان کے لئے چھوڑ جائیں ہم نے اس کے لئے وارث مقرر کردیئے ہیں جن کو وہ مال دیا جائیگا، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد و پیمان ہو چکے ہیں تو ان کو اب میراث کا حصہ دیدو اور وہ چھٹا حصہ ہے۔ ایمان، یمین کی جمع ہے یعنی قسم یا عہد یعنی تمہارے وہ حلفاء کہ جن سے تم نے زمانہ جاہلیت میں نصرت اور ارث پر معاہدہ کیا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے اور ان ہی میں تمہارا حال بھی ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" سے منسوخ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ، لِيُبَيِّنَ، يُرِيْدُ کا مفعول بہ ہے اور لام زائدہ برائے تاکید ہے۔

قولہ: شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ، شرائع، کے مقدر ماننے میں اشارہ ہے کہ لِيُبَيِّنَ کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: يَرْجِعُ بِكُمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ، يريدُ کی تفسیر یرجع سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: توبہ قبول کرنے کا مقصد ہوتا ہے معصیت سے درگذر کرنا اور معصیت شریعت کے وارد ہونے کے بعد ہوتی ہے اور

شریعت ابھی وارد ہوئی نہیں، اسلئے کہ سابق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمہارے لئے شریعت بیان کرنا چاہتا ہے، لہٰذا جب ابھی شریعت وارد نہیں ہوئی تو شریعت کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی اور جب خلاف ورزی نہیں ہوئی تو معصیت بھی نہیں ہوئی اور جب معصیت نہیں ہوئی تو توبہ قبول کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

جَوَابِ: مفسر علام نے یتوب کی تفسیر یَرْجِع سے کر کے مذکورہ سوال کے جواب ہی کی جانب اشارہ کیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یتوب کا مطلب ہے یرجع، باز رکھے اور تم کو جاہلی طور طریقوں سے پھیر دے۔

قِوْلَہُ: تَکُوْنَ کی تفسیر تَقَعَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کانَ تامہ ہے اور تجارۃ نصب کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں کانَ ناقصہ ہوگا اور اس کا اسم محذوف ہوگا اور تجارۃ اس کی خبر ہوگی، تقدیر عبارت یہ ہوگی، اِلَّا اَن تکونَ التجارۃُ تجارۃً، اِلَّا أن تکون مستثنیٰ منقطع ہے اسلئے کہ مستثنیٰ منہ جو کہ اموال ہے مستثنیٰ یعنی تجارۃ کی جنس سے نہیں ہے۔

قِوْلَہُ: اَمْوَالَ التِجَارَۃِ لفظ اموال کا اضافہ کان کو ناقصہ ماننے کی صورت میں ہوگا، اور اس اضافہ کا مقصد کان کے اسم پر اس کی خبر کے حمل کو درست قرار دینا ہوگا، ورنہ تو مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے مالوں کو نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ تجارت ہوں حالانکہ تجارت کھانے کی چیز نہیں ہوتی۔

قِوْلَہُ: صَادِرَۃً، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: تِجَارَۃً کا صلہ عن نہیں استعمال ہوتا بلکہ با استعمال ہوتا ہے؟

جَوَابِ: عَنْ، تجارۃ کا صلہ نہیں ہے بلکہ صادرۃ مقدر کا صلہ ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

قِوْلَہُ: بِقَرِیْنَۃ اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں پر رد ہے جو ہلاکت صرف قتل ہی کو مانتے ہیں حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہلاکت عام ہے دنیوی ہو یا اخروی خواہ قتل نفس کی صورت میں ہو یا ارتکاب معصیت کی صورت میں خواہ حسّی ہو یا معنوی، اور اس عموم کا قرینہ اِنَّ اللّٰہ کانَ بکم رحیما، ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا اور آخرت دونوں کے لئے عام ہے نہ کے بعض قسم کی ہلاکتوں کے ساتھ خاص ہے۔

قِوْلَہُ: هِیَ الی سَبْعِمأۃٍ اَقْرَبُ یعنی کبائر کی تعداد سات سو کے قریب ہے (مگر ستر کا قول اقرب الی الصحۃ ہے)۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

ربط آیات:

سورت کے آغاز سے یہاں تک بلکہ سورۂ بقرہ میں مسائل و معاشرت کے تعلق سے جو ہدایات دی جا چکی ہیں ان سب کی طرف مجموعی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ معاشرت، اخلاق و تمدن کے وہ قوانین ہیں جن پر قدیم ترین زمانہ سے ہر دور کے انبیاء اور ان کے صالح پیرو کار عمل کرتے چلے آئے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ جل شانہ اپنا انعام واحسان جتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہارے ہی منافع ومصالح کی رعایت رکھی گئی ہے اگر چہ تم اس کی تفصیل کو نہ سمجھو، اس کے بعد ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے، اور گمراہ لوگوں کے ناپاک ارادوں پر متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں جو تمہارے بہی خواہ بن کر آئے ہیں۔

جو لوگ متبع شہوات ہیں وہ تم کو بھی راہ حق سے ہٹا کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں تم ان سے ہوشیار رہنا، بعض مذہبوں میں اپنی محرم عورتوں سے بھی نکاح کر لینا درست ہے، اور بعض ملحدین تو اس دور میں قید نکاح کو بھی ختم کر دینے کے حق میں ہیں، اور بعض ممالک میں تو عورت کو متاع مشترک قرار دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں، ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو سراپا نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہیں، اسلام کا کلمہ پڑھنے والے بعض ضعیف الایمان لوگ جوان ملحدوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کی باتوں میں آکر اپنے دین کو فرسودہ خیال کرنے لگتے ہیں، اور ملحدین کی باتوں کو انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں اور نادانستہ طور پر ماڈرن نظریات کے حامی ہو جاتے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کاش ہمارا دین بھی اس کی اجازت دیتا۔

(العیاذ باللہ)

یرید اللہ ان یخفف عنکم، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف ومشقت کے پیش نظر تمہارے لئے ہلکے احکام کا ارادہ فرماتے ہیں اسی لئے نکاح کے بارے میں ایسے نرم احکام دیئے ہیں جن پر عمل کرنا آسان ہو انسان چونکہ خلقی طور پر ضعیف ہے، اسلئے کہ نفس، خواہش شہوت اسکے اندر خلقۃً موجود ہے، اسی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے آسانیاں رکھی ہیں۔

طرفین کی رضامندی سے طے کرنے کا اختیار دیدیا، اور ضرورت کے وقت ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت دیدی بشرطیکہ دامن عدل ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

یاًیھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، اے ایمان والو اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ، باطل میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ تمام وہ کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے، جیسے قمار، ربا وغیرہ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے مثلاً بلاضرورت فوٹو گرافی، ویڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور فحش کیسٹیں وغیرہ ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔

اِلّا ان تکون تجارۃ عن تراضٍ منکم، دوسروں کا جو مال باہمی رضامندی سے کھایا جائے خواہ تجارت کی صورت میں ہو یا اور دیگر کسی طریقہ سے، سب معاش کے طریقوں میں تجارت چونکہ افضل طریقہ ہے اسی لئے بطور خاص تجارت کا ذکر کیا ہے ورنہ ہدیہ ہبہ ملازمت، اجرت وغیرہ سب حلال مال میں داخل ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے حلال وطیب مال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرورٌ، رواہ احمد والحاکم حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء (ترمذی) سچا تاجر جو امانتدار ہو وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، التاجر الصدوق تحت ظل العرش یوم القیامة.

(رواہ الا صبهانی، ترغیب)

ولا تقتلوا انفسکم، اس کے معنی ہیں تم خود کو قتل نہ کرو، اس میں باتفاق مفسرین خودکشی داخل ہے اور ناحق دوسروں کا قتل بھی، اور ارتکاب معصیت بھی جو دنیوی اور اُخروی ہلاکت کا باعث ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (الآية) کبیرہ گناہ کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ ہے جس پر قرآن یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے یا جس پر جہنم کی وعید آئی ہو۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں کبیرہ اور صغیرہ۔ اگر کوئی شخص ہمت کر کے کبیرہ گناہ سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کو وہ خود معاف فرما دیں گے، فرائض و واجبات کا ترک بھی کبائر میں داخل ہے۔

اعمال صالحہ صغائر کا کفارہ ہو جاتے ہیں:

کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا کر اس کا حساب بے باق کر دیں گے، مگر گناہ کبیرہ صرف توبہ ہی سے معاف ہوتے ہیں۔

کبیرہ گناہوں کی تعداد:

کبیرہ گناہوں کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابن حجر مکی نے اپنی کتاب ''الزواجر'' میں ان تمام گناہوں کی فہرست اور ہر ایک کی مکمل تشریح بیان فرمائی ہے، جو مذکورۃ الصدر تعریف کی رو سے کبائر ہیں، ان کی اس کتاب میں کبائر کی تعداد چار سو ستر تک پہنچی ہے ابن حجر کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، مثلاً ''الکبائر للذہبی'' الزواجر عن اقتراف الکبائر للهیثمی وغیرہ۔

ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتلائی تو آپ نے فرمایا سات نہیں سات سو کہا جائے تو مناسب ہے، مذکورہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس نے گناہ کے بڑے ابواب شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے تو تعداد کم لکھی ہے اور جس نے ان کی تفصیلات وانواع واقسام کو پورا لکھا ہے تو اس کے نزدیک تعداد زیادہ ہوگئی، اسلئے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے آپ ﷺ نے بھی مختلف مقامات پر کبائر کو بیان فرمایا ہے، حالات کی مناسبت سے کہیں تین اور کہیں چھ اور کہیں سات اور کہیں اس سے بھی زیادہ بیان فرمائے، اس لئے علماء امت نے یہ سمجھا ہے کہ کسی تعداد میں انحصار مقصود نہیں ہے۔

گناہ کبیرہ کے بارے میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف:

معتزلہ اور ان کے موافقین نے مذکورہ آیت کے مضمون سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر صغائر خواہ کتنے بھی ہوں ضرور معاف کر دیئے جائیں گے، اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ ایک بھی شامل ہو گیا تو اب معافی ممکن نہیں سزا ضرور ملے گی، اور اہل سنت کہتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور حاصل ہے، اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی کم فہمی ہے، گو اس آیت کے ظاہری الفاظ سے سرسری طور پر معتزلہ کا مذہب راجح معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب کسی نے تو یہ دیا ہے کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں، اور کسی نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں مذکور کبائر سے اکبر الکبائر یعنی شرک مراد ہے، اور کبائر کو لفظ جمع کے ساتھ لانا شرک کی مختلف انواع کے اعتبار سے ہے۔

معتزلہ کا اصل جواب:

یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد خداوندی "اِنْ تجتنبوا کبائر مَا تنهونَ عنه نكفر عنكم سيّاتِكم" جو یہاں مذکور ہے اور آیت والذین یجتنبُوْنَ کبائر الاثم و الفوا حشَ اِلّا اللمم جو سورۂ نجم میں مذکور ہے ان دونوں ارشادوں کا مدعا ایک ہے صرف لفظوں میں قدرے فرق ہے لہٰذا جو مطلب ایک آیت کا ہوگا وہی دوسری کا لیا جائے گا، سورۂ نجم کی آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد بخاری وغیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے عن ابن عباس قال مَا رأيتُ شيئاً اشبه باللمم مما قال ابوهريرة عن النبی ﷺ اِنَّ اللّٰه کتب علی ابن آدم حَظَّهُ من الزنا ادرك ذلك لا محالة فزنا العين النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تمنّى وتشتهي والفرج يصدق ذلك ويكذبُ به، اس حدیث سے مذکورہ دونوں آیتوں کی حقیقی مراد معلوم ہوگئی، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لمم اور علی ھذا القیاس سیّات دونوں کا مفہوم ایک ہے، حضرت ابن عباس نے جو نکتہ اور جو بات اس سے نکالی ہے وہ ایسی عجیب اور مدلل ہے کہ جس سے دونوں آیتوں کا مضمون محقق ہو گیا، اور اسی سے معتزلہ کا جواب بھی ہو گیا، جس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سورۂ نجم کی آیت میں جو لمم، فرمایا اس کے معنی کی تعیین کے متعلق حدیث ابوھریرہ سے بہتر کوئی چیز نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے ذمہ جو زنا کا حصہ مقرر فرمایا ہے وہ اس کو ضرور مل کر رہے گا سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ دیکھنا ہے اور زبان کا حصہ باتیں کرنا ہے یعنی ایسی باتیں کرنا کہ جو زنا کے مقدمات اور اسباب ہیں، اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور خواہش کرے، لیکن فعل زنا کا تحقق یا بطلان دراصل شرمگاہ پر موقوف ہے یعنی اگر شرمگاہ سے زنا کا صدور ہو گیا تو آنکھ زبان اور دل سب کا زنا متحقق ہو جائیگا، اور اگر باوجود جملہ اسباب ومقدمات کے شرمگاہ سے فعل کا صدور نہ ہوا بلکہ زنا سے توبہ واجتناب نصیب ہو گیا تو اب تمام وسائل زنا کہ جو فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کے باعث گناہ قرار

دیئے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہو گئے یعنی ان کا زنا ہونا باطل ہو گیا، یعنی ان کا قلب ماہیت ہو کر بجائے گناہ کے عبادت بن گئے اسلئے کہ فی نفسہ تو وہ اعمال نہ معصیت تھے اور نہ عبادت بلکہ مباح تھے اس لئے کہ وہ زنا کے لئے وسیلہ بنے تھے معصیت میں شمار ہو گئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو گیا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح خلاف ہے، مثلاً ایک شخص چوری کے ارادہ سے مسجد میں گیا مگر مسجد میں پہنچ کر اس کو تنبہ ہوا اور چوری سے توبہ عبادت کا ذریعہ بن گئی، اس حدیث ابوھریرہ کو سن کر حضرت ابن عباس سمجھ گئے کہ لمم وہ باتیں ہیں کہ جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب اور ذریعہ بن کر گناہ ہو جاتی ہیں، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ بڑے گناہ سے تو بچتے ہیں البتہ، لمم، کا صدور ہو جاتا ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ تائب ہو جاتے ہیں، تو ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جیسے حدیث ابوھریرہ سے سورۂ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو بھی چاہئے کہ وہی معنی ابن عباس کے ارشاد کے مطابق آیت سورۂ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں، جس کے بعد الحمد اللہ نہ ہم کو اس کی ضرورت ہوگی کہ اس آیت کی توضیح میں گناہ کبیرہ کی مختلف تفسیریں نقل کریں، اور نہ معتزلہ کے استدلال کے جواب کا فکر ہوگا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَافَضَّلَ اللّٰهُ به بعضكم على بعض. (الآية)

شان نزول:

ایک روز حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت حاصل کرتے ہیں، ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں، ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے (اخرجہ عبدالرزاق وسعید بن منصور وعبد بن حمید والترمذی)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی طاقت وقوت اپنی حکمت کے مطابق عطا کی ہے جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ بھی لیتے ہیں یہ ان کے لئے اللہ کا خاص عطیہ ہے ان کو دیکھ کر عورتوں کو مردانہ صلاحیت کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہئے البتہ اللہ کی اطاعت اور نیک کاموں میں خوب حصہ لینا چاہئے۔

ایک بڑی اہم اخلاقی ہدایت:

اس آیت میں ایک بڑی اہم اخلاقی ہدایت دی گئی ہے جسے اگر ملحوظ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی میں انسان کو بڑا امن نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا بلکہ ان کے درمیان بے شمار حیثیتوں سے فرق رکھے ہیں جہاں انسان اس فرق کو نظر انداز کر کے اور اس کے فطری حدود سے بڑھا کر اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے وہاں ایک قسم کا فساد برپا ہوتا ہے، آدمی کی یہ ذہنیت کہ جسے کسی حیثیت سے اپنے مقابلہ میں بڑھا ہوا دیکھے بے چین ہو جائے، یہی اجتماعی زندگی میں رشک وحسد، رقابت وعداوت، مزاحمت وکشاکش کی جڑ ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو فضل اسے جائز طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا تو وہ اسے ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے پر اتر آتا ہے اللہ تعالیٰ اس آیت میں اسی ذہنیت سے بچنے کی تاکید فرما رہے

ہیں، مطلب یہ کہ جو فضل اس نے دوسروں کو دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو البتہ فضل کی دعا کرو وہ اپنے فضل وحکمت سے جس فضل کو اپنے علم وحکمت سے تمہارے لئے مناسب سمجھے گا عطا فرمادے گا۔

ولکل جعلنا موالی مما ترك الوالدان (الآیة) موالی مولیٰ کی جمع ہے مولیٰ کے متعدد معنی ہیں دوست، آزاد کردہ غلام، آزاد کرنے والا، چچازاد، پڑوسی، لیکن یہاں اس سے مراد ورثاء ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر مرد اور عورت جو کچھ چھوڑ جائے اس کے وارث ان کے والدین اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے، اس آیت کے محکم یا منسوخ ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، ابن جریر طبری اس کو غیر منسوخ مانتے ہیں اور ابن کثیر نیز دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ مُسَلَّطُوْنَ **عَلَى النِّسَآءِ** یُؤَدِّبُوْنَهُنَّ وَ یَأْخُذُوْنَ عَلٰی اَیْدِیْهِنَّ **بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ** اَیْ بِتَفْضِیْلِهٖ لَهُمْ عَلَیْهِنَّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْوِلَایَةِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا** عَلَیْهِنَّ **مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ** مِنْهُنَّ **قٰنِتٰتٌ** مُطِیْعَاتٌ لِاَزْوَاجِهِنَّ **حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ** اَیْ لِفُرُوْجِهِنَّ وَغَیْرِهَا فِیْ غَیْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ **بِمَا حَفِظَ** هُنَّ **اللّٰهُ** حَیْثُ اَوْصٰی عَلَیْهِنَّ الْاَزْوَاجَ **وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ** عِصْیَانَهُنَّ لَكُمْ بِاَنْ ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهٗ **فَعِظُوْهُنَّ** فَخَوِّفُوْهُنَّ مِنَ اللّٰهِ **وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ** اِعْتَزِلُوْا اِلٰی فِرَاشٍ اٰخَرَ اِنْ اَظْهَرْنَ النُّشُوْزَ **وَاضْرِبُوْهُنَّ** ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ اِنْ لَمْ یَرْجِعْنَ بِالْهِجْرَانِ **فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ** فِیْمَا یُرَادُ مِنْهُنَّ **فَلَا تَبْغُوْا** تَطْلُبُوْا **عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا** طَرِیْقًا اِلٰی ضَرْبِهِنَّ ظُلْمًا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا** (۳۴) فَاحْذَرُوْهُ اَنْ یُعَاقِبَكُمْ اِنْ ظَلَمْتُمُوْهُنَّ **وَاِنْ خِفْتُمْ** عَلِمْتُمْ **شِقَاقَ** خِلَافَ **بَیْنِهِمَا** بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ وَالْاِضَافَةُ لِلْاِتِّسَاعِ اَیْ شِقَاقًا بَیْنَهُمَا **فَابْعَثُوْا** اِلَیْهِمَا بِرِضَاهُمَا **حَكَمًا** رَجُلًا عَدْلًا **مِّنْ اَهْلِهٖ** اَقَارِبِهٖ **وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا** وَیُوَكِّلُ الزَّوْجُ حَكَمَهٗ فِیْ طَلَاقٍ وَقَبُوْلِ عِوَضٍ عَلَیْهِ وَتُوَكِّلُ هِیَ حَكَمَهَا فِی الْاِخْتِلَاعِ فَیَجْتَهِدَانِ وَیَأْمُرَانِ الظَّالِمَ بِالرُّجُوْعِ اَوْ یُفَرِّقَانِ اِنْ رَاٰیَاهُ قَالَ تَعَالٰی **اِنْ یُّرِیْدَآ** اَیِ الْحَكَمَانِ **اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا** بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ اَیْ یُقَدِّرُهُمَا عَلٰی مَا هُوَ الطَّاعَةُ مِنْ اِصْلَاحٍ اَوْ فِرَاقٍ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا** بِكُلِّ شَیْءٍ **خَبِیْرًا** (۳۵) بِالْبَوَاطِنِ كَالظَّوَاهِرِ **وَاعْبُدُوا اللّٰهَ** وَحِّدُوْهُ **وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ** اَحْسِنُوْا **بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا** بِرًّا وَلِیْنَ جَانِبٍ **وَّبِذِی الْقُرْبٰی** الْقَرَابَةِ **وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی** الْقَرِیْبِ مِنْكَ فِی الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ **وَالْجَارِ الْجُنُبِ** الْبَعِیْدِ عَنْكَ فِی الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ **وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ** الرَّفِیْقِ فِیْ سَفَرٍ اَوْ صِنَاعَةٍ وَقِیْلَ الزَّوْجَةُ **وَابْنِ السَّبِیْلِ** الْمُنْقَطِعِ فِیْ سَفَرِهٖ **وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ** مِنَ الْاَرِقَّاءِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا** مُتَكَبِّرًا **فَخُوْرًا** (۳۶) عَلَی النَّاسِ بِمَا اُوْتِیَ **اِلَّذِیْنَ** مُبْتَدَأٌ **یَبْخَلُوْنَ** بِمَا یَجِبُ عَلَیْهِمْ **وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ** بِهٖ **وَیَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** مِنَ الْعِلْمِ وَالْمَالِ وَهُمُ الْیَهُوْدُ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ لَهُمْ وَعِیْدٌ شَدِیْدٌ **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ** بِذٰلِكَ وَبِغَیْرِهٖ **عَذَابًا مُّهِیْنًا** (۳۷) ذَا اِهَانَةٍ

وَالَّذِيْنَ عَطفٌ عَلَى الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ مُرَائِيْنَ لَهُمْ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
كَالْمُنَافِقِيْنَ وَاَهْلِ مَكَّةَ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا صَاحِبًا يَعْمَلُ بِاَمْرِهٖ كَهٰؤُلَاءِ فَسَآءَ بِئْسَ قَرِيْنًا ﴿٣٨﴾ هُوَ
وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اَيْ اَيُّ ضَرَرٍ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ وَالْاِسْتِفْهَامُ
لِلْاِنْكَارِ وَلَوْ مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ لَا ضَرَرَ فِيْهِ وَاِنَّمَا الضَّرَرُ فِيْمَا هُمْ عَلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿٣٩﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِمَا عَمِلُوْا
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ اَحَدًا مِثْقَالَ وَزْنَ ذَرَّةٍ اَصْغَرِ نَمْلَةٍ بِاَنْ يَّنْقُصَهَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ اَوْ يَزِيْدَهَا فِيْ سَيِّاٰتِهٖ وَاِنْ تَكُ
الذَّرَّةُ حَسَنَةً مِنْ مُؤْمِنٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ تَامَّةٌ يُضٰعِفْهَا مِنْ عَشْرٍ اِلٰى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ
يُضَعِّفُهَا بِالتَّشْدِيْدِ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ مِنْ عِنْدِهٖ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ لَا يَقْدِرُهٗ اَحَدٌ فَكَيْفَ حَالُ الْكُفَّارِ
اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ نَبِيُّهَا وَجِئْنَا بِكَ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ
يَوْمَ الْمَجِيْءِ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ اَيْ اَنْ تُسَوّٰى بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مَعَ حَذْفِ اِحْدَى
التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ وَمَعَ اِدْغَامِهَا فِي السِّيْنِ اَيْ تَتَسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ بِاَنْ يَّكُوْنُوْا تُرَابًا مِثْلَهَا لِعِظَمِ هَوْلِهٖ
كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ عَمَّا عَمِلُوْهُ وَفِيْ وَقْتٍ اٰخَرَ
يَكْتُمُوْنَ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ.

ترجمہ: مرد عورتوں کے حاکم ہیں ان کی تادیب کرتے ہیں اور انکو (ناپسندیدہ باتوں سے) باز رکھتے ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر علم میں اور عقل میں اور ولایت وغیرہ میں فضیلت دے کر اور اس سبب سے کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس نیک فرمانبردار عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت گذار خاوند کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی اپنی ناموس وغیرہ کی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اس طریقہ پر کہ شوہروں کو ان کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو اس طریقہ پر کہ اس کی علامات ظاہر ہوں، تو انہیں نصیحت کرو یعنی ان کو اللہ سے ڈراؤ، اور ان کو بستروں میں (تنہا) چھوڑ دو یعنی اگر وہ نافرمانی کا مظاہرہ کریں تو ان سے بستر الگ کرلو اگر وہ بستر الگ کرنے پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں مار کی سزا دو جو (شدید) تکلیف دہ نہ ہو، اور اگر وہ ان سے تمہارے مقصود میں تمہاری اطاعت کریں تو پھر تم انکو ظلماً زدوکوب کرنے کے بہانے مت تلاش کرو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے لہٰذا تم اس کی سزا سے ڈرتے رہو، اگر تم عورتوں پر ظلم کرو گے اور اگر تمہیں خاوند اور بیوی کے درمیان کشمکش (اَن بَن) کا اندیشہ ہو (شِقَاقَ بَیْنِهِمَا) کے درمیان اضافت بطور اتساع ہے (اصل میں) شِقَاقًا بَیْنَهُمَا ہے۔ تو ایک منصف، مردوالوں میں سے اور ایک منصف، عورت والوں میں سے ان کی رضامندی سے ان کے پاس بھیجو، اور شوہر اپنے منصف کو طلاق اور (طلاق پر) قبول عوض کا اختیار دیدے، اور بیوی اپنے منصف کو خلع کا اختیار دیدے پھر دونوں (حکم، اصلاح) کی کوشش کریں، اور ظالم کو ظلم سے باز آنے کا حکم کریں، یا اگر مناسب سمجھیں تو ان کے درمیان

جدائی کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور اگر دونوں حَکَم صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ زوجین کے درمیان موافقت کرا دیں گے، بایں طور کہ صلح یا فراق میں سے جو کہ طاعت ہے اس کی ان کو قدرت دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے یعنی مخفی چیزوں سے ظاہر چیزوں کے مانند باخبر ہے۔

اللہ وحدہٗ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو (یعنی) ان کے ساتھ نیکی اور فروتنی سے پیش آؤ، اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسیوں یعنی جو تم سے پڑوس میں یا نسب میں قریب ہیں کے ساتھ اور دور والے پڑوسی کے ساتھ یعنی جو تم سے پڑوس یا نسب میں دور ہوں اور ہم مجلس کے ساتھ یعنی جو ہم سفر یا ہم پیشہ ہو اور کہا گیا ہے کہ مراد بیوی ہے، اور مسافر کے ساتھ جو سفر جاری رکھنے سے عاجز ہو گیا ہو، اور ان کے ساتھ جو تمہاری ملکیت میں ہیں (غلام اور باندیاں) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنیوالوں اور مال وغیرہ جو انکو عطا کیا ہے اس کی وجہ سے دوسروں پر شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ واجبات میں بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اَلَّذِیْنَ مبتداء ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو اپنے فضل سے علم و مال وغیرہ عطا کیا ہے اس کو چھپا لیتے ہیں اور وہ یہود ہیں، اور مبتداء کی خبر لَهُمْ وَعِیدٌ شدیدٌ، ہے اور کافروں کے لئے ہم نے اس کی وجہ سے اور اس کے علاوہ کی وجہ سے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ منافقین اور اہل مکہ اور جس کا رفیق شیطان ہو تو وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے جیسا کہ یہ لوگ ہیں۔ تو وہ بدترین رفیق ہے۔ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے جو ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے یعنی اس میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ بلکہ نقصان اس میں ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ اللہ انہیں خوب جانتا ہے لہٰذا ان کے اعمال کی جزاء ان کو دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر (یعنی) صغیر ترین چیونٹی کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا بایں طور کہ اس کی نیکیاں کم کردے یا اس کے گناہوں میں اضافہ کردے اور اگر مومن کی نیکی (ایک) ذرہ کے برابر ہو تو اسے دس گنے سے سات سو گنے سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اور ایک قراءت میں حسنةٌ رفع کے ساتھ ہے تو اس صورت میں تَكُ، تامہ ہوگا اور ایک قراءت میں یُضَعِّفُها تشدید کے ساتھ ہے، اور خاص اپنی رحمت سے مضاعفة کے علاوہ بہت بڑا اجر دیتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں، پس کفار کا کیا حال ہوگا؟ کہ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے کہ وہ ان پر ان کے عمل کی شہادت دے گا اور وہ اس امت کا نبی ہوگا، اور آپ کو لانے کے دن اے محمد ہم ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے (یومئذ سے یوم المجیٔ مراد ہے) جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! ان کو زمین کے ہموار کر دیا جاتا (تسوّٰی) مجہول اور معروف کے صیغہ کے ساتھ ہے، اصل میں ایک تاء کو حذف کرکے، اور تاء کو سین میں ادغام کرکے، ای تُتَسَوّٰی بهم، کہ وہ زمین کے مانند ہو جاتے، اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے، "یقول الکافر یلیتنی کنت ترابا" اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے یعنی اپنے اعمال میں سے کوئی عمل چھپا نہ سکیں گے، اور دوسرے وقت میں چھپا سکیں گے، کہ کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین.

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَوَّامُوْنَ، یہ قَوَّامٌ کی جمع ہے، صیغہ مبالغہ کا ہے یعنی سرپرست، مصلح، نگراں۔

قَوْلُہٗ: لِفُرُوجِهِنَّ اس میں حَافِظَاتٌ کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ ہے مفسر علام نے للغیب کی تفسیر فی غَیْبَۃٍ، سے کر کے اشارہ کردیا کہ لام بمعنی فی ہے۔

قَوْلُہٗ: بِاَنْ ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهٗ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں سے اگر نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کے بارے میں نصیحت اعتزال اور ضرب وغیرہ کے احکام ہیں حالانکہ احکام کا ترتب صرف اندیشہ اور خوف پر نہیں ہوتا بلکہ وقوع پر ہوتا ہے، اس سوال کا جواب مفسرِ علام نے اِن ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهٗ سے دیدیا کہ عورت سے جب نافرمانی کا ظہور ہو تو اس وقت یہ احکام جاری ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: ضربًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ، ای الضرب الذی لا یکسر عظمًا و لا یشین عضوًا، ای ضربًا غیر شدید.

قَوْلُہٗ: والا ضَافَةُ لِلاتِّسَاعِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: مصدر کی اضافت فاعل یا مفعول کی طرف ہوتی ہے اور یہاں شقاق کی اضافت بَیْن کی طرف ہو رہی ہے جو کہ ظرف ہے۔

جَوَاب: ظرف میں اتساع درست ہے اسلئے کہ مشہور قاعدہ ہے یجوز فی الظرف مالا یجوز فی غیرہ، نیز ظرف مفعول کے قائم مقام ہے، جیسے یاسارق اللیل، میں۔

قَوْلُہٗ: وَ اَحْسِنُوا.

سَوَال: مفسرِ علام نے اَحْسِنُوا کس فائدہ کے لئے محذوف مانا ہے؟

جَوَاب: اس سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصور ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ وَبالوالدین احسانا، جملہ خبریہ ہے اس کا عطف وَاعْبُدُوا اللّٰهَ پر ہے جو کہ جملہ انشائیہ ہے عطف خبر علی الانشاء درست نہیں ہے۔

جَوَاب: مفسرِ علام نے اَحْسِنُوا فعل امر مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ معطوف بھی جملہ انشائیہ ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: الجُنُب بضَمَّتَیْنِ، بمعنی بعید پڑوسی اس کا اطلاق مذکر و مؤنث و تثنیہ و جمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: والصاحِب بالجَنْبِ بفتح الجیم وسکون النون بمعنی رفیق، کار خیر کا ساتھی، مثلاً تعلیم صنعت و حرفت و سفر وغیرہ کا ساتھی۔

قَوْلُہٗ: الذین الخ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے، جس کو مفسرِ علام نے، لَهُمْ وعیدٌ شَدِیْدٌ، سے ظاہر کردیا ہے اور بعض حضرات نے الذین کو هُمْ مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

عورتوں کے متعلق جو احکام گذر چکے ہیں، ان میں ان کی حق تلفی کی ممانعت بھی مذکور ہوئی اب آگے مردوں کے حقوق کا ذکر ہے۔

مردوں کی حاکمیت:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ، اس میں عورتوں پر مردوں کی حاکمیت کا بیان ہے اس میں حاکمیت کی دو جہتیں بیان کی گئی ہیں، ایک وہبی ہے جو مردانہ قوت اور ذہنی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے فطری طور پر ممتاز ہے، یہ خداداد فضیلت ہے اس میں مرد کی سعی و عمل اور عورت کی کوتاہی اور بے عملی کو کوئی دخل نہیں۔

دوسری جہت کسبی اور اختیاری ہے، جس کا مکلّف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری کی وجہ سے معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے، عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے، جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیئے''۔ (بخاری، کتاب المغازی)

فائدہ: آیت میں حاکمیت کی دو جہتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کسی کو ولایت وحکومت کا استحقاق محض زور وتغلب سے قائم نہیں ہوتا، بلکہ کام کی صلاحیت واہلیت ہی اس کو حکومت کا مستحق بنا سکتی ہے مردوں کو عورتوں پر مذکورہ فضیلت جنس اور مجموعہ کے اعتبار سے ہے، جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی عورت کمالات علمی اور عملی میں کسی مرد سے فائق ہو اور صفتِ حاکمیت میں بھی مرد سے بڑھ جائے، مگر حکم جنس اور مجموعہ پر ہی لگے گا۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق اور ان کا درجہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، یعنی عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ایسے ہی واجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں کے ذمہ، اس آیت میں دونوں کے حقوق کی مماثلت کا حکم دیکر اس کی تفصیلات کو عرف کے حوالہ کر کے جاہلیت جدیدہ وقدیمہ کی تمام ظالمانہ رسموں کو یکسر ختم کر دیا، البتہ یہ ضروری نہیں کہ دونوں کے حقوق صورۃً بھی مماثل ہوں، بلکہ عورت پر اگر ایک قسم کی ذمہ داری لازم ہے تو اس کے بالمقابل مرد پر دوسری قسم کی ذمہ داری واجب ہے، عورت امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت وحفاظت کی ذمہ دار ہے، تو مرد ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسب معاش کا ذمہ دار ہے، عورت کے ذمہ مرد کی خدمت واطاعت ہے تو مرد کے ذمہ عورت کے اخراجات کا انتظام۔

بائبل میں عورت کے حقوق:

بائبل نے عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ بائبل کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے بخوبی ہوسکتا ہے۔
خداوند خدا نے عورت سے کہا اپنے خصم (شوہر) کی طرف تیرا شوق ہوگا، اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔ (پیدائش ۳:۱۶)
اے بیویو! اپنے شوہر کی ایسی تابع رہو جیسے خداوند کی، کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے، جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے، اور وہ خود بدن کا بچانیوالا ہے، لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں ہر بات میں اپنے شوہر کے تابع ہیں۔ (افسیون ۵:۲۲:۲۴)
قرآن خدا کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے، وہ کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر و تذلیل کا ہرگز قائل نہیں، لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیت قدیم و جاہلیت جدید کی زن پرستی سے بھی اتفاق نہیں، وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ و مقام دیتا ہے جو نظام کائنات میں خالق نے اسے دے رکھا ہے عورت بہ حیثیت عبد اور مکلف مخلوق کے مرد کے مساوی اور ہم رتبہ ہے لیکن انتظامی معاملات میں مرد کے تابع اور ماتحت ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کی مظلومیت:

عورت کی مظلومیت کی تاریخ اتنی ہی طویل اور قدیم ہے جتنی کہ خود ظلم کی، مطلب یہ ہے کہ جس وقت سے ظلم شروع ہوا اسی وقت سے عورت مظلوم رہی ہے، اسلام نے آکر نہ صرف یہ کہ عورت کی مظلومیت کو ختم کیا بلکہ اس کو اس کا جائز مقام دے کر وقار اور سربلندی بخشی۔

عورت کے بارے میں رومن نظریہ:

رومن زمانہ میں عورت مشترک قومی ملک سمجھی جاتی تھی، جس سے ہر شخص کو استفادہ کا حق ہوتا تھا۔

عورت کے بارے میں یوحنا کا نظریہ:

عورت کے بارے میں یوحنا کا نظریہ یہ تھا کہ عورت شر کی بیٹی اور امن و سلامتی کی دشمن ہے۔

عورت کے بارے میں عیسائیت کا نظریہ:

عیسائی نظریہ کے مطابق عورت انسان تو درکنار حیوان بھی نہیں، ۵۸۶ء میں تمام عیسائی دنیا کے علماء یورپ میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ عورت میں روح ہے یا نہیں، بہت بحث و مباحثہ اور ردوکد کے بعد یہ طے ہوا کہ عورت میں روح ہے۔

عورت کے بارے میں ہندی نظریہ:

ہندو قدیم تہذیب میں شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو اچھوت اور منحوس سمجھا جاتا تھا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے تھے کہ وہ زندگی پر جل کر مرنے کو ترجیح دیتی تھی، بیوہ عورت کا بستر الگ کر دیا جاتا تھا اس کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ دوسرے کے بستر پر بیٹھ سکے، اس کے برتن الگ کر دیئے جاتے تھے، شادی بیاہ یا کسی خوشی کی تقریب میں بیوہ عورت کی شرکت منحوس سمجھی جاتی تھی، یہی وہ حالات اور اسباب تھے کہ جن کے پیش نظر وہ ایسی ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتی تھی، اور مذہبی ٹھیکیداروں نے اسے مذہبی تقدس کا نام دے رکھا تھا، اور جو عورت حالات کی مجبوریوں کی وجہ سے شوہر کے ساتھ اس کی چتا میں جل جاتی تھی اس کو شوہر کی باوفا (پتی ورتا پتنی) شمار کیا جاتا تھا۔

نافرمان بیوی اور اس کی اصلاح کا طریقہ:

قرآن کریم نے ان کی اصلاح کے تین طریقہ بیان فرمائے ہیں، وَالّٰتِی تخافون نُشُوزَھُنَّ فعِظُوھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی المَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ، یعنی عورتوں کی طرف سے اگر نافرمانی کا صدور یا اندیشہ ہو، تو پہلا درجہ ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اور اگر وہ محض سمجھانے سے باز نہ آئیں تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر الگ کر دو تا کہ ان کو شوہر کی ناراضگی کا احساس ہو اور اپنے فعل پر نادم ہوں فی المضاجع، کے لفظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جدائی صرف بستر میں ہو نہ کہ مکان میں، تو مہ اس میں عورت کو رنج بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی نہ بڑھے گا۔

جو عورت شریفانہ تنبیہ سے متاثر نہ ہو تو پھر معمولی ضرب تادیبی کی بھی اجازت ہے جس سے اس کے بدن پر نشان نہ پڑے، اور چہرہ پر مارنے سے مطلقاً منع فرمایا، ہلکی تادیبی مار کی اگرچہ اجازت ہے مگر اس کے ساتھ ہی حدیث میں ارشاد ہے وَلَــن یَّضرِبَ خِیَارُکُمْ، بھلے مرد عورتوں کو مار کی سزا نہ دیں۔

آیت مذکورہ کا شان نزول:

زید بن زبیر نے اپنی لڑکی حبیبہ کا نکاح حضرت سعد بن ربیع سے کر دیا تھا آپسی کسی نزاع سے حضرت سعد نے حبیبہ کو ایک طمانچہ مار دیا حبیبہ نے اپنے والد سے شکایت کی والد ان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے حکم دیا کہ حبیبہ کو حق حاصل ہے کہ جس زور سے سعد نے ان کو طمانچہ مارا ہے وہ بھی اتنی ہی زور سے ان کو طمانچہ ماریں۔

یہ دونوں حکم نبوی سنکر انتقام کے ارادہ سے چلے اسی وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی، آنحضرت نے ان دونوں کو واپس بلوا کر حق تعالیٰ کا حکم سنایا اور انتقام لینے کا پہلا حکم منسوخ فرما دیا۔

اصلاح کا ایک چوتھا طریقہ:

اگر گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور یہ طریقہ ہے حکمین کا، اگر حکمین اور زوجین اصلاح کے سلسلہ میں مخلص ہوں گے تو یقیناً ان کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی، تاہم ناکامی کی صورت میں حکمین کو تفریق بین الزوجین کا اختیار ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

فقہاء میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ ثالث فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے البتہ تصفیہ کی جو صورت ان کے نزدیک مناسب ہو اس کے لئے سفارش کر سکتے ہیں ماننا یا نہ ماننا زوجین کے اختیار میں ہے، ہاں البتہ اگر زوجین نے ان کو طلاق یا خلع یا کسی اور امر کا فیصلہ کرنے کا وکیل بنایا ہو تو البتہ ان کا فیصلہ تسلیم کرنا زوجین کے لئے واجب ہوگا، یہ حنفی اور شافعی علماء کا مسلک ہے، دوسرے فریق کے نزدیک دونوں پنچوں کو موافقت کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے مگر علیحدگی کا فیصلہ نہیں کر سکتے یہ حسن بصری اور قتادہ اور بعض دوسرے فقہاء کا قول ہے، ایک تیسرا فریق ہے جس کا قول ہے کہ ان پنچوں کو ملانے اور جدا کرنے کے پورے اختیارات ہیں، یہ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، سعید بن جبیر وغیرہ کی رائے ہے۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے فیصلوں کی نظیر:

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے فیصلوں کی نظیریں جو معلوم ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات پنچ مقرر کرتے ہوئے عدالت کی طرف سے ان کو حاکمانہ اختیار دیدیا کرتے تھے، چنانچہ عقیل بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ کا مقدمہ جب حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے شوہر کے خاندان میں سے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اور بیوی کے خاندان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو پنچ مقرر کیا اور ان سے کہا کہ اگر آپ دونوں کی رائے میں ان کے درمیان تفریق کر دینا ہی مناسب ہو تو تفریق کر دیں، اسی طرح ایک مقدمہ میں حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حاکم مقرر کئے گئے اور ان کو اختیار دیا چاہیں ملا دیں اور چاہیں جدا کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ پنچ بطور خود تو عدالتی اختیارات نہیں رکھتے البتہ اگر عدالت ان کو پنچ مقرر کرتے وقت انھیں اختیارات دیدے تو پھر ان کا فیصلہ ایک عدالتی فیصلے کی طرح نافذ ہوگا۔

قولہ: وَالْجَارِ الْجُنُبِ یہ جملہ قرابتدار پڑوسی کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے ایسا پڑوسی کہ جو قرابتدار نہ ہو، مطلب یہ کہ پڑوسی سے بحیثیت پڑوسی کے سلوک کیا جائے خواہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو، احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

قولہ: وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ، اس سے مراد رفیق سفر اور شریک کار اور بیوی نیز وہ شخص ہے جو فائدہ کی امید پر کسی کی قربت یا ہمنشینی اختیار کرے۔

فخر وغرور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، حدیث شریف میں یہاں تک آیا ہے کہ وہ شخص جنت میں نہیں جائیگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

جو چیزیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حائل ہوتی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مہلک خود بینی اور خود پسندی نیز نمائش اور حب جاہ۔

فخر وغرور کے بعد تیسرا بڑا مانع بخل ہے مالی بخل کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے دولت علم دین میں بخل کو بھی بعض حضرات نے اسی میں داخل کیا ہے۔

اللہ کے فضل کو چھپانے کی صورت:

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کو چھپانا ہے کہ آدمی اسطرح رہے کہ گویا اللہ نے اس پر فضل نہیں کیا ہے مثلاً اللہ نے کسی کو دولت دی ہو اور وہ اپنی حیثیت سے گر کر رہے نہ اپنی ذات پر اور نہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور نہ بندگان خدا کی مدد کرے نہ نیک کاموں میں حصہ لے لوگ دیکھ کر سمجھیں کہ بیچارہ بڑا ہی خستہ حال ہے، یہ دراصل نعمت کی سخت ناشکری ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰہ اِذا اَنْعَمَ نِعْمَةً علی عَبْدٍ اَحَبَّ ان یَظْھَرَ اَثَرُھا علَیْهِ" اللہ جب بندے کو نعمت دیتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ اس نعمت کا اثر بندے پر ظاہر ہو، یعنی اس کے کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور مسکن اور اس کی داد ودہش ہر چیز سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کا اظہار ہوتا رہے۔

فَکَیْفَ اِذا جِئْنا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بشھیدٍ وجِئْنَا بِكَ علی ھٰؤلاءِ شَھِیْدًا، ہر امت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیگا کہ یا اللہ ہم نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا اب انہوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ یا اللہ یہ سچے ہیں اور آپ یہ گواہی قرآن کی بنیاد پر دیں گے جس میں گذشتہ تمام امتوں اور ان کے نبیوں کے حالات بیان فرمائے ہیں جن میں اس بات کی شہادت دی گئی ہے کہ تمام نبیوں نے خدائی پیغام اپنی اپنی امتوں کو کما حقہ پہنچا دیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ اَیْ لَا تُصَلُّوْا **وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی** مِنَ الشَّرَابِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِھَا صَلَاةُ جَمَاعَةٍ فِیْ حَالِ السُّکْرِ **حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ** بِاَنْ تَصْحُوْا **وَلَا جُنُبًا** بِاِیْلَاجٍ اَوْ اِنْزَالٍ وَنَصْبُهٗ عَلَی الْحَالِ وَھُوَ یُطْلَقُ عَلَی الْمُفْرَدِ وَغَیْرِهٖ **اِلَّا عَابِرِیْ** مُجْتَازِیْ **سَبِیْلٍ** طَرِیْقٍ اَیْ مُسَافِرِیْنَ **حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا** فَلَکُمْ اَنْ تُصَلُّوْا وَاسْتُثْنِیَ الْمُسَافِرُ لِاَنَّ لَهٗ حُکْمًا اٰخَرَ سَیَاْتِیْ وَقِیْلَ الْمُرَادُ النَّھْیُ عَنْ قُرْبَانِ مَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ اَیِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا عُبُوْرَھَا مِنْ غَیْرِ مُکْثٍ **وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی** مَرَضًا یَضُرُّهُ الْمَاءُ **اَوْ عَلٰی سَفَرٍ** اَیْ مُسَافِرِیْنَ وَاَنْتُمْ جُنُبٌ اَوْ مُحْدِثُوْنَ **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** ھُوَ الْمَکَانُ الْمُعَدُّ لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ اَیْ اَحْدَثَ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** وَفِیْ

قَرَاءةٍ بِلَا اَلِفٍ وَكِلَاهُمَا بِمَعْنًى مِنَ اللَّمْسِ وَهُوَ الْجَسُّ بِالْيَدِ قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ
وَاَلْحَقَ بِهِ الْجَسَّ بِبَاقِي الْبَشَرَةِ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ هُوَ الْجِمَاعُ **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** تَطَهَّرُوْنَ بِهِ لِلصَّلٰوةِ بَعْدَ الطَّلَبِ
وَالتَّفْتِيْشِ وَهُوَ رَاجِعٌ اِلٰى مَا عَدَا الْمَرْضٰى **فَتَيَمَّمُوْا** اقْصِدُوْا بَعْدَ دُخُوْلِ الْوَقْتِ **صَعِيْدًا طَيِّبًا** تُرَابًا طَاهِرًا
فَاضْرِبُوْا بِهِ ضَرْبَتَيْنِ **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ** مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ مِنْهُ وَمَسَحَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهِ وَبِالْحَرْفِ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾ **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا** حَظًّا **مِّنَ الْكِتٰبِ** وَهُمُ الْيَهُوْدُ **يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ**
بِالْهُدٰى **وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ** ﴿٤٤﴾ تُخْطِئُوْا طَرِيْقَ الْحَقِّ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ** مِنْكُمْ
فَيُخْبِرُكُمْ بِهِمْ لِتَجْتَنِبُوْهُمْ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا** حَافِظًا لَكُمْ **وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا** ﴿٤٥﴾ مَانِعًا لَكُمْ مِنْ كَيْدِهِمْ
مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا قَوْمٌ **يُحَرِّفُوْنَ** يُغَيِّرُوْنَ **الْكَلِمَ** الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِي التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **عَنْ مَّوَاضِعِهٖ** الَّتِيْ وُضِعَ عَلَيْهَا **وَيَقُوْلُوْنَ** لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَهُمْ بِشَيْءٍ
سَمِعْنَا قَوْلَكَ **وَعَصَيْنَا** اَمْرَكَ **وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ** حَالٌ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ اَيْ لَا سَمِعْتَ **وَّ** يَقُوْلُوْنَ لَهٗ **رَاعِنَا** وَ
قَدْ نُهِيَ عَنْ خِطَابِهٖ بِهَا وَهِيَ كَلِمَةُ سَبٍّ بِلُغَتِهِمْ **لَيًّا** تَحْرِيْفًا **بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا** قَدْحًا **فِي الدِّيْنِ** الْاِسْلَامِ
وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا بَدَلَ وَعَصَيْنَا **وَاسْمَعْ** فَقَطْ **وَانْظُرْنَا** اُنْظُرْ اِلَيْنَا بَدَلَ رَاعِنَا **لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ**
مِمَّا قَالُوْهُ **وَاَقْوَمَ** اَعْدَلَ مِنْهُ **وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ **بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿٤٦﴾
مِنْهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ**
مِنَ التَّوْرٰةِ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا** نَمْحُوْ مَا فِيْهَا مِنَ الْعَيْنِ وَالْاَنْفِ وَالْحَاجِبِ **فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ**
فَنَجْعَلَهَا كَالْاَقْفَاءِ لَوْحًا وَاحِدًا **اَوْ نَلْعَنَهُمْ** نَمْسَخَهُمْ قِرَدَةً **كَمَا لَعَنَّآ** مَسَخْنَا **اَصْحٰبَ السَّبْتِ** مِنْهُمْ
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَضَاؤُهٗ **مَفْعُوْلًا** ﴿٤٧﴾ وَلَمَّا نَزَلَتْ اَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فَقِيْلَ كَانَ وَعِيْدًا بِشَرْطٍ فَلَمَّا اَسْلَمَ
بَعْضُهُمْ رُفِعَ وَقِيْلَ يَكُوْنُ طَمْسٌ وَمَسْخٌ قَبْلَ قِيَامِ السَّاعَةِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ** اَيِ الْاِشْرَاكَ
بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ سِوٰى **ذٰلِكَ** مِنَ الذُّنُوْبِ **لِمَنْ يَّشَآءُ** الْمَغْفِرَةَ لَهٗ بِاَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ بِلَا عَذَابٍ وَمَنْ شَآءَ
عَذَّبَهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِذُنُوْبِهٖ ثُمَّ يُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ **وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا** ﴿٤٨﴾ كَبِيْرًا
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ حَيْثُ قَالُوْا نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ اَيْ لَيْسَ الْاَمْرُ
بِتَزْكِيَتِهِمْ اَنْفُسَهُمْ **بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ** يُطَهِّرُ **مَنْ يَّشَآءُ** بِالْاِيْمَانِ **وَلَا يُظْلَمُوْنَ** يُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمْ **فَتِيْلًا** ﴿٤٩﴾
قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ **اُنْظُرْ** مُتَعَجِّبًا **كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** بِذٰلِكَ **وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا** ﴿٥٠﴾ بَيِّنًا.

ترجمہ: اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یعنی نماز مت پڑھو، اس لئے کہ اس آیت کے

نزول کا سبب حالت نشے میں جماعت سے نماز پڑھنا تھا، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یعنی ہوش میں آجاؤ، اور نہ حالت جنابت میں جب تک کہ تم غسل نہ کرلو (نماز پڑھو) حالت جنابت خواہ ادخال کی وجہ سے ہو یا انزال کی وجہ سے جنبًا کا اطلاق مفرد اور غیر مفرد دونوں پر ہوتا ہے، بجز اس کے کہ تم حالت سفر میں ہو تو تمہارے لئے (بغیر غسل) نماز پڑھنا جائز ہے، مسافر کو مستثنیٰ کیا ہے اسلئے کہ مسافر کا حکم عنقریب آتا ہے (اور وہ تیمّم ہے) اور کہا گیا ہے کہ ممانعت نماز گاہوں یعنی مسجد میں داخل ہونے سے ہے مگر بغیر رکے مساجد سے گذرنے کی اجازت ہے اور اگر تم ایسے مریض ہو کہ پانی نقصان دہ ہو یا تم مسافر ہو اور تم جنبی ہو یا محدث (بے وضو) یا تم میں سے کوئی استنجا سے آیا ہو (غائط) وہ جگہ جو قضاءِ حاجت کے لئے تیار کی گئی ہو، یعنی اس کو حدث ہو گیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور ایک قراءت میں بغیر الف کے ہے اور ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، لَمس سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہاتھ سے چھونے کے ہیں، ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا یہی قول ہے اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا یہی مسلک ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے باقی جسم کے مس کو بھی اسی (مس بالید) کے ساتھ ملا دیا ہے اور ابن عباس سے (لمس) کے معنی جماع کے منقول ہیں پھر تم پانی نہ پاؤ یعنی طلب و جستجو کے بعد نماز کے لئے طہارت کے لئے پانی نہ پاؤ اس کا تعلق مریضوں کے علاوہ سے ہے، تو تم تیمّم کرو یعنی وقت کے داخل ہونے کے بعد پاک مٹی کا قصد کرو تو اس مٹی پر دو ضربیں مارو اور ان کو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مع کہنیوں کے مسح کرو (لفظ) مسح متعدی بنفسہ اور متعدی بالحرف دونوں طرح ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بڑا مغفرت کرنے والا ہے کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے؟ اور وہ یہود ہیں وہ ہدایت کے بجائے گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ (یعنی) راہ حق سے ہٹ جاؤ تاکہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ اللہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے سو وہ تم کو ان سے باخبر کرتا ہے تاکہ تم ان سے بچتے رہو، اور اللہ کا تمہارے لئے محافظ ہونا کافی ہے اور اللہ تم کو ان کے مکر سے بچانے والا کافی ہے بعض یہود ان کلمات کو جن کے ذریعہ تورات میں محمد ﷺ کی صفات نازل فرمائیں انکے اصل مفہوم سے پھرا دیتے ہیں یعنی اس مفہوم سے جس کے لئے ان کو وضع کیا گیا ہے۔ اور جب آپ ﷺ ان سے کچھ فرماتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے آپ کی بات سنی اور آپ کے حکم کی نافرمانی کی اور (ہماری) سنو تمہیں سنوایا نہ جائے اور وہ آپ سے رَاعِنَا (ہماری رعایت کرو) کہتے ہیں، لیکن وہ (راعنا) کہنے میں اپنی زبان کو گھما دیتے ہیں دین اسلام میں طعنہ زنی کرتے ہیں، اور ان کی زبان میں یہ گالی کا کلمہ ہے، حالانکہ اس کلمہ سے ان کو خطاب کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اگر یہ لوگ عَصَیْنَا کے بجائے، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، اور فقط وَاسمع کہتے اور وَانظرنا، یعنی رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْ اِلَیْنَا (یعنی ہماری رعایت کیجئے) کہتے تو جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے بہتر اور اس سے درست تر ہوتا لیکن اللہ نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، لہٰذا ان میں سے ایمان نہ لائیں گے مگر بہت تھوڑے سے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب، اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی جا چکی ہے اس کتاب قرآن پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا جو اس کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے یعنی تورات اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں یعنی اس میں چیزیں (مثلاً) آنکھ، ناک اور ابرو

کو مٹا دیں، اور چہروں کو پیچھے کی طرف پلٹ دیں اور ان کو گُدّیوں کے مانند ایک تختی کر دیں، یا ہم ان پر لعنت بھیجیں یعنی بندروں کی شکل میں مسخ کر دیں، جیسا کہ ہم نے لعنت کی یعنی مسخ کر دیا ان میں سے یوم السبت والوں کو اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے، اور جب (مذکورہ آیت) نازل ہوئی تو عبد اللہ بن سلام ایمان لے آئے تو کہا گیا ہے کہ یہ وعید مشروط تھی مگر جب ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئے تو وہ وعید واپس لے لی گئی، اور کہا گیا ہے کہ مٹانا اور مسخ کرنا قبل القیامت ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو نہیں بخشتا اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جس کے لئے گناہ معاف کرنا چاہتا ہے اس طریقہ پر کہ ان کو بغیر عذاب جنت میں داخل کر دیگا، اور جو شخص اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہراتا ہے یقیناً اسنے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی ستائش خود کرتے ہیں؟ اور وہ یہود ہیں جبکہ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، (یعنی) بات ایسی نہیں ہے کہ ان کے پاک کہنے سے وہ پاک ہو جائیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ایمان کے ذریعہ پاکیزہ کرتا ہے اور کسی پر بھی اس کے اعمال میں کمی کر کے ایک گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا، دیکھو یہ کس طرح اللہ پر اس کا بہتان باندھتے ہیں؟ اور یہ صریح گناہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای لَا تُصَلُّوا، لا تقربوا الصلوٰۃَ کی تفسیر لا تصلوا سے کر کے ان لوگوں پر رد کر دیا جو لا تقربوا الصلوٰۃ سے قرب الی المسجد سے نہی مراد لیتے ہیں۔

قولہ: بِاَنْ تَصْحُوْا، یہ الصَّحْوُ سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں نشہ کی وجہ سے مدہوشی سے ہوش میں آنا۔

قولہ: نَصْبُہٗ عَلَی الْحَالِ، اس میں اشارہ ہے کہ وَلَا جُنُبًا کا عطف اَنْتُمْ سُکَارٰی پر ہے اور معطوف علیہ چونکہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے لہٰذا و لا جنبًا بھی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، جنبًا کا عطف و انتم سکارٰی پر ہے۔

قولہ: وَھُوَ یُطْلَقُ عَلَی الْمُفْرَدِ وَغَیْرِہٖ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: جُنُبًا، لَا تَقْرَبُوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے جو کہ جمع ہے اور جنبًا مفرد ہے لہٰذا حال واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: جُنُبًا اسم، مصدر اَلِاجْنَاب کے قائم مقام ہے جس میں مفرد تثنیہ جمع اور مذکر و مؤنث سب برابر ہیں، لہٰذا حال واقع ہونا صحیح ہے وَ لَا جُنُبًا کا عطف، وَاَنْتُمْ سُکَارٰی پر ہے یعنی تم حالتِ نشہ میں اور حالتِ جنابت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ۔

قولہ: اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ، یہ مخاطبین کے عام حالات سے استثناء ہے، ای لا تصلوا جُنبًا فی عامۃ الا حوال اِلَّا فی حالتِ السفر اِذَا لم تجدوا ماءً.

قولہ: قِیْلَ الْمُرَادُ النَّھْیُ عَنْ قُرْبَانِ مَوَاضِعِ الصَّلٰوۃِ، یہ آیت کی دوسری تفسیر ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اسی کو لیا ہے۔

قولہ: بَعْدَ دُخُولِ الْوَقْتِ، یہ تفسیر امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے مذہب کے مطابق ہے۔
قولہ: تُرَابًا طَاهِرًا صعیدًا طیبًا کی یہ تفسیر امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے مذہب کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تراب کے علاوہ ریت پتھر وغیرہ سے بھی تیمم درست ہے۔
قولہ: وبِالْحَرْفِ یہ ان لوگوں پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بو جو هکم میں باء زائد ہے اسلئے کہ مسح متعدی بنفسہ بھی ہے اور متعدی بحرف الباء بھی۔
قولہ: حَالٌ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ غیر مُسْمَعٍ اِسمع کی ضمیر انت سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ ضمیر نہ صفت واقع ہوتی ہے اور نہ موصوف، اور غیر مسمع بددعاء کے معنی میں ہے، ای لا سَمِعْتَ بصَمَمٍ او بموتٍ۔
قولہ: كَلِمَةُ سَبٍّ یعنی یہود کی لغت میں رَاعِنَا، کا کلمہ گالی کے لئے استعمال ہوتا تھا یا تو اس لئے کہ رعونت بمعنی حماقت سے مشتق ہے اس صورت میں الف ندا کا ہوگا بمعنی اے بے وقوف یا رَاعِنَا کے عین کے کسرہ کو کھینچ کر ای رَاعِینَا ہمارے چرواہے۔
قولہ: بِتَزْكِيَتِهِمْ اَنْفُسَهُمْ یہ لَيْسَ کی خبر ہے۔
قولہ: بَيِّنًا، مُبِينًا کی تفسیر بَيِّنًا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مبینًا اگر چہ متعدی ہے مگر معنی میں لازم کے ہے۔

تَفْسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

یٰاَیُّهَا الَّذِینَ امنوا لا تقربوا الصلوة وَ انتم سُکَارٰی، ترمذی میں حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بعض صحابۂ کرام کی دعوت کی تھی جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب حضرات کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو امام بنا دیا گیا، ان سے نماز میں "قل یاایّها الکفرون کی تلاوت میں بوجہ نشہ کے سخت غلطی ہوگئی کہ اس طرح پڑھ دیا، قل یاایّها الکافرون لا اَعْبُدُ مَا تعبدون ونحن نعبدُ ما تعبدون" تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی، جس میں تنبیہ فرمائی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔

شراب کی حرمت:

شراب کے متعلق یہ دوسرا حکم ہے پہلا حکم وہ تھا جو سورۂ بقرہ (آیت ۲۱۹) میں گذرا، اس میں صرف یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ شراب بری چیز ہے، اللہ کو پسند نہیں، چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت نے اس کے بعد ہی شراب ترک کر دی، مگر بہت سے لوگ

اسے بدستور استعمال کرتے رہے تھے، حتی کہ بعض اوقات نشہ کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے، اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے تھے غالباً ۴ھ کی ابتداء میں یہ دوسرا حکم نازل ہوا جس کے ذریعہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت کردی گئی، اس کے کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا وہ حکم آیا جو سورۂ مائدہ آیت ۹۰-۹۱ میں ہے۔

مسئلہ: جس طرح حالتِ نشہ میں نماز پڑھنا حرام ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب نیند کا ایسا غلبہ ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔

اِذا نَعِسَ اَحَدُ کم فی الصّلوٰةِ فلیَرقُدْ حتی یَذْهَبَ عنه النَّوْمُ فانّه لا یَدْرِی لَعَلَّهٗ یَسْتَغْفِرُ فَیَسُبُّ نَفْسَهٗ.

(قرطبی)

ترجمہ: اگر تم میں سے کسی کو اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے تاکہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہ سکے گا، اور بجائے دعاء و استغفار کے اپنے لئے بددعاء کرنے لگے گا۔

تیمّم کے احکام:

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان و کرم ہے کہ اس نے طہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا کہ جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے اور یہ سہولت صرف امت محمدیہ ہی کو دی گئی ہے۔

ولا جُنُبًا، جنابت کے اصل معنی دوری اور بیگانگی کے ہیں، اسی سے لفظ اجنبی ہے اصطلاح شرع میں جنابت سے مراد وہ نجاست حکمی ہے جو قضائے شہوت سے یا خواب میں مادہ منویہ خارج ہونے سے لاحق ہوتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی طہارت سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

اِلّا عابری سبیل، فقہاء اور مفسرین میں سے ایک جماعت نے اس آیت کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں نہ جانا چاہئے الا یہ کہ کسی ضرورت کے لئے مسجد سے گذرنا ہو اس رائے کو عبد اللہ بن مسعود، انس بن مالک، حسن بصری، اور ابراہیم نخعی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، دوسری جماعت نے اس سے سفر مراد لیا ہے، یعنی آدمی اگر حالت سفر میں ہو اور جنابت لاحق ہو جائے تو تیمّم کیا جا سکتا ہے، یہ رائے حضرت علی، ابن عباس، سعید بن جبیر اور بعض دیگر حضرات کی ہے، تیمّم کے تفصیلی مسائل کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

المر تَرَ الی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب، (الآیة) علماء اہل کتاب کے متعلق قرآن نے اکثر یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ "انھیں کتاب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو انہوں نے کتاب الٰہی کا ایک بڑا حصہ گم کر دیا تھا، پھر کتاب الٰہی کا جو کچھ حصہ ان کے پاس موجود تھا اس کی روح اور اس کے مقصد و مدعا سے وہ بیگانے ہو چکے تھے۔

یُحَرِّفُون الکلمَ عن مواضعهٖ، اس کے تین مطلب ہیں، ایک یہ کہ کتاب اللہ کے الفاظ میں رد و بدل کر دیتے، دوسرے یہ کہ تاویلات فاسدہ سے کتاب اللہ کے معنی کچھ سے کچھ بنا دیتے، تیسرے یہ کہ یہ لوگ محمد ﷺ کی صحبت میں آکر آپ کی باتیں

سنتے اور واپس جا کر غلط طریقہ سے بیان کرتے۔

یقولون سمعنا، (الآیة) یعنی جب ان کو خدائی کلام سنایا جاتا ہے تو زور سے کہتے ہیں سَمِعْنَا، اور آہستہ سے کہتے ہیں عَصَیْنَا.

وَنَزَلَ فِي كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ وَنَحْوِهِ مِنْ عُلَمَاءِ الْيَهُوْدِ لَمَّا قَدِمُوْا مَكَّةَ وَشَاهَدُوْا قَتْلٰى بَدْرٍ وَحَرَّضُوا
الْمُشْرِكِيْنَ عَلَى الْاَخْذِ بِثَأْرِهِمْ وَمُحَارَبَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ**
الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ صَنَمَانِ لِقُرَيْشٍ **وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اَبِيْ سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهِ حِيْنَ
قَالُوْا لَهُمْ اَنَحْنُ اَهْدٰى سَبِيْلًا وَنَحْنُ وُلَاةُ الْبَيْتِ نَسْقِي الْحَاجَّ وَنَقْرِي الضَّيْفَ وَنَفُكُّ الْعَانِيَ وَنَفْعَلُ اَمْ
مُحَمَّدٌ وَقَدْ خَالَفَ دِيْنَ اٰبَائِهِ وَقَطَعَ الرَّحِمَ وَفَارَقَ الْحَرَمَ **هٰۤؤُلَاۤءِ** اَيْ اَنْتُمْ **اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا** ﴿٥١﴾
اَقْوَمُ طَرِيْقًا **اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا** ﴿٥٢﴾ مَانِعًا مِنْ عَذَابِهِ **اَمْ** بَلْ اَ
لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ اَيْ لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْهُ وَلَوْ كَانَ **فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا** ﴿٥٣﴾ اَيْ شَيْئًا تَافِهًا قَدْرَ
النُّقْرَةِ فِيْ ظَهْرِ النَّوَاةِ لِفَرْطِ بُخْلِهِمْ **اَمْ** بَلْ اَ **يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ** اَيِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم
عَلٰى مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ مِنَ النُّبُوَّةِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ اَيْ يَتَمَنَّوْنَ زَوَالَهُ عَنْهُ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ نَبِيًّا
لَاشْتَغَلَ عَنِ النِّسَاءِ **فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ** جَدَّهٗ كَمُوْسٰى وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ **الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** النُّبُوَّةَ
وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾ فَكَانَ لِدَاوٗدَ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ امْرَأَةً وَلِسُلَيْمٰنَ اَلْفٌ مَا بَيْنَ حُرَّةٍ وَسُرِّيَّةٍ
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ بِمُحَمَّدٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ** اَعْرَضَ **عَنْهُ** فَلَمْ يُؤْمِنْ **وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا** ﴿٥٥﴾ عَذَابًا لِمَنْ لَا يُؤْمِنُ
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نُدْخِلُهُمْ **نَارًا** يَحْتَرِقُوْنَ فِيْهَا **كُلَّمَا نَضِجَتْ** اِحْتَرَقَتْ **جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ**
جُلُوْدًا غَيْرَهَا بِاَنْ تُعَادَ اِلٰى حَالِهَا الْاَوَّلِ غَيْرَ مُحْتَرِقَةٍ **لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ** لِيُقَاسُوْا شِدَّتَهٗ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا** لَا يُعْجِزُهٗ
شَيْءٌ **حَكِيْمًا** ﴿٥٦﴾ فِيْ خَلْقِهٖ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا** ربع
لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ مِنَ الْحَيْضِ وَكُلِّ قَذَرٍ **وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا** ﴿٥٧﴾ دَائِمًا لَا تَنْسَخُهٗ شَمْسٌ هُوَ ظِلُّ الْجَنَّةِ
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ مَا اُؤْتُمِنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ **اِلٰۤى اَهْلِهَا** نَزَلَتْ لَمَّا اَخَذَ عَلِيٌّ رضى الله تعالى
عنه مِفْتَاحَ الْكَعْبَةِ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ الْحَجَبِيِّ سَادِنِهَا قَهْرًا لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ
عَامَ الْفَتْحِ وَمَنَعَهُ وَقَالَ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ اَمْنَعْهُ فَاَمَرَهٗ رسول الله صلى الله عليه وسلم بِرَدِّهٖ اِلَيْهِ
وَقَالَ هَاكَ خَالِدَةً تَالِدَةً فَعَجِبَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَرَأَ لَهٗ عَلِيٌّ الْآيَةَ فَاَسْلَمَ وَاَعْطَاهُ عِنْدَ مَوْتِهٖ لِاَخِيْهِ شَيْبَةَ فَبَقِيَ فِيْ
وَلَدِهٖ وَالْآيَةُ وَاِنْ وَرَدَتْ عَلٰى سَبَبٍ خَاصٍّ فَعُمُوْمُهَا مُعْتَبَرٌ بِقَرِيْنَةِ الْجَمْعِ **وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ** يَاْمُرُكُمْ

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا فِيهِ إِدْغَامُ مِيمِ نِعْمَ فِي مَا النَّكِرَةِ الْمَوْصُوفَةِ أَيْ نِعْمَ شَيْئًا يَعِظُكُمْ بِهٖ تَادِيَةُ
الْأَمَانَةِ وَالْحُكْمُ بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا لِمَا يُقَالُ بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾ بِمَا يُفْعَلُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي أَصْحَابَ الْاَمْرِ أَيِ الْوُلَاةَ مِنْكُمْ إِذَا أَمَرُوكُمْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ
اِخْتَلَفْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ أَيْ كِتَابِهِ وَالرَّسُوْلِ مُدَّةَ حَيَاتِهِ وَبَعْدَهُ إِلَى سُنَّتِهِ أَيِ اكْشِفُوا عَلَيْهِ
مِنْهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ أَيِ الرَّدُّ إِلَيْهِمَا خَيْرٌ لَكُمْ مِنَ التَّنَازُعِ وَالْقَوْلِ بِالرَّأْيِ
وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ مَآلًا. ع ٨/٥

ترجمہ: اور علماء (یہود) میں سے کعب بن اشرف جیسوں کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی، جب یہ لوگ مکہ آئے اور مقتولین بدر کا مشاہدہ کیا اور مشرکین کو اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینے اور نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کیا، کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا کہ جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، (اس کے باوجود) بت اور شیطان پر ایمان پر رکھتے ہیں، (جبت اور طاغوت) قریش کے دو بتوں کے نام ہیں، اور کافروں یعنی ابوسفیان اور ان کے اصحاب کے بارے میں کہتے ہیں جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ہم راہ راست پر ہیں یا محمد ﷺ؟ حال یہ کہ ہم بیت اللہ کے متولّی ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو رہائی دلاتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی (بہت کچھ) کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے اپنے آبائی دین کی مخالفت کی اور قطع رحمی کی اور حرم کو خیر باد کہدیا، کہ یہ یعنی تم لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہو یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کردے تو، تو اس کا کوئی مددگار نہ پائیگا، یعنی اس کے عذاب سے روکنے والا، کیا سلطنت میں ان کا کچھ حصہ ہے؟ یعنی ان کا سلطنت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور اگر ایسا ہو تو یہ لوگ (دیگر) لوگوں کو اپنے بخل کی وجہ سے کوئی حقیر شیئ یعنی گٹھلی کی پشت میں شگاف بھر بھی نہ دیں، بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ یہ لوگ، لوگوں یعنی محمد ﷺ پر حسد کرتے ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نبوت اور کثرت نساء عطاء کی ہے، یعنی آپ کی نعمت کے زوال کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہوتے تو عورتوں سے شغل نہ رکھتے، پس ہم نے تو آپ ﷺ کے جد امجد ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی آل کو کہ ان میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام ہیں کتاب اور حکمت (نبوت) عطاء کی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت عطاء کی (حضرت) داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی ننانوے بیویاں اور (حضرت) سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی آزاد اور باندیاں سب مل کر ایک ہزار تھیں، تو ان میں سے کچھ محمد ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے آپ سے اعراض کیا اور ایمان نہیں لائے، اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے عذاب کے لئے جہنم کافی ہے جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم عنقریب ان کو آگ میں ڈال دیں گے جس میں جلتے رہیں گے، اور جب ان کی کھال جل جائے گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں بدل دیں گے بایں طور کہ بغیر جلی ہوئی سابقہ حالت پر لوٹا دیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں (یعنی) تاکہ ان کو اس کی شدت محسوس ہو یقیناً اللہ تعالیٰ غالب مخلوق کے بارے میں حکمت والا ہے اس کو کوئی شیئ عاجز نہیں کرسکتی، اور جو لوگ

ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم عنقریب ان کو ایسی جنتوں میں پہنچا دیں گے کہ جن کے اندر نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے لئے وہاں حیض اور ہر قسم کی گندگی سے صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنی چھاؤں میں رکھیں گے، یعنی دائمی سایہ میں کہ جس کو سورج ختم نہ کر سکے گا، اور وہ جنت کا سایہ ہوگا، اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کے حقوق کی وہ امانتیں جن پر تم کو امین بنایا گیا ہے ان کو پہنچا دو (مذکورہ آیت) اس وقت نازل ہوئی کہ جب حضرت علی نے بیت اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ حجبی خادم بیت اللہ سے جبراً اس وقت لے لی تھی جبکہ نبی ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ تشریف لائے تھے، (اور عثمان بن طلحہ نے) آپ ﷺ کو چابی دینے سے انکار کر دیا، اور کہا اگر مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں منع نہ کرتا، تو آپ ﷺ نے حضرت علی کو چابی واپس کرنے کا حکم دیا (اور معذرت خواہی کیلئے فرمایا) اور آپ ﷺ نے فرمایا، لو (چابیاں) یہ خدمت تا قیامت ہمیشہ ہمیش کے لئے تمہارے پاس رہے گی۔

عثمان بن طلحہ کو اس معاملہ سے تعجب ہوا تو حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی، چنانچہ عثمان ایمان لے آئے اور عثمان بن طلحہ نے وہ چابی موت کے وقت اپنے بھائی شیبہ کو دیدی اور ان کی اولاد میں (آج تک) باقی ہے، آیت کا نزول اگرچہ خاص واقعہ میں ہوا ہے مگر جمع کے صیغوں کے قرینہ کی وجہ سے معتبر اس کا عموم ہے اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو تم کو (اللہ) حکم دیتا ہے کہ عدل و انصاف سے فیصلہ کرو یقیناً یہ بہتر چیز ہے، اس میں نِـعْـمَ کے میم کا ما نکرہ موصوفہ میں ادغام ہے، ای نعم شیئًا یعظکم جس کی تم کو اللہ تعالیٰ نصیحت کر رہا ہے (یعنی) اداء امانت اور انصاف سے فیصلہ بے شک اللہ تعالیٰ باتوں کا سننے والا اور اعمال کا دیکھنے والا ہے اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی اور اپنے اولوالامر حاکموں کی جب تم کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم کریں، اگر کسی معاملہ میں اختلاف رونما ہو جائے تو اس کو اللہ یعنی اس کی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف لوٹا دو اس کی زندگی میں، اور بعد وفات اس کی سنت کی طرف لوٹاؤ، یعنی اس کا حکم قرآن وسنت سے معلوم کرو اگر تمہارا اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے اور یہ قرآن وسنت پر پیش کرنا تمہارے لئے بہتر ہے جھگڑنے اور رائے زنی کرنے سے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بثَارهِمْ، الثّار والثورة، خون کا بدلہ، (ف) ثاراً ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طریقہ سے، خون کا بدلہ لینا۔

قَوْلُهُ: لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا، لِلّذین، یقولون کا صلہ ہے، (کمافی لغات القرآن للدرویش) اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ لِلّذین میں لام بمعنی اجل ہے نہ کہ یقولون کا صلہ یقولون کے قائل کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں، لہٰذا اب یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ لام کا مدخول جو کہ قول کے بعد واقع ہو قول کا مخاطب ہوا کرتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ کعب بن اشرف نے ابوسفیان اور ان کے اصحاب کے بارے میں کہا ''هٰؤلاء اَهدیٰ من الذین آمنوا سبیلاً. (ترویح الارواح)

قَوْلُهُ: العَانی قیدی، اسیر۔

قَوْلُہٗ: نَفعَلُ، بعض نسخوں میں نفعلُ کے بجائے نعقلُ ہے عقل دیت کو کہتے ہیں یعنی ہم دیت دیتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: ھٰؤلاءِ، ھٰؤلاء اسم اشارہ غائب لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یقولون کے مخاطب نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: لَیْسَ لَھم کی تفسیر لیس لَھُمْ شیٔ سے کرکے اشارہ کردیا کہ ہمزہ بمعنی استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: لَوْ کَانَ اس میں اشارہ ہے کہ فاذًا لا یؤتون الناس نقیرًا، جملہ جزائیہ ہے اور فاء جزائیہ ہے اور اس کی شرط محذوف ہے جس کو مفسر علام نے، لو کان، کہہ کر ظاہر کردیا فاذًا میں فاء عاطفہ نہیں ہے ورنہ تو عطف خبر علی الانشاء لازم آئیگا، اسلئے کہ استفہام انشاء ہے۔

قَوْلُہٗ: شَیْئًا تَافِھًا، ای شیئًا حقیرًا.

قَوْلُہٗ: قَدْرَ النُّقْرَۃِ فی ظَھْرِ النَّوَاۃِ، یہ تافِھًا کی تفسیر ہے نُقرۃ بالضم کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں باریک ریشہ کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: یَتَمَنَّوْنَ زَوَالَہٗ عَنْہُ، اس سے غبطہ سے احتراز مقصود ہے۔

قَوْلُہٗ: عَذَابًا، کفٰی کی جہنم کی جانب نسبت سے تمیز ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلٰی حَالِھَا الاَوَّلِ اس میں اشارہ ہے کہ مغائرت سے مراد مغائرت فی الصفت ہے نہ کہ مغائرت فی الذات تاکہ غیر مجرم کی تعذیب لازم نہ آئے۔

قَوْلُہٗ: سَادِنُھا ای خادمھا.

قَوْلُہٗ: جَدُّہٗ ای جد النبی ﷺ۔

قَوْلُہٗ: مَنَعَہٗ ای مَنَعَ العثمانُ الحجبیُ النبی ﷺ، یعنی عثمان حجبی نے آپ کو بیت اللہ کی کنجیاں دینے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ اگر میں آپ کو نبی سمجھتا تو کنجی دینے کو منع نہ کرتا۔

قَوْلُہٗ: ھَاکَ، ای خذھا.

قَوْلُہٗ: تَالِدًا یہ خالدًا کے اتباع میں سے ہے۔

قَوْلُہٗ: نِعْمَ شَیْئًا، اس میں اشارہ ہے کہ،نِعمَّا، میں نعمَ کے اندر ضمیر فاعل مستتر تمیز ہے۔

قَوْلُہٗ: تَأْدِیَۃُ الْاَمَانَۃِ، اس میں اشارہ ہے کہ نِعْمَ کا مخصوص بالمدح محذوف ہے جس کو مفسر علام نے اپنے قول تادیۃ الامانۃ سے ظاہر کردیا۔

تَفسِیر وتَشرِیح

ربط آیات:

الم تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا نَصِیْبًا مِنَ الکتَابِ یُؤْمِنونَ بالجِبْتِ و الطاغوتِ سابقہ آیت الم ترَ الی الذین اوتوا نصیبًا مِنَ الکتاب یَشْتَرُوْنَ (الآیۃ) میں یہود کی قبائح کا ذکر تھا، اس آیت میں یہود کے ایک اور فعل پر اظہار تعجب کیا جارہا ہے۔

الجبت و الطاغوت سے کیا مراد ہے؟ جبت وطاغوت کے معنی میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن جبیر اور ابوالعالیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جبت حبشی لغت میں ساحر کو کہتے ہیں اور طاغوت کاہن کو۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جبت سے مراد سحر اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، مالک بن انس سے منقول ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان کو طاغوت کہا جاتا ہے، یہ قول قرطبی کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، مذکورہ تمام معانی میں کوئی تضاد نہیں ہے یہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں ایک حدیث میں آیا ہے ''اِنّ العیافَة والطرقَ والطِّیرۃَ مِنَ الجبتِ'' (سنن ابی داؤد کتاب الطب) پرندہ اڑا کر، خط کھینچ کر، بدفالی یا نیک فالی لینا یہ چیزیں جبت سے ہیں، یعنی یہ سب شیطانی کام ہیں، جبت ایک بہت عام لفظ ہے کہانت (جوتش) فال گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون، مہورت اور دیگر تمام وہمی وخیالی باتوں کو جبت کہا جا سکتا ہے۔

مذکورہ آیت کا شان نزول:

غزوۂ احد کے بعد کعب بن اشرف، یہود کے ستر (۷۰) آدمیوں کا ایک وفد لے کر اس غرض سے مکہ پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش مکہ سے جنگی معاہدہ کیا جائے اور وہ معاہدہ توڑ دیا جائے جو ہجرت کے فوراً بعد یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا، چنانچہ خود کعب بن اشرف سردار مکہ ابوسفیان کے یہاں اترا اور دیگر یہودی نمائندے قریش کے مہمان ہوئے قریش نے جی کھول کر ان کی تواضع کی ایک مجمع عام میں قریش نے یہود سے یہ پوچھا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور محمد بھی اہل کتاب ہیں پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ تمہارا اسطرح آنا تم دونوں کی خفیہ سازش نہیں؟ اگر واقعی تم دشمن اسلام ہو تو آؤ پہلے جبت اور طاغوت نامی ان دونوں بتوں کو سجدہ کرو اور ان پر ایمان لاؤ۔

فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا.

یہود کی کنجوسی ضرب المثل ہے:

یہود کی کنجوسی اور حرص علی المال اور حسد مذاہب کی تاریخ میں ضرب المثل ہے انتہائی غربت اور محتاجی کے وقت ان کا یہ حال ہے، اگر خدانخواستہ خدا کی مملکت مل جائے تو شاید لوگوں کو بھوکا ماردیں اور کسی کو تل بھر بھی نہ دیں۔

کیا یہود کو یاد نہیں رہا:

کہ ہم آل ابراہیم کو کتاب وحکمت اور بڑی سلطنت عطا کر چکے ہیں، کیا اس پورے گھرانے سے حسد کرنے والے اور جلنے والے کم تھے، کیا ان کے گھرانے کو حاسدین نے نیست ونابود کرنے میں کچھ کسر اٹھا رکھی تھی، مگر اس کا انجام کیا ہوا، پھر آج یہود آپ ﷺ سے حسد کر کے کیا فائدہ پائیں گے، کیا تورات انجیل اور زبور محض عنایت خداوندی سے ابراہیم

علیہ الصلاۃ والسلام کے گھرانے کو نہیں ملیں؟ کیا حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام اسی گھرانے کے فرد نہ تھے، پھر آج محمد ﷺ پر حسد کیوں؟

شانِ نزول:

اِنَّ اللّٰہ یأمرکم اَن تؤدوا الامانات اِلی اھلھا، اس آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے، یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے کعبہ کی خدمت بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی تھی، اور بیت اللہ کی مختلف خدمتیں مختلف لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں، حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھی، جس کو سقایہ کہا جاتا تھا، اسی طرح بیت اللہ کی کلید برادری کی خدمت عثمان بن طلحہ کے سپرد تھی، اس کو حجابت اور سدانت کہا جاتا تھا، اور یہ خدمت پشتہا پشت سے خاندان بنوطلحہ میں چلی آرہی تھی جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس وقت یہ خدمت عثمان بن طلحہ سے متعلق تھی، اب آگے اس واقعہ کی روداد خود عثمان بن طلحہ کی زبانی سنئے۔

عثمان بن طلحہ کی کہانی خود ان ہی کی زبانی:

ہجرت سے قبل ایک روز آپ ﷺ مجھ سے ملے اور مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، میں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا، آپ ﷺ نے میرے جواب پر کچھ نہ فرمایا اور نہ ناگواری کا اظہار فرمایا، میرا یہ دستور تھا کہ پیر اور جمعرات کے دن عام زیارت کے لئے بیت اللہ کو کھولا کرتا تھا، ایک روز کسی موقعہ پر بیت اللہ کھلا ہوا تھا لوگ زیارت کر رہے تھے آپ نے بھی اندر جانا چاہا میں نے اس موقعہ پر جو کچھ میرے منہ میں آیا خوب بکا، آپ نے اس پر بھی سکوت فرمایا، صرف اسقدر فرمایا کہ عثمان! ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک روز بیت اللہ کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں اور میں جسے چاہوں دوں، میں نے کہا یہ تو تب ہی ہوسکتا ہے کہ قریش پامال ہو چکے ہوں، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ آبرومند ہو چکے ہوں گے، آپ اس قدر فرما کر بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے ادھر میرا دل بے قابو ہوگیا مجھے یقین ہوگیا کہ جو کچھ فرمادیا گیا بس وہی ہوگا۔ (تفسیر ھدایت القرآن ملخصا)

عثمان بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت اسلام لانیکا ارادہ کرلیا، لیکن جب میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے دیکھے اور وہ سب کے سب مجھے ملامت کرنے لگے تو میں اپنا ارادہ پورا نہ کرسکا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے بلا کر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی میں نے پیش کردی۔

بعض روایات میں ہے کہ عثمان بیت اللہ کی کنجی لیکر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لئے زبردستی کنجی ان کے ہاتھ سے لیکر آنحضرت ﷺ کو دیدی تھی، جب آپ ﷺ بیت اللہ میں نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے تو پھر کنجی مجھے واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ قیامت تک تمہارے ہی خاندان میں رہے گی، جو شخص تم سے یہ کنجیاں لے گا وہ ظالم ہوگا، اور یہ بھی فرمایا کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلہ میں

تمہیں جو مال مل جائے اس کو شرعی قاعدہ کے مطابق خرچ کرو۔ (معارف)

عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپ نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا کیوں عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اب مجھے وہ بات یاد آگئی جو آپ نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی، ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، میں نے عرض کیا بے شک آپ کا ارشاد پورا ہوا اور اسی وقت میں کلمہ پڑھکر مسلمان ہوگیا۔

حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ اس روز جب آپ ﷺ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی، اِنَّ اللّٰہ یأمرکم اَنْ تؤدوا الاماناتِ الی اَھْلھا.

امانت کا لفظ عربی زبان میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے، ہر قسم کی ذمہ داریاں اس کے تحت آتی ہیں، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، فرائض سے متعلق ہوں یا سنن ومندوبات سے متعلق، امام رازی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ امانت کے تحت اعتقادیات معاملات اور اخلاقیات سب ہی آگئے۔

حق دار ہی کو امانت سونپنی چاہئے:

اس آیت میں اس بات کی بھی وضاحت کردی گئی کہ امانتیں ان لوگوں کو سپرد کرنی چاہئیں کہ جن میں بار امانات اٹھانے کی صلاحیت ہو ضمناً اس سے یہ بات بھی نکل آئی کہ نظام شریعت میں سعی وسفارش نیز اقرباپروری وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، حکومت میں عہدے صرف انھیں کو ملنے چاہئیں جو ان خدمتوں اور منصبوں کے واقعی اہل ہوں۔

وَ اِذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل (الآیۃ) اس میں حکام کو بطور خاص عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ حاکم جب تک ظلم نہ کرے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب کرنے لگتا ہے تو اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کردیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام)

یہود کی یہ عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور مقدمات کے فیصلوں میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے طرفداری کرتے، یہود شخصی اور قومی اغراض کے لئے بے تکلف انصاف کے گلے پر چھری پھیر دیتے، اس لئے مسلمانوں کو مذکورہ دونوں باتوں سے روکا گیا ہے۔

منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ نے کنجی دینے سے انکار کردیا تو حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے زبردستی ان سے چھین کر دروازہ کھولدیا، آپ ﷺ جب فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ سے درخواست کی کہ کعبۃ اللہ کی کنجی مجھے عنایت فرمائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کنجی آپ نے عثمان بن طلحہ کو دیدی، تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

وَ اِذ حکمتم بین الناس اَنْ تحکموا بالعدل: اس جملہ میں حق تعالیٰ نے بین الناس فرمایا ہے، بین المسلمین یا بین المؤمنین نہیں فرمایا، اس میں اشارہ ہے کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں، مسلم ہوں یا غیر مسلم

دوست ہوں یا دشمن وطنی ہوں یا غیر وطنی ہم رنگ وہم زبان ہوں یا نہ ہوں فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان سب تعلقات سے الگ ہوکر جو بھی حق وانصاف کا تقاضہ ہو وہ فیصلہ کریں۔

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم پہلی آیت میں حکام کو عدل وانصاف کا حکم فرما کر اب دوسروں کو متابعت کا حکم دیا جارہا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت اسی وقت واجب ہوگی کہ جب وہ حق کی اطاعت کریں گے حکام کی یہ اطاعت اسی وقت تک ضروری ہے کہ جب تک وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں، اگر حاکم خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس کا حکم ہرگز نہ مانے۔

مذکورہ آیت کا شانِ نزول:

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں جنگی ضرورت سے ایک دستہ روانہ فرمایا، اس میں حضرت عمار بن یاسر بھی شریک تھے، رات کے کسی حصہ میں یہ دستہ منزل مقصود پر پہنچ گیا، دشمنوں کو جب علم ہوا تو پورا قبیلہ سوائے ایک شخص کے فرار ہوگیا یہ شخص خفیہ طور پر رات کے وقت کسی طرح اسلامی لشکر میں پہنچا، اتفاق سے اس کی ملاقات حضرت عمار سے ہوگئی، اس شخص نے عرض کیا میں اسلام لاچکا ہوں اور سچے دل سے توحید ورسالت کا اقرار کر چکا ہوں، حضرت عمار نے فرمایا تمہارا اسلام ضرور تمہاری حفاظت کرے گا، جاؤ اطمینان سے جہاں ہو وہیں رہو، صبح ہوتے ہی حضرت خالد نے حملہ کر دیا، حضرت عمار نے موقع پر پہنچ کر اس شخص کو یہ کہ کر امان دلانی چاہی کہ یہ مسلمان ہے اور میں اسے امان دے چکا ہوں خالد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس امان کو جنگی مصلحت کے خلاف سمجھ رہے تھے، اس پر دونوں حضرات میں تیز گفتگو ہوگئی واپسی پر یہ معاملہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، آپ نے حضرت عمار کی کارروائی کو برقرار رکھتے ہوئے آئندہ کے لئے حضرت عمار کو منع فرمادیا کہ سالار لشکر کی اطلاع کے بغیر ایسا نہ کریں اس کے بعد پھر دونوں حضرات میں تیز گفتگو ہوئی، تب آپ نے فرمایا خالد جو عمار کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیگا اللہ تعالیٰ اس کو مزا چکھا دیں گے، جو عمار سے نفرت کرے گا اس سے اللہ نفرت فرمائیگا، جو عمار پر لعنت کرے گا اللہ خود اس کو ملعون کردیں گے، یہ سننا تھا کہ حضرت خالد بڑے عاجزانہ انداز میں معافی مانگنے لگے اس طرح دونوں بزرگوں کے دل صاف ہوگئے، معاً مذکورہ آیت نازل ہوئی اور قرآن کریم نے مسلمانوں کے لئے لازم کردیا کہ اپنے ذمہ داروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ (هداية القرآن ملخصًا)

وَنَزَلَ لَمَّا اخْتَصَمَ يَهُودِيٌّ وَمُنَافِقٌ فَدَعَا الْمُنَافِقُ اِلٰى كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا وَدَعَا الْيَهُودِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَاَتَيَاهُ فَقَضٰى لِلْيَهُودِيِّ فَلَمْ يَرْضَ الْمُنَافِقُ وَاَتَيَا عُمَرَ فَذَكَرَ لَهُ الْيَهُودِيُّ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلْمُنَافِقِ اَكَذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَتَلَهُ **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ** اَلْكَثِيْرِ الطُّغْيَانِ وَهُوَ كَعْبُ بْنُ الْاَشْرَفِ **وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ** وَلَا

يُوالُوهُ ﴿وَيُرِيدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا﴾ ﴿٦٠﴾ عَنِ الحَقِّ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾
فِي القُرآنِ مِنَ الحُكمِ ﴿وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ لِيَحكُمَ بَينَهُمْ ﴿رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ﴾ يُعرِضُونَ ﴿عَنْكَ﴾ اِلٰى
غَيرِكَ ﴿صُدُوْدًا﴾ ﴿٦١﴾ ﴿فَكَيْفَ﴾ يَصنَعُونَ ﴿اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ عُقُوبَةٌ ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ مِنَ الكُفرِ
وَالمَعَاصِي اي اَيَقدِرُونَ عَلَى الاِعرَاضِ وَالفِرَارِ مِنهَا 'لَا' ﴿ثُمَّ جَآءُوْكَ﴾ مَعطُوفٌ عَلٰى يَصُدُّونَ
﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ﴾ مَا ﴿اَرَدْنَآ﴾ بِالمُحَاكَمَةِ اِلٰى غَيرِكَ ﴿اِلَّآ اِحْسَانًا﴾ صُلحًا ﴿وَّتَوْفِيْقًا﴾ ﴿٦٢﴾ تَالِيفًا بَينَ الخَصمَينِ
بِالتَّقرِيبِ فِي الحُكمِ دُونَ الحَملِ عَلٰى مُرِّ الحَقِّ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ مِنَ النِّفَاقِ
وَكِذبِهِمْ فِي عُذرِهِمْ ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ بِالصَّفحِ ﴿وَعِظْهُمْ﴾ خَوِّفهُمُ اللّٰهَ ﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ﴾ شَانِ
﴿اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا﴾ ﴿٦٣﴾ مُؤَثِّرًا فِيهِم اي ازجُرهُمْ لِيَرجِعُوا عَن كُفرِهِمْ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ﴾
فِيمَا يَامُرُبِهٖ وَيَحكُمُ ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ بِاَمرِهٖ لَايُعصٰى وَيُخَالَفُ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ بِتَحَاكُمِهِمْ اِلَى
الطَّاغُوتِ ﴿جَآءُوْكَ﴾ تَائِبِينَ ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ فِيهِ اِلتِفَاتٌ عَنِ الخِطَابِ تَفخِيمًا
لِشَانِهٖ ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا﴾ عَلَيهِم ﴿رَّحِيْمًا﴾ ﴿٦٤﴾ بِهِم ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ لَا زَائِدَةٌ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ﴾
اِختَلَطَ ﴿بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا﴾ ضِيقًا اَو شَكًّا ﴿مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا﴾ يَنقَادُوا لِحُكمِكَ
﴿تَسْلِيْمًا﴾ ﴿٦٥﴾ مِن غَيرِ مُعَارَضَةٍ ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ﴾ مُفَسِّرَةٌ ﴿اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ كَمَا
كَتَبنَا عَلٰى بَنِي اِسرَائِيلَ ﴿مَّا فَعَلُوْهُ﴾ اي المَكتُوبَ عليهم ﴿اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ بِالرَّفعِ عَلَى البَدَلِ وَالنَّصبِ عَلَى
الاِستِثنَاءِ ﴿مِّنْهُمْ﴾ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ مِن طَاعَةِ الرَّسُولِ ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ ﴿٦٦﴾ تَحقِيقًا
لِاِيمَانِهِم ﴿وَّاِذًا﴾ اي لَو ثَبَتُوا ﴿لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ﴾ مِن عِندِنَا ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ﴿٦٧﴾ هُوَالجَنَّةُ ﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيْمًا﴾ ﴿٦٨﴾ قَالَ بَعضُ الصَّحَابَةِ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَيفَ نَرٰكَ فِي الجَنَّةِ وَاَنتَ فِي الدَّرَجَاتِ
العُلٰى وَ نَحنُ اَسفَلُ مِنكَ فَنَزَلَ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ فِيمَا اَمَرَابِهٖ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ
النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾ اَفَاضِلِ اَصحَابِ الانبياءِ لِمُبَالَغَتِهِمْ فِي الصِّدقِ وَالتَّصدِيقِ ﴿وَالشُّهَدَآءِ﴾ القَتلٰى فِي
سَبِيلِ اللّٰهِ ﴿وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ غَيرِ مَن ذُكِرَ ﴿وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ ﴿٦٩﴾ رُفَقَاءَ فِي الجَنَّةِ بِاَن يَستَمتِعَ فِيهَا بِرُؤيَتِهِم
وَزِيَارَتِهِم وَالحُضُورِ مَعَهُم وَاِن كَانَ مَقَرُّهُم فِي دَرَجَاتٍ عَالِيَةٍ بِالنِّسبَةِ اِلٰى غَيرِهِم ﴿ذٰلِكَ﴾ اي
كَونُهُم مَعَ مَن ذُكِرَ مُبتَدَأٌ خَبَرُهٗ ﴿الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ﴾ تَفَضَّلَ بِهٖ عَلَيهِم لَا اَنَّهُم نَالُوهُ بِطَاعَتِهِم
﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾ ﴿٧٠﴾ بِثَوَابِ الاٰخِرَةِ فَثِقُوا بِمَا اَخبَرَكُم بِهٖ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثلُ خَبِيرٍ.

ترجمہ: (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب ایک یہودی اور منافق کے درمیان ایک مقتول کے معاملہ میں

نزاع پیدا ہوگیا، منافق نے کعب بن اشرف کے پاس جانے کے لئے کہا تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اور یہودی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کے لئے کہا، چنانچہ جب یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں فرمایا، مگر منافق اس پر راضی نہ ہوا، اور دونوں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آئے، اور یہودی نے آپ ﷺ کے فیصلہ کا تذکرہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے روبرو کردیا، (حضرت عمر نے) منافق سے کہا کیا بات ایسی ہی ہے؟ منافق نے اقرار کیا چنانچہ حضرت عمر نے منافق کو قتل کردیا، کیا آپ نے ان کے معاملہ میں غور کیا کہ جن کا دعوی ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اپنے فیصلے غیر اللہ کے پاس لیجانا چاہتے ہیں (طاغوت) کثیر الطغیان کو کہتے ہیں، اور وہ کعب بن اشرف ہے، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کے سامنے گردن نہ جھکائیں، اور اس کا اقتدار تسلیم نہ کریں، شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ ان کو حق سے بھٹکا کر دور دراز لے جائے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ کہ جس کو قرآن میں اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو آپ ان منافقین کو دیکھیں گے کہ آپ سے بڑی بے رخی کرکے دوسروں کی طرف رخ کرنے والے ہیں تو اس وقت کیا کریں گے کہ جب ان کے کرتوتوں کی بدولت کہ وہ کفر و معاصی ہیں ان پر مصیبت (عقوبت) آئیگی یعنی کیا یہ لوگ اس سے اعراض اور فرار پر قادر ہوں گے؟ نہیں، پھر یہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں اس کا عطف یَصُدُّوْنَ پر ہے، کہ غیر کے پاس مقدمہ لیجانے سے ہمارا مقصد حکم میں اعتدال پیدا کرکے فریقین کے درمیان صلح اور میل ملاپ کرانا تھا نہ کہ تلخ حق پر آمادہ کرنا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کا راز اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے اور وہ نفاق اور ان کا عذر میں کذب بیانی کرنا ہے، لہذا آپ ان سے چشم پوشی کیجئے، اور ان کو نصیحت کیجئے (یعنی) ان کو خدا کے خوف سے ڈرایئے، اور ان کے معاملہ میں ان سے مؤثر بات کہتے رہیے یعنی زیادہ روکنے والی تا کہ وہ اپنے کفر سے باز آجائیں، اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اسلئے بھیجا ہے کہ جس چیز کا وہ حکم کرے اس میں اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کیجائے اور اس کی نافرمانی اور مخالفت نہ کیجائے اور کاش کہ جس وقت یہ لوگ طاغوت کے پاس مقدمہ لیجا کر اپنے اوپر زیادتی کر بیٹھے تھے توبہ کرتے ہوئے آپ کے پاس آجاتے اور خدا سے معافی طلب کرتے اور رسول بھی ان کیلئے استغفار کرتے اس میں خطاب سے (غیبت) کی جانب (التفات ہے) آپ کی عظمت شان کے اظہار کے لئے تو یہ ضرور اللہ کو ان کی توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان پاتے سو قسم ہے تیرے پروردگار کی 'لا' زائدہ ہے، یہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے درمیان اختلافی معاملہ میں آپ کو حکم تسلیم نہ کریں، پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس میں اپنے دل میں کوئی تنگی یا شک نہ پائیں، اور آپ کے حکم کو بغیر کسی معارضہ کے پورا پورا تسلیم کرلیں، اور اگر ہم ان پر یہ فرض کردیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ جیسا کہ ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کیا تھا (ان) مفسرہ ہے، تو اس فرض کو بہت کم لوگ ادا کرتے، قلیل، رفع کے ساتھ ہے بدلیت کی وجہ سے اور نصب کے ساتھ ہے استثناء کی وجہ سے، اور اگر یہ لوگ وہ کام کرڈالتے جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے اور وہ طاعت رسول ہے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور ان کے ایمان کو بہت زیادہ

مضبوط رکھنے والا بھی اور اس وقت ہم انھیں اپنے پاس سے ضرور اجر عظیم دیتے اور وہ جنت ہے، اور ہم انھیں سیدھی شاہ راہ دکھاتے بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم جنت میں آپ کا کیسے دیدار کریں گے؟ اسلئے کہ آپ اعلیٰ درجوں میں ہوں گے اور ہم آپ سے نیچے درجوں میں، تو یہ آیت نازل ہوئی، اور جو بھی اللہ کی اور اسکے رسول کی مامور بہ میں فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، جیسے نبی اور صدیق اصحاب انبیاء میں وہ لوگ ہیں جو افضل ترین ہیں، اور شہداء یعنی راہ خدا میں مقتول، اور مذکورین کے علاوہ دیگر صالحین، یہ بہترین رفیق ہیں یعنی جنت میں رفقاء ہیں، اس طور پر کہ ان کے دیدار سے اور ان کی زیارت سے اور ان کے ساتھ حاضری سے مستفید ہوں گے، اگرچہ ان کے ٹھکانے دوسروں کی نسبت اونچے درجوں میں ہوں گے یہ فضل یعنی ان کا مذکورین کے ساتھ ہونا اللہ کی جانب سے ہے (ذلك) مبتداء ہے اور (الفضل) اس کی خبر ہے، جس کا اللہ نے ان پر فضل کیا ہے، نہ یہ کہ انہوں نے اپنی طاعت کے ذریعہ حاصل کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کا علم کافی ہے آخرت کے ثواب کو جاننے کے اعتبار سے لہٰذا جس کی وہ تم کو خبر دے اس پر اعتماد کرو تم کو اس کے جیسی کوئی خبر دینے والا خبر نہیں دے سکتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یَصُدُّونَ صَدٌّ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب، وہ اعراض کرتے ہیں اور روکتے ہیں، یَصُدُّونَ کی تفسیر یُعْرِضُونَ سے بیان معنی کے لئے ہے، اگر رَأَیْتَ سے رویت بصری مراد ہو تو یصدون جملہ حالیہ ہوگا، اور اگر رویت قلبیہ مراد ہو تو یَصُدُّونَ مفعول ثانی ہوگا، اور منافقین مفعول اول، اور صدودًا مفعول مطلق۔

قولہ: معطوف علی یصدونَ، یعنی ابتداءً میں آپ سے اعراض کرتے ہیں اور بعد اعراض کے معافی مانگتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد طرفین کی اصلاح حال تھا نہ کہ آپ کی مخالفت۔

قولہ: جَاءُوكَ، کا عطف یصدون پر ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے، یحلفون جملہ حالیہ ہے۔

قولہ: بِالتَّقْرِيبِ فی الحُکْمِ یعنی خصمین کو ان کی مراد کے قریب کر کے صلح کرانا ہے نہ کہ حق کے مطابق فیصلہ کر کے الحق مرٌّ کے قبول کرنے پر مجبور کرنا۔

قولہ: اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ یہ یعنی جاءوك میں آپ ﷺ کو خطاب ہے اور استغفر لَهُمُ الرسولُ میں رسول اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے غائب ہے۔

قولہ: تَفْخِيماً لِشَانِهٖ، یعنی خطاب سے اعراض کر کے آپ کے وصف خاص (رسالت) کی طرف التفات فرمایا۔

قولہ: بِهٖ، مِمّا قضيتَ، میں مَا موصولہ ہے اسلئے کہ صلہ جب جملہ ہوتا ہے تو عائد کی ضرورت ہوتی ہے۔

قولہ: اَفاضِلِ، اَصْحَابِ الاَنْبِیَاءِ، یہ صدیق کی چند تعریفوں میں سے ایک کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: غَيْرِ مَنْ ذُكِرَ، اس میں تکرار سے اجتناب کی طرف اشارہ ہے۔
قولہ: لَا أَنَّهُمْ نَالُوْهُ بِطَاعَتِهِمْ، اس میں معتزلہ پر رد ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

پہلی آیات میں تمام معاملات میں اللہ اوراس کے احکام کی طرف رجوع کرنیکا حکم تھا ان آیات میں خلاف شرع قوانین کی طرف رجوع کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

شان نزول:

مذکورہ آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں متعدد واقعات مذکور ہوئے ہیں۔

❶ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ بشر نامی ایک منافق اور ایک یہودی کا کسی معاملہ میں نزاع ہوگیا، فیصلے کے لئے یہودی نے آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی پیش کیا کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ آپ ﷺ بغیر کسی رو رعایت اور رشوت وسفارش کے حق فیصلہ فرمائیں گے، اور بشر نامی منافق نے فیصلہ کے لئے یہودیوں کے مشہور عالم اور سردار کعب بن اشرف کا نام پیش کیا اسلئے کہ وہ جانتا تھا کہ کعب بن اشرف سے رشوت وسفارش کے ذریعہ اپنے حق میں فیصلہ کرالے گا، آخرکار یہودی کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لیجانے کیلئے تیار نہ ہوا مجبوراً منافق بھی آپ ﷺ کی خدمت میں مقدمہ لیجانے کے لئے رضامند ہوگیا، آپ نے پوراواقعہ سماعت فرمانے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا، اسلئے کہ یہودی حق پر تھا، آپ ﷺ کا فیصلہ سن کر منافق سخت دل گیر ہوااور اس نے یہودی کو مجبور کیا کہ وہ دوبارہ فیصلہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس لیجائے منافق کا خیال تھا کہ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ چونکہ کفار کے معاملہ میں نہایت سخت ہیں لہٰذا عین ممکن ہے کہ وہ میرے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے (گو بظاہر ہی سہی) میرے حق میں رعایت کریں، جب یہ دونوں حضرات حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں پہنچے تو یہودی نے آپ ﷺ سے فیصلہ کرانے اور منافق کے قبول نہ کرنے کی پوری سرگذشت سنائی، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے منافق سے معاملہ کی تصدیق چاہی منافق نے اقرار کرلیا حضرت عمر نے فرمایا تم یہیں ٹھہرو میں ابھی اندر سے آتا ہوں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اندر سے تلوار چادر میں لپیٹ کر باہر تشریف لائے اور یہ کہتے ہوئے کہ جو بدبخت انسان، اللہ اوراُس کے رسول کے فیصلے پر رضامند نہ ہو میرے یہاں اس کا فیصلہ یوں ہوا کرتا ہے، اسی پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس واقعہ کوابن کثیر نے سنداً ضعیف کہا ہے ابن لہیعہ اسمیں ضعیف ہے۔

❷ دوسرا واقعہ:

حضرت زبیر بن عوام جو رشتہ میں آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے، ان کا ایک انصاری کے ساتھ پہاڑی پانی کی ایک گُول (نالی) کے بارے میں جس سے دونوں اپنے باغ سیراب کیا کرتے تھے نزاع ہو گیا معاملہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا آپ ﷺ نے حضرت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فرمایا کہ جب تمہارا کھیت سیراب ہو جایا کرے تو گول چھوڑ دیا کرو تاکہ تمہارے بعد یہ شخص اپنا کھیت سیراب کر سکے، اس فیصلہ پر وہ شخص بھڑک اٹھا اور کہا یہ فیصلہ آپ نے اسلئے کیا ہے کہ زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، اس پر آپکے روئے انور کا رنگ متغیر ہو گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا زبیر اپنا کھیت سیراب کرو اور اس وقت تک گول روکے رکھو جب تک کھیت میں پانی خوب نہ بھر جائے، جب یہ دونوں حضرات واپس ہوئے تو حضرت مقداد نے پوچھا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ انصاری فوراً بولا پھوپھی زاد بھائی کے حق میں، جواب کا یہ انداز ظاہر کر رہا تھا کہ یہ شخص آپ کے فیصلہ سے خوش نہیں ہے، اتفاق سے وہاں ایک یہودی موجود تھا وہ بولا خدا انھیں سمجھے ایک طرف کہتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں دوسری طرف ان کے فیصلہ سے ناراض بھی ہوتے ہیں۔ (اخرجه البخاری و مسلم واهل السنن وغيرهم)

❸ تیسرا واقعہ:

ابن ابی حاتم وطبرانی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کو سیوطی نے صحیحٌ عن ابن عباس کہا ہے، فرمایا ابو برزۃ الاسلمی ایک کاہن تھا یہود کے تنازع کا فیصلہ کیا کرتا تھا، بعض مسلمان بھی اس کے پاس فیصلے کے لئے پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (فتح القدير)

وَلو انّا کتبنا علیھم ان اقتلوا، (الآیۃ) یعنی یہ منافقین ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری جان ومال سب کچھ خدا کے لئے ہے دوسری طرف یہ حالت ہے کہ اگر ہم براہ راست جان ومال کی قربانی مانگ لیتے تو شاید دو چار کے سوا کوئی بھی نہ کرتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ اي احْتَرِزُوْا منه و تَيَقَّظُوْا له **فَانْفِرُوْا** انْهَضُوْا الى قِتَالِه **ثُبَاتٍ** مُتَفَرِّقِيْنَ سَرِيَّةً بَعْدَ أُخْرٰى **اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا** ﴿٧١﴾ مُجْتَمِعِيْنَ **وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ** لَيَتَأَخَّرَنَّ عَنِ الْقِتَالِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيِّ الْمُنَافِقِ وَاَصْحَابِه وجَعْلُهُ منهم مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ واللَّامُ في الفِعْلِ لِلْقَسَمِ **فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ** كَقَتْلٍ و هَزِيْمَةٍ **قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا** ﴿٧٢﴾ حَاضِرًا فَاُصَابَ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ** كَفَتْحٍ و غَنِيْمَةٍ **لَيَقُوْلَنَّ** نَادِمًا **كَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اي كَاَنَّهُ **لَّمْ تَكُنْ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ** مَعْرِفَةٌ و صَدَاقَةٌ وهٰذا رَاجِعٌ اِلٰى قولِه قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اُعْتُرِضَ بِه بَيْنَ الْقَوْلِ و مَقُوْلِه و هو **يٰا** لِلتَّنْبِيهِ

لَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ اٰخُذَ حَظًّا وَافِرًا مِنَ الْغَنِيْمَةِ قال تعالٰى فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاِعْلاءِ دِيْنِهٖ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ يَبِيْعُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ يُسْتَشْهَدْ اَوْ يَغْلِبْ يَظْفِرْ بِعَدُوِّهٖ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾ ثَوَابًا جَزِيْلًا وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ اِستفهامُ تَوْبِيْخٍ اي لَا مَانِعَ لَكُمْ من القِتالِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ في تَخْلِيْصِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الذين حَبَسَهُمُ الكُفَّارُ عن الهِجْرَةِ وَاٰذَوْهُمْ قَالَ ابنُ عبَّاس رضي الله عنهما كُنْتُ اَنا واُمّي منهم الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ دَاعِيْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ مَكَّةَ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ بالكُفْرِ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ مِن عندِكَ وَلِيًّا ۚ يَتَوَلّٰى اُمُوْرَنَا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ يَمْنَعُنَا منهم وقَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاۗءَهُمْ فيَسَّرَ لِبَعْضِهِمُ الْخُرُوْجَ وَبَقِيَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنْ فُتِحَتْ مَكَّةُ وَوَلّٰى صلى الله عليه وسلم عَتَّابَ بْنَ اَسِيْدٍ فَاَنْصَفَ مَظْلُوْمَهُمْ مِنْ ظَالِمِهِمْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ الشَّيْطَانِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اَنْصَارَ دِيْنِهٖ تَغْلِبُوْهُمْ لِقُوَّتِكُمْ بِاللّٰهِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ وَاهِيًا لَا يُقَاوِمُ كَيْدَ اللّٰهِ بِالْكٰفِرِيْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے دشمنوں سے محتاط رہو یعنی ان سے احتیاطی تدابیر اختیار کرو اور ان سے بیدار مغز رہو پھر دشمن سے لڑنے کے لئے جماعتوں کی شکل میں یکے بعد دیگرے نکلو یا اجتماعی طور پر نکلو اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو نکلنے میں پس وپیش کرتے ہیں، یعنی لڑائی سے پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی، اور اس کو مومن ظاہر کے اعتبار سے کہا گیا ہے، اور لام، فعل پر قسمیہ ہے، اور پھر اگر تم کو کوئی مصیبت (نقصان) پہنچتی ہے مثلاً قتل اور شکست تو کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ میں ان کے ساتھ (لڑائی) میں حاضر نہ ہوا ورنہ تو میں مصیبت میں پھنس جاتا، اور اگر تم کو اللہ کا فضل پہنچتا ہے جیسا کہ فتح اور مال غنیمت تو شرمندگی سے کہنے لگتا ہے گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی جان پہچان اور دوستی کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے (كَاَنْ) مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ای كَاَنَّهٗ، (تکن) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور اس جملہ کا تعلق، قد انعم اللّٰه عَلَيَّ، سے ہے اور یہ جملہ قول (یعنی، لَيَقُوْلَنَّ) اور مقولہ (یعنی یا لَيْتَنِيْ) کے درمیان جملہ معترضہ ہے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا یعنی مال غنیمت سے بڑا حصہ پاتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو لوگ دنیوی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کر چکے ہیں تو ان کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پائے یا اپنے دشمن پر غالب آجائے تو ہم اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے اور تمہیں کیا عذر ہے کہ استفہام توبیخی ہے یعنی جہاد سے تمہیں کوئی چیز مانع نہیں ہے تم اللہ کے راستہ میں اور ناتواں مردوں اور عورتوں اور بچوں کو چھڑانے میں جن کو کافروں نے ہجرت سے روک رکھا ہے اور ان کو اذیت پہنچاتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی ان ہی میں تھے، جہاد نہیں کرتے جو دعاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اس بستی سے یعنی مکہ سے کہ جس کے باشندوں نے کفر کرکے ظلم کیا ہے نکال اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی والی مقرر فرما جو ہمارے معاملات کی تولیت کرے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار متعین فرما کہ ہم کو ان سے بچائے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی کہ ان کے لئے (مکہ) سے نکلنا آسان فرمادیا، اور کچھ لوگ فتح مکہ تک مکہ میں رہ گئے، اور محمد ﷺ نے ان کا متولی عتاب بن اَسِید کو بنادیا جس نے مظلوموں کو ظالموں سے انصاف دلایا، جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو کافر ہیں سو وہ شیطان کے راستہ میں قتال کرتے ہیں لہٰذا تم شیطان کے دوستوں سے جہاد کرو یعنی شیطان کے دین کے مددگاروں سے جہاد کرو خداداد قوت کی وجہ سے تم ہی غالب رہوگے، یقین مانو مومنین کے ساتھ شیطان کا مکر نہایت بودا (کمزور) ہے کافروں کے ساتھ اللہ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: حِذْرٌ، حاء کے کسرہ اور ذال کے سکون اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ، احتیاط، بیدار مغزی، خطرناک چیز سے احتراز یقال اَخَذَ حذرہٗ اذا تیقظ واحترز من المخوف، اس میں استعارہ بالکنایہ ہے، حذر کو سلاح کے ساتھ دل ہی دل میں تشبیہ دی ہے مشبہ مذکور اور مشبہ بہ محذوف ہے (فارسی ترجمہ) اے مسلمانان بگیرید سلاح خود پس بیروں روید یعنی بقتال دشمنان گروہ در گروہ در جہات مختلف، یا سیر کنید برائے جہاد جمع شدہ با یکدگر۔

قولہ: ثُبَات جمع ثُبَةٍ، دس سے زیادہ لوگوں کی جماعت۔

قولہ: يُبَطِّئَنَّ مضارع واحد مذکر غائب بانون تاکید ثقیلہ (تفعیل) تَبْطِئَةٌ، دیر لگانا، سستی کرنا، پیچھے رہنا، مادہ بطوءٌ۔

قولہ: واللام لِلْقَسَم اس سے مراد لَيُبَطِّئَنَّ کا لام ہے، اور لَمَنْ، میں لام ابتدائیہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے، وَاِنَّ منکم لَمَنْ اقسم باللہ لَيُبَطِّئن.

قولہ: فَاَصَابَ، ای اَصَابنی ما اَصَابَهُم.

سوال: لَيقولَنّ، جزاءِ شرط ہے، اور قاعدہ ہے کہ جزاء جب فعل مضارع واقع ہو تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے۔

جواب: لَئِنْ اَصَابَكُمْ، میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں اور قسم مقدم محذوف ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب قسم اور شرط دونوں جمع ہو جائیں تو آنیوالا جملہ اول کی جزاء ہوتی ہے لہٰذا لَيَقُوْلَنَّ جواب قسم ہے نہ کہ جواب شرط۔

قولہ: نَادِمًا، ای نادمًا لفواة الغنيمة لا لِطَلَبِ الثواب.

قولہ: وهٰذا رَاجِعٌ اِلٰى قَوْلِهٖ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ الخ يَعْنِي كَاَنْ لَمْ يَكُنْ الخ کا تعلق باعتبار معنی کے سابق جملہ قد

انعم اللّٰہ عَلَیَّ سے ہے، تقدیر عبارت ہے، قال قد انعم اللّٰہ عَلَیَّ الخ کان لم یکن الخ پھر اس جملہ کو بطور جملہ معترضہ کے مؤخر کر دیا۔

قِوْلَهُ: لَیَقُوْلَنَّ قول ہے اور یالیتنی کنت معھم الخ مقولہ ہے اور کان لم یکن بینکم و بینهٗ مودۃ جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلَهُ: فَافُوْزَ، جواب تمنی کی وجہ سے منصوب ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰایّھا الذین آمنوا خذوا حذرکم (الآیة) ان آیتوں کا مضمون پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے، غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ابھی حال ہی میں عارضی شکست ہوئی تھی اس سے قدرۃً مشرکین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں بڑھ گئی تھیں، آئے دن یہ خبریں آتی رہتی تھی کہ فلاں قبیلہ حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا ہے، فلاں قبیلہ کے تیور بگڑے ہوئے ہیں، فلاں قبیلہ دشمنی پر آمادہ ہے، مسلمانوں کے ساتھ پے در پے غداریاں کی جارہی تھیں مسلمان مبلغین کو فریب سے دعوت دی جاتی تھی اور قتل کر دیا جاتا تھا، مدینہ سے باہر مسلمانوں کے جان و مال کی سلامتی باقی نہیں رہی تھی غرضیکہ مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے تھے، ان حالات میں مسلمانوں کی طرف سے ایک زبردست سعی وجہد اور سخت جانفشانی کی ضرورت تھی، ایسے حالات میں مسلمانوں کو ثبات واستقامت کا یہ درس دیا جارہا ہے کہ اے ایمان والو مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکھٹے ہو کر۔

خذوا حذرکم، کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے، ہر وہ چیز جو دشمن سے دفاع کے کام آسکے اس میں شامل ہے خواہ ہتھیار ہوں یا تدبیر۔ مطلب یہ کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست وآمادہ رہو، حِذْرَکم، ای ما فیه الحذر من السلاح وغیرہ۔ (راغب)

فائدہ عظیمہ:

یایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم الخ اس آیت کے پہلے حصہ میں جہاد کرنے کے لئے اسلحہ کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں اقدام علی الجہاد کا۔

وَاِنَّ منکم لَمَنْ لَیُبَطِّئَنَّ، یہ منافقین کا ذکر ہے جو جہاد میں جانے سے پس وپیش کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ پیچھے رہ جائیں، زمانۂ نبوت میں منافقین کا ایک مستقل کام یہ تھا کہ نہ صرف یہ کہ خود جہاد میں شریک ہونے سے پس وپیش کرتے تھے بلکہ دوسروں کو روکنے کے لئے ہمت شکنی کا کام کرتے تھے، چنانچہ جنگ احد میں ان کی یہ حرکت بالکل بے نقاب ہو چکی تھی، آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں کہ جہاں مسلمانوں کے لئے کوئی ایسا موقع ہوتا ہے تو وہ اعلاءِ کلمۃ اللّٰہ کے راستہ کا سنگ گراں ثابت

ہوتے ہیں، چنانچہ تقریباً دوسو برسوں سے دیکھا جارہا ہے کہ جب بھی کوئی تحریک اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اٹھی ہے اسے سب سے پہلے ان پتھروں ہی سے سابقہ پڑتا ہے۔

ولئن اصابکم فضل الخ اس آیت میں منافقین کے قلبی اضطراب کا ذکر ہے، یعنی اگر مسلمانوں کو کوئی مصیبت پیش آجائے منافق کہتے ہیں کہ مجھ پر خدا کا احسان وانعام ہے کہ میں ان کے ساتھ بروقت موجود نہ تھا ورنہ میں بھی مارا جاتا، اور میرا بھی وہی حال ہوتا جوان کا ہوا، یہ ایک بدترین جذبہ ہے کہ ایک انسان خود کو ایک جماعت کا فرد بھی تسلیم کرے اور اس پر مصیبت پڑے تو اپنی سلامتی پر یوں خوش بھی ہو۔

اور اگر مسلمانوں کو اللہ کا فضل یعنی مالِ غنیمت حاصل ہو تو حسرت وپشیمانی کا اظہار کرے کہ جس سے معلوم ہو کہ مال ودولت ہی سب کچھ ہے اور اسی کی خاطر ربط وتعلق ہے اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں مصیبت سے دامن بچانا اور دولت کے ساتھ ہو لینا یہ ہر دور کے منافقوں کی عادت رہی ہے یہ اتنی واضح علامت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور علامت کی ضرورت ہی نہیں۔

وَمالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ (الآیۃ) ظالموں کی بستی سے مراد (نزول کے اعتبار سے) مکہ ہے ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم وستم سے تنگ آکر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان کمزور مسلمانوں کو کفار سے نجات دلانے کیلئے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ جس علاقہ میں مسلمان اس طرح ظلم وستم کا شکار اور نرغۂ کفار میں گھرے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو کافروں کے ظلم وستم سے بچانے کیلئے جہاد کریں، یہ جہاد کی دوسری قسم ہے پہلی قسم اعلاء کلمۃ اللہ یعنی دین کی نشر واشاعت کے لئے تھی۔

الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ (الآیۃ) جنگ کی ضرورت مومن اور کافر دونوں کو پیش آتی ہے لیکن دونوں کے مقصدِ جنگ میں عظیم فرق ہے، مومن اللہ کے لئے لڑتا ہے محض دنیا طلبی یا ہوس ملک گیری کے لئے نہیں جبکہ کافر کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ عن قِتَالِ الكُفَّارِ لَمَّا طَلَبُوْهُ بِمَكَّةَ لِاَذَى الكُفَّارِ لهم وهُمْ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ** فُرِضَ **عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ** يَخَافُوْنَ **النَّاسَ** الكُفَّارَ اى عَذَابَهُمْ بِالقَتْلِ **كَخَشْيَةِ** هِمْ عَذَابَ **اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً** مِنْ خَشْيَتِهِمْ لَهُ و نَصْبُ اَشَدَّ على الحَالِ و جَوَابُ لَمَّا دَلَّ عليه اِذَا وَمَا بَعْدَهَا اى فَاجَاَتْهُمُ الخَشْيَةُ **وَقَالُوْا** جَزَعًا مِنَ المَوْتِ **رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ** هَلَّا **اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ** لهم **مَتَاعُ الدُّنْيَا** مَا يُتَمَتَّعُ بِهِ فِيْهَا اوِ الاِسْتِمْتَاعُ بها **قَلِيْلٌ** اٰيِلٌ الى الفَنَاءِ **وَالْاٰخِرَةُ** اى الجَنَّةُ **خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى** عَذَابَ اللّٰهِ بِتَرْكِ مَعْصِيَتِهِ **وَلَا تُظْلَمُوْنَ** بالتاء والياءِ تُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ **فَتِيْلًا** ﴿۷۷﴾ قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ فَجَاهِدُوْا **اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ**

وَلَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُرُوْجٍ حُصُوْنٍ مُّشَيَّدَةٍ مُرتَفِعَةٍ فلا تَخشَوُا القِتَالَ خَوفَ المَوْتِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ اى اليَهُوْدَ حَسَنَةٌ
خِصْبٌ وسَعَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ جَدْبٌ وَبَلاءٌ كَمَا حَصَلَ لَهم عِندَ قُدُومِ النَّبِىِّ
صلى الله عليه وسلم المَدِيْنَةَ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ يَا مُحَمَّدُ اى بِشُؤمِكَ قُلْ لهم كُلٌّ مِنَ الحَسَنَةِ
وَالسَّيِّئَةِ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ مِن قِبَلِه فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ اى لَا يُقَارِبُونَ اَنْ يَفْهَمُوا حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ يُلقى
اليهم وَمَا استِفهَامُ تَعَجُّبٍ مِنْ فَرْطِ جَهلِهِمْ وَنَفْىُ مُقَارَبَةِ الفِعلِ اَشَدُّ مِنْ نَفْيِهِ مَآ اَصَابَكَ اَيُّهَا الاِنْسَانُ
مِنْ حَسَنَةٍ خَيرٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؗ اَتَتْكَ فَضْلًا منه وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ بَلِيَّةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ اَتَتْكَ حَيْثُ ارتَكَبْتَ مَا
يَستَوجِبُهَا مِنَ الذُّنُوبِ وَاَرْسَلْنٰكَ يا مُحَمَّدُ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ على رِسَالَتِكَ
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى اَعرَضَ عَنْ طَاعَتِهِ فلا يُهِمَّنَّكَ فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ حافظًا
لِاَعمَالِهِمْ بَلْ نَذِيرًا وَاِلَينَا اَمرُهُمْ فَنُجَازِيهِمْ وَهٰذَا قَبلَ الاَمْرِ بِالقِتَالِ وَيَقُوْلُوْنَ اى المُنَافِقُونَ اِذَا جَاءَكَ
اَمرُنَا طَاعَةٌ ؗ لَكَ فَاِذَا بَرَزُوْا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ بِاِدغَامِ التَّاءِ فِى الطَّاءِ وَتَرْكِهِ اى
اَضْمَرَتْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ؕ لَكَ فِى حُضُورِكَ مِنَ الطَّاعَةِ اى عِصيَانَكَ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ يَأمُرُ بِكَتبِ
مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فِى صَحَائِفِهِمْ لِيُجَازُوا عَلَيهِ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ بِالصَّفحِ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ ثِقْ بِهِ فَاِنَّهُ كَافِيكَ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ مُفَوَّضًا اِلَيهِ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ يَتَأَمَّلُونَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَمَا فِيهِ مِنَ المَعَانِى البَدِيعَةِ
وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ تَنَاقُضًا فِى مَعَانِيهِ وَتَبَايُنًا فى نَظمِهِ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ عن
سَرَايَا النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم مِمَّا حَصَلَ لَهُمْ مِّنَ الْاَمْنِ بِالنَّصرِ اَوِ الْخَوْفِ بِالهَزِيمَةِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ
اَفشَوهُ نَزَلَ فى جَمَاعَةٍ مِنَ المُنَافِقِينَ اَوْ ضُعَفَاءِ المُؤمِنِينَ كَانُوا يَفعَلُونَ ذٰلِكَ فَتَضعُفُ قُلُوبُ المُؤمِنِينَ
وَيَتَأَذَّى النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم وَلَوْ رَدُّوْهُ اى الخبرَ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ اى ذَوِى الرَّأىِ
مِنْ اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ اى لَوْ سَكَتُوا عنه حَتّٰى يُخبَرُوا بِهِ لَعَلِمَهُ هَلْ هُوَ مِمَّا يَنْبَغِى اَنْ يُذَاعَ اَوْ لَا
الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ يَتَتَبَّعُونَهُ وَيَطلُبُونَ عِلمَهُ وَهُمُ المُذِيعُونَ مِنْهُمْ ؕ مِنَ الرَّسُولِ وَاُولِى الاَمْرِ
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بِالاِسلَامِ وَرَحْمَتُهٗ لكم بالقراٰن لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ فِيمَا يَأمُرُكُمْ بِهِ مِنَ الفَوَاحِشِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾
فَقَاتِلْ يا مُحَمَّدُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ فلا تَهتَمَّ بِتَخَلُّفِهِمْ عَنكَ المَعنٰى قَاتِلْ وَلَوْ وَحدَكَ
فَاِنَّكَ مَوعُودٌ بِالنَّصرِ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ حُثَّهُمْ عَلَى القِتَالِ وَرَغِّبْهُمْ فِيهِ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ حَرْبِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا منهم وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾ تَعذِيبًا منهم فقال صلى الله عليه وسلم وَالَّذِى نَفسِى بِيَدِهٖ
لَاَخرُجَنَّ وَلَوْ وَحدِى فَخَرَجَ بِسَبعِينَ رَاكِبًا اِلَى بَدرِ الصُّغرٰى فَكَفَّ اللّٰهُ بَاسَ الكُفَّارِ بِاِلقَاءِ الرُّعبِ فى
قُلُوبِهِمْ وَمَنعِ اَبِى سُفيَانَ عَنِ الخُرُوجِ كَمَا تَقَدَّمَ فى اٰلِ عِمرَانَ مَنْ يَّشْفَعْ بَيْنَ النَّاسِ شَفَاعَةً حَسَنَةً مُوَافِقَةً

لِلشَّرعِ **يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ** مِنَ الاَجرِ **مِّنْهَا** بِسَبَبِهَا **وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً** مُخَالِفَةً لَهٗ **يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ** نَصِيبٌ مِنَ الوِزرِ **مِّنْهَا** بِسَبَبِهَا **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا**۞ مُقتَدِرًا فَيُجَازِيْ كُلَّ اَحَدٍ بِمَا عَمِلَ **وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ** كَانْ قِيلَ لَكُم سَلَامٌ عَلَيكُم **فَحَيُّوْا** اَلْمُحْيِيَ **بِاَحْسَنَ مِنْهَآ** بِاَنْ تَقُولُوا لَه وَعَلَيكَ السَّلَامُ وَرَحمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ **اَوْ رُدُّوْهَا** بِاَنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ اَيِ الوَاجِبُ اَحَدُهُمَا وَالاَوَّلُ اَفضَلُ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا**۞ مُحَاسِبًا فَيُجَازِيْ عَلَيهِ وَمِنهُ رَدُّ السَّلَامِ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ الكَافِرَ وَالمُبتَدِعَ وَالفَاسِقَ وَالمُسَلِّمَ عَلٰى قَاضِي الحَاجَةِ وَمَن فِي الحَمَّامِ وَالاٰكِلِ فَلَا يَجِبُ الرَّدُّ عَلَيهِم بَل يُكرَهُ فِي غَيرِ الاَخِيرِ وَيُقَالُ لِلكَافِرِ وَعَلَيكَ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** وَاللّٰهِ **لَيَجْمَعَنَّكُمْ** مِن قُبُورِكُم **اِلٰى** فِي **يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ وَمَنْ** اَي لَا اَحَدَ **اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا**۞ قَولًا.

ترجمہ: کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنہیں حکم دیا گیا کہ کافروں کے ساتھ قتال سے ہاتھ روکے رکھو، جبکہ انہوں نے مکہ میں کفار کی ایذارسانی کی وجہ سے جہاد کا مطالبہ کیا، اور وہ صحابہ کی ایک جماعت تھی اور نماز پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو اسی وقت ایک جماعت ان میں سے کافروں سے ڈرنے لگی، یعنی قتل کے ذریعہ ان کے عذاب سے جیسا کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں بلکہ اس کے خوف سے بھی بڑھکر اور اشَدَّ، کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے اور 'لَـمَّـا' کے جواب پر اذا اور اس کا مابعد دلالت کر رہا ہے، یعنی ان کو اچانک خوف لاحق ہوگیا، اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا؟ کیوں نہ ہم کو تھوڑی سی زندگی اور جینے دی؟ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی سودمندی (یعنی) سامان عیش جس سے تم نفع اندوز ہوتے ہو یا نفع اندوز ہونا، تو بہت کم ہے (یعنی) اس کا انجام فنا ہے اور ترک معصیت کر کے اللہ کے عذاب سے ڈرنے والوں کیلئے آخرت یعنی جنت بہتر ہے اور تمہارے اعمال (حسنہ) میں کمی کر کے ایک دھاگے یعنی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائیگا تم جہاں کہیں بھی ہوگے گو تم مضبوط اونچے قلعوں میں ہو موت تم کو آپکڑے گی لہٰذا موت کے خوف سے جہاد سے مت ڈرو، اور اگر یہودیوں کو کوئی بھلائی (مثلا) شادابی اور خوشحالی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی برائی (مثلا) خشک سالی اور مصیبت پہنچتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے مدینہ آمد کے وقت (خشک سالی) لاحق ہوئی تھی، تو کہتے ہیں اے محمد یہ تیری یعنی تیری نحوست کی وجہ سے ہے آپ ان سے کہہ دو یہ سب خواہ بھلائی یا برائی سب اللہ کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ کوئی بات جو ان کو بتائی جائے سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہیں اور 'مـا' استفہام تعجبی کے لئے ہے، ان کی کثرت جہالت سے، قرب فعل کی نفی (نفس) فعل کی نفی سے شدید تر ہوتی ہے اے انسان جو بھی خیر تجھکو پہنچتی ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس کے فضل سے ہے اور جو مصیبت تجھ کو پہنچتی ہے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اس طریقہ پر کہ تو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے جو موجبات مصائب میں سے ہے، اور اے محمد ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے

رسولا، حال مؤکدہ ہے اور تیری رسالت پر اللہ کی شہادت کافی ہے جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے آپ کی اطاعت سے اعراض کیا تو آپ رنجیدہ نہ ہوں اس لئے کہ ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، یعنی ان کے اعمال کا نگران، بلکہ ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور ان کا معاملہ ہماری ہی طرف لوٹنے والا ہے، لہٰذا ہم ان کو جزاء دیں گے، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کی فرمانبرداری ہے مگر جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں (بَیَّتَ طَّآئفۃ) میں تاء کو طاء میں ادغام کرکے اور بغیر ادغام کے، تو ان میں کی ایک جماعت رات کو اس کے خلاف مشورہ کرتی ہے جو آپ کے حضور طاعت کی بات کرتی ہے یعنی آپ کی نافرمانی کا مشورہ کرتی ہے اور اللہ ان کے اعمال ناموں میں لکھوالیتا ہے جو یہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں۔

نوٹ: بَیَّتَ، کی تفسیر اَضْمَرَتَ سے تسامح ہے، اسلئے کہ عصیان و نافرمانی کا تعلق آپ کے پاس سے نکلنے سے متعلق نہیں تھا بلکہ مجلس میں موجودگی کی صورت میں بھی عصیان و نافرمانی ان کے دلوں میں ہوتی تھی، لہٰذا بیّت کی تفسر رات کو مشورہ کرنا انسب ہے۔ سو آپ ان سے درگزر کرکے منہ پھیرلیں اور اللہ پر بھروسہ کریں، اسلئے کہ وہ آپ کے لئے کافی ہے، اللہ کارسازی کیلئے کافی ہے کیا یہ لوگ قرآن میں اور اس کے معانی میں غور نہیں کرتے جو اس میں موجود ہیں اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے، یعنی اس کے معانی میں تناقض اور نظم میں تباین پاتے جہاں ان کے پاس کوئی بات آپ ﷺ کے سرایا کی پہنچی جو ان کو آئی خواہ نصرت کی ہو یا ہزیمت کی تو اس کو شہرت دینا شروع کردیتے ہیں (یہ آیت) منافقین کی ایک جماعت یا کمزور ایمان والے مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایسا کرتے تھے، اور اگر یہ لوگ رسول کو اور صحابہ میں سے ذمہ دار اکابر صحابہ کو پہنچادیتے یعنی اگر یہ لوگ سکوت اختیار کرتے تا آں کہ ان کو اس معاملہ کی خبر دیدی جاتی، تو یہ لوگ جو اس خبر کی تحقیق کے درپے ہیں اور اس خبر کی جانکاری حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ وہی شہرت دینے والے لوگ ہیں تو اس بات کو جان لیتے کہ یہ خبر شہرت دینے کے لائق ہے یا نہیں، اور اگر اسلام کے ذریعہ تم پر اللہ کا فضل اور قرآن کے ذریعہ تم پر اس کی رحمت نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم بے حیائی کی باتوں میں جن کا تم کو شیطان حکم کرتا ہے شیطان کے پیرو بن جاتے اے محمد تو خدا کی راہ میں جہاد کرتا رہ تجھ کو صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے لہٰذا آپ سے ان کے پیچھے رہ جانے پر آپ رنجیدہ نہ ہوں، مطلب یہ کہ تم جہاد کرو اگرچہ تم تنہا ہو اس لئے کہ نصرت کا وعدہ آپ سے ہے، اور ایمان والوں کو رغبت دلاتے رہئے یعنی مومنوں کو جہاد پر آمادہ کرتے رہئے اور ان کو رغبت دلاتے رہیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ تعالیٰ ان سے باعتبار موت کے اور باعتبار عذاب کے ان سے شدید تر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور (جہاد کیلئے) نکلوں گا اگرچہ میں اکیلا ہی کیوں نہ ہوں، چنانچہ آپ ﷺ (صرف) ستر (٧٠) سواروں کے ساتھ بدر صغریٰ کی جانب نکل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے حملہ کو ان کے دلوں میں رعب ڈال کر روک دیا، اور ابوسفیان کو (جنگ کے لئے) نکلنے سے روک کر، جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، جو شخص لوگوں کے

درمیان شریعت کے مطابق بھلائی کی سفارش کرے تو اس کو بھی اس کی وجہ سے اجر کا حصہ ملے گا، اور جو شخص شریعت کے خلاف برائی کی سفارش کرے گا تو اس کو اس سفارش کی وجہ سے گناہ کا ایک حصہ ملے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے لہٰذا ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا، اور جب تم کو سلام کیا جائے مثلاً تم سے کہا جائے سلامٌ علیکم، تو تم سلام کرنے والے کو اس کے سلام سے اچھا جواب دو اس طریقہ پر کہ تم اس سے کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو، اس طریقہ پر کہ جیسا اس نے کہا ہے تم بھی ویسا ہی کہدو، یعنی ان میں سے ایک واجب ہے، مگر پہلا افضل ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں، لہٰذا ہر (عمل) کی جزاء دے گا، اور ان ہی میں سے سلام کا جواب دینا بھی ہے، اور شریعت نے مستثنیٰ کر دیا ہے کافر کو اور بدعتی کو اور قضائے حاجت کرنیوالے پر سلام کرنے والے کو اور اس شخص پر جو حمام میں ہو اور کھانے والے پر کہ ان کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے بلکہ اخیر کے علاوہ میں مکروہ ہے اور کافر کے جواب میں کہا جائے گا وعَلَیْكَ (یعنی تجھ پر بھی) اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم کو یقیناً تمہاری قبروں سے قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کوئی شک نہیں، اور اللہ سے زیادہ سچی بات والا کون ہوگا؟ کوئی نہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: مِنْ خَشْیَتِھِمْ الخ اس میں اشارہ ہے کہ اس کا عطف کخشیۃ اللہ پر ہے۔

قِوْلُہٗ: ونَصَبٌ علی الحال یعنی کخشیۃ اللہ سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے یخشَوْنَ الناسَ مِثلَ خَشْیَۃِ اللّٰہ.

قِوْلُہٗ: اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً بھی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اسلئے کہ اس کا عطف کخشیۃِ اللّٰہ پر ہے، اس میں ان لوگوں کے قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں خشیۃ اللہ مصدریہ کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُہٗ: جوابُ لَمّا دَلَّ علیہ اِذَا، مناسب یہ تھا کہ مفسرؒ علّام وجواب لمّا اِذَا وَمَابعدھا، فرماتے۔

قِوْلُہٗ: اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ، میں اِذا مفاجاتیہ قائم مقام فاء ہے فَلَمّا کُتِبَ، لَمَّا کا جواب ہے۔

قِوْلُہٗ: جَزَعاً مِنَ الْمَوْتِ، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لِمَ کتبتَ علینا القتال، بطور اعتراض نہیں تھا بلکہ موت سے خوف طبعی کی وجہ سے تھا اسلئے کہ قائلین خیار صحابہ تھے۔

قِوْلُہٗ: ما یُتَمتَّعُ بہ، اس میں اشارہ ہے کہ متاع مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قِوْلُہٗ: اوالاِسْتِمْتَاعُ بھا اس میں اشارہ ہے کہ مَتَاعٌ سے معنی مصدری مراد ہو سکتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: بھا، ای بعین المتاع.

قِوْلُہٗ: بَیَّتَ طَائِفَۃٌ، بیّتَ کا فاعل طائفۃ ہے، طائفۃ چونکہ مؤنث غیر حقیقی ہے جس کے لئے فعل کا مذکر اور مؤنث دونوں

لانا جائز ہے، مفسر علام نے، بَیَّتَ، کی تفسیر اضمرت سے کی ہے، اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منافقین جب آپ کے پاس سے باہر آتے تھے تو آپ کے قول کے برخلاف دل میں پوشیدہ رکھتے تھے حالانکہ یہ مفہوم مناسب نہیں اسلئے کہ آپ کے قول کے برخلاف تو ان کے دلوں میں اس وقت بھی مضمر ہوتا تھا جبکہ وہ آپ کی مجلس میں ہوتے تھے اسلئے کہ منافقین مجلس ہی میں سمعنا وعصینا کہا کرتے تھے، مفسر علام اگر بیّتَ کی تفسیر تدبیر الامر لیلاً سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا اسلئے کہ منافقین رات کو آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کرتے تھے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُذِیْعُوْنَ افواہ پھیلانیوالے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ مکہ میں ہجرت سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستایا کرتے تھے کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ ایک نہ ایک مسلمان مشرکوں کے دست ستم سے زخم خوردہ ہو کر نہ آتا ہو، مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس وقت مسلمانوں کی تعداد مکہ میں اچھی خاصی ہو چکی تھی، مسلمان سوچنے پر مجبور ہوئے کہ آخر کب تک ہم اسی طرح ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے؟ مسلمانوں کی ایک جماعت جس میں عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر چند اصحاب شامل تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا نبی اللہ جب ہم مشرک تھے تو باعزت تھے اور اب جبکہ ہم مسلمان ہو گئے تو ذلیل ہو گئے، تو آپ نے فرمایا، مجھے درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا تم قوم سے مقابلہ نہ کرو، (حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نسائی وابن جریر وابن ابی حاتم وغیرہ نے نقل کیا ہے)۔

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو جہاد کا حکم ہوا تو ان کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ ہماری دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور بارگاہ ایزدی میں ہماری دعاء شرف قبولیت کو پہنچی، مگر بعض ضعیف الایمان مسلمان کافروں کے مقابلہ سے ایسے خوف زدہ ہونے لگے جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، اور سوچنے لگے کہ کاش تھوڑی مدت اور قتال کا حکم نہ آتا، اس پر مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ظاہر بات ہے کہ مسلمانوں کی جہاد سے مہلت کی تمنا درحقیقت کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ یہ ایک طبعی اور فطری بات تھی، دوسری بات یہ تھی کہ جب یہ مسلمان مکہ میں تھے تو مشرکوں کی ایذاؤں سے تنگ آکر جہاد کے حکم کی تمنا کر رہے تھے، گویا کہ تنگ آمد بجنگ آمد، کا مصداق تھے، لیکن جب مدینہ میں آکر قدرے سکون نصیب ہوا، ایسی صورت میں جب قتال کا حکم نازل ہوا تو سابق جذبہ کم ہو چکا تھا۔

بعض مفسرین کے نزدیک آیت کا تعلق مخلص مسلمانوں سے نہیں بلکہ منافقین سے ہے اس صورت میں کسی قسم کا اشکال نہیں۔
(فتح القدير، تفسیر کبیر، معارف)

اَینَ ما تکونوا یُدرِککم الموتُ، مذکورہ ضعیف الایمان لوگوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا اور اس کا آرام وراحت فانی اور عارضی ہے جس کے لئے تم مہلت طلب کررہے ہو، اس کے مقابلہ میں آخرت بہت بہتر اور پائیدار ہے جس کے اطاعت الٰہی کے صلہ میں تم سزاوار ہوگے، دوسرے یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہوکر ہی کیوں نہ بیٹھ جاؤ، پھر جہاد سے گریز کا کیا فائدہ؟

ویقولون طاعة، فَاِذَا بَرَزُوا مِنْ عندكَ بيَّتَ طائفة منهم، (الآية) اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو دورخی پالیسی رکھتے ہیں زبان سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ ہوتا ہے۔

اس نفاق وبدباطنی کا کیا ٹھکانہ کہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو تو اطاعت وتسلیم کا دم بھرتے ہیں اور ہر طرح یقین دلاتے ہیں کہ ہم سے بڑھکر آپ کا کوئی مطیع نہیں، مگر آپ کے پاس سے جانے کے بعد رات کو آپ کے خلاف مشورہ کرتے ہیں جسے قدرت کی آنکھ دیکھتی ہے اور ان کے رازدارانہ مشوروں کو سنتی ہے۔

لہٰذا آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا لیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، نہ ان کی اصلاح ممکن ہے اور نہ ان کی راتوں کو رازدارانہ سازشیں اسلام کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

اَفَلا یتدبرون القرآن، اسلام کی بلند عمارت دو ستونوں پر قائم ہے ایک ذات پیغمبر اور دوسرا قرآن حکیم، یہ منافقین پیغمبر کی ذات گرامی سے منہ موڑتے ہیں ساتھ ہی قرآن سے بھی برگشتہ ہیں، اگر یہ لوگ ایک لمحہ کے لئے قرآن پاک پر غور کرتے تو ان پر یہ بات واضح ہوجاتی کہ قرآن خدائی کلام ہے۔

شانِ نزول:

وَاِذَا جَاءَ هم امر من الامن او الخوف اذاعوا به، یہ آیت اس ہنگامی دور میں نازل ہوئی جبکہ ہر طرف افواہیں اڑ رہی تھیں۔ کبھی خطرہ بے بنیاد کی مبالغہ آمیز اطلاعیں آتیں جن سے مسلمانوں میں افسردگی پھیلنے اور ان کے حوصلے پست ہونیکا امکان ہوتا اور بعض دفعہ مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ناکامی کی خبریں آتیں جس کے نتیجے میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی پیدا ہوجاتی جو نقصان کا باعث بن سکتی تھی، مذکورہ آیت میں بعض کمزور اور جلد باز اور افواہ پھیلانے والے کی اصلاح کی خاطر سرزنش کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ افواہیں پھیلانے سے باز رہیں اور عام لوگوں میں افواہیں پھیلانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ اور ذمہ داروں کے پاس پہنچا دیا کریں تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ یہ خبریں صحیح ہیں یا غلط۔

علامہ ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت کے شان نزول میں حضرت عمر بن خطاب کی حدیث کو ذکر کرنا مناسب ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سنکر اپنے گھر سے مسجد نبوی کی طرف آئے جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر بھی یہی چرچا ہورہا ہے، یہ دیکھ کر حضرت عمر نے سوچا کہ اس خبر کی تصدیق کرنی چاہئے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں یہ تحقیق کرنے کے بعد مسجد میں گیا اور دروازے پر کھڑے ہوکر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی جو آپ لوگ کہہ رہے ہو غلط ہے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

افواہیں پھیلانا گناہ اور بڑا فتنہ ہے:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا "كَفىٰ بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ" یعنی انسان کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کردے۔

وَاِذا حُيِّيْتُمْ بتحيةٍ فحيوا باَحْسَنَ منها، تحيَّة، اصل میں تَحْيِيَة بروزن تَفْعِلَة، یاء کو یاء میں ادغام کردیا تحِيَّة ہوگیا، اس کے معنی ہیں درازی عمر کی دعاء کرنا یہاں سلام کرنے کے معنی میں ہے سلام کا اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اسطرح تو آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کردیا جائے لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو پھر اضافہ کے بغیر انہی الفاظ میں جواب دیا جائے۔

قبل از اسلام سلام کا طریقہ:

اسلام سے پہلے عرب کی عام عادت یہ تھی کہ ملاقات کے وقت آپس میں حیاک اللہ یا انعم اللہ بک عینا یا انعم صباحاً وغیرہ الفاظ کہتے تھے اسلام نے سلام کے اس طریقہ کو بدل کر السلام علیکم کا طریقہ جاری کیا، جس کے معنی ہیں تم تکلیف اور رنج اور مصیبت سے سلامت رہو۔

اسلامی سلام تمام دیگر قوموں کے سلام سے بہتر ہے:

دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ ملاقات کے وقت کوئی نہ کوئی کلمہ اظہار محبت اور موانست کے لئے کہیں، لیکن اگر موازنہ کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا اسلام نہیں، کیونکہ اس میں صرف اظہار محبت ہی

نہیں بلکہ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو تمام آفات وبلیات سے سلامت رکھے۔

وَلَمَّا رَجَعَ نَاسٌ مِن اُحُدٍ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيهِم فَقَالَ فَرِيقٌ اُقْتُلْهُمْ قَالَ فَرِيقٌ لَا، فَنَزَلَ **فَمَا لَكُمْ** اَى مَا شَانُكُمْ صِرْتُمْ **فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ** رَدَّهُمْ **بِمَا كَسَبُوْا** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِىْ **اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** اَى تَعُدُّوْهُمْ مِن جُمْلَةِ الْمُهْتَدِيْنَ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِى الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا** ﴿٨٨﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْهُدٰى **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ** اَنْتُمْ وَهُمْ **سَوَآءً** فِى الْكُفْرِ **فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ** تُوَالُوْنَهُمْ وَاِنْ اَظْهَرُوا الْاِيْمَانَ **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** هِجْرَةً صَحِيْحَةً تُحَقِّقُ اِيْمَانَهُمْ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** وَاَقَامُوْا عَلٰى مَاهُمْ عَلَيْهِ **فَخُذُوْهُمْ** بِالْاَسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا** تُوَالُوْنَهٗ **وَّلَا نَصِيْرًا** ﴿٨٩﴾ تَنْتَصِرُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّكُمْ **اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ** يَلْجَأُوْنَ **اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ بِالْاَمَانِ لَهُمْ وَلِمَنْ وَصَلَ اِلَيْهِمْ كَمَا عَاهَدَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم هِلَالَ بْنَ عُوَيْمِرِ الْاَسْلَمِىَّ **اَوْ** الَّذِيْنَ **جَآءُوْكُمْ** وَقَدْ **حَصِرَتْ** ضَاقَتْ **صُدُوْرُهُمْ** عَنْ **اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ** مَعَ قَوْمِهِمْ **اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ** مَعَكُمْ اَى مُمْسِكِيْنَ عَنْ قِتَالِكُمْ وَقِتَالِهِمْ فَلَا تَتَعَرَّضُوْا اِلَيْهِمْ بِاَخْذٍ وَلَا قَتْلٍ وَهٰذَا وَمَا بَعْدَهٗ مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** تَسْلِيْطَهُمْ عَلَيْكُمْ **لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ** بِاَنْ يُّقَوِّىَ قُلُوْبَهُمْ **فَلَقٰتَلُوْكُمْ** وَلٰكِنَّهٗ لَمْ يَشَأْهُ فَاَلْقٰى فِىْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ **فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ** الصُّلْحَ اَى انْقَادُوْا **فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا** ﴿٩٠﴾ طَرِيْقًا بِالْاَخْذِ اَوِ الْقَتْلِ **سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ** بِاِظْهَارِ الْاِيْمَانِ عِنْدَكُمْ **وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ** بِالْكُفْرِ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ وَهُمْ اَسَدٌ وَغَطَفَانُ **كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ** دُعُوْا اِلَى الشِّرْكِ **اُرْكِسُوْا فِيْهَا** وَقَعُوْا اَشَدَّ وُقُوْعٍ **فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ** بِتَرْكِ قِتَالِكُمْ **وَ** لَمْ **يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ** لَمْ **يَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ** عَنْكُمْ **فَخُذُوْهُمْ** بِالْاَسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وَجَدْتُّمُوْهُمْ **وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا** ﴿٩١﴾ بُرْهَانًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلٰى قَتْلِهِمْ وَسَبْيِهِمْ لِغَدْرِهِمْ.

ترجمہ: اور جب لوگ اُحُد سے لوٹے تو لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا، ایک فریق نے کہا ان کو قتل کرو اور دوسرے فریق نے کہا مت قتل کرو، تو یہ آیت نازل ہوئی، (فَمَا لَكُمْ) تمہارا کیا حال ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو جماعت ہو گئے اللہ نے ان کو ان کے کفر ومعاصی کی بدولت واپس پھیر دیا کیا تم چاہتے ہو کہ جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا تم راہِ راست پر لے آؤ یعنی تم ان کو من جملہ ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کرتے ہو، استفہام دونوں جگہ انکاری ہے، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے تو ہرگز ہدایت کا راستہ نہ پاؤ گا یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تاکہ وہ اور تم کفر میں برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا کہ ان سے دوستی کرنے لگو، اگرچہ وہ ایمان کا اظہار کریں،

جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صحیح طور پر ہجرت کریں جو ان کے ایمان کو محقق کردے، اور اگر وہ روگردانی کریں اور اگر وہ موجودہ نفاق ہی پر قائم رہیں تو ان کو قید کرو اور جہاں کہیں انھیں پاؤ قتل کرو اور ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کرنے لگو، اور نہ مددگار بناؤ کہ ان سے دشمن کے مقابلہ میں مدد لینے لگو، سوائے ان لوگوں کے کہ جو ان لوگوں سے جاملیں کہ ان کے اور تمہارے درمیان معاہدۂ امن ہے اور ان کا جو ان سے جاملے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ فرمایا تھا، یا وہ لوگ تمہارے پاس اسطرح آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہو رہے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں یا تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں، یعنی وہ تمہارے ساتھ اور ان کے ساتھ قتال کرنے سے رکے ہوئے ہیں، لہٰذا تم ان سے قید و قتل کر کے تعرض نہ کرو یہ حکم اور اس کا مابعد آیت سیف سے منسوخ ہے اور اگر اللہ کو تم پر ان کا غلبہ منظور ہوتا تو وہ ان کو ان کے دلوں کو قوی کر کے تمہارے اوپر غالب کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے لیکن اس کو منظور نہ ہوا جس کی وجہ سے اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، پس اگر وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور تم سے قتال نہ کریں اور تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں، یعنی تمہارے تابع فرمان رہیں، تو اللہ نے ان کے خلاف تمہارے لئے قید و قتل کی کوئی راہ نہیں رکھی اور عنقریب تم کچھ اور لوگ بھی پاؤ گے کہ جو چاہتے ہیں کہ تمہارے سامنے ایمان کا اظہار کر کے تم سے بھی امن میں رہیں، اور جب اپنی قوم کے پاس جائیں تو (اظہار) کفر کے ذریعہ اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں اور وہ اَسَدْ اور غطفان ہیں، اور انھیں جب بھی فتنہ شرک کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس کی طرف پلٹ پڑتے ہیں یعنی اس میں شدت کے ساتھ واقع ہو جاتے ہیں، پس اگر ترک قتال کر کے تم کو چھوڑے نہ رکھیں اور نہ تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں اور نہ تم سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھیں، تو تم ان کو قید کرو اور انھیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو یہی لوگ تو ہیں کہ جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلی گرفت دیدی ہے یعنی ان کے قتل و قید پر ان کی غداری کی وجہ سے کھلی اور واضح دلیل دیدی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مَا شَانُکُمْ، دخولِ حرف علی الحرف سے بچنے کے لئے مفسر علام نے شان مضاف محذوف مانا ہے۔

قولہ: صِرْتُمْ، اس کے حذف میں اشارہ ہے کہ فِی المنفقین، صرتُمْ محذوف کے متعلق ہے اور فِئَتَیْنِ صِرتم کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور جملہ ہو کر مالکم مبتداء کی خبر ہے۔

قولہ: تمنّوا، وَدُّوا، کی تفسیر تَمَنَّوْا سے کر کے بتادیا کہ اگر وَدٌّ کے بعد لَوْ واقع ہو تو تمنا کے معنی میں ہوتا ہے۔

قولہ: یَلْجَأوْنَ مفسر علام نے یَصِلون، کی تفسیر یَلْجَأن سے تصحیح صلہ کے لئے کی ہے۔

قولہ: او الَّذِیْنَ، اس میں اشارہ ہے کہ جاءُ وکم کا عطف یصلون پر ہے نہ کہ قوم کی صفت پر۔

قولہ: وقد حَصِرتْ، قد محذوف مان کر ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو حَصِرت کو قومًا محذوف کی صفت مانتے ہیں،

اس لئے کہ اس میں بلاضرورت حذف لازم آتا ہے بلکہ حصرت جاء و کم کی ضمیر سے حال ہے، اور ماضی جب حال واقع ہو تو قَدْ ضروری ہوتا ہے خواہ لفظاً ہو یا معنیً اسی لئے مفسر علام نے قد مقدر مانا ہے۔

قَوْلَهُ: عن، حصِرت چونکہ متعدی بنفسہٖ نہیں ہوتا اس لئے عَنْ محذوف ماننا ضروری ہے۔

تفسیر وتشریح

فَمَالکم فی المنافقین فئتَین، یہ استفہام انکاری ہے یعنی تمہارے درمیان ان منافقوں کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا، ان منافقین سے وہ منافقین مراد ہیں جو غزوۂ احد میں مدینہ سے کچھ دور جا کر واپس آگئے تھے، اور بہانہ یہ کیا تھا کہ مشورہ میں ہماری بات نہیں مانی گئی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

ان منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے تھے، ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقوں سے بھی لڑنا چاہئے، دوسرا اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔

شانِ نزول:

مذکورہ آیت میں تین فرقوں کے واقعات کی طرف اشارہ ہے جو مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوں گے۔

پہلی روایت:

عبداللہ بن حمید نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر یہ کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں، پھر مرتد ہو گئے، رسول اللہ ﷺ سے اسباب تجارت لانے کا بہانہ کر کے مکہ چلے گئے اور واپس نہیں آئے، ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی، بعض نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے کہا مومن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا کافر ہونا فَمَالکم فی المنافقین، میں بیان فرمایا اور ان کے قتل کا حکم دیا ہے۔

منافقین کو گو قتل نہیں کیا جاتا تھا مگر یہ اسی وقت تک تھا کہ ان کا نفاق ظاہر نہ ہو مگر جب یہ لوگ مکہ واپس چلے گئے اور ان کا ارتداد ظاہر ہو گیا تو ایک جماعت نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، اور جنہوں نے مسلمان کہا شاید حسن ظن کی وجہ سے کہا ہو اور ان کے دلائل ارتداد میں کوئی تاویل کی ہو اس لئے ان کے قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا ہو۔

دوسری روایت:

دوسری روایت ابن ابی شیبہ نے حسن سے روایت کی ہے کہ سراقہ بن مالک مدلجی نے واقعۂ بدر و اُحد کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آکر درخواست کی کہ ہماری قوم بنی مدلج سے صلح کر لیجئے، آپ نے خالد بن ولید کو تکمیل صلح کے لئے

وہاں بھیجا مضمون صلح مندرجہ ذیل تھا۔

ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے اور اگر قریش مسلمان ہو جائیں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے اور جو قومیں ہم سے متحد ہوں گی وہ بھی اس معاہدہ میں ہمارے شریک ہیں۔

اس پر آیت وَدُّوا لو تکفرون الخ نازل ہوئی۔

تیسری روایت:

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت کیا گیا ہے کہ آیت، سَتَجِدُوْنَ آخرین الخ میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ قبیلہ اسد اور غطفان کے لوگ ہیں کہ جنہوں نے مدینہ میں آکر اسلام کا اظہار کیا، مگر اپنی قوم سے کہتے تھے کہ ہم تو بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں اور ضحاک نے ابن عباس سے یہی حالت بنی عبد الدار کی نقل کی ہے، پہلی اور دوسری روایت روح المعانی اور تیسری معالم میں ہے۔ (معارف)

خلاصۂ کلام:

مطلب یہ ہے کہ ان کے ظاہری میل ملاپ سے دھوکا کھا کر ان کو اپنا مخلص دوست نہ سمجھو اور نہ اس بناء پر ان کے قید وقتل سے دست کش ہو، البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں ان کو قتل نہیں کیا جائیگا، (۱) ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہارا معاہدۂ صلح ہو ان سے ان کا بھی معاہدہ ہو تو ایسے لوگوں کو قتل کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اسلئے کہ حلیف کا حلیف، اپنا بھی حلیف سمجھا جاتا ہے، (۲) دوسری صورت یہ کہ عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرف دار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے طرفدار ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے، اور اس عہد پر قائم بھی رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کرلو، اور اللہ کا احسان سمجھو کہ تمہاری لڑائی سے باز آئے اگر اللہ چاہتا تو ان کو تمہارے اوپر جری کر دیتا۔

ہجرت کی مختلف صورتیں:

حتی یھاجروا فی سبیل اللّٰہ الخ ابتداء اسلام میں دارالکفر سے ہجرت تمام مسلمانوں پر فرض تھی، اسلئے ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنے سے منع فرمایا ہے جو اس فرض کے تارک ہوں، جب مکہ فتح ہو گیا تو ہجرت کا لازمی حکم منسوخ ہو گیا، آپ نے فرمایا "لا ھجرۃ بعد الفتح" (رواہ البخاری) یعنی فتح مکہ کے بعد جب مکہ دارالاسلام بن گیا تو وہاں سے ہجرت فرض نہ رہی، یہ اس زمانہ کا حکم ہے جبکہ ہجرت شرط ایمان تھی، اس آدمی کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جو قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ہجرت کی دوسری صورت یہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گی جس کے بارے میں حدیث میں آیا ہے ''لا تنقطع الھجرة حتی تنقطع التوبة'' یعنی ہجرت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک توبہ کی قبولیت کا وقت باقی رہے (بخاری) علامہ عینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ اس ہجرت سے مراد سیّئات سے ہجرت ہے یعنی گناہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف آنا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اى ما ينبغى له ان يصدر منه قتل له **اِلَّا خَطَـًٔا** مُخطئًا فى قتله من غير قصدٍ **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا** بأن قصد رمى غيره كصيدٍ اوشجرةٍ فاصابه او ضربه بما لا يُقتل غالبًا **فَتَحْرِيْرُ** عتق **رَقَبَةٍ** نسمةٍ **مُّؤْمِنَةٍ** عليه **وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ** مؤدّاة **اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ** اى ورثة المقتول **اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا** يتصدّقوا عليه بها بان يعفوا عنها وبيّنت السنّة انّها مائة من الابل عشرون بنت مخاض وكذا بنات لبون وبنو لبون وحقاق وجذاع وانّها على عاقلة القاتل وهم عصبة الاصل والفرع موزّعة عليهم على ثلث سنين على الغنيّ منهم نصف دينار والمتوسط ربع كلّ سنة فان لم يفوا فمن بيت المال فان تعذّر فعلى الجاني **فَاِنْ كَانَ** المقتول **مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ** حرب **لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** على قاتله كفّارة ولا دية تسلّم الى اهله لحرابتهم **وَاِنْ كَانَ** المقتول **مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عهد كاهل الذمّة **فَدِيَةٌ** له **مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ** وهى ثلث دية المؤمن ان كان يهوديًّا اونصرانيًّا وثلثا عشرها ان كان مجوسيًّا **وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** على قاتله **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** الرقبة بان فقدها وما يحصّلها به **فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ** عليه كفّارة ولم يذكر تعالى الانتقال الى الطعام كالظهار وبه اخذ الشافعيّ فى اصحّ قوليه **تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ** مصدر منصوب بفعله المقدّر **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بخلقه **حَكِيْمًا** ﴿٩٢﴾ فيما دبّره لهم **وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا** بان يقصد قتله بما يقتل غالبًا عالمًا بايمانه **فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ** ابعده من رحمته **وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا** ﴿٩٣﴾ فى النّار وهذا مؤوّل بمن يستحلّه او بانّ هذا جزاؤه ان جوزى ولا بدع فى خلف الوعيد لقوله تعالى ويغفر ما دون ذلك لمن يّشاء وعن ابن عبّاس رضى الله تعالى عنه انّها على ظاهرها وانّها ناسخة لغيرها من ايات المغفرة وبيّنت اية البقرة انّ قاتل العمد يقتل به وانّ عليه الدية ان عفى عنه وسبق قدرها وبيّنت السنّة انّ بين العمد والخطأ قتلاً يسمّى شبه العمد وهو ان يقتله بما لا يقتل غالبًا فلا قصاص فيه بل دية كالعمد فى الصفة والخطأ فى التاجيل والحمل على العاقلة وهو والعمد اولى بالكفّارة من الخطأ ونزل لمّا مرّ نفرٌ من الصحابة رضى الله تعالى عنهم برجل من بنى سليم وهو يسوق غنمًا فسلّم عليهم فقالوا ماسلّم علينا الّا تقيّة فقتلوه واستاقوا غنمه **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ** سافرتم للجهاد **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا** وفى قراءة بالمثلّثة فى الموضعين **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ** بالف ودونها اى التحيّة اوالانقياد بقول كلمة الشّهادة الّتى هى امارة على اسلامه **لَسْتَ مُؤْمِنًا** وانّما قلت هذا لنفسك ومالك فتقتلوه **تَبْتَغُوْنَ** تطلبون

بِذٰلِكَ **عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** مَتَاعًا مِنَ الغَنِيْمَةِ **فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ** تُغْنِيْكُمْ عَنْ قَتْلِ مِثْلِهٖ لِمَالِهٖ **كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ** تُعْصَمُ دِمَائُكُمْ وَأَمْوَالُكُمْ بِمُجَرَّدِ قَوْلِكُمُ الشَّهَادَةَ **فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ** بِالْاِشْتِهَارِ بِالْاِيْمَانِ وَالْاِسْتِقَامَةِ **فَتَبَيَّنُوْٓا** أَنْ تَقْتُلُوْا مُؤْمِنًا وَافْعَلُوْا بِالدَّاخِلِ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا فُعِلَ بِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** ﴿٩٤﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** عَنِ الْجِهَادِ **غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ** بِالرَّفْعِ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ زَمَانَةٍ أَوْ عَمًى وَنَحْوِهٖ **وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِضَرَرٍ **دَرَجَةً** فَضِيْلَةً لِاِسْتِوَائِهِمَا فِي النِّيَّةِ وَزِيَادَةِ الْمُجَاهِدِ بِالْمُبَاشَرَةِ **وَكُلًّا** مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ **وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى** اَلْجَنَّةَ **وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِغَيْرِ ضَرَرٍ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿٩٥﴾ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **دَرَجٰتٍ مِّنْهُ** مَنَازِلَ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنَ الْكَرَامَةِ **وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً** مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمًا** ﴿٩٦﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ۔

ترجمہ: کسی مومن کے لئے یہ روا نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے یعنی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس سے مومن کا قتل سرزد ہو، سوائے غلطی کے یعنی بلا ارادہ غلطی سے قتل ہو جائے (تو اور بات ہے) اور جو کوئی مومن غلطی سے قتل کر دے بایں طور کہ نشانہ غیر مومن مثلاً شکار یا درخت کو لگایا مگر مومن و لگ گیا یا کسی ایسے آلہ سے قتل کر دیا کہ جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا تو اس پر ایک مومن غلام آزاد کرنا لازم ہے اور خون بہا بھی جو اس کے عزیزوں کے حوالہ کیا جائیگا، یعنی مقتول کے ورثاء کو، سوا اس کے کہ اسکے (عزیز) دیت معاف کر دیں، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ دیت سو (۱۰۰) اونٹ ہیں بیس (۲۰) بنت مخاض، اور اتنی ہی بنت لبون، اور بنولبون، اور حقے اور جذعے اور یہ دیت قاتل کے اہل خاندان پر ہے اور وہ اصل وفرع کے عصبہ ہیں، جو عصبات پر تقسیم کی جائیگی، (اس کی مدت) تین سال ہوگی ان میں سے مالدار پر نصف دینار سالانہ اور متوسط پر ربع دینار سالانہ وراگر یہ لوگ ادا نہ کر سکیں تو بیت المال سے ادا ہوگی، اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو جانی (قاتل) پر واجب ہوگی، اور اگر مقتول تمہاری شمن قوم (دارالحرب) سے ہو حال یہ کہ وہ مومن ہو تو اس کے قاتل پر ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے بطور کفارہ، نہ کہ بطور دیت، کہ اس کے اہل خانہ کو سپرد کر دی جائے ان کے ساتھ محاربہ ہونے کی وجہ سے اور اگر مقتول ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کہ تمہارے وران کے درمیان معاہدہ ہے جیسا کہ اہل ذمہ، اور اس کے قاتل پر ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے سو اگر جو شخص غلام نہ پائے اس جہ سے کہ غلام دستیاب نہ ہو یا اتنا مال نہ ہو کہ جس سے غلام خرید سکے، تو اس کا کفارہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے اور اللہ تعالی نے طعام کی طرف رجوع کا ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ ظہار میں فرمایا ہے، اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے دونوں قولوں میں سے صحیح ترین قول میں اسی کو لیا ہے، اور اللہ کی جانب سے توبہ کی قبولیت ہے، توبۃ، مصدر ہے فعل مقدر (تاب) کی وجہ سے نصوب ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے، (اور) اس نے جو نظام قائم کیا ہے اس میں وہ باحکمت ہے اور جو ئص کسی مومن کو قصداً قتل کر دے اس طریقہ پر کہ اس کو ایسی چیز سے قتل کا ارادہ کرے کہ جس سے غالباً قتل کیا جاتا ہے اس کے بیان سے واقف ہونے کے باوجود، تو ایسے شخص کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت

ہے اور اس کو رحمت سے دوری ہے، اور اس کیلئے (اللہ نے) جہنم میں بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور یہ (آیت) مؤول ہے اس شخص کے ساتھ کہ جو مومن کے قتل کو حلال سمجھے یا اس طریقہ پر کہ یہ اس کی سزاء ہے اگر سزا دیا جائے، اور وعید کے تخلف میں کوئی ندرت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا قول "ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء" کی وجہ سے اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس کے ظاہر پر محمول ہے اور مغفرت کی دیگر آیتوں کیلئے ناسخ ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت نے بیان کیا ہے کہ عمداً قتل کرنے والا قتل کی وجہ سے قتل کیا جائیگا، اور یقیناً اس پر دیت واجب ہے اگر چہ اس کو معاف کر دیا جائے اور دیت کی تعداد سابق میں گذر چکی ہے، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ قتل عمد اور قتل خطاء کے درمیان ایک قتل اور ہے جس کا نام شبہ عمد ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی چیز سے قتل کر دے کہ جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا، تو اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں دیت ہے صفت میں قتل عمد کے مانند اور تاجیل (تاخیر) اور خاندان والوں پر ڈالنے میں قتل خطأ کے مانند، قتل شبہ عمد اور قتل عمد کفارہ کے (وجوب) کیلئے قتل خطاء سے اولیٰ ہے، اور نازل ہوئی (آئندہ آیت) اس وقت جبکہ صحابہ کی ایک جماعت کا بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس سے گذر ہوا اور وہ بکریاں لے جا رہا تھا اس شخص نے ان لوگوں کو سلام کیا تو اِن لوگوں نے کہا اس نے سلام محض جان بچانے کے لئے کیا ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو ہانک لائے، (تو آیت یایھا الذین آمنوا نازل ہوئی) اے ایمان والو جب تم خدا کے راستہ میں جہادی سفر کر رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور ایک قراءت میں دونوں جگہ ثــــاء مثلثہ کے ساتھ ہے، (فَتَثبتوا) انتظار کیا کرو اور جو تمہیں سلام علیک کرے (سلام) الف کے ساتھ اور بدون الف کے ہے، اور کلمہ شہادت کے ذریعہ جو کہ اس کے اسلام کی علامت ہے انقیاد (فرمانبرداری) کا اظہار کرے تو تم یہ نہ کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے تو نے تو یہ کلمہ اپنی جان اور مال بچانے کے لئے کہا ہے، دنیاوی سامان مالِ غنیمت طلب کرنیکے لئے اس کو قتل کر دو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں تو وہ غنیمتیں تم کو اس کے مال کے لئے اس کے قتل سے مستغنی کر دے گی، اس سے پہلے تم بھی ایسے ہی تھے تمہاری جانیں اور تمہارے اموال محض تمہارے کلمہ شہادت کی وجہ سے محفوظ رکھے جاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ایمان کی شہرت اور استقامت کے ذریعہ احسان فرمایا تو تم تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو کہ) تم کسی مومن کو قتل کر دو اور اسلام میں داخل ہونے والے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا تمہارے ساتھ کیا گیا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے، جن کی وہ تم کو جزاء دے گا، بغیر کسی عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والے مومن (غیــرُ) رفع کے ساتھ صفت ہونے کی وجہ سے، اور نصب کے ساتھ استثناء کی وجہ سے، اپاہج یا اندھا وغیرہ ہونے کی وجہ سے، اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کو عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والوں پر فضیلت بخشی ہے دونوں کے نیت میں مساوی ہونے اور مجاہد کے عملی طور پر جہاد کرنے کی وجہ سے، اور (یوں تو) اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں سے ہر ایک سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور مجاہدین کو بغیر عذر بیٹھے رہنے والوں پر بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے اور درجاتٍ منه (اجراً) سے بدل ہے اپنی طرف سے مرتبے کی کہ جو عزت

میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے اور مغفرت اور رحمة میں دونوں اپنے مقدر فعلوں کی وجہ سے منصوب ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو معاف کرنے والا اور اسکی اطاعت کرنے والوں پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مُخْطِئاً فی قَتْلِه، اس میں اشارہ ہے کہ خَطَأً، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مفعول مطلق ہونیکی وجہ سے منصوب ہو اور مصدر محذوف کی صفت ہو، ای اِلَّا قَتْلًا خَطأً.

قولہ: عَلَيْهِ: اس میں اشارہ ہے کہ تحریر، مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، ای فعلیه تحریر یا مبتداء محذوف کی خبر ہے ای فالو اجب علیه تحریر رقبةٍ اور فعل محذوف کا فاعل بھی ہوسکتا ہے ای فیجب علیه تحریر رقبةٍ، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علیه شرط کی جزاء ہو اور چونکہ جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے، لہٰذا علیه کو محذوف ماننا ہو۔

قولہ: وَدِيَةٌ، اس کا عطف تحریر پر ہے وَدِية اصل میں مصدر ہے مالِ ماخوذ پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے اسی وجہ سے اس کی صفت مُسَلَّمَةٌ لائی گئی ہے اور یہ اصل میں وَدِیٌ تھا واؤ کو حذف کر دیا اس کے عوض آخر میں تاء تانیث کا اضافہ کر دیا، دية ہوگیا۔

قولہ: نِصْفُ دِيْنَارٍ، یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

قولہ: ثُلُثَا عُشْرِها، یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

قولہ: مَصْدَرٌ مَنْصُوبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ ای تَابَ علیکم تَوْبَةً.

قولہ: عَالِماً بِإِيْمَانِهِ، یعنی مذکورہ عذاب کا مستحق اس وقت ہوگا جبکہ اس کو مومن سمجھ کر قتل کیا ہو، اور اگر حربی سمجھ کر قتل کیا گیا ہو تو مستحق نہ ہوگا۔

قولہ: بِمَنِ اسْتَحَلَّهُ، اس اضافہ کا مقصد معتزلہ پر رد کرنا ہے اسلئے کہ جہنم میں دائمی دخول تو کافر کے لئے ہوگا، اسلئے کہ کتاب و سنت اور اجماع کے دلائل قطعیہ اس میں صریح ہیں کہ عصاة المسلمین کا دائمی طور پر جہنم میں داخلہ نہیں ہوگا، بخلاف معتزلہ کے کہ ان کے یہاں مرتکب گناہ کبیرہ اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ بھی دائمی جہنمی ہے۔

قولہ: لا بِدْعَ ای لَا نُدْرَةَ، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کے نزدیک آیت ظاہر پر محمول ہے، غالباً اس سے مقصد شدت کو ظاہر کرنا ہے، اسلئے کے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ ہی سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔

قولہ: فِی قِرَاءَ ةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ ای بالثاء، ای فَتَثَبَّتُوْا. (یعنی انتظار کیا کرو)۔

قولہ: بِالرَّفْعِ صِفَةً، یعنی غیرُ مرفوع ہے قاعدون کی صفت ہونے کی وجہ سے۔

سوال: القاعِدُوْنَ الف لام کی وجہ سے معرفہ ہے اور غیر نکرہ ہے لہٰذا صفت واقع ہونا درست نہیں ہے۔

پہلا جواب: غیر جب دو متضاد کے درمیان واقع ہوتا ہے تو بھی معرفہ ہو جاتا ہے۔
دوسرا جواب: القاعدون میں الف لام جنس کا ہے جس کی وجہ سے مشابہ بنکرہ ہے۔
تیسرا جواب: القاعدون سے چونکہ کوئی متعین قوم مراد نہیں ہے لہٰذا وہ نکرہ ہی ہے معرفہ جب ہوتا جب متعین قوم مراد ہوتی، ظاہر یہ ہے کہ غیر، القاعدون سے بدل ہے اور بدل ومبدل منہ میں تعریف وتنکیر میں مطابقت ضروری نہیں ہے، اور غیر پر نصب بھی جائز ہے القاعدون سے استثناء کی وجہ سے۔
قولہ: مِنَ الزَّمَانَۃِ، یہ للضرر کا بیان ہے۔
قولہ: مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ یعنی مغفرةً ورحمةً دونوں اپنے اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں نہ کہ اَجْرًا، پر معطوف ہونے کی وجہ سے، تقدیر عبارت یہ ہے غفر اللّٰہ لھم مغفرةً ورحمھم اللّٰہ رحمةً.

تفسیر وتشریح

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ (الآية) یہ نفی بمعنی نہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول 'وَمَا كان لكم أن تُؤْذُوْا رسول اللّٰه' میں نفی بمعنی نہی ہے اور اگر نفی اپنے معنی پر ہو تو یہ خبر ہوگی اور اس کا صادق ہونا ضروری ہوگا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی مومن کا قتل صادر نہ ہو حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

شان نزول:

عبد بن حمید اور ابن جریر وغیرہ نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ نے ایک مومن شخص کو نادانستہ قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

واقعہ کی تفصیل:

ابھی آپ ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی، ایک صاحب عیاش بن ابی ربیعہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، مگر قریش کے ظلم وستم نے ان کو اس کا موقع نہ دیا کہ وہ اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار کر دیں اور انھیں اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں ان کے مسلمان ہونے کی اطلاع ان کے گھر والوں کو نہ ہو جائے جس کی وجہ سے ان کی دقتوں میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے، اس وقت مدینہ مسلمانوں کیلئے پناہ گاہ بن چکا تھا اکا دکا مصیبت زدہ مسلمان مدینہ کا رخ کر رہے تھے، عیاش بن ابی ربیعہ اور ابوجہل آپس میں سوتیلے بھائی تھے، دونوں کی ماں ایک اور والد الگ الگ تھے ماں کی پریشانی نے ابوجہل کو بھی اضطراب اور پریشانی میں ڈال دیا، ابوجہل کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ عیاش مدینہ میں پناہ گزیں ہو گیا ہے چنانچہ ابوجہل خود اور اس کا دوسرا بھائی حارث اور

ایک تیسرا شخص حارث بن زید بن ابی انیسہ مدینہ پہنچے، انہوں نے عیاش کو ان کی والدہ کی رورو کر پوری حالت سنائی اور پورا یقین دلایا کہ تم صرف اپنی ماں سے مل آؤ، اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت عیاش نے اپنی والدہ کی بے چینی اور بھائیوں کے وعدہ پر اعتماد کر کے خود کو ان کے سپرد کر دیا اور مکہ کے لئے ان کے ساتھ روانہ ہو گئے، مدینہ سے دو منزل مسافت طے کرنے کے بعد ان لوگوں نے غداری کی اور وہی سب کچھ کیا جس کا اندیشہ تھا، بڑی بے دردی سے پہلے تو ان کے ہاتھ پیر باندھے اور اس کے بعد تینوں نے بڑی بے رحمی سے ان پر اتنے کوڑے برسائے کہ پورا بدن چھلنی کر دیا، جس ماں کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا اس نے عیاش کو تپتی ہوئی دھوپ میں ڈلوا دیا کہ جب تک خدا اور اس کے رسول سے نہ پھرو گے یوں ہی دھوپ میں جلتے رہو گے۔

یہ شہادت کی الفت میں قدم رکھنا ہے   لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

لہو میں ڈوبا ہوا بدن، جکڑے ہوئے ہاتھ پاؤں، سفر کی تکلیف، ماں کا یہ ستم، بھائیوں کی یہ درندگی، مکہ کی تپتی ہوئی پتھریلی زمین آخر کب تک؟ آخر مجبوراً عیاش کو وہ الفاظ کہنے پڑے جنھیں کہنے کے لئے ان کا دل ہرگز آمادہ نہیں تھا، تب کہیں اس عذاب سے چھٹکارا نصیب ہوا، ان کی اس بے کسی پر طعن کرتے ہوئے حارث بن زید نے ایک زبردست چوٹ کی کہنے لگے کیوں عیاش تمہارا دین بس اتنا ہی تھا؟ عیاش غصہ کا گھونٹ پی کر رہ گئے اور قسم کھالی کہ جب بھی موقع ملے گا اس کو قتل کر دوں گا، حضرت عیاش پھر کسی طرح مدینہ پہنچ گئے، ان ہی دنوں حارث بن زید بھی مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ منورہ حاضر ہو کر جاں نثاران نبوت کی صف میں شامل ہو گئے، حضرت عیاش کو حارث بن زید کے اسلام قبول کرنے کی بالکل خبر نہ تھی، ایک روز اتفاق سے قباء کے نواح میں دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا، حضرت عیاش رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کو حارث بن زید کی ساری حرکتیں یاد تھیں، سمجھے کہ پھر کسی بے کس کے ہاتھ پاؤں باندھنے آئے ہوں گے، اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوتے حضرت عیاش کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی، اس واقعہ کے بعد لوگوں نے عیاش کو صورت حال سے آگاہ کیا کہ حارث بن زید تو مسلمان ہو کر مدینہ آئے تھے، حضرت عیاش آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انتہائی افسوس کے ساتھ عرض کیا حضور آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت حارث نے میرے ساتھ کیا کچھ کیا تھا میرے دل میں ان سب باتوں کا زخم تھا اور مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ وہ مشرف باسلام ہو چکے ہیں، ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

قتل کی تین قسمیں اور ان کا شرعی حکم:

پہلی قسم:

قتلِ عمد، جو قصداً ایسے آلہ کے ذریعہ واقع ہو جو آہنی ہو یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کے مانند ہو جیسے دھار دار پتھر یا بانس وغیرہ۔

دوسری قسم:

قتل شبہ عمد، جو قصداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو، یا قتل ایسی چیز سے ہو جس سے عام طور پر قتل نہ ہوتا ہو۔

تیسری قسم:

قتل خطاء، خطا یا تو قصد وظن میں ہو کہ انسان کو شکار سمجھ بیٹھا، یا نشانہ خطا کر گیا کہ نشانہ چوک کر کسی انسان کو لگ گیا، ان دونوں قسموں میں قاتل پر دیت واجب ہے اور قاتل گنہگار بھی ہے مگر دونوں کی دیت میں قدرے فرق ہے، دوسری اور تیسری قسم کی دیت سو (۱۰۰) اونٹ ہے، مگر اس تفصیل سے کہ چاروں قسم یعنی بنت لبون، بنت مخاض، جذعہ، حِقہ ہر ایک قسم میں سے پچیس پچیس اور تیسری قسم میں اس تفصیل سے کہ اونٹ کی پانچ مع (بنولبون) قسموں میں سے ہر ایک میں بیس بیس، البتہ دیت اگر نقد کی صورت میں دی جائے تو مذکورہ دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں، اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے اسلئے کہ اس میں قصد کو دخل ہے اور تیسری قسم میں کم اور وہ بے احتیاطی کا گناہ ہے۔ (معارف)

مسئلہ: دیت کی مذکورہ مقدار اس وقت ہے کہ جب مقتول مرد ہو اور مقتول عورت ہو تو دیت اس کی نصف ہوگی۔

(کذافی الهدایة)

مسئلہ: دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے حدیث میں ہے آپ نے فرمایا ''دِيَّة كل ذمى عهد فى عهده الف دينار''.

(اخرجهٗ ابو داؤد)

مسئلہ: کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کے ذمہ ہیں، اور دیت قاتل کے (خاندان) اہل نصرت پر ہے جس کو اصطلاح شرع میں عاقلہ کہتے ہیں۔ (معارف)

مسئلہ: مقتول کی دیت مقتول کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگی اور جو اپنا حصہ معاف کر دے گا اس قدر معاف ہو جائیگا اور اگر سب معاف کر دیں گے تو پوری دیت معاف ہو جائیگی۔

مسئلہ: جس مقتول کا وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں جمع ہوگی۔

خلاصۂ کلام:

کسی کو قتل کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جان بوجھ کر عمداً قتل کیا جائے اور دوسرے یہ کہ نادانستہ ایسا ہو جائے، دانستہ بلاقصور قتل کرنے کے مسائل سورۂ بقرہ آیت ''كتب عليكم القصاص'' کی تفسیر میں گذر چکے ہیں، نادانستہ قتل کے مسائل کی تفصیل حسب ذیل ہے، نادانستہ قتل کی کل چار صورتیں ممکن ہیں۔

❶ یہ کہ مقتول مومن ہو۔
❷ یہ کہ مقتول کافر ہو، مگر ذمّی یا مستامن ہو جسکی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہو۔
❸ یہ کہ مقتول کافر معاہد ہو، یعنی اس ملک کا ہو کہ جس کے ساتھ معاہدۂ امن ہو۔
❹ یہ کہ مقتول کافر حربی ہو۔

ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں، ① اسے عمداً قتل کیا ہو، ② یا غلطی سے قتل ہوا ہو، اس طرح کل آٹھ صورتیں ہو جاتی ہیں۔

❶ مومن اگر بلاقصور جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے تو اس کی دنیاوی سزا سورۂ بقرہ میں بیان فرمائی گئی ہے اور آخرت کی سزا آیت ''وَمَنْ قتل مؤمناً متعمدًا'' میں آرہی ہے۔

❷ مومن کو اگر نادانستہ قتل کر دیا گیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا ادا کیا جائے اور ایک غلام آزاد کیا جائے اور غلام میسر نہ ہونے کی صورت میں لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے جائیں۔

❸ مقتول اگر ذمی ہو اور عمداً قتل کیا گیا ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ قتل کے بدلے قتل کر دیا جائے یعنی جو سزا مومن کو عمداً قتل کرنے کی ہے وہی ذمی کو قتل کرنے کی بھی ہے، یہ امام صاحب کا مسلک ہے۔

❹ ذمی اگر نادانستہ قتل کر دیا جائے تو اس کے وارثوں کو خون بہا (خون کی قیمت) ادا کیا جائے گا، خون بہا کی مقدار میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

❺ اگر مقتول معاہد ہو اور قصداً قتل کر دیا گیا تو اس کے قتل کی سزا میں اختلاف ہے، البتہ خون بہا ادا کرنا ضروری ہے۔

❻ اگر معاہدۂ امن کرنے والا نادانستہ قتل ہو جائے تو اس کے قتل کے لئے تو وہی قانون ہے جو ذمی کے قاتل کے لئے ہے یعنی وارثوں کو خون بہا دیا جائے۔

❼، ❽ اگر مقتول حربی (مسلمانوں کا دشمن) تھا تو اس کا قتل خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ اس کے قاتل پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت کیونکہ وہ حالت جنگ میں ہے۔

خون بہا کی مقدار:

اس سلسلہ میں یہ ذہن نشین رہے کہ خون بہا کا دارومدار قتل کی نوعیت پر ہے، ایک صورت تو یہ ہے کہ قاتل پر عمداً قتل کا الزام ثابت ہو چکا ہو مگر کسی وجہ سے قصاص کے بجائے خون بہا پر معاملہ ٹھہرا ہے تو یہ سب سے اہم خون بہا سمجھا جائیگا۔

اگر واقعہ کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کرنا مقصود نہیں تھا، یعنی عام حالات میں ایسے واقعہ میں آدمی مرتا نہیں ہے مگر اتفاق سے یہ شخص مر گیا، اس صورت میں جو خون بہا ہوگا وہ یقیناً پہلی صورت سے ہلکا ہوگا، تیسری صورت یہ ہے

کہ محض غلطی سے قتل کا صدور ہوگیا، ایسی صورت میں خون بہا دوسری صورت سے بھی ہلکا ہوگا۔

اگر خون بہا اونٹوں کی شکل میں ہو تو سو (۱۰۰) اونٹ ہوں گے، اور اگر گائے کی شکل میں ہو تو دوسو (۲۰۰) گائے ہوں گی اور بکریوں کی صورت میں ہو تو ایک ہزار بکریاں ہوں گی، اور اگر کپڑوں کی شکل میں ہو تو دوسو (۲۰۰) جوڑے ہوں گے، اس کے علاوہ اگر کسی اور چیز سے خون بہا ادا کیا جائے تو ان ہی چیزوں کی بازاری قیمت کے لحاظ سے متعین کیا جائیگا، مثلاً نبی ﷺ کے زمانہ میں سو اونٹوں کی قیمت آٹھ سو (۸۰۰) دینار یا آٹھ ہزار (۸۰۰۰) درہم تھے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو فرمایا کہ اب اونٹوں کی قیمت بڑھ گئی ہے لہٰذا اب دیت سونے کی صورت میں ایک ہزار دینار اور چاندی کی صورت میں بارہ ہزار درہم خون بہا دلوایا جائیگا۔

عورت کا خون بہا:

عورت کا خون بہا مرد کا آدھا ہے اور باندی وغلام کا خون بہا اس کی ممکن قیمت ہوتی ہے، خون بہا کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم امام صاحب کے نزدیک دونوں برابر ہیں، جو خون بہا قصاص کے بجائے قاتل کے ذمہ واجب ہوا ہے وہ صرف قاتل کے ذمہ ہوگا، اور جو خون بہا دوسری کسی وجہ سے عائد ہوتا ہے اس میں قاتل کے تمام رشتہ دار شریک ہو کر بطور چندہ ادا کریں گے۔

وَمَنْ یقتل مؤمناً متعمدًا فجزائه جهنم خالدًا فیها (الآیة) اس آیت میں مومن کے قتل عمد کی سزا بیان فرمائی گئی ہے جو فی الواقع بڑی سخت سزا ہے مثلاً اس کی سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہوگا، اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئی، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے، احادیث میں اس کی سخت مذمت اور وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

مؤمن کے قاتل کی توبہ:

مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں، بعض علماء مذکورہ سخت وعیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قائل نہیں، لیکن قرآن وحدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے "اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا" (الفرقان) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں لہٰذا ہر قسم کے گناہ کو شامل ہوگی، یہاں جو جہنم میں دائمی خلود کی سزا بیان کی گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر توبہ نہ کی تو اس کی یہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے جرم پر دے سکتا ہے اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خلود سے مراد مکثِ طویل ہے اسلئے کہ جہنم میں خلود کافروں اور مشرکوں ہی کے لئے ہے، قتل کا تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بھی اس کی تلافی فرما سکتا ہے اس میں مقتول کو بھی بدلہ مل جائیگا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائیگی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر)

شان نزول:

یآیھا الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا (الآیۃ) اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جارہے ہوتو تحقیق کرلیا کرواور جوتم سے سلام علیکم کرے تم اسے یہ نہ کہدو کہ وہ تو ایمان والانہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کسی علاقہ سے گذری جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے نے سلام کیا بعض صحابہ نے سمجھا شاید یہ جان بچانے کیلئے خود کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے سلام کررہا ہے، چنانچہ انہوں نے اسے بغیر تحقیق کے قتل کرڈالا، اور بکریاں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے جس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(بخاری، ترمذی)

روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے، مطلب یہ کہ اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں تھا، تمہیں چند بکریاں اس مقتول سے حاصل ہوگئیں یہ کچھ بھی نہیں اللہ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بہتر غنیمتیں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وجہ سے دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں ان کا ملنا تو یقینی ہے۔

عبرتناک واقعہ:

ابن جریر کے حوالہ سے اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے آپ ﷺ نے کسی جنگی ضرورت سے صحابہ کی ایک جماعت روانہ فرمائی ان میں ایک شخص محلم بن جثامہ بھی تھا ان لوگوں کی راستہ میں ایک شخص عامر بن اضبط سے ملاقات ہوگئی، عامر نے باقاعدہ اسلامی طریقہ سے ان لوگوں کو سلام کیا یعنی اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا، لیکن محلم اور عامر کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے کچھ کدورت چلی آرہی تھی محلم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عامر کو قتل کردیا، ابھی عامر کا اسلام مشہور نہ ہوا تھا، واپسی پر محلم نے آنحضرت ﷺ سے معافی کی درخواست کی لیکن نہایت سختی سے رد کردی گئی ابھی ایک ساعت بھی نہ گذری تھی کہ محلم نے وفات پائی، محلم دفن کردیا گیا لیکن فوراً ہی لاش قبر سے باہر آگئی حاضرین گھبرائے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "زمین اگرچہ اس سے بھی زیادہ برے لوگوں کو قبول کرسکتی ہے مگر اللہ تمہیں ایسی حرکتوں پر تنبیہ فرماتا ہے آخر کار لاش پہاڑ پر ڈالدی گئی۔

شان نزول:

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر (الآیۃ) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ گھروں میں بیٹھے رہنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے، تو حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نابینا صحابی)

وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے ہم جہاد میں حصہ نہیں لے سکتے جس کی وجہ سے ہم جہاد کے اجر وثواب سے محروم رہیں گے، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے "غیرُ اولی الضرر" استثناء نازل فرمایا، یعنی عذر کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہ لینے والے اجر وثواب میں مجاہدین کے شریک ہیں۔

وَنَزَلَ فِي جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا فَقُتِلُوْا يَوْمَ بَدْرٍ مَعَ الْكُفَّارِ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** بِالْمَقَامِ مَعَ الْكُفَّارِ وَتَرْكِ الْهِجْرَةِ **قَالُوْا** لَهُمْ مُوَبِّخِيْنَ **فِيْمَ كُنْتُمْ** اَيْ فِي اَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ **قَالُوْا** مُعْتَذِرِيْنَ **كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ** عَاجِزِيْنَ عَنْ اِقَامَةِ الدِّيْنِ **فِي الْاَرْضِ** اَرْضِ مَكَّةَ **قَالُوْٓا** لَهُمْ تَوْبِيْخًا **اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا** مِنْ اَرْضِ الْكُفْرِ اِلَى بَلَدٍ اٰخَرَ كَمَا فَعَلَ غَيْرُكُمْ قَالَ تَعَالٰى **فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا** (۹۷) هِيَ **اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً** لَا قُوَّةَ لَهُمْ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا نَفَقَةَ **وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا** (۹۸) طَرِيْقًا اِلَى اَرْضِ الْهِجْرَةِ **فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا** (۹۹) **وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا** مُهَاجَرًا **كَثِيْرًا وَّسَعَةً** فِي الرِّزْقِ **وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ** فِي الطَّرِيْقِ كَمَا وَقَعَ لِجُنْدُعِ بْنِ ضَمْرَةَ اللَّيْثِيِّ **فَقَدْ وَقَعَ** ثَبَتَ **اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** (۱۰۰)

ترجمہ: (آئندہ آیت) ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اسلام قبول کیا مگر ہجرت نہیں کی، اور کفار کے ساتھ بدر میں قتل کر دیئے گئے، بے شک ان لوگوں کی روح جنہوں نے کفار کے ساتھ قیام کر کے اور ترک ہجرت کر کے اپنے اوپر ظلم کیا فرشتہ جب (روح) قبض کرتا ہے تو ان سے توبیخاً پوچھتا ہے تم اپنے دین کے معاملہ میں کس حال میں تھے؟ تو وہ عذر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم دین کے قائم کرنے کے معاملہ میں مکہ کی سرزمین میں ہم کمزور تھے تو (فرشتے) ان سے توبیخاً کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی؟ کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے یعنی کافروں کی سرزمین سے دوسرے شہر کی طرف ہجرت کر جاتے جیسا کہ دوسروں نے کی اللہ تعالیٰ فرمائیگا، یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے سوائے ان لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کمزور ہوں کہ جو نہ کوئی تدبیر ہی کر سکتے ہوں اور نہ ہجرت کی کوئی صورت ہی پاتے ہوں تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ ان کو معاف کر دے گا اور اللہ ہے ہی بڑا معاف کرنے والا اور بڑا بخشنے والا اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بہت سی ہجرت گاہیں اور رزق میں وسعت پائیگا، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتے ہوئے نکلے پھر راستہ میں اسے موت آجائے جیسا کہ جندع بن ضمرہ لیثی کو پیش آیا تھا، تو اس کے لئے اللہ پر اجر ثابت ہو گیا اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا بڑا مہربان۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: قالُوا لَهُمْ مُوَبِّخِيْنَ.

سوال: مُوَبِّخِيْنَ کے اضافہ سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: مؤبِّخِيْنَ کے اضافہ کا مقصد سوال وجواب میں مطابقت پیدا کرنا ہے اسلئے کہ اگر مؤبِّخِيْن محذوف نہ مانیں تو۔

سوال: فِيْمَ كُنْتُمْ؟ اور۔

جواب: كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ، میں مطابقت نہیں رہتی، اسلئے کہ سوال ہے تم کس چیز میں تھے اور جواب ہے ہم ضعیف اور عاجز تھے یہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہے اور مـؤبّـخِيْن محذوف مان لیں تو دراصل سوال نہ رہا بلکہ ہجرت کے لئے نہ نکلنے پر توبیخ ہوگی، مطلب یہ ہوا کہ تم ہجرت کیلئے کیوں نہیں نکلے؟ جواب دیا چونکہ ہم کو ضعف کی وجہ سے ہجرت پر قدرت نہیں اسلئے ہم نے ہجرت نہیں کی۔

قولہ: فی اَیِّ شَیْءٍ، اس میں اشارہ ہے کہ، فِيْمَ، میں مَا، استفہامیہ ہے نہ کہ موصولہ۔

قولہ: مُرَاغَمًا، باب مفاعلہ کا ظرف مکان ہے معنی جائے گریز، مقام ہجرت، مُرَاغَمًا، کی تفسیر مهاجرًا سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے۔

قولہ: جُنْدُع بْن ضَمْرَة، بعض مفسرین جندب ابن ضمرہ لکھا ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الملائكَةُ ظَالِمِيْ انفسِهِمْ قَالُوا فِيْمَ كُنْتُمْ (الآية) اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے کہ جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بلا کسی مجبوری کے اپنی کافر قوم میں مکہ ہی میں مقیم رہے، درانحالیکہ ایک دارالاسلام مہیا ہو چکا تھا جس کو افرادی قوت کی سخت ضرورت تھی یہی وجہ تھی کہ ہجرت فرض کر دی گئی تھی اور عام اعلان کر دیا گیا تھا کہ جہاں بھی کوئی اسلام کا فرزند ہو وہ مدینہ پہنچ جائے، اس کے علاوہ مکہ میں رہ کر نیم اسلامی زندگی گذارنے کے مقابلہ میں ہجرت کر کے اپنے دین واعتقاد کے مطابق پوری اسلامی زندگی گذارنا ممکن ہو گیا تھا، حالانکہ ان ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے کوئی واقعی اور حقیقی مجبوری نہیں تھی، قالوا فیمَ کنتم، یعنی دارالکفر میں رہ کر دین کے کن کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ہجرت کو نہ نکلے؟ دراصل یہ ہجرت نہ کرنے پر توبیخ وتعریض ہے۔ (کبیر)

جب اسلامی مرکز کو کافی قوت حاصل ہوگئی اور مخالفین کی قوت کا زور ٹوٹ گیا تو ہجرت بھی واجب نہ رہی، اس کے باوجود جب اور جہاں کہیں ویسے حالات پیدا ہو جائیں تو ہجرت واجب ہو جائے گی "لا هجرة بعد الفتح" کا یہی مطلب ہے۔

یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ ظہور اسلام کے وقت پورے عرب میں مکہ معظمہ ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا، اہل

مکہ کی مخالفت پورے عرب کی مخالفت سمجھی جاتی تھی اوران کی موافقت پورے ملک کی موافقت تصور کی جاتی تھی، اگر چہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ہستی اوران کا وجود واضح ہو چکا تھا مگر پھر بھی اسلام لانے یا نہ لانے کے معاملہ میں پورے عرب کی نظریں مکہ پر لگی ہوئی تھیں، ایسی صورت میں ضروری تھا کہ کوئی بھی کلمہ گو مکہ میں نہ رہے تا کہ قریش کی اجتماعی قوت جلد از جلد ٹوٹ جائے اور دوسری قوت میں اضافہ کریں تا کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت عرب کے لئے مسلّمہ قوت بن جائے مکہ فتح ہو جانے کے بعد پورے عرب کیلئے گویا اسلام کی برتری کا اعلان ہو چکا تھا یہی وجہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد قبیلے کے قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ کچھ عرصہ میں کفر جزیرۃ العرب سے جلاوطن ہو گیا۔

اِلّا المستضعفین (الآیة) ہجرت سے یہ ان مردوں عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ کرنے کا حکم ہے جو ہجرت کے وسائل سے محروم ہوں وسائل خواہ مالی ہوں یا جسمانی چنانچہ انتہائی بوڑھا بیمار ایسا کمزور کہ جو نہ پیدل چل سکے اور نہ سواری پر سوار ہو سکے، اور ایسا بال بچوں والا کہ جو نہ انھیں ساتھ لے جا سکتا ہو اور نہ تنہا چھوڑ سکتا ہو، ہجرت سے مستثنیٰ ہیں حضرت ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کا بیان ہے کہ میں اور میری والدہ ماجدہ ان ہی لوگوں میں تھے، والدہ معذور تھیں اور میں بچہ۔

بچے اگر چہ شرعی احکام کے مکلّف نہیں ہوتے لیکن یہاں بچوں کا ذکر ہجرت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

وَمَنْ یُھَاجر فی سبیل اللّٰہ (الآیة) اس میں ہجرت کی ترغیب اور مشرکین سے مفارقت اختیار کرنے کی تلقین ہے اور اخلاص نیت کے مطابق اجر وثواب ملنے کی یقین دہانی ہے۔

شانِ نزول:

ومن یُھَاجر فی سبیل اللّٰہ یجد فی الارضِ مُراغمًا، (الآیة) سعید بن جبیر وغیرہ سے طبری نے روایت کیا ہے کہ مذکورہ آیت ایک ضمرہ نامی شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ ہجرت کے بعد مکہ میں مقیم تھا، جب اس نے اللہ کا کلام ''اَلم تکن ارض اللّٰہ واسعة فتھا جروا فیھا'' سنا تو اس نے اپنے اہل خانہ سے کہا حالانکہ وہ مریض تھا، مجھے مدینہ لے چلو چنانچہ اس کے اہل خانہ اس کو ایک چارپائی پر ڈال کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے جب مقام تنعیم میں پہنچے تو ان کا انتقال ہو گیا، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سافَرْتُم **فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ** فی **اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ** بِاَنْ تَرُدُّوْهَا مِنْ اَرْبَعٍ اِلٰى اِثْنَتَيْنِ **اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ** اى يَنَالَكُمْ بِمَكْرُوْهٍ **الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** بَيَانٌ لِلْوَاقِعِ اِذْ ذَاكَ فَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالسَّفَرِ الطَّوِيْلِ وَهُوَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ وَهِيَ مَرْحَلَتَانِ وَيُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنَّهٗ رُخْصَةٌ لَا وَاجِبٌ وَعليه الشَّافِعِيُّ **اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا** (١٠١) بَيِّنَ الْعَدَاوَةِ **وَاِذَا کُنْتَ** يَا مُحَمَّدُ حَاضِرًا **فِیْهِمْ** وَاَنْتُمْ تَخَافُوْنَ الْعَدُوَّ **فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ** وَهٰذَا جَرٰى عَلٰى عَادَةِ الْقُرْاٰنِ فِى الْخِطَابِ فَلَا

مَفْهُوْمَ لَهٗ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَتَتَأَخَّر طَائِفَةٌ وَلْيَأْخُذُوْٓا اَیِ الطَّائِفَةُ الَّتِیْ قَامَتْ مَعَكَ اَسْلِحَتَهُمْ مَعَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا اَیْ صَلَّوْا فَلْيَكُوْنُوْا اَیِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی مِنْ وَّرَآئِكُمْ يَحْرُسُوْنَ اِلٰی اَنْ تَقْضُوا الصَّلٰوةَ وَتَذْهَبَ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ تَحْرُسُ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ مَعَهُمْ اِلٰی اَنْ يَقْضُوا الصَّلٰوةَ وَقَدْ فَعَلَ النَّبِیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم كَذٰلِكَ بِبَطْنِ نَخْلٍ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً بِاَنْ يَحْمِلُوْا عَلَيْكُمْ فَيَاْخُذُوْكُمْ وَهٰذَا عِلَّةُ الْاَمْرِ بِاَخْذِ السِّلَاحِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ فَلَا تَحْمِلُوْهَا وَهٰذَا يُفِيْدُ اِيْجَابَ حَمْلِهَا عِنْدَ عَدَمِ الْعُذْرِ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّ وَالثَّانِیْ اَنَّهٗ سُنَّةٌ وَرُجِّحَ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ مِنَ الْعَدُوِّ اَیْ اِحْتَرِزُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ ذَا اِهَانَةٍ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَرَغْتُمْ مِنْهَا فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بِالتَّهْلِيْلِ وَالتَّسْبِيْحِ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ مُضْطَجِعِيْنَ اَیْ فِیْ كُلِّ حَالٍ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ اَمِنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اَدُّوْهَا بِحُقُوْقِهَا اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَكْتُوْبًا اَیْ مَفْرُوْضًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ مُقَدَّرًا وَقْتُهَا فَلَا تُؤَخَّرُ عَنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا بَعَثَ صلی اللّٰه علیه وسلم طَائِفَةً فِیْ طَلَبِ اَبِیْ سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا رَجَعُوْا مِنْ اُحُدٍ فَشَكَوُا الْجِرَاحَاتِ وَلَا تَهِنُوْا تَضْعُفُوْا فِی ابْتِغَآءِ طَلَبِ الْقَوْمِ الْكُفَّارِ لِتُقَاتِلُوْهُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ تَجِدُوْنَ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ اَیْ مِثْلَكُمْ وَلَا يَجْتَنِبُوْنَ عَنْ قِتَالِكُمْ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مِنَ النَّصْرِ وَالثَّوَابِ عَلَيْهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ هُمْ فَاَنْتُمْ تَزِيْدُوْنَ عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ فَيَنْبَغِیْ اَنْ تَكُوْنُوْا اَرْغَبَ مِنْهُمْ فِيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِكُلِّ شَیْءٍ حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ فِیْ صُنْعِهٖ۔

ترجمہ: اور جب تم سفر کرو تو نماز میں قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، بایں طور کہ تم چار (رکعت) کی دو کرلو، اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تمہیں تکلیف پیش آئے گی کہ کافر تمہیں ستائیں گے، یہ نزول کے وقت کے واقعہ کا بیان ہے لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ سفر سے سفر طویل مراد ہے اور وہ چار برید ہیں جو مساوی ہے دو مرحلوں کے، اور اللہ کے قول "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" سے سمجھا جاتا ہے کہ قصر رخصت ہے نہ کہ واجب اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں (یعنی) ان کی عداوت کھلی ہوئی ہے، اور اے محمد جب آپ ان میں موجود ہوں اور تم کو دشمن کا خوف ہو اور (صحابہ کو) باجماعت نماز پڑھائیں اور آپ کو خطاب ہے (نہ کہ عام لوگوں کو) قرآنی اسلوبِ خطاب کے مطابق ہے، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، تو چاہئے کہ (صحابہ) کا ایک گروہ آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہو جائے اور (بقیہ دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ کے لئے) مؤخر رہے (یعنی جماعت میں شریک نہ ہو) اور جو گروہ آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہے وہ بھی

ہتھیار بندر ہے اور جب یہ گروہ نماز میں مشغول ہو تو دوسرے گروہ کو چاہئے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے دشمن کے مقابلہ میں رہے اور حفاظت کرتا رہے یہاں تک کہ یہ گروہ (اپنی) نماز پوری کرے اور (اب) یہ گروہ چلا جائے اور حفاظت کرے، اور دوسرا گروہ کہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لئے رہے یہاں تک کہ یہ گروہ بھی نماز پوری کر لے اور نبی ﷺ نے بطن نخلہ میں ایسا ہی کیا تھا، (رواہ الشیخان) کافر چاہتے ہیں کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ، تو وہ تم پر اچانک ٹوٹ پڑیں بایں طور کہ تم پر حملہ کر دیں اور تم کو اچانک آدبوچیں اور یہ ہتھیار بندر ہنے کے حکم کی علت ہے، اِلّا یہ کہ تم کو بارش کی وجہ سے زحمت ہو رہی ہو یا تم مریض ہو تو تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم ہتھیار اتار کر رکھ دو یعنی مسلح نہ رہو، اس سے معلوم ہوا کہ عذر نہ ہونے کی صورت میں ہتھیار بندر ہنا واجب ہے، اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے دو قولوں میں سے یہ ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ کہ ہتھیار بندر ہنا سنت ہے، اور اس کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور دشمن سے اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو (یعنی) جہاں تک ہو سکے دشمن سے محتاط رہو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ایک رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تھلیل، تکبیر کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرتے رہو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے (یعنی) ہر حال میں، پھر جب تم مامون ہو جاؤ تو نماز قائم کرو اس کے حقوق یعنی (ارکان وشرائط) کے ساتھ ادا کرو یقیناً نماز مومنوں پر اس کے اوقات مقررہ میں فرض ہے یعنی اس کے وقت مقرر میں، لہٰذا تم اس کو اس سے مؤخر نہ کرو، اور جب آپ ﷺ نے ایک جماعت کو غزوۂ احد سے فارغ ہونے کے بعد ابوسفیان اور اس کے اصحاب کے تعاقب میں روانہ کیا تو ان لوگوں نے زخموں (سے دردمند ہونے) کی شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور کافر قوم کے تعاقب میں ان کے ساتھ قتال کرنے سے ہمت نہ ہارو اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے یعنی زخموں کی تکلیف لاحق ہوئی ہے تو ان کو بھی تمہاری طرح تکلیف پہنچی ہے جیسی کہ تم کو تکلیف پہنچی ہے اور وہ تمہارے ساتھ قتال کرنے سے ہمت نہیں ہارے اور تم اللہ سے نصرت کی اور (جہاد) پر ثواب کی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے لہٰذا تم اس طریقہ سے ان پر فوقیت رکھتے ہو لہٰذا تم کو تو جنگ میں ان سے زیادہ راغب ہونا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو ہر شئی کا جاننے والا اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بَیَانٌ لِلْوَاقِعِ، اس اضافہ کا مقصد خوارج کا رد ہے، خوارج کے نزدیک قصر صلوٰۃ کے لئے خوف کی شرط ہے اور استدلال اللہ تعالیٰ کے قول ''اِنْ خِفْتُمْ'' سے کرتے ہیں۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے اِنْ خِفْتُمْ زمانۂ نزول کے واقعہ کے مطابق ہے اسلئے کہ نزول کے زمانہ میں عام طور پر مسلمانوں کو سفر میں دشمن کا خطرہ درپیش ہوتا تھا، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہ ہوگا کہ اگر خوف نہ ہو تو قصر نہیں ہوگی۔

قَوْلُہٗ: بَیِّنَ الْعَدَاوَۃِ، اس میں اشارہ ہے کہ مُبِیْنًا متعدی بمعنی لازم ہے۔

قِوْلَہٗ: المُبَاح، المباح کی قید سے سفر معصیت کو خارج کرنا مقصود ہے۔

قِوْلَہٗ: فَلَا مَفْهُوْمَ له، اس کے اضافہ کا مقصد امام ابو یوسف پر رد کرنا ہے اس لئے کہ امام ابو یوسف اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد صلوۃ خوف جائز نہیں ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک جائز ہے رہا آپ ﷺ کو خطاب تو یہ قرآنی عادت کے مطابق ہے۔

نَوْٹ: مگر کتب فقہ میں یہ اختلاف مذکور نہیں ہے۔ (کما قال القاضی وصاحب المدارک)۔

قِوْلَہٗ: بِاَنْ یَحْمِلُوْا عَلَیْکُمْ فَیَاْخُذُوْکُمْ، یہ وَلیاخُذُوا حِذْرَهم کی علت ہے، یعنی ہتھیار اس لئے ساتھ رکھو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک تمہارے اوپر ٹوٹ پڑیں۔

قِوْلَہٗ: اَنْتُمْ تاکید کے لئے ہے تاکہ کفار کی طرف ذہن نہ جائے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں جہاد اور ہجرت کا ذکر تھا چونکہ اکثر حالات میں جہاد اور ہجرت کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے اور ایسے سفر میں مخالف کی جانب سے گزند کا اندیشہ بھی ہوتا ہے اس لئے سفر اور خوف کی رعایت سے نماز میں جو خصوصی رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں آگے ان کا ذکر ہے، وَاذا ضربتم فی الارض اس آیت میں نماز کے قصر کا حکم بیان فرمایا جارہا ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ بنونجار کے کچھ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں اکثر سفر کی نوبت پیش آتی ہے ایسی حالت میں نماز پڑھنے کی کیا صورت ہوگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ① اگر چہ قصر کا حکم مخصوص حالات میں نازل ہوا تھا لیکن حالات بدل جانے پر بھی اس سہولت کو باقی رکھا گیا، اب اس کا مدار سفر کی مسافت پر ہے خواہ سفر آرام دہ ہو یا تکلیف دہ حضرت یعلی بن امیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ قصر کے بارے میں تو خوف کی قید لگی ہوئی ہے اور اب حالات بالکل بدل گئے ہیں پھر بھی اجازت کیوں؟ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا میرے دل میں بھی یہ بات کھٹکتی تھی میں نے آپ ﷺ سے معلوم کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کی عنایت و کرم ہے لہٰذا اس کو قبول کرو۔ (مسلم)

سفر اور قصر کے احکام:

❶ جو سفر تین منزل سے کم ہو اس میں قصر کی اجازت نہیں، تین منزل کی مسافت انگریزی میل کے حساب سے ۴۸ میل تقریباً سوا ستتر (۷۷.۲۵) کلو میٹر ہوتا ہے۔

❷ جس سفر میں قصر کی اجازت ہے اس میں پوری نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر،

حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت قتادہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے نزدیک قصر ضروری ہے دوسری طرف حضرت عثمان غنی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے نزدیک مسافر کے لئے قصر کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں۔

❸ سفر معصیت میں بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک قصر کی اجازت ہے دیگر ائمہ کرام اجازت نہیں دیتے۔

❹ مسافر اپنی آبادی سے نکلتے ہی قصر کر سکتا ہے اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے البتہ امام مالک کا فتوی یہ بھی ہے کہ مسافر آبادی سے کم از کم تین میل نکلنے کے بعد قصر کرے۔

❺ دوران سفر اگر کسی جگہ اقامت کی نیت کر لی جائے تو امام مالک وشافعی رَحِمَهُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک صرف چار دن اقامت کی نیت سے قصر کی اجازت ختم ہو جائے گی، امام احمد کے نزدیک اگر بیس نمازوں سے زائد کی مقدار اقامت کی نیت کی تو قصر کی اجازت ختم ہو جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر پندرہ دن ایک ہی جگہ قیام کی نیت کی تو قصر کی اجازت ختم ہو جائے گی۔

❻ جنگل میں خیموں وغیرہ کی صورت میں کسی عارضی پڑاؤ پر اقامت کی نیت شرعاً غیر معتبر ہے مسافر ہی شمار ہوگا۔

❼ اگر کسی جگہ پندرہ دن اقامت کا ارادہ نہ ہو مگر کسی وجہ سے قیام طویل ہو گیا تو قصر ہی کرے گا اگرچہ سالہا سال ہی کیوں نہ گذر جائیں، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ایک فتوی سترہ روز کا بھی ہے۔

❽ کسی ایسی کشتی کا ملاح جس میں وہ بال بچوں کے ساتھ رہتا ہو یا ایسا کوئی شخص جو ہر وقت سفر میں رہتا ہو ہمیشہ قصر کریگا، امام احمد البتہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔

❾ اگر کوئی مسافر کسی مقیم کا مقتدی ہو تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی اقتداء خواہ پوری نماز میں کی ہو یا کسی ایک جز میں، امام مالک کے نزدیک کم از کم ایک رکعت میں اقتداء ضروری ہے۔ حضرت اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ مسافر مقیم کا مقتدی ہونے کے باوجود قصر کر سکتا ہے۔

❿ اگر کوئی شخص حالت سفر میں حالت اقامت کی نمازوں کی قضا کرے تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

⓫ حالت سفر کی نمازوں کی قضا اقامت میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک قصر کے ساتھ کی جائے گی۔

وَاِذَا كُنْتَ فيهم فَاَقَمْتَ لهم الصلوٰة (الآية) ان آیات میں عین حالات جنگ میں نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، نیز نماز کے اوقات کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔

شان نزول:

حضرت ابوعیاش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم مقام عسفان اور مقام ضجنان پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، مشرکین سے ہماری مڈبھیڑ ہوگئی، خالد بن ولید جو کہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مشرکین کے فوج کے سپہ سالار تھے، اسی اثناء میں ظہر کا وقت آ گیا اور رسول اللہ ﷺ نے باجماعت نماز ادا فرمائی، مسلمان جب نماز سے فارغ ہو کر

مقابلہ پر آئے تو کافروں میں چہ میگوئی شروع ہوئی کہ بڑا اچھا موقع ہاتھ سے نکل گیا، اگر نماز کی حالت میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا جاتا تو میدان صاف تھا، اس پر ان ہی میں سے ایک بولا ابھی کچھ دیر میں ان کی ایک اور نماز کا وقت آنے والا ہے اور وہ نماز ان کو جان و مال سے بھی زیادہ عزیز ہے، مشرکین کا اشارہ عصر کی نماز کی طرف تھا، ادھر مشرکین میں یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ حضرت جبرئیل مذکورہ آیات لے کر نازل ہوئے۔

صلوٰۃ خوف آپ ﷺ کی اقتداء میں:

جب عصر کا وقت آیا تو آپ نے پورے لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دیا اس کے بعد پورے لشکر نے دو صفیں بنا کر آپ کی اقتداء میں نماز شروع کی، پورے لشکر نے ایک رکعت رکوع اور قیام کے ساتھ پڑھی، جب سجدہ کا موقع آیا تو پہلی صف والوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور دوسری صف والے کھڑے رہے تا کہ مشرکین سب مسلمانوں کو سجدہ میں دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکیں، جب پہلی صف کے لوگ آپ کے ساتھ سجدہ کر چکے اور کھڑے ہو گئے تو دوسری صف والوں نے اپنی اپنی جگہ سجدہ ادا کیا، ان لوگوں کے سجدہ کر لینے کے بعد اگلی صف والے پچھلی صف میں اور پچھلی صف والے اگلی صف میں پہنچ گئے اور دوسری رکعت رکوع اور قیام کے ساتھ ایک ساتھ پڑھی گئی، اور سجدہ کے وقت پھر یہی صورت ہوئی کہ پہلی صف والوں نے سجدہ کیا اور دوسری صف والے رکے رہے، اس طرح آپ نے نماز پوری فرمائی۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

صلوٰۃ خوف کے مختلف طریقے:

یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ جنگ کا میدان عیدگاہ کا میدان نہیں ہوتا کہ ہمیشہ ایک ہی انداز سے نماز پڑھی جاتی رہے بلکہ یہ تلواروں کی چمک، تیروں کی بوچھار، بندوقوں کی باڑھ، توپوں کی آتش باری، جہازوں کی بم باری کی حالت میں ادا کی جاتی ہے اسلئے لازمی طور پر جنگی حالات کے اعتبار سے اس کی صورت بھی مختلف ہوگی، جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ نماز چودہ طریقوں سے منقول ہے ائمہ کرام نے اپنی اپنی صواب دید کے مطابق ان ہی صورتوں میں سے کوئی ایک یا چند صورتیں پسند فرمائی ہیں مثلاً امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے یہ صورت پسند فرمائی ہے۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک پسندیدہ طریقہ:

فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا حصہ دشمن کے مقابل رہے، پھر جب ایک رکعت پوری ہو جائے تو پہلا سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلا جائے اور دوسرا حصہ آ کر دوسری رکعت امام کے ساتھ پوری کرے اس طرح امام کی دو رکعتیں ہوں گی اور فوج کی ایک ایک رکعت اسی صورت کو ابن عباس، جابر بن عبد اللہ اور مجاہد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نے روایت کیا ہے۔

صلوۃ خوف کا دوسرا طریقہ:

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھکر چلا جائے پھر دوسرا حصہ آکر ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھے، اس کے بعد دونوں حصے باری باری سے آکر اپنی چھوٹی ہوئی ایک ایک رکعت بطور خود ادا کرے، اس طرح دونوں حصوں کی ایک ایک رکعت امام کے پیچھے ادا ہوگی اور ایک ایک رکعت انفرادی طور پر۔

صلوۃ خوف کا تیسرا طریقہ:

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے فوج کا ایک حصہ دو رکعتیں ادا کرے اور تشہد کے بعد سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلا جائے، پھر دوسرا حصہ تیسری رکعت میں آکر شریک ہو اور امام کے ساتھ سلام پھیرے اس طرح امام کی چار اور فوج کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

صلوۃ خوف کا چوتھا طریقہ:

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور جب امام دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو مقتدی بطور خود ایک رکعت مع تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں، پھر دوسرا حصہ آکر اس حال میں امام کے پیچھے کھڑا ہو کہ ابھی امام دوسری ہی رکعت میں ہو، اور یہ لوگ بقیہ نماز امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد ایک رکعت خود اٹھ کر پڑھ لیں، اس صورت میں امام کو دوسری رکعت کا قیام طویل کرنا ہوگا، تیسرے طریقہ کو حسن بصری نے ابو بکرہ سے روایت کیا ہے اور چوتھے طریقہ کو امام شافعی اور امام مالک نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ترجیح دی ہے اس کا ماخذ سہل بن ابی خیثمہ کی روایت ہے۔

ان کے علاوہ صلوۃ خوف کی اور بھی صورتیں ہیں جن کی تفصیل مبسوطات میں مل سکتی ہے۔

آپ ﷺ کی وفات ظاہری کے بعد صلوۃ خوف کا مسئلہ:

ائمہ کرام کے حلقہ میں تنہا امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد صلوۃ خوف پڑھنا جائز نہیں، اسلئے کہ آپ کے بعد اب کوئی ایسی ہستی باقی نہیں کہ تمام لوگ اسی کے پیچھے نماز پڑھنے پر مصر ہوں، بلکہ اب یہ صورت ہو سکتی ہے کہ لشکر کے مختلف حصے کر کے الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔

محض دشمن کے خوف کے اندیشے کے پیش نظر صلوۃ خوف جائز نہیں:

دشمن کے محض خیالی اندیشے سے صلوۃ خوف درست نہیں تاوقتیکہ دشمن آنکھوں کے سامنے نہ ہو، نیز جس طرح دشمن کا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح درندے یا کسی چیز کا خوف بھی ہو سکتا ہے۔

وَسرق طُعمَةُ بنُ اُبَيرِقَ دِرعًا وَخبَاهَا عِندَ يَهُودِيّ فَوُجِدَتْ عِندَهُ فَرَمَاهُ طُعمَةُ بِهَا وَحَلَفَ اَنَّهُ مَاسَرَقَهَا
فَسَأَلَ قَومُهُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اَن يُجَادِلَ عنه وَيُبَرِّئَهُ فَنَزَلَ **اِنَّآ اَنزَلنَآ اِلَيكَ الكِتٰبَ** القرانَ **بِالحَقِّ**
مُتَعَلِّقٌ بِاَنزَلنَا **لِتَحكُمَ بَينَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ** عَلَّمَكَ **اللهُ** فيه **وَلَا تَكُن لِّلخَآئِنِينَ** كَطُعمَةَ **خَصِيمًا** ﴿١٠٥﴾ مُخَاصِمًا
عنهم **وَّاستَغفِرِ اللهَ** مِمَّا هَمَمتَ بِهِ **اِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا** ﴿١٠٦﴾ **وَلَا تُجَادِل عَنِ الَّذِينَ يَختَانُونَ اَنفُسَهُم**
يَخُونُونَهَا بِالمَعَاصِي لِاَنَّ وَبَالَ خِيَانَتِهِم عليهم **اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا** كَثِيرَ الخِيَانَةِ **اَثِيمًا** ﴿١٠٧﴾
اَي يُعَاقِبُهُ **يَّستَخفُونَ** اي طُعمَةُ وَقَومُهُ حَيَاءً **مِنَ النَّاسِ وَلَا يَستَخفُونَ مِنَ اللهِ وَهُوَ مَعَهُم** يَعلَمُهُ
اِذ يُبَيِّتُونَ يُضمِرُونَ **مَا لَا يَرضٰى مِنَ القَولِ** مِن عَزمِهِم عَلَى الحَلفِ عَلٰى نَفيِ السَّرِقَةِ وَرَميِ اليَهُودِيِّ بِهَا
وَكَانَ اللهُ بِمَا يَعمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ عِلمًا **هٰٓاَنتُم** يا **هٰٓؤُلَآءِ** خِطَابٌ لِقَومِ طُعمَةَ **جَادَلتُم** خَاصَمتُم **عَنهُم**
اَي عَن طُعمَةَ وَذَوِيهِ وَقُرِئَ عَنهُ **فِي الحَيٰوةِ الدُّنيَا فَمَن يُّجَادِلُ اللهَ عَنهُم يَومَ القِيٰمَةِ** اِذَا عَذَّبَهُم
اَم مَّن يَّكُونُ عَلَيهِم وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ يَتَوَلّٰى اَمرَهُم وَيَذُبُّ عَنهُم اي لَا اَحَدَ يَفعَلُ ذٰلِكَ **وَمَن يَّعمَل سُوٓءًا** ذَنبًا
يَسُوءُ بِهِ غَيرَهُ كَرَميِ طُعمَةَ اليَهُودِيَّ **اَو يَظلِم نَفسَهُ** بِعَمَلِ ذَنبٍ قَاصِرٍ عليهم **ثُمَّ يَستَغفِرِ اللهَ** منه اي يَتُب
يَجِدِ اللهَ غَفُورًا له **رَّحِيمًا** ﴿١١٠﴾ به **وَمَن يَّكسِب اِثمًا** ذَنبًا **فَاِنَّمَا يَكسِبُهُ عَلٰى نَفسِهِ** لِاَنَّ وَبَالَهُ عَلَيهَا وَلَا يَضُرُّ غَيرَهُ
وَكَانَ اللهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ فِي صُنعِهِ **وَمَن يَّكسِب خَطِيٓـئَةً** ذَنبًا صَغِيرًا **اَو اِثمًا** كَبِيرًا **ثُمَّ يَرمِ بِهِ بَرِيٓـئًا** مِنهُ
فَقَدِ احتَمَلَ تَحَمَّلَ **بُهتَانًا** بِرَميِهِ **وَّاِثمًا مُّبِينًا** ﴿١١٢﴾ بَيِّنًا بِكَسبِهِ.

ترجمہ: طعمہ بن اُبَیرِق نے ایک زرہ چرالی تھی اور ایک یہودی کے یہاں اسے چھپا دیا تھا، وہ زرہ یہودی کے یہاں سے برآمد ہوگئی طعمہ نے زرہ کا الزام یہودی پر ڈال دیا اور قسم کھا گیا کہ میں نے زرہ نہیں چرائی ہے، طعمہ کے خاندان والوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ طعمہ کا دفاع فرمائیں اور اس کو بری قرار دیدیں تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، یقیناً ہم نے آپ پر کتاب قرآن حق کے ساتھ نازل کی ہے، بالحق، اَنزلنا کے متعلق ہے تاکہ اس معاملہ میں اللہ نے جو آپ کو بتادیا ہے اس کے مطابق لوگوں کا فیصلہ کریں، اور خائنوں مثلاً طعمہ کا دفاع نہ کریں اور آپ نے جو قصد کیا اس سے استغفار کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی مغفرت کرنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے، اور ان لوگوں کی وکالت نہ کریں جو اپنے حق میں خیانت کرتے ہیں (یعنی) معاصی کے ذریعہ اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اسلئے کہ ان کی خیانت کا وبال خود ان کے اوپر پڑتا ہے، اللہ کسی بھی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو خائن اور گنہگار ہو، یعنی اس کو سزا دے گا، طعمہ اور اس کی قوم شرم کی وجہ سے لوگوں سے چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے اسلئے کہ وہ ان کے ساتھ ہے، ان کے راز کو جانتا ہے، جبکہ وہ رات کو ناپسندیدہ بات کا کہ یعنی جو چوری کے انکار اور زرہ کی چوری کا الزام یہودی پر ڈالنے کا مشورہ کرتے ہیں، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا علمی احاطہ

کئے ہوئے ہے تم وہ لوگ ہو یہ طعمہ کی قوم کو خطاب ہے کہ دنیا میں تو تم نے ان کی طرف سے دفاع کرلیا اور 'عنھم' کی بجائے عنہ، بھی پڑھا گیا ہے، لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کا دفاع کون کرے گا؟ جب ان کو عذاب دے گا، اور کون ہے جو اس کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ (یعنی) ان کے معاملہ کی کفالت کرے گا، اور ان کا دفاع کرے گا، یعنی کوئی یہ کام نہ کرے گا، جو شخص کوئی برائی کرے کہ اس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسا کہ طعمہ کا یہودی پر الزام لگانا، یا اس سے ظلم کرے کہ اسی تک محدود رہے پھر وہ اس سے استغفار کرے یعنی توبہ کرے تو وہ اللہ کو اپنے لئے بخشش کرنے والا اور اپنے اوپر رحم کرنے والا پائیگا، اور جو گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اس لئے کہ اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے اور دوسرے کو نقصان نہیں دیتا، اور اللہ بخوبی جاننے والا اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور جس نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کیا اور پھر وہ گناہ کسی بے گناہ پر تھوپ دیا تو وہ بہت بڑے بہتان کا متحمل ہوا، اور اپنے عمل سے کھلا گناہ کیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: طُعمَة، بتثلیث الطاء، والکسر اشهر.

قولہ: ابن اُبَیرِق، ہمزہ مضمومہ اور باء موحدہ مفتوحہ اور راء مکسورہ کے ساتھ، یہ غیر منصرف ہے۔

قولہ: وخبَاهَا، ای الدِرْعَ درع جو کہ لوہے کی ہوتی ہے مؤنث ہے اور درع بمعنی خمار (اوڑھنی) مذکر ہے۔

قولہ: عَلَّمَكَ، اس میں اشارہ ہے کہ رویت بمعنی علم ہے اور علم بمعنی معرفت ہے ورنہ تو متعدی بہ سہ مفعول ہونا ضروری ہے جو کہ موجود نہیں ہیں۔

قولہ: فیهِ، کی ضمیر مَا، کی طرف راجع ہے۔

قولہ: مِمّا هَمَمْتَ ای بقطع یدالیهودی.

قولہ: بالمَعَاصِی، خیانت سے مراد معصیت ہے تاکہ اس میں طعمہ کے طرف دار شامل ہو جائیں اسلئے کہ جرم خیانت تو صرف طعمہ سے صادر ہوا تھا۔

قولہ: حَیَاءً، اس میں اشارہ ہے کہ استخفاء بمعنی حیاء ہے تاکہ مشاکلت ہو جائے اس لئے کہ لایستخفون من اللہ میں استخفاء بمعنی حیاء ہے اسلئے کہ استخفاء، اللہ سے محال ہے لہٰذا اس کی نفی سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

قولہ: قُرِءَ عنه یعنی عنھم کے بجائے عنہ بھی ایک قراءت میں پڑھا گیا ہے، ای عن طُعْمَة.

قولہ: تحمَّلَ، احتمل کی تفسیر تحمَّلَ سے کی ہے اس لئے کہ تفعُّلُ اخذ فی الاثم میں زیادہ مشہور ہے۔

قولہ: بَیّناً، اس میں اشارہ ہے کہ متعدی بمعنی لازم ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّا اَنزَلْنَا اِلَیْکَ الْکتابَ بالحق، (الآیة) اَرَاکَ، یہاں بتادیا، سمجھادیا کے معنی میں ہے، مذکورہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ حیلے جو کچھ بھی کئے جائیں قرآنی قانون ہی کے مطابق کئے جائیں نہ کہ اپنی ہوائے نفس کے مطابق یا کسی انسانی دماغ کے گھڑے ہوئے آئین ودستور کے مطابق۔

نزول آیات کا پس منظر:

مذکورہ سات آیات ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں، لیکن عام قرآنی اسلوب کے مطابق جو ہدایات اس سلسلہ میں دی گئی ہیں وہ اس واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہدایات ہیں جو کہ بہت سے اصول وفروع پر مشتمل ہیں۔

واقعہ کی تفصیل:

انصار کے ایک قبیلہ بنواُبَیرِق کے ایک گھرانے میں چار بھائی تھے، بشیر، بِشر، مبشر، اور بُشَیر، یہ چوتھا بھائی منافق تھا، بغوی اور ابن جریر کی روایت میں اس کا نام طُعمہ بتلایا گیا ہے اس نے حضرت قتادہ بن نعمان کے چچا رفاعہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے گھر میں نقب لگا کر آٹے کی ایک بوری اور اس میں رکھی ہوئی ایک زرہ چرالی، صبح کو جب حضرت رفاعہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے بھتیجے قتادہ کے پاس آئے اور چوری کے واقعہ کا ذکر کیا، سب نے مل کر محلہ میں جستجو شروع کی، بعض لوگوں نے بتایا کہ آج رات ہم نے دیکھا تھا کہ بنوابیرق کے گھر میں آگ روشن تھی، ہمارا خیال ہے کہ وہی کھانا پکایا گیا ہے بنوابیرق کو جب راز فاش ہونے کی خبر ملی تو خود ہی کہنے لگے کہ یہ کام لبید بن سہل کا ہے لبید ایک مخلص اور نیک مسلمان تھے جب ان کو اس الزام کی خبر ہوئی تو وہ تلوار لے کر آئے اور کہا چوری میرے سر لگاتے ہو اب میں تلوار اس وقت تک میان میں نہ رکھوں گا جب تک کہ چوری کی حقیقت معلوم نہ ہوجائے۔

بنواُبَیرِق نے آہستہ سے لبید سے کہا آپ بےفکر رہیں آپ کا نام کوئی نہیں لیتا اور نہ یہ کام آپ کا ہوسکتا ہے بغوی اور ابن جریر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بنوابیرق نے چوری ایک یہودی کے نام لگادی، اور ہوشیاری یہ کی کہ آٹے کی بوری کو تھوڑا سا پھاڑ دیا جس کی وجہ سے رفاعہ کے مکان سے یہود کے مکان تک آٹا گرتا چلا گیا، ابیرق نے زرہ اور دیگر چوری کا سامان اس یہودی کے پاس رکھوادیا، چنانچہ تحقیق کے وقت مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا یہودی نے قسم کھا کر کہا کہ زرہ وغیرہ مجھے ابن ابیرق نے دی ہیں ادھر حضرت قتادہ اور رفاعہ کو مختلف قرائن سے یہ غالب گمان ہوگیا تھا کہ یہ کاروائی بنواُبَیرِق کی ہے، حضرت قتادہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر چوری کے واقعہ کی تفصیل اور بنوابیرق کے بارے میں گمان غالب کا ذکر کردیا۔

بنوابیرق کو جب خبر ملی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت قتادہ اور رفاعہ کی شکایت کی کہ بلاثبوت شرعی ہمارے اوپر چوری کا الزام لگاتے ہیں، حالانکہ مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا ہے آپ ان کو منع کریں ہمارے نام چوری نہ لگائیں، یہودی پر دعوی کریں، ظاہری حالات وآثار سے آنحضرت ﷺ کا بھی اسی طرف رجحان ہوگیا کہ یہ کام یہودی کا ہے، بغوی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا ارادہ ہوگیا کہ یہودی پر چوری کی سزا جاری کریں اور اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔

ادھر یہ ہوا کہ حضرت قتادہ جب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ بغیر دلیل اور ثبوت کے ایک مسلمان گھرانے پر چوری کا الزام لگا رہے ہو، حضرت قتادہ اس معاملہ سے بہت رنجیدہ ہوئے اور افسوس کرنے لگے کہ کاش میں اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی بات نہ کرتا اور حضرت رفاعہ کو جب آپ ﷺ کی گفتگو کا علم ہوا تو ان کو بھی تکلیف ہوئی مگر صبر کیا اور فرمایا "وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ"۔

اس واقعہ پر ابھی کچھ وقت نہ گذرا تھا کہ قرآن کریم کا پورا ایک رکوع اس بارے میں نازل ہوگیا جس کے ذریعہ آپ پر واقعہ کی حقیقت منکشف کردی گئی، اور ایسے معاملات کے متعلق عام ہدایات دی گئیں۔

قرآن کریم نے بنوابیرق کی چوری کھول دی اور یہودی کو بری کردیا تو بنوابیرق مجبور ہوئے اور مسروقہ مال آنحضرت کی خدمت میں پیش کردیا، آپ ﷺ نے رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس دلوادیا انہوں نے یہ سب اسلحہ جہاد کے لئے وقف کردیا ادھر جب بنوابیرق کی چوری کھل گئی تو بُشَیر بن ابیرق مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا گیا، اور مشرکین سے جا کر مل گیا پہلے منافق تھا اب کھلا کافر ہوگیا، اس نے مکہ میں جا کر ایک مکان میں نقب لگایا اور دیوار اس کے اوپر گرگئی اور وہیں دب کر مرگیا۔

مذکورہ واقعہ میں قرآنی اشارات:

اس واقعہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نبی کو بھی بحیثیت انسان غلط فہمی ہوسکتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ آپ پر صورت حال فوراً واضح ہوجاتی تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی خطاء اجتہادی ہوجائے تو فوراً اصلاح کردی جاتی ہے۔

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰہ اِن اللّٰہ کان غفورا رحیما، یعنی اس بات پر کہ بغیر تحقیق کے آپ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو مومنین اس منافق کے ساتھ اس کی حمایت کرنے کی وجہ سے خیانت یعنی معصیت میں مبتلا ہوگئے آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں مذکورہ واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریقین میں سے جب تک کسی کی بات پر پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے اس کی حمایت اور وکالت کرنا جائز نہیں۔

اگر کوئی فریق دھوکے اور فریب اور چرب زبانی سے عدالت یا حاکم سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو ایسے فیصلے کی عند اللہ کوئی حیثیت نہیں، اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اسطرح بیان فرمایا ہے، خبردار میں ایک انسان ہی ہوں اور

جسطرح میں سنتا ہوں اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی دلیل اور حجت پیش کرنے میں تیز طرار ہو اور ہوشیار ہو اور اس طرح میں ایک مسلمان کا حق دوسرے کو دیدوں، اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری)

روداد کے مطابق فیصلہ کرنا گناہ نہیں:

اگر چہ قاضی کی حیثیت سے نبی ﷺ کا روداد کے مطابق فیصلہ کردینا بجائے خود آپ کے لئے کوئی گناہ نہ ہوتا، اور ایسی صورتیں قاضیوں کو پیش آتی رہتی ہیں کہ ان کے سامنے غلط روداد پیش کرکے حقیقت کے خلاف فیصلے حاصل کرلئے جاتے ہیں، لیکن ایسے وقت جبکہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک زبردست کشمکش برپا تھی، اگر نبی ﷺ روداد مقدمہ کے مطابق فیصلہ صادر فرمادیتے تو اسلام کے مخالفوں کو آپ کے خلاف بلکہ پوری اسلامی جماعت اور خود وحدت اسلامی کے خلاف ایک زبردست اخلاقی حربہ مل جاتا وہ یہ کہتے پھرتے کہ اجی یہاں حق وانصاف کا کیا سوال ہے؟ یہاں تو وہی جتھ بندی اور عصبیت کام کررہی ہے جس کے خلاف تبلیغ کی جاتی ہے، اسی خطرے سے بچانے کیلئے اللہ تعالی نے خاص طور پر اس مقدمے میں مداخلت فرمائی۔

آپ ﷺ کو اجتہاد کا حق حاصل تھا:

اِنا انزلنا الیك الکتاب بالحق الخ، اس آیت سے پانچ باتیں ثابت ہوئیں، ① ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کو ایسے مسائل میں جن میں قرآن کریم کی کوئی صریح نص نہ ہو اپنی رائے سے اجتہاد کا حق حاصل تھا اور آپ نے مہمات میں بسا اوقات فیصلے اپنے اجتہاد سے فرمائے بھی ہیں، ② دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی کے نزدیک اجتہاد وہی معتبر ہے جو قرآنی اصول اور نصوص سے ماخوذ ہو خالص اپنی رائے اور خیال معتبر نہیں ③ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ کا اجتہاد دوسرے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد سے مختلف تھا اسلئے کہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد میں غلطی کا احتمال ہمیشہ باقی رہتا ہے بخلاف آپ ﷺ کے اجتہاد کے کہ اگر آپ سے کبھی اجتہادی خطا ہو بھی جاتی تو حق تعالی اس پر آپ کو متنبہ فرمادیتے اور حق کے مطابق کرادیتے، اور اگر آپ نے اجتہاد سے کوئی فیصلہ فرمایا اور حق تعالی کی طرف سے اس میں کوئی تنبیہ وغیرہ نہیں آئی تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ آپ کا فیصلہ صحیح ہے، ④ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ جو کچھ قرآن سے سمجھتے تھے وہ اللہ ہی کا سمجھایا ہوا ہوتا تھا اس میں غلطی کا امکان نہ ہوتا تھا بخلاف دیگر علماء مجتہدین کے، یہ بات لفظ بِمَا اَرَاكَ اللّٰه سے سمجھ میں آتی ہے، اسی وجہ سے جب ایک شخص نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا فاحکم بما اراك اللّٰه تو آپ نے اس کو ڈانٹا کہ یہ خصوصیت آپ ﷺ کی ہے، ⑤ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی جھوٹے مقدمہ کی دانستہ پیروی کرنا یا اس کی تائید وحمایت کرنا سب حرام ہے۔ (معارف ملخصًا)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ وَرَحْمَتُهٗ بِالْعِصْمَةِ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مِنْ قَوْمِ طُعْمَةَ اَنْ يُّضِلُّوْكَ عَنِ الْقَضَاءِ بِالْحَقِّ بِتَلْبِيْسِهِمْ عَلَيْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ لِاَنَّ وَبَالَ اِضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ بِذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اَيِ النَّاسِ اَيْ مَا يَتَنَاجَوْنَ فِيْهِ وَيَتَحَدَّثُوْنَ اِلَّا نَجْوٰى مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ عَمَلِ بِرٍّ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرَ ابْتِغَآءَ طَلَبَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ لَا غَيْرَهٗ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَيِ اللّٰهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ يُخَالِفِ الرَّسُوْلَ فِيْمَا جَاءَ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ظَهَرَ لَهُ الْحَقُّ بِالْمُعْجِزَاتِ وَيَتَّبِعْ طَرِيْقًا غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ طَرِيْقِهِمُ الَّذِيْ هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الدِّيْنِ بِاَنْ يَكْفُرَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى نَجْعَلُهٗ وَالِيًا لِمَا تَوَلَّاهُ مِنَ الضَّلَالِ بِاَنْ نُخَلِّيَ بَيْنَهٗ فِي الدُّنْيَا وَنُصْلِهٖ نُدْخِلُهٗ فِي الْاٰخِرَةِ جَهَنَّمَ لِيَحْتَرِقَ فِيْهَا وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾ مَرْجِعًا هِيَ.

ترجمہ: اے محمد اگر آپ کے اوپر اللہ کا فضل اور حفاظت کی مہربانی نہ ہوتی تو (طُعمۃ ابن اُبَیرِق) کی قوم کی ایک جماعت نے آپ کو برحق فیصلہ کرنے سے اشتباہ میں ڈال کر بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا، مگر دراصل یہ لوگ اپنے آپکو گمراہ کر رہے ہیں اور یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مِن، زائدہ ہے، گمراہ کرنے کا وبال خود ان کے اوپر ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب قرآن اور حکمت کہ جس میں احکام ہیں نازل فرمایا اور آپکو وہ احکام اور مغیبات سکھائے کہ جن کو آپ نہیں جانتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا تیرے اوپر یہ اور اس کے علاوہ کا بڑا بھاری فضل ہے، ان لوگوں کے خفیہ مشوروں میں اکثر کوئی خیر نہیں یعنی جس میں یہ سرگوشی اور گفتگو کرتے ہیں (اس میں کوئی خیر نہیں) ہاں، اس شخص کے مشورہ میں کہ جو صدقہ یا کارِ خیر کا خفیہ مشورہ کرے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا مشورہ کرے (خیر ہے) اور جو یہ مذکورہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے نہ کہ کسی اور دنیوی غرض کے لئے تو ہم اسے یقیناً اجر عظیم عطا فرمائیں گے (نؤتیہ) میں یا اور نون دونوں ہیں، یعنی اللہ، اور جو شخص اس حق میں جس کو رسول لایا ہے معجزات کے ذریعہ راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد (بھی) رسول کی مخالفت کرے اور جو (عام) ایمان والوں کا راستہ چھوڑ کر دوسروں کا راستہ اختیار کرے یعنی اس دین کے راستہ کو چھوڑ کر جس پر وہ ہے بایں طور کہ اس کا انکار کرے تو ہم اسے وہی کرنے دیں گے جو وہ کر رہا ہے یعنی ہم اسے اسی گمراہی کا والی بنا دیں گے جس کا وہ والی بنا ہے، اس طریقہ پر کہ ہم اس کو اور اس کی اختیار کردہ دنیا میں گمراہی کے درمیان آزاد چھوڑ دیں گے اور اس کو آخرت میں جہنم میں جھونک دیں گے تاکہ اس میں جلتا رہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: لَهَمَّتْ، یہ لولا فضل اللّٰہ، کا جواب ہے۔

سَوَال: لولا وجوداول کی وجہ سے امتناع ثانی پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے فضل کی وجہ سے ان لوگوں نے آپ کو بے راہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا، حالانکہ وہ ارادہ کر چکے تھے۔

جَوَاب: یہاں ارادہ سے مراد وہ ارادہ ہے کہ جو مع الضلال ہو اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے فضل کی وجہ سے اضلال مقصود منتفی ہو گیا۔

قَوْلُهٗ: مِنْ زَائِدَةٌ، اسلئے کہ یَضُرُّ متعدی بنفسہٖ بدو مفعول ہے تقدیر عبارت یہ ہے "وَمَا یَضُرُّوْكَ مِن شئٍ۔

قَوْلُهٗ: مَایَتَنَاجَوْنَ فیه، اس میں اشارہ ہے کہ نجوی مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔

قَوْلُهٗ: اِلَّا نَجْوَی، نجوی مضاف محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ حذف مضاف کے بغیر مَا یَتَنَاجَوْنَ سے مَنْ اَمَرَ کا استثناء درست نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

عصمتِ نبی کی خصوصی حفاظت:

وَلَوْلَا فضل اللّٰه علیك ورحمته (الآیة) اس آیت میں اللہ تعالی کی اس حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیاء علیہم السلام کے لئے کیا جاتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کیلئے اللہ کے فضل خاص کا مظہر ہے۔

طائفة سے وہ لوگ مراد ہیں جو بنو اُبَیرِق کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے، جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ اس شخص کو چوری سے بری کر دیں گے جو فی الواقع چور تھا۔

وَاَنْزَلَ اللّٰہ عَلَیْكَ الکتاب والحکمة الخ اس آیت میں کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی داخل فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ حکمت جو نام ہے آپ کی سنت کا یہ بھی من جانب اللہ تعلیم کردہ ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتے البتہ معانی من جانب اللہ ہی ہوتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ وحی کی دو قسمیں ہیں متلو اور غیر متلو۔ وحی متلو قرآن ہے جس کے معانی اور الفاظ دونوں اللہ کی جانب سے ہیں اور غیر متلو حدیث رسول کا نام ہے جن کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے اور معانی من جانب اللہ۔

لا خیرَ فی نجواهم الخ یہاں سرگوشی سے وہ سرگوشی مراد ہے جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے اور صدقته سے مراد ہر قسم کی نیکی ہے اور اصلاح بین الناس کے لئے آپس میں مشورے بھی خیر میں شامل ہیں، احادیث میں بھی ان امور کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور ہر نیکی کے اجر و ثواب اور فضیلت کے مانند اس کا اجر

وثواب بھی اخلاص نیت پر موقوف ہے، رشتہ دار و دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا بہت عظیم عمل ہے ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقات و خیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے (ابوداود) حتی کہ صلح کرانے والے کے لئے جھوٹ تک بولنے کی اجازت ہے یعنی گر ایک دوسرے کو قریب لانے کے لئے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے۔ (بخاری شریف کتاب الصلح، ترمذی شریف کتاب البر)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (۱۱۶) عَنِ
الْحَقِّ إِنْ مَا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُ الْمُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اي اللّٰهِ اي غَيْرِهٖ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ اَصْنَامًا مُؤَنَّثَةً كَاللَّاتِ
وَالْعُزّٰى وَمَنَاةَ وَإِنْ مَا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ بِعِبَادَتِهَا إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا (۱۱۷) خَارِجًا عَنِ الطَّاعَةِ لِطَاعَتِهِمْ لَهٗ
فِيْهَا وَهُوَ اِبْلِيْسُ لَّعَنَهُ اللّٰهُ اَبْعَدَهٗ عَنْ رَحْمَتِهٖ وَقَالَ اي الشَّيْطٰنُ لَأَتَّخِذَنَّ لَاَجْعَلَنَّ لِيْ
مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا حَظًّا مَّفْرُوْضًا (۱۱۸) مَقْطُوْعًا اَدْعُوْهُمْ اِلٰى طَاعَتِيْ وَلَاُضِلَّنَّهُمْ عَنِ الْحَقِّ بِالْوَسْوَسَةِ
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ اُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِهِمْ طُوْلَ الْحَيٰوةِ وَاَنْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ يُقَطِّعُنَّ
اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَقَدْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِالْبَحَائِرِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ دِيْنَهٗ بِالْكُفْرِ وَاِحْلَالِ مَا حُرِّمَ وَتَحْرِيْمِ
مَا اُحِلَّ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا يَتَوَلَّاهُ وَيُطِيْعُهٗ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اي غَيْرِهٖ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا (۱۱۹) بَيِّنًا
لِمَصِيْرِهٖ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ يَعِدُهُمْ طُوْلَ الْعُمْرِ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ نَيْلَ الْاٰمَالِ فِي الدُّنْيَا وَاَنْ لَا بَعْثَ وَلَا
جَزَاءَ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ بِذٰلِكَ اِلَّا غُرُوْرًا (۱۲۰) بَاطِلًا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا (۱۲۱) مَعْدِلًا
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ
اي وَعَدَهُمُ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَحَقَّهٗ حَقًّا وَمَنْ اي لَا اَحَدَ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (۱۲۲) قَوْلًا وَنَزَلَ لَمَّا افْتَخَرَ الْمُسْلِمُوْنَ
وَاَهْلُ الْكِتٰبِ لَيْسَ الْاَمْرُ مَنُوْطًا بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۚ بَلْ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا
يُّجْزَ بِهٖ ۙ اِمَّا فِي الْاٰخِرَةِ اَوْ فِي الدُّنْيَا بِالْبَلَاءِ وَالْمِحَنِ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اي
غَيْرِهٖ وَلِيًّا يَحْفَظُهٗ وَّلَا نَصِيْرًا (۱۲۳) يَمْنَعُهٗ مِنْهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ شَيْئًا مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (۱۲۴) قَدْرَ نُقْرَةِ النَّوَاةِ وَمَنْ اي لَا اَحَدَ
اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ اي اِنْقَادَ وَاَخْلَصَ عَمَلَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ مُوَحِّدٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ الْمُوَافِقَةَ
لِمِلَّةِ الْاِسْلَامِ حَنِيْفًا ۗ حَالٌ اي مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (۱۲۵) صَفِيًّا
خَالِصَ الْمَحَبَّةِ لَهٗ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (۱۲۶) عِلْمًا
وَقُدْرَةً اي لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قطعاً معاف نہ کرے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے (ہاں) شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے گا معاف کر دے گا، اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ حق سے بہت دور جا پڑتا ہے مشرک اللہ کو چھوڑ کر عورتوں یعنی (دیویوں) کی بندگی (پوجا) کرتے ہیں، جیسا کہ لات کی اور عزّیٰ کی اور مناۃ کی، ان کی عبادت نہیں ہے مگر سرکش شیطان کی عبادت جو حد طاعت سے خارج ہونیوالا ہے بتوں کی عبادت میں مشرکوں کے شیطان کی بات ماننے کی وجہ سے اور وہ ابلیس ہے، اللہ نے اس پر لعنت فرمائی یعنی اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور وہ شیطان کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ لے کر رہوں گا (یعنی) میں ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دوں گا، اور وسوسہ کے ذریعہ میں انھیں حق سے ضرور گمراہ کر کے رہوں گا اور میں ان میں طول حیات کی (باطل) آرزو ضرور ڈالوں گا او یہ کہ بعث وحساب ہونیوالا نہیں ہے، اور یہ کہ میں ان کو حکم دوں گا کہ جانوروں کے کانوں کو شگاف دیں چنانچہ ایسا بحائر میں کیا گیا، (بحیرہ وہ اونٹنی کہ جس نے چار مرتبہ نر جننے کے بعد پانچویں مرتبہ مادہ جنا ہو) اور میں ان سے کہوں گا کہ اللہ کی مخلوق کو (یعنی) اس کے دین کو کفر کے ذریعہ اور حرام کردہ کو حلال کر کے اور حلال کو حرام کر کے بگاڑ دیں، اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو رفیق بنائیگا یعنی اس سے دوستی کرے گا اور اس کی اطاعت کرے گا، وہ یقیناً کھلے نقصان میں پڑے گا، اس کے دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے، وہ ان سے زندگی بھر (زبانی) وعدے کرتا رہیگا اور ان کو دنیا میں آرزو پوری ہونے کی امید دلاتا رہیگا، اور یہ کہ بعث وحساب کچھ ہونیوالا نہیں ہے، ان سے شیطان کے وعدے سراسر فریب کاریاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں سے انھیں چھٹکارا نہ ملے گا، اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے تو ہم ان کو ایسی جنت میں داخل کریں کے جن میں نہریں جاری ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ کا وعدہ حق ہے یعنی اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے جو سراسر حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے؟ کسی کی نہیں، اور جب مسلمانوں اور اہل کتاب نے فخر کیا تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی اور (ایمان وطاعت) کا مدار (اے مسلمانوں) نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر بلکہ عمل صالح پر ہے، جو برے عمل کرے گا اس کو سزا دی جائیگی یا تو آخرت میں یا دنیا میں آزمائش اور محنت کے ساتھ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ پائیگا، کہ اس کی حفاظت کر سکے، اور نہ مددگار کہ اس کا دفاع کر سکے، اور جو کوئی کچھ بھی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور مومن بھی ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں جائیں گے (یدخلون) مجہول اور معروف دونوں ہیں، اور ان پر ذرہ برابر (یعنی) بقدر گٹھلی کے شگاف کے بھی ان پر ظلم نہ کیا جائیگا، اور دین میں اس سے بہتر کون ہے؟ کوئی نہیں، جو اپنا رخ اللہ کی طرف کر دے، یعنی اس کا فرمانبردار ہو جائے اور اپنا عمل (اللہ کیلئے) خالص کر لے، اور وہ محسن موحد بھی ہو اور ابراہیم راست رو کے مذہب کی جو کہ ملت اسلام کے مطابق ہے پیروی کرے حال یہ کہ وہ تمام ادیان سے بے رخی کر کے صحیح دین کی طرف رخ کرے، اور اللہ نے ابراہیم کو تو اپنا دوست بنا لیا یعنی اس سے خالص محبت کرنے والا اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ

زمینوں اور آسمانوں میں ہے ملکیت کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور مملوکیت کے اعتبار سے اور اللہ ہر شئی کا علم و قدرت کے اعتبار سے احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: مَرِیْدًا (ن ك) صفت مشبہ، سرکش، ہر خیر سے خالی، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُشْرِكَ بِہٖ یہ کلام مستانف ہے شرک کو معاف نہ کرنے کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قِوْلُہٗ: لَعَنَہُ اللّٰہُ، یہ شیطانًا کی دوسری صفت ہے پہلی مریدًا ہے۔

قِوْلُہٗ: اُمَنِّیَنَّھُمْ، میں ان کو امیدیں دلاؤں گا، ان کے دلوں میں لمبی لمبی تمنائیں ڈالوں گا، تمنیّۃ سے مضارع واحد متکلم بانون تاکید ثقیلہ۔

قِوْلُہٗ: یُبَتِّکُنَّ مضارع جمع مذکر غائب بانون تاکید ثقیلہ، تَبْتِیْكٌ، (تفعیل) مادہ بَتْكٌ، وہ خوب کاٹیں گے۔

قِوْلُہٗ: بَحَائِر، بَحِیْرَۃ کی جمع ہے وہ اونٹنی جو مسلسل چار مرتبہ نر جنے اور پانچویں بار مادہ جنے، ایسی اونٹنی کے کان چیر کر مشرکین بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے خدمت لینا گناہ سمجھتے تھے، بحر کے مادہ میں چونکہ وسعت اور کثرت کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے جس اونٹنی کے اچھی طرح کان چیر دیئے گئے ہوں اسکو بحیرہ کہتے ہیں یہ فعیل بمعنی مفعولٌ ہے۔

قِوْلُہٗ: دِیْنَہٗ، خلق کی تفسیر دینٌ سے کرنے میں ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سَوَالْ: مشرکین کا تو کوئی دین حق تھا ہی نہیں پھر اس کے بدلنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

جَوَابْ: دین سے مراد دین فطرت ہے جو ہر شخص کے اندر موجود ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولا تبدیل لخلق اللّٰہ ای لدین اللّٰہ"۔

قِوْلُہٗ: یَعِدُھُمْ، اور یُمَنِّیْھِمْ، ان دونوں کے مفعول محذوف ہیں جن کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: عَنْھَا مَحِیْصًا، عنھا، محذوف کے متعلق ہے اور مَحِیْصًا سے حال ہے ای کائنًا عَنْھَا، عَنْھَا، یَجِدُوْنَ کے متعلق اس لئے نہیں ہو سکتا کہ یجدون کا صلہ عن نہیں آتا، اور نہ محیصًا کے متعلق ہو سکتا ہے اسلئے کہ محیصًا یا تو اسم مکان ہے جو کہ عمل نہیں کرتا یا مصدر ہے اور مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ اللّٰہَ لَا یغفر اَنْ یُشْرِكَ بِہٖ، (الآیۃ) ان آیات میں یہ بات واضح کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے شخص کے لئے معافی اور رحمت کی قطعاً گنجائش نہیں جس نے شرک و کفر کیا ہو۔

شرک وکفر کی سزا دائمی کیوں؟

یہاں بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ سزا بقدر عمل ہونی چاہئے جو جرم کفر وشرک کیا ہے وہ محدود مدت عمر کے اندر کیا ہے تو اس کی سزا غیر محدود دائمی کیوں ہوئی؟

جواب: یہ ہے کہ کفر وشرک کرنے والا چونکہ کفر کو کوئی جرم ہی نہیں سمجھتا بلکہ نیکی سمجھتا ہے اسلئے اس کا عزم وقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی حال پر قائم رہے گا، اور جب مرتے دم تک وہ اس پر قائم رہا تو اس نے اپنے اختیار کی حد تک اپنا جرم دائمی کرلیا اس لئے سزا بھی دائمی ہوئی۔

شیطان کو معبود بنانیکا مطلب:

معروف معنی میں کوئی بھی شیطان کو معبود نہیں بناتا کہ اس کے سامنے سربسجدہ ہوکر مراسم بندگی ادا کرتا ہو اور اس کو الوہیۃ کا درجہ دیتا ہو البتہ شیطان کو معبود بنانے کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں دیدیتا ہے اور جدھر وہ چلاتا ہے ادھر ہی چلتا ہے، گویا کہ یہ اس کا بندہ ہے اور وہ اس کا خدا، شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے اور ان کو تمناؤں میں الجھا دیتا ہے، انسان کو سمجھنا چاہئے کہ بہکانے اور سبز باغ دکھانے کے سوا شیطان کے پاس اور کچھ نہیں ہے، جو لوگ اس کے فریب میں مبتلا ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ایک مفاخرانہ گفتگو:

لَیْسَ بِاَمَانِیکم وَلَا اَمَانِی اَھْلِ الکتاب، ان آیات میں ایک مکالمہ کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ہوا تھا، پھر اس مکالمہ پر محاکمہ کیا گیا ہے آخر میں اللہ کے نزدیک مقبول اور افضل واعلیٰ ہونے کا ایک معیار بتایا گیا ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان مفاخرت کی گفتگو ہونے لگی، اہل کتاب نے کہا ہم تم سے افضل واشرف ہیں کیونکہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، مسلمانوں نے کہا ہم تم سے افضل ہیں اسلئے کہ ہمارے نبی خاتم النبین ہیں اور ہماری کتاب آخری کتاب ہے جس نے سب کتابوں کو منسوخ کردیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لَیْسَ بِاَمَانِیکم الخ" یعنی یہ تفاخر وتعلّی کسی کو زیب نہیں دیتی اور محض خیالات اور تمناؤں سے کوئی کسی پر افضل نہیں ہوتا بلکہ مدار اعمال پر ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ يَطْلُبُوْنَ مِنْكَ الْفَتْوٰى **فِي** شَانِ **النِّسَآءِ** وَمِيْرَاثِهِنَّ **قُلِ** لَهُم **اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مِنْ اٰيَةِ الْمِيْرَاثِ يُفْتِيْكُمْ اَيْضًا **فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ** فُرِضَ

لَهُنَّ مِنَ الْمِيْرَاثِ وَتَرْغَبُوْنَ اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ عَنْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ لِدَمَامَتِهِنَّ وَتَعْضِلُوْهُنَّ اَنْ يَتَزَوَّجْنَ
طَمَعًا فِيْ مِيْرَاثِهِنَّ اَيْ يُفْتِيْكُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ وَ فِي الْمُسْتَضْعَفِيْنَ الصِّغَارِ مِنَ الْوِلْدَانِ اَنْ
تُعْطُوْهُمْ حُقُوْقَهُمْ وَيَامُرُكُمْ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ فِي الْمِيْرَاثِ وَالْمَهْرِ
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَاِنِ امْرَاَةٌ مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ خَافَتْ تَوَقَّعَتْ
مِنْ بَعْلِهَا زَوْجِهَا نُشُوْزًا تَرَفُّعًا عَلَيْهَا بِتَرْكِ مُضَاجَعَتِهَا وَالتَّقْصِيْرِ فِيْ نَفَقَتِهَا لِبُغْضِهَا وَطُمُوْحِ عَيْنِهٖ اِلٰى
اَجْمَلَ مِنْهَا اَوْ اِعْرَاضًا عَنْهَا بِوَجْهِهٖ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّصَّلِحَا فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ وَ
فِيْ قِرَاءَةٍ يُصْلِحَا مِنْ اَصْلَحَ بَيْنَهُمَا صُلْحًا فِي الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ بِاَنْ تَتْرُكَ لَهٗ شَيْئًا طَلَبًا لِبَقَاءِ الصُّحْبَةِ فَاِنْ
رَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاِلَّا فَعَلَى الزَّوْجِ اَنْ يُوْفِيَهَا حَقَّهَا اَوْ يُفَارِقَهَا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ مِنَ الْفُرْقَةِ وَالنُّشُوْزِ وَالْاِعْرَاضِ
قَالَ تَعَالٰى فِيْ بَيَانِ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ الْاِنْسَانُ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ شِدَّةَ الْبُخْلِ اَيْ جُبِلَتْ عَلَيْهِ فَكَاَنَّهَا
حَاضِرَتُهٗ لَا تَغِيْبُ عَنْهُ الْمَعْنٰى اَنَّ الْمَرْاَةَ لَا تَكَادُ تَسْمَحُ بِنَصِيْبِهَا مِنْ زَوْجِهَا وَالرَّجُلَ لَا يَكَادُ يَسْمَحُ
عَلَيْهَا بِنَفْسِهٖ اِذَا اَحَبَّ غَيْرَهَا وَاِنْ تُحْسِنُوْا عِشْرَةَ النِّسَاءِ وَتَتَّقُوْا الْجَوْرَ عَلَيْهِنَّ
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا تُسَوُّوْا بَيْنَ النِّسَاءِ فِي الْمَحَبَّةِ
وَلَوْ حَرَصْتُمْ عَلٰى ذٰلِكَ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ اِلَى الَّتِيْ تُحِبُّوْنَهَا فِي الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ فَتَذَرُوْهَا اَيْ تَتْرُكُوا
الْمُمَالَ عَنْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ الَّتِيْ لَا هِيَ اَيِّمٌ وَلَا ذَاتُ بَعْلٍ وَاِنْ تُصْلِحُوْا بِالْعَدْلِ فِي الْقَسْمِ وَتَتَّقُوْا الْجَوْرَ
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا لِمَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ مِنَ الْمَيْلِ رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا اَيِ الزَّوْجَانِ بِالطَّلَاقِ
يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا عَنْ صَاحِبِهٖ مِّنْ سَعَتِهٖ اَيْ فَضْلِهٖ بِاَنْ يَرْزُقَهَا زَوْجًا غَيْرَهٗ وَيَرْزُقَهٗ غَيْرَهَا وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا لِخَلْقِهٖ
فِي الْفَضْلِ حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِمَعْنَى
الْكُتُبِ مِنْ قَبْلِكُمْ اَيِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى وَاِيَّاكُمْ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ اَنِ اَيْ بِاَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ خَافُوْا عِقَابَهٗ بِاَنْ
تُطِيْعُوْهُ وَ قُلْنَا لَهُمْ وَلَكُمْ اِنْ تَكْفُرُوْا بِمَا وُصِّيْتُمْ بِهٖ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ خَلْقًا وَمِلْكًا وَعَبِيْدًا
فَلَا يَضُرُّهٗ كُفْرُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا عَنْ خَلْقِهٖ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾ مَحْمُوْدًا فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا لِتَقْرِيْرِ مُوْجِبِ التَّقْوٰى وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾ شَهِيْدًا بِاَنَّ مَا
فِيْهِمَا لَهٗ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ بَدَلَكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ
يُرِيْدُ بِعَمَلِهٖ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لِمَنْ اَرَادَهٗ لَا عِنْدَ غَيْرِهٖ فَلِمَ يَطْلُبُ اَحَدُهُمَا
الْاَخَسَّ وَهَلَّا طَلَبَ الْاَعْلٰى بِاِخْلَاصِهٖ لَهٗ حَيْثُ كَانَ مَطْلَبُهٗ لَا يُوْجَدُ اِلَّا عِنْدَهٗ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾

ترجمہ: (لوگ) آپ سے عورتوں اور ان کی میراث کے بارے میں فتوی پوچھتے ہیں آپ ان سے کہئے اللہ تم کو ان کے

بارے میں فتوی دیتا ہے، اور وہ وہی ہے جو تم کو قرآن میں آیت میراث میں پڑھکر سنایا جاتا ہے اور وہ تم کو ان یتیم عورتوں کے بارے میں بھی فتوی دیتا ہے کہ جن کو تم ان کا میراث کا مقرر حصہ نہیں دیتے ہو اور اے اولیاء تم ان کی بدصورتی کی وجہ سے ان سے نکاح کرنے سے گریز کرتے ہو اور تم ان کی میراث کی لالچ کی وجہ سے ان کو نکاح کرنے سے بھی روکتے ہو، وہ تم کو فتوی دیتا ہے کہ ایسا نہ کرو، (اور تم کو) کمزور بچوں کے بارے میں (فتوی دیتا ہے) کہ تم ان کے حقوق ادا کرو اور تم کو (اس کا بھی) حکم کرتا ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ میراث اور مہر کے معاملہ میں انصاف سے کام لو اور تم جو بھی نیک کام کرو بلاشبہ اللہ تعالی اس سے بخوبی واقف ہے سو وہ اس پر تم کو صلہ دے گا، اگر عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو اس پر بالادستی رکھنے کی وجہ سے اس کو بستر سے الگ کر کے یا اس سے بغض کی وجہ سے اس کے نفقہ میں کمی کر کے یا اس کی نظر کے اس سے زیادہ خوبصورت کی طرف اٹھنے کی وجہ سے یا اس سے بے رخی کرنے کا اندیشہ ہو تو اگر دونوں آپس میں باری میں اور نفقہ میں صلح کرلیں، اس طریقہ پر کہ شوہر کو بقاء صحبت کے لئے کچھ رعایت دے اگر بیوی اس پر راضی ہو جائے تو فبہا ورنہ تو شوہر پر اس کے حق کی ادائیگی واجب ہے یا اس کو جدا کر دے تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اس میں اصل میں تاء کا صاد میں ادغام ہے، اور ایک قراءت میں یُصْلِحَا ہے اَصْلَحَ سے، اور صلح، جدائی اور نافرمانی اور بے رخی سے بہتر ہے، اور اللہ تعالی نے انسانی پیدائشی فطرت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اور طمع ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے یعنی شدت بخل، نفوس کو اسی پر پیدا کیا گیا ہے گویا کہ وہ بخل ہمہ وقت موجود رہتا ہے کسی وقت اس سے جدا نہیں ہوتا معنی یہ ہیں کہ عورت اپنے شوہر سے اپنے حصہ سے دست بردار ہونے کیلئے تیار نہیں ہوتی اور مرد جبکہ دوسری سے محبت کرتا ہو تو اپنی ذات کے بارے میں بیوی کو رعایت دینے کیلئے تیار نہیں ہوتا، اور اگر تم عورتوں سے حسن معاشرت کا معاملہ کرو اور ان پر ظلم کرنے سے اجتناب کرو تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے جس کی وہ تم کو جزاء دے گا، اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم عورتوں کی محبت میں مساوات کرسکو اگر چہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھتے ہو اس لئے باری اور نفقہ میں بالکل ہی ایک کی طرف مائل نہ ہو جاؤ کہ جس سے تم محبت کرتے ہو (اس کے مقابلہ میں) کہ جس سے تم کو رغبت نہیں ہے اس کو لٹکتی ہوئی چھوڑ دو بایں طور کہ وہ نہ بیواؤں میں ہو اور نہ شوہر والیوں میں اور اگر باری میں عدل کے ساتھ اصلاح کرو اور ظلم سے بچو تو اللہ تعالی تمہاری قلبی رغبت کو معاف کرنے والا ہے اور اس معاملہ میں تمہارے اوپر رحم کرنے والا ہے، اور اگر بیوی اور شوہر طلاق کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ تعالی اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا (یعنی) اپنے فضل سے بایں طور کہ بیوی کو دوسرا شوہر عطا کر دے گا اور شوہر کو دوسری بیوی، اور اللہ تعالی اپنے مخلوق پر فضل میں وسعت والا اور ان کے لئے تدبیر میں حکمت والا ہے زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ ہی کی ملک ہے اور ہم ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی کتاب بمعنی کتب ہے یعنی یہود اور نصاری، اور تم کو بھی اے اہل قرآن حکم دیا ہے یہ کہ اللہ سے ڈرو یعنی اس کے عذاب سے ڈرو اس طور پر کہ اس کی اطاعت کرو اور ہم نے ان سے اور تم سے کہدیا کہ اگر تم حکم کی نافرمانی کرو گے تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تخلیق کے اعتبار سے اور ملک کے اعتبار سے اور مملوک ہونے کے اعتبار سے لہٰذا تمہارا کفر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اسی کی ملک ہے اور اللہ اپنی مخلوق اور اس کی عبادت سے بڑا بے نیاز اور ستودہ صفات ہے یعنی ان کے

ساتھ اپنی صنعت میں محمود ہے اور اللہ کے اختیار میں ہے زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اس کو مکرر ذکر کیا ہے موجبات تقویٰ کی تاکید کے لئے، اور اللہ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے یعنی اس بات پر شہادت کیلئے کہ جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اسی کی ملک ہے، اے لوگو، اگر اسے منظور ہو تو وہ تم کو ہلاک کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے اور جو شخص اپنے عمل سے دنیا کے اجر کا خواہشمند ہو سو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر ہے اس کیلئے جو اس کا طالب ہو نہ کہ اس کے غیر کے پاس، تو ان میں سے کمتر کو کیوں طلب کرے؟ اور اپنے اخلاص کے ذریعہ اعلیٰ کو کیوں طلب نہ کرے، جبکہ اس کا مطلوب اس سے حاصل ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فی شان، مضاف محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ سوال احوال سے ہوتا ہے نہ کہ ذوات سے۔

قولہ: مِیرَاثِهِنَّ، یہ شان کا بیان ہے۔

قولہ: وَمَا یُتْلٰی علیکم، اس کا عطف اللّٰه، پر ہے یعنی عورتوں کی میراث کے بارے میں اللہ اور قرآن کی آیت میراث جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی فتویٰ دیتی ہے۔

قولہ: ایضًا، اس سے بھی اشارہ ہے کہ وَمَا یُتْلٰی، کا عطف لفظ اللّٰه پر ہے۔

قولہ: دَمَامَة، بدصورتی۔

قولہ: اَنْ لَا تَفْعَلُوا ذٰلك، یہ اَنْ تفسیر یہ ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ما یُفْتٰی بِهٖ، محذوف ہے لہٰذا فائدہ کے تام نہ ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: وَ فِی الْمُسْتَضْعَفِیْنَ، فی مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف یتامی النساء پر ہے۔

قولہ: تُعْطُوْهُمْ حُقُوْقَهم، یہ مفتی بہ کا بیان ہے۔

قولہ: وَیَامُرُکُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ تقوموا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ یُفَسِّرُهٗ خَافَتْ، اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اِمْرَأَةٌ خَافَتْ فعل مقدر کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر بعد کا خافت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "وَاِنْ خَافَتْ اِمْرَأَةٌ خَافَتْ".

قولہ: اَجْمَلَ مِنْهَا، ای جمیلة مِنها.

قولہ: فیه اِدْغَامُ التَّاءِ، یہ اس وقت ہے کہ جب کہ یصلحا کی اصل یصتلحا مانی جائے۔

قولہ: شِدَّةَ الْبُخْلِ، یہ الشح کے معنی کا بیان ہے۔

قولہ: الْاَنْفُسُ یہ اُحضرت، کا مفعول اول قائم مقام نائب فاعل ہے اور الشُّحَّ، مفعول ثانی ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

ابتداء سورت میں یتیموں اور عورتوں کے خاص احکام اور ان کے حقوق ادا کرنے کا وجوب مذکور تھا، اس کے بعد کی آیات میں عورتوں سے متعلق چند اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

شان نزول:

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النسآء، ان آیات کے شان نزول کے بارے میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں اور وہ سب ہی سبب نزول ہو سکتے ہیں۔

ابن جریر، ابن منذر اور حاکم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ بچوں کو بڑے ہونے تک اور عورتوں کو میراث نہیں دیا کرتے تھے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو یہ مسئلہ صحابہ نے آپ سے دریافت کیا، تو مذکورہ آیات نازل ہوئی۔

ابن جریر اور ابن منذر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بچوں کو اس وقت تک میراث میں حصہ نہ دیتے تھے جب تک وہ لڑنے کے لائق نہ ہو جائے اور نہ عورتوں کو کچھ دیتے تھے، زمانۂ اسلام کے بعد اس بارے میں آپ سے سوال کیا گیا، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ اگر گھر میں کوئی یتیم لڑکی بدصورت ہوتی تو نہ تو اس سے خود نکاح کرتے اور نہ دوسروں سے کرتے بلکہ تا زندگی ان کو یوں ہی رکھتے، خود شادی ان کی بدصورتی کی وجہ سے نہیں کرتے تھے اور مال کے گھر سے باہر چلے جانے کے خوف سے کسی دوسرے سے بھی ان کا نکاح نہ کرتے تھے، اس کے مرنے کے بعد خود ہی اس کے مال کے مالک ہو جاتے تھے، بخاری و مسلم نے بھی حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا سے اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو لوگوں نے اس معاملہ میں آپ سے سوال کیا تو مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

وَمَا یُتْلٰی علیکم، کا عطف اللّٰہ یفتیکم، پر ہے اور مَا یتلٰی علیکم، سے سورۂ نساء کی وہ آیات مراد ہیں جن میں یتیموں اور بچوں پر ظلم کرنے سے روکا گیا ہے اور حقوق ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

وترغبون ان تنکحوھنَّ ، اس کے دو ترجمہ کئے گئے، ایک رغبت کرنا اس صورت میں فی محذوف ہوگی اور جن حضرات نے اعراض کرنے کا ترجمہ کیا ہے انہوں نے عن محذوف مانا ہے۔

ازدواجی زندگی کے متعلق چند قرآنی ہدایات:

وَاِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا الخ ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے ازدواجی زندگی میں پیش آنے والے تلخ حالات کے متعلق کچھ ہدایات اوراحکام بیان فرمائے ہیں، اوران تلخ حالات پر صحیح اصول کے مطابق قابو پانے کی اگر سنجیدہ کوشش نہ کی جائے تو نہ صرف زوجین کے لئے دنیا جہنم بن جاتی ہے بلکہ بعض اوقات یہ گھریلو رنجش اور کشمکش خاندانوں اور قبیلوں کو باہمی قتل وقتال تک پہنچا دیتی ہے، قرآن حکیم نے مرد وعورت دونوں کے تمام جذبات واحساسات کو پیش نظر رکھ کر ہر فریق کو ایک ایسا نظام زندگی پیش کیا ہے جس پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کا گھر دنیا ہی میں جنت نشان بن جاتا ہے، گھریلو رنجشیں اور تلخیاں محبت وراحت میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اوراگر ناگزیر حالات میں جدائی کی نوبت آجائے تو وہ بھی خوشگواری اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پائے۔

وَاِنِ امْرَأَةٌ خافت الخ اس آیت میں ان غیر اختیاری حالات کا حل پیش کیا گیا ہے جو ایسی رنجش کا سبب بن جاتے ہیں، اور ہر فریق خود کو معذور سمجھتا ہے جس کی وجہ سے حقوق واجبہ میں کوتاہی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے مثلاً ایک شوہر کا اپنی بیوی سے بوجہ بدصورتی کے دل نہیں ملتا یا بیوی کا شوہر کی بدصورتی کی وجہ سے دل نہیں ملتا اوران اسباب کو رفع کرنا نہ بیوی کے ہاتھ میں ہے اور نہ شوہر کے۔

چنانچہ اس صورت حال میں مرد کے لئے تو قرآن کریم نے ایک عام قانون یہ بتلایا ہے کہ "فَاِمساك بمعروف او تسريح باحسان"، یعنی اگر عورت کو عقد نکاح میں رکھنا ہے تو اس سے پورے حقوق کی رعایت کے ساتھ رکھے، اوراگر اس پر قدرت نہیں تو اس کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دے، اگر عورت بھی جدائی پر راضی ہے تو مسئلہ آسان ہے اوراگر عورت کسی وجہ سے جدائی پر آمادہ نہیں تو کوشش کی جائے کہ شوہر کسی نہ کسی طرح بیوی کو رکھنے پر راضی ہو جائے مثلاً یہ کہ عورت اپنے تمام یا بعض حقوق کا مطالبہ ترک کردے۔

قَوْلُهٗ: شُحَّ، بخل، طمع کو کہتے ہیں، یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ طرفین کے اپنے بعض حقوق سے سبکدوش ہونے کی رعایت ملتی نظر آئے تو ممکن ہے کہ فریقین ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائیں، مثلاً حضرت سودہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا نے بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا کے لئے ہبہ کردی تھی جسے نبی ﷺ نے قبول فرمالیا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

بینهُمَا، کے لفظ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ میاں بیوی کے معاملات میں بہتر تو یہ ہے کہ تیسرا دخل نہ دے دونوں ہی آپس میں طے کرلیں، اسلئے کہ تیسرے شخص کے دخیل بننے سے بعض اوقات بات اور بگڑ جاتی ہے۔

وَلَنْ تستطيعوا ان تعدلوا بين النساء (الاية) اس آیت میں ایک دوسری صورت کا بیان ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ ایک سا سلوک نہیں کرسکتا اسلئے کہ محبت، دلی تعلق کا نام ہے جس پر

کسی کو اختیار نہیں ہوتا، خود آنحضرت ﷺ کو بھی اپنی تمام ازواج میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ محبت تھی، اگر یہ قلبی میلان ظاہری حقوق کے مساوات میں مانع نہ بنے تو عنداللہ قابل مواخذہ نہیں۔

حدیث:

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے یہاں دو بیویاں ہوں اور وہ ایک ہی کا خیال رکھتا ہو تو قیامت میں وہ شخص اس حالت میں آئیگا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ قائِمِيْنَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ شُهَدَآءَ بِالْحَقِّ لِلّٰهِ وَلَوْ كانت الشَّهَادَةُ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
فَاشْهَدُوْا عَلَيْهَا بِاَنْ تُقِرُّوْا بِالْحَقِّ وَلَا تَكْتُمُوْهُ اَوِ عَلى الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِ
غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا مِنْكُمْ وَاَعْلَمُ بِمَصَالِحِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى فِى شَهَادَتِكُمْ بِاَنْ تُحَابُوْا الْغَنِيَّ
لِرِضَاهُ اَوِالْفَقِيْرَ رَحْمَةً له اَنْ لا تَعْدِلُوْا تَمِيْلُوْا عَنِ الْحَقِّ وَاِنْ تَلْوٗٓا تُحَرِّفُوا الشَّهَادَةَ وَفِى قِرَاءَةٍ بِحَذْفِ الْوَاوِ
الْاُوْلٰى تَخْفِيْفًا اَوْ تُعْرِضُوْا عَنْ اَدَائِهَا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾ فَيُجَازِيْكُمْ به يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا
دَاوِمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ
عَلَى الرُّسُلِ بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَفِى قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ فِى الْفِعْلَيْنِ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ عَنِ الْحَقِّ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِمُوْسٰى وَهُمُ الْيَهُوْدُ ثُمَّ كَفَرُوْا بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ ثُمَّ اٰمَنُوْا
بَعْدَهٗ ثُمَّ كَفَرُوْا بِعِيْسٰى ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ مَا اَقَامُوْا عَلَيْهِ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ طَرِيْقًا
اِلَى الْحَقِّ بَشِّرِ اَخْبِرْ يَا مُحَمَّدُ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿١٣٨﴾ مُؤْلِمًا هو عَذَابُ النَّارِ اِلَّذِيْنَ بَدَلٌ اَوْ نَعْتٌ
لِلْمُنَافِقِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِمَا يَتَوَهَّمُوْنَ فِيْهِمْ مِنَ الْقُوَّةِ اَيَبْتَغُوْنَ يَطْلُبُوْنَ
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَىْ لَا يَجِدُوْنَهَا عِنْدَهُمْ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَا يَنَالُهَا اِلَّا
اَوْلِيَاؤُهٗ وَقَدْ نَزَّلَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ فِى سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا
مَحْذُوْفٌ اَىْ اَنَّهٗ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ اى الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُسْتَهْزِئِيْنَ
حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا اِنْ قَعَدْتُمْ مَعَهُمْ مِّثْلُهُمْ فِى الْاِثْمِ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿١٤٠﴾ كَمَا اجْتَمَعُوْا فِى الدُّنْيَا عَلَى الْكُفْرِ وَالْاِسْتِهْزَاءِ اِلَّذِيْنَ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ
يَتَرَبَّصُوْنَ يَنْتَظِرُوْنَ بِكُمْ الدَّوَائِرَ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ ظَفَرٌ وَغَنِيْمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا لكم اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ فِى الدِّيْنِ
وَالْجِهَادِ فَاَعْطُوْنَا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ مِنَ الظَّفَرِ عَلَيْكُمْ قَالُوْٓا لهم اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ نَسْتَوْلِ
عَلَيْكُمْ وَنَقْدِرْ عَلَى اَخْذِكُمْ وَقَتْلِكُمْ فَاَبْقَيْنَا عليكم وَ اَلَمْ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يَظْفَرُوْا بِكُمْ

بِتَخْذِيْلِهِمْ وَمُرَاسَلَتِكُمْ بِأَخْبَارِهِمْ فَلَنَا عَلَيْكُمُ الْمِنَّةُ قَالَ تَعَالَى **فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ** وَبَيْنَهُمْ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بِأَنْ يُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ وَيُدْخِلَهُمُ النَّارَ **وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا** ﴿١٤١﴾ طَرِيْقًا بِالْاِسْتِئْصَالِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے حق کی گواہی دینے والے رہو چاہے وہ شہادت خود تمہارے خلاف ہی ہو تو اپنے خلاف گواہی دو بایں طور کہ حق کا اقرار کرو اور اس کو چھپاؤ نہیں یا تمہارے والدین کے اور عزیزوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، مشہود علیہ مالدار رہو یا مفلس اللہ ان دونوں سے تمہاری بہ نسبت قریب ہے اور ان دونوں کی مصلحتوں سے واقف ہے، اپنی شہادت میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو بایں طور کہ مالدار کی اس کی رضاجوئی کے لئے رعایت کرو یا فقیر پر رحم کے طور پر اس کی رعایت کرو بایں طور کہ حق سے ہٹ جاؤ، اور یہ کہ شہادت میں تحریف کرو، اور ایک قراءت میں تخفیفاً اول واؤ کے حذف کے ساتھ ہے، یا یہ کہ اداء شہادت سے اعراض کرو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے تو تم کو اس کی جزاء دے گا، اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کی ہے اور وہ قرآن ہے اور ان کتابوں پر جو سابق میں رسولوں پر نازل کی ہیں ایمان پر قائم رہو اور کتاب بمعنی کتب ہے اور ایک قراءت میں دونوں فعل معروف کے صیغے کے ساتھ ہیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں حق سے بہت دور جا پڑا بے شک جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے اور وہ یہود ہیں، پھر بچھڑے کی پوجا کر کے کافر ہو گئے پھر اس کے بعد ایمان لائے پھر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر ہوئے پھر محمد ﷺ کا انکار کر کے کفر میں ترقی کرتے گئے اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ کرے گا جب تک وہ کفر پر قائم رہیں گے اور نہ ان کو حق کی طرف سیدھا راستہ دکھائیگا، اے محمد منافقوں کو بتا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور وہ آگ کا عذاب ہے وہ لوگ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائے ہوئے ہیں، اسلئے کہ ان میں قوت خیال کرتے ہیں، (الذین) منافقین سے بدل یا صفت واقع ہے کیا ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ استفہام انکاری ہے، یعنی ان سے عزت نہ پائیں گے، اس لئے کہ دنیا اور آخرت میں تمام تر عزت اللہ کے پاس ہے اس کو خدا کے دوست ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب قرآن میں (نَزَّل) معروف اور مجہول دونوں ہے سورۂ انعام میں یہ حکم نازل کر چکا ہے (اَنْ) مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے، ای اَنَّہٗ، کہ جب تم (کسی مجلس میں) لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو تم ان کے پاس نہ بیٹھو، یعنی استہزاء کرنے والے کافروں کے پاس، تا آں کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تو یعنی اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی گناہ میں ان کے مثل ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرے گا جیسا کہ وہ دنیا میں کفر واستہزاء پر جمع ہوئے تھے (یہ) وہ (لوگ) ہیں کہ جو تمہارے لئے مصیبتوں کے منتظر ہیں تو اگر تمہیں اللہ کی جانب سے فتح اور (مال) غنیمت حاصل ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ دین اور جہاد میں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ لہٰذا ہم کو بھی مال غنیمت سے حصہ دو اور اگر کافروں کو تمہارے اوپر فتح نصیب ہوتی ہے تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے؟ اور کیا ہم

تمہاری گرفت اور قتل پر قادر نہیں ہو چکے تھے، مگر ہم نے تم پر رحم کیا، اور کیا یہ بات نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو پست ہمت کر کے اور ان کی خبریں تم کو پہنچا کر تمہارے اوپر مسلمانوں کو غالب آنے سے بچایا لہٰذا ہمارا تم پر احسان ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی تمہارے اور ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اس طریقہ پر کہ تم کو جنت میں اور ان کو دوزخ میں داخل کرے گا، اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہ دے گا، یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر غلبہ نہ دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فَاشْهَدُوْا عَلَيْهَا، یہ لَوْ کا جواب ہے، دلالتِ ماقبل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

قولہ: بِاَنْ تُقِرّوا، اس میں اشارہ ہے کہ اپنے نفس کے خلاف گواہی دینے کا مطلب ہے اقرار کرنا۔

قولہ: المَشْهُوْدُ عَلَيْه، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوال: یہ ہے کہ یکن کے اندر جو ضمیر ہے وہ والدین اور اقربین کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہے اور یکن کے اندر ضمیر واحد ہے لہٰذا ضمیر اور مرجع میں اتحاد نہیں ہے جو کہ ضروری ہے۔

جواب: یہ ہے کہ یکن کی ضمیر کا مرجع مشهود عليه ہے جو کہ جنس ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے۔

قولہ: منكم، اس میں اشارہ ہے کہ مفضل علیہ محذوف ہے۔

قولہ: لِاَنْ تَعْدِلُوْا، تتبعوا الهوى. تَتَّبِعُوْا متعدی بیک مفعول ہے اور وہ هوىٰ ہے اب یہ دوسرے مفعول کی طرف بغیر حرف کے متعدی نہیں ہوسکتا، اسی لئے لام مقدر مانا ہے تاکہ دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہو جائے۔

قولہ: بعده، ای بعد عود موسیٰ۔

قولہ: اَلَّذِيْنَ، عَنٰی محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے۔

تفسیر و تشریح

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل و انصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہے ہیں نہ صرف یہ کہ حق و انصاف کی روش پر چلنے کے لئے کہا جا رہا ہے بلکہ فرمایا جا رہا ہے کہ حق و انصاف کے علمبردار بنو تمہارا کام صرف انصاف کرنا ہی نہیں ہے بلکہ حق و انصاف کا جھنڈا لیکر اٹھانا ہے تمہیں اس بات پر کمربستہ ہونا چاہئے کہ ظلم مٹے اور اس کی جگہ عدل و راستی قائم ہو حق و انصاف کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف و شہادت کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑے۔

یعنی تمہاری گواہی محض خدا کے لئے ہونی چاہئے نہ اس میں کسی کی رورعایت ہو نہ کوئی ذاتی مفاد یا خدا کے سوا کسی کی خوشنودی تمہارے مدنظر نہ ہو، یعنی نہ کسی مالدار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے اور نہ کسی فقیر کے فقر کی وجہ سے سچی بات کہنے سے تم

کو باز رہنا چاہئے اسلئے کہ اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا تمہاری خیر خواہی کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا خواہش نفس، عصبیت یا بغض تمہیں انصاف کرنے سے نہ روک دے ایک دوسرے مقام پر فرمایا" ولا یجر منکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا" تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، جس معاشرہ میں عدل کا اہتمام ہوگا وہاں امن وسکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تخمینہ لگا کر آئیں یہودیوں نے انہیں رشوت کی پیش کش کی تاکہ کچھ رعایت ونرمی سے کام لیں تو آپ نے فرمایا"میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو، لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کرسکتی کہ میں تمہارے معاملہ میں انصاف نہ کروں" یہ سنکر یہود نے کہا اسی عدل کی وجہ سے آسمان وزمین کا یہ نظام قائم ہے۔ (ابن کثیر)

اِن الّذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہی رائے علامہ سیوطی کی ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، سیاق وسباق سے یہی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

عزت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہئے:

الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین، مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین مسلمانوں جیسے عقیدے تو کیا رکھتے یہ تو ظاہری تعلقات بھی مسلمانوں کے ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کافروں کے پاس بیٹھ کر ہم کو دنیا میں عزت ملے گی، ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے عزت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو عزت ملے گی، اور ایسے لوگ دنیا وآخرت دونوں میں ذلیل ہوں گے۔

وقد نزل علیکم فی الکتاب، (الآیۃ) یعنی اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو، مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص اسلام کا دعوی رکھنے کے باوجود کافروں کی ان مجلسوں میں شریک ہوتا ہے جہاں آیات الٰہیہ کے خلاف کفر بکا جاتا ہے اور یہ شخص خاموشی سے خدا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہوئے سنتا ہے تو اس میں اور کافروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا جس میں اللہ ورسول کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو سخت گناہ ہے، ہاں البتہ جو اس گفتگو کو ختم کرکے کوئی دوسری بات شروع کردیں تو اس وقت ان کے ساتھ مجالست جائز ہے یا نہیں؟ قرآن کریم نے اس کو صراحت سے بیان نہیں فرمایا، اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض

نے کہا ایسے وقت شرکت جائز ہے اس لئے کہ شرکت کی ممانعت کی علت مفقود ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسے کفار و فجار کے ساتھ بعد میں بھی مجالست درست نہیں ہے، حسن بصری کی یہی رائے ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ بِاِظْهَارِهِمْ خِلَافَ مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوْا عَنْهُمْ اَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ **وَهُوَ خَادِعُهُمْ** مُجَازِيْهِمْ عَلٰى خِدَاعِهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ فِي الدُّنْيَا بِاطِّلَاعِ اللّٰهِ نَبِيَّهُ عَلٰى مَا اَبْطَنُوْهُ وَيُعَاقَبُوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ **وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ** مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ **قَامُوْا كُسَالٰى** مُتَثَاقِلِيْنَ **يُرَآءُوْنَ النَّاسَ** بِصَلَاتِهِمْ **وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ** يُصَلُّوْنَ **اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿١٤٢﴾ رِيَاءً **مُّذَبْذَبِيْنَ** مُتَرَدِّدِيْنَ **بَيْنَ ذٰلِكَ** الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ **لَآ** مَنْسُوْبِيْنَ **اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ** اَيِ الْكُفَّارِ **وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ** اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا** ﴿١٤٣﴾ اِلَى الْهُدٰى **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِمُوَالَاتِهِمْ **سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا** ﴿١٤٤﴾ بُرْهَانًا بَيِّنًا عَلٰى نِفَاقِكُمْ **اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ** الْمَكَانِ **الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ** وَهُوَ قَعْرُهَا **وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا** ﴿١٤٥﴾ مَانِعًا مِنَ الْعَذَابِ **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا** مِنَ النِّفَاقِ **وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهُمْ **وَاعْتَصَمُوْا** وَثِقُوْا **بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ** مِنَ الرِّيَاءِ **فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ** فِيْمَا يُؤْتَوْنَهُ **وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿١٤٦﴾ فِي الْاٰخِرَةِ هُوَ الْجَنَّةُ **مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ** نِعَمَهُ **وَاٰمَنْتُمْ** بِهٖ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَا يُعَذِّبُكُمْ **وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا** لِاَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِثَابَةِ **عَلِيْمًا** ﴿١٤٧﴾ بِخَلْقِهٖ.

ترجمہ: بے شک منافقین اپنے پوشیدہ کفر کے خلاف ظاہر کرکے تاکہ اپنے اوپر سے دنیوی احکام کو دفع کرسکیں اللہ کے ساتھ چال چل رہے ہیں اور وہ انھیں ان کی چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے چنانچہ وہ دنیا میں اللہ کے اپنے نبی کو ان کے پوشیدہ کفر پر مطلع کرنے کی وجہ سے رسوا ہوں گے اور آخرت میں سزا دیئے جائیں گے، اور جب یہ لوگ مومنوں کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (اپنی نماز) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کا ذکر تو بس یوں ہی برائے نام کرتے ہیں کفر اور ایمان کے درمیان معلق ہیں نہ (پورے) کافروں کی طرف منسوب ہیں اور نہ مومنوں کی طرف اور اللہ جسے گمراہ رکھے تو، تو اس کے لئے ہدایت کا کوئی راستہ نہ پائیگا، اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ ان کی دوستی سے اپنے اوپر اپنے نفاق پر صریح حجت قائم کرلو، یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے، اور وہ جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے، اور تو ان کا کوئی مددگار نہ پائیگا یعنی عذاب سے بچانے والا مگر وہ لوگ جو نفاق سے توبہ کرلیں اور اپنے عمل کی اصلاح کرلیں اور اللہ کی رسی کو تھامے رہیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے ریاکاری سے خالص کریں تو یہ لوگ جنتوں میں مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ مومن کو عنقریب اجر عظیم دے گا اور وہ جنت ہے اللہ تم کو سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم اس کی نعمتوں کی شکرگذاری کرتے رہو اور اس پر ایمان رکھو اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی تم کو سزا نہ دے

گا، اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عطا کر کے ان کے اعمال کا بڑا قدر دان ہے اور اپنی مخلوق سے باخبر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: يُجَازِيهِمْ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف خداع کی نسبت درست نہیں ہے اسلئے کہ خداع صفتِ قبیح ہے اللہ تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے خداع کا استعمال مشاکلت کے طور پر ہے یہ جزاء السيئة سيئة کے قبیل سے ہے، یعنی جزاءِ خداع کو خداع سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قولہ: كُسَالٰى، كَسْلَانٌ کی جمع ہے، سست کاہل۔

قولہ: يُرَاءُوْنَ جمع مذکر غائب (مفاعلة) وہ دکھاوا کرتے ہیں۔

قولہ: مَنْسُوْبِيْنَ، اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ "لا الٰی هٰؤلاء" میں حرف لا کا، حرف اِلٰی پر داخل ہونا لازم آ رہا ہے، حالانکہ حرف کا حرف پر داخل ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: لا، اِلٰی پر داخل نہیں ہے بلکہ منسوبین پر داخل ہے۔

قولہ: المَكَان.

سوال: الدَّرْكِ، کی تفسیر مفسرِ علام نے طبقة کی بجائے مکان سے کیوں کی؟

جواب: الاسفل چونکہ مذکر ہے لہٰذا ادرك بمعنی طبقة کی صفت واقع نہیں ہو سکتی۔

قولہ: وَالِاسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ، یعنی اللہ کے قول مايفعل الله بِعَذَابِكُمْ؟ میں استفہام بمعنی نفی ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ استفہام اللہ کے لئے محال ہے۔

قولہ: بِالْاِثَابَةِ، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ شکر نعمتِ منعم کے اظہار کو کہتے ہیں اور یہ ذات باری کے لئے محال ہے۔

جواب: یہاں شکر سے عمل کا اجر و ثواب عطاء کر کے قدر دانی مقصود ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ المنافقين يخدعونَ اللّٰه وَهُوَ خَادِعُهمْ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصلوةِ قاموا كُسَالٰى نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور افضل ترین فرض ہے منافقین اس میں بھی کاہلی اور سستی کرتے تھے کیونکہ ان کا قلب ایمان، خلوص، خشیت الٰہی سے عاری تھا یہی وجہ تھی کہ عشاء اور فجر کی نماز ان پر خاص طور پر گراں گذرتی تھی، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے اَثْقَلُ الصلوةِ على المنافقين صلوة العشاء و صلوة الفجر (صحیح بخاری) منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے زیادہ گراں گذرتی ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں شمار ہی نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ نماز کا پابند نہ ہو جس طرح

تمام دنیوی جماعتیں اور تنظیمیں اپنے اجتماعات میں کسی رکن کے بلاعذر شریک نہ ہونے کو اس کی جماعت سے عدم دلچسپی پر محمول کرتی ہیں اور مسلسل چند اجتماعات سے غیر حاضر رہنے سے اسے ممبری سے خارج کر دیتی ہیں اسی طرح اسلامی جماعت کے کسی رکن کا نماز باجماعت سے بلاعذر شرعی غیر حاضر رہنا اس زمانہ میں اس بات کی صریح دلیل سمجھا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ''کہ جو شخص مسلسل تین جمعوں میں شریک نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے'' یہی وجہ تھی کہ سخت سے سخت منافق کو بھی نماز باجماعت سے غیر حاضری کی ہمت نہیں ہوتی تھی البتہ جو چیز ان کو سچے اہل ایمان سے تمیز کرتی تھی وہ یہ تھی کہ سچے مومن ذوق وشوق سے آتے تھے اور وقت سے پہلے ہی مسجدوں میں پہنچ جاتے تھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی مسجدوں میں ٹھہرے رہتے تھے، بخلاف منافقوں کے کہ اذان ہوتے ہی ان کی جان پر بن آتی تھی اور دل پر جبر کرکے اٹھتے تھے، ان کے قدم گراں ہو جاتے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو زبردستی کھینچ کر لا رہے ہیں۔

مَسْئلۃ: قاموا کسالی، جس کسل کی یہاں مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے اور جو باوجود اعتقاد صحیح کے کسل ہو وہ اس سے خارج ہے پھر اگر عذر سے ہو مثلاً مرض، تعب، غلبۂ نوم تو قابل مذمت بھی نہیں اور اگر بغیر عذر ہو تو قابل مذمت ہے۔

(بیان القرآن)

اور منافقین سستی و کاہلی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے وہ صرف ریاکاری کے لئے پڑھتے تھے تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔

یایُّھَا الذین آمنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء (الآیۃ) یعنی اللہ نے تمہیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے، اب اگر تم ان سے دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمہیں بھی سزا دے سکے۔

اِلّا الَّذِیْنَ تابوا و اصلحوا (الآیۃ) یعنی منافقین میں سے جو شخص اس میں مذکور چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا تو وہ جہنم میں جانے کے بجائے جنت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوگا اور اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم اس کے شکر گذار اور دل سے ایمان لاؤ تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ خواہ مخواہ تم کو سزا دے بلکہ وہ تو تمہارے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کا قدردان ہے بشرطیکہ خلوص دل سے ہو، اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون اخلاص سے عمل کر رہا ہے اور کون ریاکاری کے طور پر۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ مِنْ اَحَدٍ اَیْ یُعَاقِبُ علیہ **اِلَّا مَنْ ظُلِمَ** فَلا یُؤَاخِذُہٗ بِالْجَھْرِ بہ بِاَنْ یُخْبِرَ عن ظُلْمِ ظَالِمِہٖ وَیَدْعُوَ علیہ **وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا** لِمَا یُقَالُ **عَلِیْمًا** ﴿۱۴۸﴾ بِمَا یُفْعَلُ **اِنْ تُبْدُوْا** تُظْھِرُوْا **خَیْرًا** مِنْ اَعْمَالِ البِرِّ **اَوْ تُخْفُوْہُ** تَعْمَلُوْہ سِرًّا **اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ** ظُلْمٍ **فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا** ﴿۱۴۹﴾ **اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ** بِاَنْ یُؤْمِنُوْا بِہٖ دُوْنَھُم **وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ** مِنَ الرُّسُلِ **وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ** منھم **وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ** الکُفْرِ وَالاِیْمَانِ **سَبِیْلًا** ﴿۱۵۰﴾ طَرِیْقًا یَذْھَبُوْنَ الیہ **اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا** مَصْدَرٌ مُؤَکِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَۃِ قَبْلَہ **وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا** ﴿۱۵۱﴾ ذَا اِھَانَۃٍ ھُوَ عَذَابُ النَّارِ **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ** کُلِّھِمْ **وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ** بِالنُّوْنِ وَالْیَاءِ **اُجُوْرَھُمْ**

ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِاَوْلِيَائِهِ رَّحِيْمًا بِاَهْلِ طَاعَتِهِ.

تَرْجَمَہ: اللہ کسی کی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کی بدگوئی کرے یعنی بدگوئی پر سزا دے گا، البتہ مظلوم کو (بیانِ ظلم کی) اجازت ہے، یہ کہ اپنے ظالم کے ظلم کو افشا کرے اور اس کے لئے بددعاء کرے، (تو اللہ اس افشاء ظلم پر مواخذہ نہ کرے گا)، اور جو کچھ کہا جاتا ہے اللہ اس کو سننے والا ہے اور جو کچھ کیا جاتا ہے اس کو جاننے والا ہے، اور اگر تم اعمال نیک میں سے کوئی عمل اعلانیہ کرو یا اس کو چھپا کر کرو یا ظلم کو معاف کردو (تو بہت خوب ہے اسلئے کہ اللہ کی بھی یہی صفت ہے) کہ وہ (انتقام پر) قدرت رکھنے کے باوجود بڑا معاف کرنے والا ہے جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں بایں طور کہ اللہ پر ایمان لائیں اور رسولوں پر ایمان نہ لائیں، اور وہ کہتے (بھی) ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے بعض کے منکر ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ کفر وایمان کے درمیان کوئی ایسی راہ نکالیں، کہ جس پر وہ چلیں، یقیناً یہ لوگ پکے کافر ہیں (حَــقًّـــا) سابقہ جملے کے مضمون کی تاکید ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے اہانت آمیز سزا تجویز کر رکھی ہے، اور وہ دوزخ کی سزا ہے، اور جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے تمام رسولوں پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) اور ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ ان کے اعمال خیر کا ضرور اجر دے گا (یُؤتیهم) نون اور یاء کے ساتھ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں سے بڑا درگذر کرنے والا اور اپنی اطاعت کرنے والوں پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔

تَحقِیق وتَرکِیب وتَسہِیل وتَفسِیری فَوائِد

قِوْلَہٗ: اَلجَهر، رفع الصوت بالقول وغیرہ، جهر بالقول سے مطلقاً اظہار مراد ہے خواہ جہر ہو یا نہ ہو۔

قِوْلَہٗ: مِن احدٍ، یہ مستثنیٰ منہ مقدر ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اِلّا مَن ظلم، کا استثناء ماقبل سے درست نہیں ہے، اور الجهر مصدر، کا فاعل محذوف ہے، اور مصدر کے فاعل کا حذف جائز ہے، اور اِلّا مَنْ ظلم، اسی فاعل محذوف سے مستثنیٰ ہے، یا مضاف محذوف مانا جائے تقدیر عبارت یہ ہوگی "اِلّا جَهْرَ مَنْ ظُلِمَ" مذکورہ دونوں صورتوں میں مستثنیٰ متصل ہوگا۔

قِوْلَہٗ: ای یُعَاقِبُ علیه، اس میں اشارہ ہے کہ عدم محبت سے غضب اور عقاب مراد ہے۔

قِوْلَہٗ: فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا، یہ جملہ جواب شرط ہے، اور اِنْ تُبْدُوا اور اَوْ تُخْفوه، اور او تعفوا عن سُوْءٍ، یہ تینوں جملے بذریعہ عطف شرط ہیں۔

جواب شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود تیسرے جملہ یعنی اَوْ تعفوا کا جواب شرط ہے اور اگر ابداء خیر اور اخفاء خیر بھی مقصود بالشرط ہو تو جواب شرط میں فقط فَاِن اللّٰه کان عفوًّا قديرًا، پر اکتفاء درست نہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ ابداء خیر اور اخفاء خیر کو

محض بطور تمہید لایا گیا ہے، یہ بتانے کے لئے کہ علانیہ یا پوشیدہ طریقہ سے کار خیر کرنا بھی نیکی ہے مگر قدرت علی الانتقام کے باوجود معاف کرنا بڑی نیکی ہے اسلئے کہ یہی صفت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے۔

تفسیر و تشریح

ہتک عزت سے ممانعت:

لا یحب اللّٰہ الجهر بالسوء (الآیة) اس آیت میں مسلمانوں کو ایک نہایت ہی بلند درجہ کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے، غیبت و بدگوئی کو جس کو قانونی زبان میں ''ہتک عزت'' کہا جاتا ہے بالکل ناجائز قرار دیا ہے، بلا ضرورت اور بلا مصلحت شرعی کسی کی بدگوئی کو کسی حال میں بھی روا نہیں رکھا، البتہ مظلوم اپنے دل کا بخار بک جھک کر اور شکوہ شکایت کر کے نکال سکتا ہے اور حاکم کے سامنے دادخواہی اور فریادرسی کر سکتا ہے، شریعت اسلامی نے انسانی طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ رکھا ہے کہ کسی اور نے نہیں رکھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلامی مظلوم کو اس بات کا حق دیتی ہے کہ ظالم کی بدگوئی کر سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ خدا کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے بلکہ افضل اور پسندیدہ یہ ہے کہ تم عفو و درگذر سے کام لو اور اپنے اندر خدائی اخلاق پیدا کرو جس کی شان یہ ہے کہ وہ نہایت حلیم و بردبار ہے سخت سے سخت مجرموں تک کی روزی بند نہیں کرتا اور بڑے سے بڑے قصورواروں کو درگذر کئے چلا جاتا ہے، لہٰذا تم تخلقوا باخلاق اللّٰہ کو پیش نظر رکھکر عالی حوصلہ اور وسیع الظرف بنو۔

یہ ہے رفع ظلم اور اصلاح معاشرہ کا قرآنی اصول کہ ایک طرف مظلوم کو برابر کے انتقام کا حق دے کر عدل و انصاف کا قانون بنا دیا اور دوسری طرف اعلیٰ اخلاقی تعلیم دے کر عفو و درگذر پر آمادہ کیا، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جس کو قرآن کریم نے دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا ہے۔

فاذا الذی بینك و بینهٗ عداوَة کانهٗ ولی حمیم، یعنی جس شخص اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اس طرز سے وہ تمہارا مخلص دوست بن جائیگا۔

عدالتی فیصلہ اور ظلم کا انتقام وقتی اور عارضی طور پر تو ظلم کی روک تھام کر سکتے ہیں لیکن فریقین کی دلی کدورت کو دور کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے، بخلاف اس اخلاقی درس کے جو قرآن کریم نے دیا ہے اس کے نتیجے میں گہری اور پرانی عداوتیں دوستیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

والذین آمنوا باللّٰہ و رسوله ولم یفرقوا بین احد منهم (الآیة) اس آیت میں اہل ایمان کا شیوہ بتلایا گیا ہے کہ وہ سب انبیاء کرام پر ایمان رکھتے ہیں جس طرح کہ مسلمان کسی بھی نبی کے منکر نہیں، اس آیت سے وحدت ادیان کے تصور کی نفی بھی ہوتی ہے، جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے اور وہ ان غیر مسلموں

کو بھی نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں، لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمدیہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر اس آخری رسالت کا انکار ہوگا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ بھی غیر معتبر اور نامقبول ہوگا۔

مذکورہ آیت میں اصل اشارہ یہود کی جانب ہے جو انبیاء سابقین میں سے اپنے ہی سلسلہ کے بعض انبیاء کے قائل نہیں تھے، مثلاً حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر تھے اور آخری نبی محمد ﷺ کے بھی منکر ہوئے، مگر چونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں جن کے تحت نہ صرف یہ کہ مسیحی آتے ہیں بلکہ آجکل کے آزاد خیال نام نہاد روشن خیال بھی اس ذیل میں آجاتے ہیں یورپ میں ایک فرقہ (Deists) خدا پرستوں کا کہلاتا ہے اور ہندستان میں بھی ایک فرقہ برہمو سماج ہے یہ فرقہ توحید کا تو قائل ہے لیکن عقیدہ وحی ونبوت کا منکر ہے یہ سب ایسی غلط اور ناقص ذہنیت ہے جس کو اسلام ختم کرنا چاہتا ہے، اسلام تو وحدت تعلیم انبیاء کا قائل ہے اس میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ فلاں پیغمبر کو مانا جائے اور فلاں پیغمبر کو نہ مانا جائے، اور ایک درمیانی راہ نکالی جائے۔

اس آیت میں ان نام نہاد روشن خیال مسلمانوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے جو شریعت میں سے صرف اپنے پسند و مذاق کی چیزیں چن کر لے لینا چاہتے ہیں، جیسے ہندوستان کے ایک مغل بادشاہ اکبر نے کفر و اسلام کو ملا کر ایک دین الٰہی ایجاد کیا تھا، اور اکبر ہی کی نسل سے تین پشتوں کے بعد ایک اور شہزادہ دارا شکوہ نے بھی کچھ ایسی ہی کوشش کی تھی۔

اولئك هم الكفرون حقًّا، اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ مذکورہ نظریہ رکھنے والوں کا مرتبہ کافروں سے تو بہر حال بہتر ہوگا، نہیں بلکہ یہ لوگ بھی پکے کافر ہیں اولئك هم الكفرون، جملہ کی ترکیب خود ہی زور پیدا کرنے کیلئے کافی ہے، حَقًّا، کے اضافہ نے مزید تاکید کر دی۔

يَسْـَٔلُكَ يا محمد **اَهْلُ الْكِتٰبِ** اليَهُودُ **اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ** جُمْلَةً كَمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُوْسٰى تَعَنُّتًا فَإِنْ اِسْتَكْبَرْتَ ذٰلِكَ **فَقَدْ سَاَلُوْا** اى اٰبَاؤُهُمْ **مُوْسٰٓى اَكْبَرَ** اَعْظَمَ **مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً** عِيَانًا **فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ** اَلْمَوْتُ عِقَابًا لَهم **بِظُلْمِهِمْ** حَيْثُ تَعَنَّتُوْا فِي السُّؤَالِ **ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ** اِلٰهًا **مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ** اَلْمُعْجِزَاتُ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ** وَلَمْ نَسْتَأْصِلْهُمْ **وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا** ﴿١٥٣﴾ تَسَلُّطًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلَيْهِم حَيْثُ اَمَرَهُم بِقَتْلِ اَنْفُسِهِم تَوْبَةً فَاَطَاعُوْهُ **وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ** الجَبَلَ **بِمِيْثَاقِهِمْ** بِسَبَبِ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ عَلَيْهِمْ لِيَخَافُوْا فَيَقْبَلُوْهُ **وَقُلْنَا لَهُمُ** وَهُوَ مُظِلٌّ عَلَيْهِمْ **ادْخُلُوا الْبَابَ** بَابَ الْقَرْيَةِ **سُجَّدًا** سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ **وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الدَّالِ اَيْ لَا تَعْتَدُوْا **فِي السَّبْتِ** بِاصْطِيَادِ الْحِيْتَانِ فِيْهِ **وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا** ﴿١٥٤﴾ عَلٰى ذٰلِكَ فَنَقَضُوْهُ **فَبِمَا نَقْضِهِمْ** مَا زَائِدَةٌ وَالْبَاءُ لِلسَّبَبِيَّةِ مُتَعَلِّقَةٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ لَعَنَّاهُمْ بِسَبَبِ نَقْضِهِمْ **مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ** لِلنَّبِيِّ **قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** لَا تَعِي

كَلامَكَ بَلْ طَبَعَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلا تَعِي وَعْظًا فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵۵﴾ مِنْهُم كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ
وَأَصْحَابِهِ وَّبِكُفْرِهِمْ ثَانِيًا بِعِيسٰى وَكَرَّرَ الْبَاءَ لِلْفَصْلِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا عُطِفَ عَلَيْهِ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿۱۵۶﴾
حَيْثُ رَمَوْهَا بِالزِّنَا وَّقَوْلِهِمْ مُفْتَخِرِينَ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ فِي زَعْمِهِمْ أَيْ بِمَجْمُوعِ
ذٰلِكَ عَذَّبْنَاهُم قَالَ تَعَالٰى تَكْذِيبًا لَهُمْ فِي قَتْلِهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ الْمَقْتُولُ وَالْمَصْلُوبُ
وَهُوَ صَاحِبُهُم بِعِيسٰى أَيْ أَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِ شَبَهَهُ فَظَنُّوهُ إِيَّاهُ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ أَيْ فِي عِيسٰى
لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مِنْ قَتْلِهِ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ لَمَّا رَأَوُا الْمَقْتُولَ الْوَجْهُ وَجْهُ عِيسٰى وَالْجَسَدُ لَيْسَ بِجَسَدِهِ
فَلَيْسَ بِهِ وَقَالَ الْآخَرُونَ بَلْ هُوَ هُوَ مَا لَهُمْ بِهِ بِقَتْلِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ أَيْ لٰكِنْ يَتَّبِعُونَ فِيهِ
الظَّنَّ الَّذِي تَخَيَّلُوهُ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿۱۵۷﴾ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِنَفْيِ الْقَتْلِ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا فِي مُلْكِهِ
حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾ فِي صُنْعِهِ وَإِنْ مَا مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أَحَدٌ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ بِعِيسٰى قَبْلَ مَوْتِهِ أَيِ الْكِتَابِيِّ حِينَ يُعَايِنُ
مَلٰئِكَةَ الْمَوْتِ فَلَا يَنْفَعُهُ إِيمَانُهُ أَوْ قَبْلَ مَوْتِ عِيسٰى لَمَّا يَنْزِلُ قُرْبَ السَّاعَةِ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثٍ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُونُ عِيسٰى عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿۱۵۹﴾ بِمَا فَعَلُوهُ لَمَّا بُعِثَ إِلَيْهِم فَبِظُلْمٍ أَيْ بِسَبَبِ ظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا
هُمُ الْيَهُودُ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ هِيَ الَّتِي فِي قَوْلِهِ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ الْآيَة وَبِصَدِّهِمْ النَّاسَ
عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ دِينِهِ صَدًّا كَثِيرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ فِي التَّوْرٰةِ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ بِالرُّشٰى فِي
الْحُكْمِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶۱﴾ مُؤْلِمًا لٰكِنِ الرّٰسِخُونَ الثَّابِتُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ
وَالْمُؤْمِنُونَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْكُتُبِ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ نُصِبَ
عَلَى الْمَدْحِ وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ بِالنُّونِ وَالْيَاءِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۶۲﴾
هُوَ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: اے محمد یہ اہل کتاب یعنی یہود عناداً آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی نوشتہ یکبارگی نازل کرادو جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کیا گیا تھا، آپ اس مطالبہ کو بڑا سمجھ رہے ہیں تو یہ لوگ یعنی ان کے آباء واجداد موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں، انہوں نے (موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام) سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں خدا کا علانیہ دیدار کرادو، تو ان کی اسی سرکشی کی وجہ سے ان کو سزا دینے کے لئے یکایک ان پر موت کی آسمانی بجلی ٹوٹ پڑی، اس لئے کہ انہوں نے مطالبہ میں سرکشی اختیار کی تھی پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا حالانکہ ان کے پاس اللہ کی وحدانیت پر کھلی نشانیاں آچکی تھیں، اس پر بھی ہم نے ان سے درگذر کیا، کہ ان کو ہم نے جڑ سے نہیں اکھاڑ پھینکا، (نیست و نابود نہیں کیا) اور ہم نے ان پر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو غلبہ عطا کیا، اس طور پر کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو حکم دیا کہ توبہ کے لئے خود کو قتل کریں، تو انہوں

نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کی، اور ان سے عہد لینے کے لئے ہم نے ان کے اوپر پہاڑ معلق کر دیا تا کہ وہ خوف زدہ ہوں اور عہد کو قبول کریں، اور ہم نے ان سے کہا حال یہ کہ پہاڑ ان کے اوپر معلق تھا شنبہ کے بارے میں تعدی نہ کرنا اور ایک قراءت میں عین کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے (یعنی تعدّیٰ) اور اس میں اصل میں تــاء کا دال میں ادغام ہے، یعنی ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے تعدی نہ کرنا، اور اس پر ہم نے ان سے پختہ عہد لیا مگر انہوں نے عہد شکنی کی، تو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ما زائدہ ہے اور باء سببیہ ہے محذوف کے متعلق ہے، یعنی ان کے نقض عہد کی وجہ سے اور ان کے اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے کی وجہ سے اور اپنے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اپنے نبی سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب غلاف میں ہیں جس کی وجہ سے تمہارے کلام محفوظ نہیں رکھتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے، جس کی وجہ سے وہ نصیحت کو محفوظ نہیں رکھتے، اور اسی وجہ سے ان میں سے بہت کم ایمان لاتے ہیں مثلاً عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، اور بعد ازاں ان کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے اور (بکفرھم) میں باء کو اس کے اور اس کے معطوف علیہ کے درمیان فصل بالاجنبی کی وجہ سے مکرر لایا گیا ہے، اور ان کے مریم پر بہتان عظیم لگانے کی وجہ سے کہ ان پر زنا کی تہمت لگائی اور ان کے فخریہ یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو بزعم خویش قتل کر دیا یعنی مذکورہ تمام (صفات قبیحہ) کی وجہ سے ہم نے ان کو سزا دی، اور اللہ نے ان کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوائے قتل کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا، اور انہوں نے نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ سولی دی، بلکہ ان کی نظر میں ان کے مقتول و مصلوب ساتھی کو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ بنا دیا گیا، یعنی اللہ نے مقتول پر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ ڈال دی تو انہوں نے اپنے ساتھی کو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ لیا، یقین جانو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں اسلئے کہ جب انہوں نے مقتول کو دیکھا تو کسی نے کہا چہرہ تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا سا ہے مگر دھڑ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جیسا نہیں ہے تو مقتول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشتبہ ہو گیا، اور کسی نے کہا کہ یہ بعینہٖ عیسیٰ ہی ہے انھیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا کوئی علم نہیں وہ محض تخمینی باتوں کی پیروی کرنے والے ہیں یہ استثناء منقطع ہے، یعنی یہ لوگ قتل عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اپنے اس گمان کی پیروی کر رہیں جس کا انہوں نے تصور کر لیا ہے، حالانکہ انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقیناً قتل نہیں کیا ہے، (لفظ یقیناً) نفی قتل کے لئے حال مؤکدہ ہے بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں بڑا زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہ بچے گا کہ وہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنے مرنے سے پہلے ایمان نہ لے آئے جبکہ وہ ملائکۂ موت کو دیکھے گا (موتہٖ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے) مگر اس وقت ایمان لانا اس کے لئے نافع نہ ہوگا (یا قبل موتہٖ) کا مطلب ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پہلے جبکہ آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور روز قیامت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے خلاف گواہی دیں گے اس پر کہ جب ان کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا تھا تو انہوں نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور یہود کے ظلم کے سبب ان پر پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال کی گئی تھیں، ہم نے حرام

کردیں اور وہ چیزیں ہیں جن کو (اللہ تعالی نے) اپنے قول "حرّمنا کل ذی ظفر" الآیة، میں بیان فرمایا ہے، اور بہت سے لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی دین (حق) سے روکنے کی وجہ سے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ تورات میں ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال کو ان کے باطل طریقہ سے (مثلاً) فیصلہ میں رشوت کے ذریعہ کھانے کی وجہ سے اور ان میں جو کافر ہیں ہم نے ان کے لئے تکلیف دہ عذاب مہیا کر رکھا ہے، لیکن ان میں سے پختہ علم رکھنے والے مثلاً عبداللہ بن سلام اور ایمان والے جو کہ مہاجر و انصار ہیں اس پر کہ جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور مقیمین منصوب علی المدح ہے اور مقیمون دفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، یہی ہیں وہ لوگ جن کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے یاء اور نون کے ساتھ، اور وہ (اجر عظیم) جنت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: عِیَانًا، یا تو مصدر محذوف کی صفت ہے، ای اَرِنَا اِراءةً عِیَانًا، اس صورت میں لفظاً مصدر ہوگا، یا مصدر بغیر لفظہٖ ہوگا، ای رُؤْیَةً عِیَاناً۔

قولہ: فَاِنْ اسْتَکْبَرْتَ الخ، اس میں اشارہ ہے کہ فَقَدْ سَأَلُوْا شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قولہ: ای آبَاءُ هُمْ، اس لفظ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں موجود یہود کی جانب سوال کی نسبت مجازاً ہے اسلئے کہ موجودین اپنے آباء کے سوال سے راضی تھے۔

قولہ: المُعْجِزَات، البیّنٰت، کی تفسیر المعجزات سے کر کے اشارہ کر دیا کہ البیّنٰت سے مراد تورات نہیں جیسا کہ بعض نے کی ہے، اسلئے کہ بچھڑے کو معبود بنانے کے وقت تورات عطا نہیں کی گئی تھی، اس کے بعد عطا کی گئی تھی۔

قولہ: بَابَ القَرْیَةِ، اس میں اشارہ ہے کہ الباب میں الف لام عوض میں مضاف الیہ کے ہے، اور قریہ سے مراد ایلہ ہے۔

قولہ: سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ اس میں اشارہ ہے سُجَّدًا سے معروف سجدہ یعنی وضع الجبهةِ علی الارض مراد نہیں ہے بلکہ جھکنا اور عاجزی و تواضع کرنا مراد ہے۔

قولہ: لا تَعْدُوْا، عَدا یَعْدُوا سے نہی مضارع جمع مذکر حاضر تم تجاوز نہ کرو، تَعْدُوا اصل میں تَعْدُوُوْا تھا واؤ اول کے ضمہ کے ساتھ، جو کہ لام کلمہ ہے، ضمہ واؤ پر ثقیل ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا اب دو واؤں کے درمیان التقاء ساکنین ہوا واؤ حذف ہو گیا تَعْدُوا ہو گیا، اور ایک قراءت میں تَعَدُّوا ہے جو کہ اصل میں تَعْتَدُوْا تھا، تاء دال سے بدل گئی اور دال کا دال میں ادغام ہو گیا تَعَدُّوْا ہو گیا۔

قولہ: عَلٰی ذٰلِکَ نَقَضُوْهُ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوال: فَبِمَا نَقْضِهِمْ کا متفرع علیہ موجود نہیں ہے لہٰذا تفریع درست نہیں ہے؟

جواب: کلام میں اختصار ہے تقدیری عبارت یہ ہے وَاخذنا منهم میثاقًا غلیظًا علی ذلك فنقضوه فَبِمَا نقضهم الخ.

قَوْلُهُ: غُلْفٌ، یہ غلاف کی جمع ہے۔

قَوْلُهُ: ثانیاً بعیسٰی ، یعنی اولاً حضرت موسیٰ اور تورات کے ساتھ کفر کی وجہ سے اور ثانیاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کفر کی وجہ سے ان کے قلوب پر مہر لگی دونوں ہی طبع علی القلوب کے اسباب میں سے ہیں جیسا کہ مطلق کفر طبع کے اسباب میں سے ہے یہ عطف سبب علی السبب کے قبیل سے ہے معطوف اور معطوف علیہ میں چونکہ سبب طبع مختلف ہے لہٰذا عطف الشیٔ علی نفسہ لازم نہیں آتا۔

قَوْلُهُ: فی زَعْمِهِمْ، اس کا تعلق اِنّا قتلنا سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے یعنی یہود نے اپنے خیال میں قتل کر دیا، ورنہ حقیقت میں قتل نہیں کیا، اور فی زعمهم کا تعلق رسول اللہ سے ہو تو یہ یہود کا مقولہ ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جو نصاریٰ کے خیال میں اللہ کے رسول ہیں، اسلئے کہ یہود عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی رسالت کے قائل نہیں تھے۔

قَوْلُهُ: ای بِمَجْمُوْعِ ذٰلِكَ، یعنی تمام مذکورات کا عطف فبمَا نقضهم پر ہے۔

قَوْلُهُ: المَقْتُولُ والمَصْلُوْبُ، یہ شُبِّهَ کے نائب فاعل ہیں۔

قَوْلُهُ: اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ، اسلئے کہ ظن علم کی جنس سے نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: ای الکتابی، اس میں اشارہ ہے کہ بِهٖ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف اور مَوْتِهٖ کی ضمیر اَحَدٌ مقدر کی جانب راجع ہے جس سے مراد کتابی ہے۔

قَوْلُهُ: او قبلَ مَوْتِ عِیْسٰی ، یہ دوسری ترکیب کی طرف اشارہ ہے اس صورت میں دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف راجع ہوں گی۔

قَوْلُهُ: وهِیَ الَّتِی فِی قَوْلِهٖ، یہ سورۂ انعام کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: صَدًّا، اس میں اشارہ ہے کہ یہ کثیرًا موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: نَصْبٌ عَلَی المَدْحِ یعنی المقیمینَ امدح فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای اَمْدَحُ المقیمینَ الصلوۃ، اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا اور واؤ اعتراضیہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: وقُرِءَ بِالرَّفْعِ، اور المقیمون کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں الراسخون پر عطف ہوگا۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

یَسْئَلُکَ اَھْلُ الکتابِ (الآیة) ماقبل کی آیات میں یہود کی بداعتقادیوں اوران پر مذمت کا ذکر تھا، ان آیات میں ان کی بداعمالیوں اور دیگر خرابیوں اوران پر سزا کا ذکر ہے۔

شان نزول:

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ یہود کے سرداروں کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مطالبہ کیا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے پاس سے الواح لائے تھے اگر آپ بھی اللہ کے پاس سے الواح لے آئیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

یہود کا مذکورہ مطالبہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ دل سے ایمان لانا چاہتے تھے اوران کے ایمان لانے کی یہ ایک شرط تھی بلکہ ضد وعناد کی وجہ سے وہ کوئی نہ کوئی شرط رکھتے ہی رہتے تھے، اگر یہود مذکورہ شرط میں مخلص ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بعید نہ تھا کہ وہ ان کے مطالبہ کو پورا فرمادیتے، اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرما کر حقیقت حال سے آپ کو آگاہ فرمادیا اور آپ کی تسلّی فرمادی کہ یہ قوم ہے ہی ایسی کہ اللہ کے رسولوں کو ہمیشہ ستاتی رہی ہے، ان کے آباء واجداد نے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس سے بھی کہیں زیادہ بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں کھلی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کرایا جائے تا کہ ہمیں یقین آجائے کہ پس پردہ آپ سے ہمکلام ہونے والا اللہ ہی ہے، ان کی اس گستاخی پر آسمان سے ایک بجلی آئی اوران کو ہلاک کردیا۔

پھر اس نے بے جا سوال ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ توحید باری کے تمام دلائل وبراہین سے واقف ہونے کے باوجود خالق حقیقی کے بجائے بچھڑے کو معبود بنالیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تمام حرکتوں اور خباثتوں کے باوجود ہم نے عفوودرگذر سے کام لیا ورنہ موقع تو اس کا تھا کہ ان کا قلع قمع کر کے نیست ونابود کردیا جاتا۔

ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ان لوگوں نے تورات کی شریعت کو ماننے سے صاف انکار کردیا تھا، تو ہم نے طور پہاڑ اٹھا کران پر معلق کردیا تا کہ خوف ودہشت کی وجہ سے شریعت کو قبول کرلیں، اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ شہر ایلیا کے دروازہ میں داخل ہوتے وقت نہایت عاجزی سے سر جھکائے ہوئے داخل ہونا اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ ہفتہ کے دن کا احترام کرنا اس دن مچھلیوں کا شکار نہ کرنا، مگر ہوا یوں کہ انہوں نے ایک ایک کر کے تمام احکام کی خلاف ورزی کی اور ہمارے ساتھ کئے ہوئے پختہ عہد کو توڑ ڈالا، تو ہم نے بھی ان کو دنیا میں ذلیل کردیا اور آخرت میں بھی بدترین سزا بھگتنی ہوگی۔ (معارف ملخصًا)

ثم اتخذوا العجلَ (الآیة) ثمَّ یہاں تاخر زمانی کے لئے نہیں ہے بلکہ استبعاد کے لئے ہے یعنی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہی کیا

کم تھیں کہ اس سے بڑھ کر حرکت یہ کی کہ گوسالہ پرستی شروع کردی۔

ربط آیات:

فبما نقضھم میثاقھم (الآیۃ) ماقبل کی آیات میں بھی یہود کی شرارتوں کا ذکر تھا اور ساتھ ہی ان کی سزا کا بھی ذکر تھا، ان آیات میں بھی یہود کے بعض جرائم کی تفصیل ہے، اس کے ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ان کے باطل خیال کی تردید کی گئی ہے۔

یہود کی عہد شکنی:

جب یہود نے اس عہد کو توڑ دیا جو حق تعالیٰ سے کیا تھا تو حق تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی پر اور آیات الٰہی کے انکار پر اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے قتل ناحق پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہمارے قلوب غلاف میں ہیں سخت سے سخت عذاب مسلط فرما دیئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے قلوب پر غلاف وغیرہ کچھ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں ان کے قلوب کو سربند کر دیا ہے جس کی وجہ سے ان میں سے معدودے چند کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔

قتل عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں یہود کا اشتباہ:

وَمَا قَتَلُوہ وَمَاصَلَبُوہ، ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ نہ تو ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل کیا اور نہ سولی دی بلکہ صورت یہ ہوئی کہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ ہوگیا، ولکن شُبِّهَ لهم کی تفسیر میں ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے ان یہود کو جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کے درپے تھے آپ کے چھپنے کے مقام کی نشاندہی کر دی جس کی وجہ سے چار ہزار افراد نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام روپوش تھے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا، کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اسے قتل کر دیا جائے اور پھر وہ جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں ایک شخص نے خود کو اس کام کے لئے پیش کر دیا وہ باہر نکلا تو یہود نے اس کو عیسیٰ مسیح سمجھ کر قتل کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اٹھا لیا گیا۔ (قرطبی ملخصًا)

اشتباہ کی دیگر روایات:

کہا گیا ہے کہ قاتلین حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو پہچانتے نہیں تھے قاتلین نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس کے بارے میں ان کو شک تھا، یہی وجہ تھی کہ مقتول کے بارے میں آپس میں اختلاف ہو گیا بعض نے کہا مقتول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہی ہیں اور

جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا ہم نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل نہیں کیا، قرآن کریم نے ان کے اسی شک وتذبذب کو ان (مذکورہ بالا) الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فرقہ نسطوریہ اور ملکانیہ کا اختلاف:

نصاریٰ کے فرقۂ نسطوریہ کا کہنا تھا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ناسوت ہونے کی جہت سے مصلوب ہوئے نہ کہ لاہوت کی جہت سے، اور ملکانیہ نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قتل ناسوت اور لاہوت دونوں حیثیتوں سے ہوا غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے بارے میں نصاریٰ کے درمیان شدید اختلاف ہے جس کی فہرست طویل ہے، لہٰذا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اِنَّ الذین اختلفوا فیه لفی شك منه''. (فتح القدیر شوکانی)

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک طیطلانوس نامی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے لئے بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مکان میں نہ ملے اسلئے کہ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا تھا، مگر اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم شکل بنادیا تھا جب یہ شخص گھر سے نکلا تو یہود یہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور اسی اپنے آدمی کو لیجا کر قتل کردیا۔ (مظھری، معارف)

مذکورہ صورتوں میں سے جو بھی صورت پیش آئی ہو سب کی گنجائش ہے قرآن کریم نے کسی خاص صورت کا تعین نہیں کیا اسلئے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے البتہ قرآن کریم کے اس جملہ اور تفسیری روایات سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ یہود ونصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہوگیا تھا اور حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا جس کی وجہ سے ان کے اندر اختلافات پیدا ہوگئے اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ ''وَاِنَّ الذین اختلفوا فیه لفی شك منه مالهم به من علم اِلّا اتباع الظن وَمَا قتلوه یقینًا'' سے اشارہ کیا ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کردیا ہے اسلئے کہ مقتول چہرے میں تو مسیح کے مشابہ ہے لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں ہے، اگر یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟

رفع عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روایات متواتر ہیں:

ان روایاتِ متواترہ کو حجۃ الاسلام علامہ انورشاہ صاحب کشمیری نے ایک رسالہ میں جمع فرمایا ہے جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے اس کا نام التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ہے، شام کے ایک بڑے عالم علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس کو مزید شرح وحواشی کے ساتھ بیروت سے شائع کرایا ہے۔

نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے جس کا منکر کافر ہے:

سورۂ آل عمران میں اس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے، ان شبہات کا جواب بھی مذکور ہے جو اس زمانہ کے بعض ملحدین کی طرف سے اس عقیدہ کو مشکوک بنانے کے لئے کئے گئے ہیں۔

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا، جملہ معترضہ ختم ہونے کے بعد یہاں سے پھر وہی سلسلۂ کلام شروع ہوتا ہے جو اوپر سے چلا آرہا تھا، یعنی صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے کہ خود اللہ کے راستہ سے منحرف ہیں بلکہ اس قدر بے باک مجرم بن گئے ہیں کہ دنیا میں خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے جو تحریک بھی اٹھتی ہے اکثر اس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ ہی کار فرما ہوتا ہے، اور راہ حق کی دعوت کیلئے جو تحریک بھی شروع ہوتی ہے اس راہ کے سنگ گراں یہودی ہی ہوتے ہیں۔

مفید بحث:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان دنوں شام و فلسطین کی غالب آبادی یہودیوں کی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی اسی کے ایک فرد تھے، گوکہ یہود کو اندرونی خودمختاری حاصل تھی جس کی رو سے یہود کو اپنے مذہبی فیصلے خود کرنے کا اختیار تھا (جس کو پرسنل لا کی آزادی) بھی کہا جاسکتا ہے مگر سیاسی اور خارجی امور رومی مشرک حکومت کو حاصل تھے جس کی وجہ سے اعلیٰ عہدہ دار، پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی، جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یہودیوں نے اپنے مذہبی قانون (پرسنل لا) کی رو سے حضرت مسیح کو بدعتی اور یہودیت سے خارج قرار دیکر سزائے موت کا فتویٰ صادر کردیا مگر چونکہ یہود کو سزائے موت نافذ کرنے کا اختیار نہیں تھا اسلئے رومی حکومت سے سزا نافذ کرنے کی درخواست کی گئی اور سزا کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ملک کی غداری اور قومی بغاوت کا الزام بھی لگا دیا، تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت مسیح کی سزائے موت کا نفاذ اگرچہ رومی حکومت نے کیا لیکن آپ کو سزا دلوانے کے پیچھے تمام تر کوشش یہود کی کارفرما تھی اس لئے قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کی تمام تر ذمہ داری یہود پر ڈالی ہے رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس (PILTUS) آپ کو سزا دینا ہرگز نہ چاہتا تھا بلکہ اس سے برابر بچنے کی کوشش کررہا تھا، مگر یہود کہ جنہوں نے جھوٹا استغاثہ گھڑا، جھوٹی شہادتیں فراہم کیں اور سزا نافذ نہ کرنے کی صورت میں بلوہ و فساد کی دھمکی دے دے کر عدالت کو سزائے موت سنانے پر مجبور کردیا۔

انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:

جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ الٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں راست باز کے خون سے بری ہوں، تم جانو، سب لوگوں نے کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر، اس پر اس نے براباکو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کردیا کہ صلیب دی جائے۔ (۲۷:۲٤:۲٦)(ماجدی)

اس کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں بلکہ انجیل لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کیلئے تین بار کوشش کی لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کر دیا۔ (۲۲:۲۳)(ماجدی)

ربط آیات:

لکن الراسخون فی العلم، آیات بالا میں ان یہود کا ذکر تھا جو اپنے کفر پر قائم تھے اور مذکورہ بالا منکرات میں مبتلا تھے، آگے ان حضرات کا ذکر ہے جو اہل کتاب تھے اور جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور وہ صفات جو خاتم النبیین ﷺ کے متعلق ان کی کتابوں میں موجود تھیں آپ میں پوری پوری دیکھیں تو ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام واسید وثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان آیات میں ان حضرات کی تعریف وتوصیف ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَ كَمَا أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ ابنيه
وَيَعْقُوبَ ابنِ اسحق وَالْأَسْبَاطِ اولادهِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا اباه دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾
بالفتح اسمٌ لِلكتابِ المؤتى والضمّ مصدرٌ بمعنى مزبورًا اى مكتوبًا وَ ارسلنا
رُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ رُوِيَ انّهُ تعالى بعث ثمانية الافِ نبيٍّ اربعة
الافٍ مِن بنى اسرائيلَ واربعة الافٍ مِن سائرِ الناس قاله الشيخ في سورة غافرٍ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ
بلاواسطةٍ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا بدلٌ مِن رُسُلًا قبله مُّبَشِّرِينَ بالثواب مَن آمن وَمُنذِرِينَ بالعقاب من كفر
ارسلناهم لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ مقالٌ بَعْدَ ارسال ٱلرُّسُلِ ۚ اليهم فيقولوا ربّنا لولا ارسلت الينا
رسولًا فنتّبعَ آياتك ونكونَ مِنَ المؤمنين فبعثناهم لقطع عذرِهم وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا فِى مُلكه حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ في
صُنعِهِ ونزل لمّا سُئِلَ اليهودُ عن نبوّتِه صلى الله عليه وسلم فانكروه لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ يُبيّنُ نبوّتك
بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ مِنَ القرآن المعجزِ أَنزَلَهُۥ متلبسًا بِعِلْمِهِۦ ۖ اى عالمًا به اوْ وَ فيه علمه وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ
لَكَ ايضًا وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ على ذٰلكَ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بالله وَصَدُّوا۟ الناسَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ دينِ
الاسلام بكتمهم نعتَ محمدٍ صلى الله عليه وسلم وهمُ اليهودُ قَدْ ضَلُّوا۟ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ عنِ الحقِّ
إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بالله وَظَلَمُوا۟ نبيّه بكتمان نعتِه لَمْ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ مِنَ الطُّرُقِ
إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ اى الطريقَ المؤدّى اليها خَٰلِدِينَ مقدرين الخلودَ فِيهَآ اذا دخلوها أَبَدًا ۚ
وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ هيّنًا يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ اى اهلُ مكّة قَدْ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ محمدٌ بِٱلْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَـَٔامِنُوا۟
واقصدوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ ممّا انتم فيه وَإِن تَكْفُرُوا۟ به فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ ملكًا وخلقًا وعبيدًا
فلا يضرّه كفرُكم وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا بخلقِه حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ في صُنعِه بهم يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ الانجيلِ لَا تَغْلُوا۟

تَتَجَاوَزُوا الحَدَّ فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللهِ إِلَّا القَولَ الْحَقَّ مِن تَنزِيهِهِ عَنِ الشِّرْكِ وَالْوَلَدِ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا أَوْ صَلَهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ أَيْ ذُوْرُوحٍ مِّنْهُ أُضِيفَ اليه تعالى تَشْرِيفًا له وَلَيْسَ كَمَا زَعَمْتُمْ ابنَ الله أَوْ إِلٰهاً مَعَهُ أَوْ ثَالِثَ ثَلٰثَةٍ لِأَنَّ ذَاالرُّوحِ مُرَكَّبٌ وَالإِلٰهُ مُنَزَّهٌ عَنِ التَّرْكِيبِ وَعَنْ نِسْبَةِ الْمُرَكَّبِ اليه فَآمِنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا الآلِهَةُ ثَلٰثَةٌ اللهُ وعيسى وَأُمُّهُ اِنْتَهُوا عن ذلك وَأْتُوا خَيْرًا لَّكُمْ منه وهُوَ التَّوحِيدُ إِنَّمَا اللهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهُ تَنزِيهًا له عن أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ خَلْقًا وَمِلْكًا وَالْمِلْكِيَّةُ تُنَافِي البُنُوَّةَ وَكَفٰى بِاللهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾ شَهِيدًا على ذٰلِكَ.

ترجمہ: اے (محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیجی تھی اور جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھیجی ان کے دونوں بیٹوں اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف (بھی) وحی بھیجی اور یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بن اسحاق اور اولاد یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زبور عطا کی (زبور فتحہ کے ساتھ) عطا کی ہوئی کتاب کا نام ہے۔ اور (زُبور) ضمہ کے ساتھ مصدر ہے مکتوب کے معنی میں، یعنی مزبورٌ بمعنی مکتوبٌ ہے، اور ہم نے ان رسولوں کی طرف بھی وحی بھیجی ہے جن کا ذکر ہم تم سے کر چکے ہیں اور ان کی طرف بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا، روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے، چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں سے اور (بقیہ) چار ہزار دیگر اقوام میں سے، شیخ (جلال الدین محلّی) نے سورۂ غافر میں یہی تعداد بیان کی ہے اور اللہ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خاص طریقہ سے بلاواسطہ کلام فرمایا اور تمام رسولوں کو، رُسُلًا، ماقبل کے رُسُلًا سے بدل ہے، ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنانے والا کفر کرنے والوں کو عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، رسولوں کو ہم نے مبعوث کیا تاکہ لوگوں کو ان کی طرف رسول بھیجنے کے بعد خدا کے روبرو عذر بیان کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس رسول کیوں نہیں بھیجا؟ تاکہ ہم بھی تیری آیات کی اتباع کرتے اور ہم مومنین میں سے ہوتے، تو ہم نے ان کے عذر کو ختم کرنے کے لئے ان کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا، اور اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں غالب اپنی صنعت میں باحکمت ہے، اور جب آپ کی نبوت کے بارے میں یہود سے سوال کیا گیا اور یہود نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، (اگر یہ لوگ شہادت نہیں دیتے نہ دیں) اللہ تو اس معجز قرآن کے ذریعہ آپ کی نبوت کی شہادت دیتا ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور نازل بھی اپنے کمال علمی کے ذریعہ کیا ہے یعنی جو کچھ نازل کیا ہے اس کا جاننے والا ہے، یا اس میں اس کا علم (یعنی معلومات) ہیں اور فرشتے بھی آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں اور اس نبوت پر اللہ کی

شہادت کافی ہے جولوگ اللہ کے منکر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ (یعنی) دین اسلام سے محمد ﷺ کی صفات کو چھپا کر روکا اور وہ یہود ہیں تو ایسے لوگ یقیناً حق سے گمراہی میں بہت دور نکل گئے بلاشبہ اللہ کے جولوگ منکر ہوئے اور اس کے نبی پر اس کی صفات چھپا کر ظلم کیا اللہ ان کو کبھی معاف نہ کرے گا اور نہ ان کو جہنم کی راہ کے سوا کوئی راہ دکھائیگا، یعنی وہ راہ جو جہنم تک پہنچانے والی ہو، اس طریقہ پر کہ ان کے لئے اس میں دائمی دخول مقدر ہو چکا ہے جب اس میں داخل ہو جائیں گے، اور اللہ کے لئے یہ آسان ہے اے مکہ کے لوگو! یہ رسول محمد تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اس پر ایمان لے آؤ اور اپنے لئے خیر کا ارادہ کرو اس سے جس میں تم (فی الحال) ہو اور اس کا کفر کرتے رہے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ملک اور تخلیق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے اسی کا ہے، لہٰذا تمہارا کفر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، اور اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور ان کی تدبیر کے بارے میں حکیم بھی، اے اہل کتاب (یعنی) انجیل کے ماننے والو اپنے دین کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو جو کہ وہ شریک اور ولد سے اس کی پاکی ہے مسیح عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول اور اس کا فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح یعنی ذی روح تھا، اور روح کی نسبت اللہ کی طرف تشریفاً ہے، اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ ابن اللہ یا اس کے ساتھ الٰہ ہے یا تین میں کا تیسرا ہے، اس لئے کہ ذی روح مرکب ہوتا ہے اور الٰہ ترکیب سے اور اس کی طرف مرکب کی نسبت کرنے سے پاک ہے، پس تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں (یعنی) اللہ اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی والدہ، اس تثلیث سے باز آجاؤ اور اپنے لئے اس سے بہتر کو اختیار کرو اور وہ توحید ہے، معبود تو بس ایک ہی خدا ہے وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اسی کی ہیں، مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور ملک کے اعتبار سے، اور ملکیت بنوۃ کے منافی ہے اور وہی اس کی نگرانی کے اعتبار سے کافی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نوحٍ، کاف مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے "اِيْحَاءً مثلَ اِيْحَائنا" اور 'ما' میں دو احتمال ہیں اگر مصدر یہ ہو تو عائد کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر الذی کے معنی میں ہو تو عائد محذوف ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی "کالذی اَوْحَيْنَاه الی نوح".

قولہ: كَمَا اَوْحَيْنا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ، مفسر علام نے، کما، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَوْحَيْنَا اِلٰى ابراهيم، کا عطف اَوْحَيْنَا الی نوح پر ہے نہ کہ نوح پر ورنہ تو تکرار لازم آئے گی۔

قولہ: زَبُور بالفَتْحِ اِسْمُ الْكِتَابِ، فتحہ کے ساتھ فعول بمعنی مفعول ہے جیسا کہ رکوب بمعنی مرکوب اور یہ زَبَرَہ بمعنی کتبہ سے ماخوذ ہے، زبور داؤد علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کردہ کتاب کا نام ہے اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں، اور ضمہ کے

ساتھ مصدر ہے بمعنی مزبورٌ۔
قولہ: وَارْسَلْنَا، اس میں اشارہ ہے کہ رُسُلًا کا ناصب اَرْسلنا فعل محذوف ہے۔
قولہ: بِلَا وَاسِطَةٍ، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ اللہ کا کلام کرنا تو ہر نبی سے ثابت ہے پھر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی کیا تخصیص ہے؟ جواب یہ ہے کہ دیگر انبیاء سے کلام بالواسطہ ہوا ہے اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے بلا واسطہ۔
قولہ: مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ، اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ زمانۂ ہدایت اور زمانۂ خلود ایک نہیں ہے حالانکہ حال و ذوالحال کے زمانہ کا ایک ہونا ضروری ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ راہ جہنم کی طرف رہنمائی اس حالت میں ہوگی کہ ان کے لئے خلود فی النار مقدر ہو چکا ہے۔
قولہ: بِهٖ، مفسرِ علام نے ،بِهٖ، مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ آمَنُوْا کا متعلق بِهٖ، محذوف ہے نہ کہ خیرًا اس لئے کہ پورے قرآن میں آمنوا کا متعلق باء ہی استعمال ہوا ہے۔
قولہ: فَآمِنُوْا خَيْرًا لَكُمْ، خیرًا کے ناصب کے بارے میں علماء نحو کا اختلاف ہے، سیبویہ اور خلیل کا کہنا ہے فعل ناصب اقصدوا یا اَتوا ہے، اور فراء کا کہنا ہے کہ خیرًا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای آمنوا یکن الایمان خیرًا لکم، مذکورہ تینوں صورتوں میں ثالث سب سے زیادہ راجح ہے پھر اوّل اور پھر ثانی کا درجہ ہے۔
قولہ: مِمَّا اَنْتُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ مِن تفضیلیہ مع مفضل علیہ محذوف ہے لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے ایک کے ساتھ ضروری ہے اور یہاں ایک بھی نہیں ہے۔
قولہ: فَلَا يَضُرُّهٗ كُفْرُكُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ اِنْ تکفروا، شرط کی جزا محذوف ہے اور جو مذکور ہے وہ دال علی الجزاء ہے نہ کہ جزاء اس لئے کہ اگر فَاِنَّ للّٰہ ما فی السمٰوات والارض، کو جزاء مانا جائے تو عدم ترتب الجزاء علی الشرط کا اعتراض لازم آئیگا۔
قولہ: الْاِنْجِيْلِ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔
سوال: اہل کتاب کی تفسیر صرف اہل انجیل سے کیوں کی جبکہ اہل کتاب میں یہود بھی شامل ہیں؟
جواب: آگے غلو فی الدین کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے وہ شریک حیات اور ولد سے تنزیہ ہے جس کے مصداق صرف نصاریٰ ہی ہیں نہ کہ یہود۔ (ترویح الارواح)
قولہ: الْقَوْلَ، القول کی تقدیر کے اضافہ میں اشارہ ہے کہ الحق موصوف محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
قولہ: اَوْصَلَها۔
سوال: اَلْقاھا کی تفسیر اوصَلَھا سے کس مقصد کے پیش نظر کی ہے؟
جواب: چونکہ القیٰ کا صلہ الی نہیں آتا اسلئے اشارہ کر دیا کہ القیٰ، اَوْصَلَ کے معنی کو متضمن ہے جسکی وجہ سے ،اِلیٰ،

صلہ لانا صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: ای ذُوْ رُوْحٍ.

سوال: روح کی تفسیر ذو رُوْح حذف مضاف سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: تاکہ روح کا رسول اللہ پر حمل درست ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: عن ذلك و آتوا، اس میں اشارہ ہے کہ انتھوا کا مفعول محذوف ہے اور خیرًا فعل مقدر آتوا کی وجہ سے منصوب ہے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ خیر سے منع کرنا اللہ کی شایان شان نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں یہود کے کچھ سرداروں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ پر ایمان لانے کی یہ احمقانہ شرط رکھی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایک نوشتہ یکجا آسمان سے نازل ہوا تھا اسی طرح کا اگر کوئی نوشتہ آپ پر بھی نازل ہوجائے تو ہم آپ پر ایمان لانے کیلئے تیار ہیں، مگر ان کا یہ سوال ضد اور عناد پر مبنی تھا نہ کہ اخلاص پر رہا یہ سوال کہ اگر ایمان کے لئے نوشتہ کی صورت میں قرآن کا نازل ہونا ضروری ہے تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر بیک وقت نوشتہ کی شکل میں توریت نازل ہوئی تھی تو تمہارے آباء واجداد اس پر ایمان کیوں نہیں لائے تھے؟ بلکہ انہوں نے تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے اس سے بھی بڑی بات یعنی عیانًا اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ بھی کیا تھا، ان کی اس گستاخی پر ان کو آسمانی بجلی نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔

ان آیات میں اسی اعتراض کا ایک دوسرے طریقہ سے جواب دیا جارہا ہے کہ تم جو محمد رسول اللہ پر ایمان لانے کے لئے یہ شرط لگاتے ہو کہ آپ آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب لا کر دکھادیں تو تم خود ہی بتلاؤ کہ یہ جلیل القدر انبیاء جن کا ذکر ان آیات میں ہے اور ان کا نبی ہونا تم بھی تسلیم کرتے ہو حالانکہ تم ان کے حق میں اس قسم کے مطالبات نہیں کرتے، تو جس دلیل سے تم ان حضرات کو نبی تسلیم کرتے ہو یعنی معجزات کی وجہ سے تو محمد ﷺ کے پاس بھی معجزات ہیں لہٰذا ان پر بھی ایمان لے آؤ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مطالبہ طلب حق کیلئے نہیں بلکہ ضد و عناد پر مبنی ہے۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد کسی انسان پر اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا اس طرح انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت سے بھی انکار کر دیا جس پر آیت اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ الخ نازل ہوئی۔

قرآن میں مذکور تمام انبیاء ورسل کے نام:

جن انبیاء اور رسولوں کے اسماء گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں ان کی تعداد چوبیس (۲۴) یا پچیس ہے۔

❶ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام	❷ ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام	❸ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام
❹ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام	❺ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام	❻ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام
❼ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام	❽ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام	❾ اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام
❿ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام	⓫ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام	⓬ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام
⓭ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام	⓮ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	⓯ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام
⓰ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام	⓱ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام	⓲ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام
⓳ الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام	⓴ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام	㉑ زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام
㉒ یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	㉓ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	㉔ ذوالکفل علیہ الصلوٰۃ والسلام

(اکثر مفسرین کے نزدیک) ㉕ حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم،

تمام انبیاء ورسل کی مجموعی تعداد:

جن انبیاء کے نام اور واقعات قرآن مجید میں بیان نہیں کئے گئے ان کی صحیح تعداد کتنی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ایک حدیث میں جو کہ بہت مشہور ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) کا ذکر ہے اور ایک دوسری حدیث میں آٹھ ہزار (۸۰۰۰) تعداد بتلائی گئی ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں، قرآن وحدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار وحالات میں انبیاء آتے رہے ہیں بالآخر یہ سلسلہ خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جتنے بھی مدعی نبوت گذرے ہیں یا آئندہ آئیں گے سب کے سب دجال اور کذاب ہیں، اور ان کی جھوٹی نبوت کی تصدیق کرنے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

یاَیّھا الناس قَدْ جاء کم الرسول بالحق (الآیة) اس آیت میں تمام جہاں کے انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاؤ۔

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم، یہاں اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں اور غلو کے معنی ہیں کسی کی تائید یا عداوت میں حد سے گذر جانا، یہود کا جرم یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت میں حد سے تجاوز کر گئے تھے اور عیسائیوں کا جرم یہ

ہے کہ وہ مسیح کی عقیدت ومحبت میں حد سے گذر گئے۔

وَكلمتهٗ القٰها اِلٰی مریم وروحٌ منه، اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، مفسرین نے کلمہ کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

❶ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں، ایک عامل نطفہ ہوتا ہے اور دوسرا اللہ کا کلمہ کُن، مذکورہ دونوں عاملوں کے ذریعہ عام طور پر بچہ وجود میں آتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں چونکہ پہلا عامل منتفی ہے اسلئے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ کو کلمہ کہا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادی اسباب کے واسطہ کے بغیر کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور القاها الی مریم، کا مطلب ہے کہ اللہ نے یہ کلمہ مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا دیا، جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے

❷ بعض نے کلمہ سے مراد بشارت لی ہے اور بشارت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو بشارت حضرت مریم کو دی تھی اس میں کلمہ کا استعمال کیا گیا ہے "اِذْ قَالَتِ الملائكة یٰمَریَمُ اِن اللّٰه یُبَشِّرُكِ بكلمةٍ" (اے مریم) اللہ تجھکو ایک کلمہ (عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خوشخبری دیتا ہے۔

وروح منه، اس لفظ میں دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح کہنے کے کیا معنی ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس نسبت کا کیا مطلب ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہے کہ مقصد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزگی کو بیان کرنا ہے مبالغہ کے طور پر اس پر روح کا اطلاق کر دیا گیا ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش میں نطفۂ پدر کو دخل نہیں تھا بلکہ وہ صرف کلمہ کن کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے اپنی نظافت وطہارت میں درجہ کمال پر فائز تھے اسی وجہ سے عرف اور محاورہ کے اعتبار سے ان کو روح کہہ دیا گیا، اور اللہ کی طرف اس کی نسبت تشریفاً کر دی جس طرح مساجد کی تعظیم کیلئے ان کو بیت اللہ، کعبۃ اللہ، مساجد اللہ کہا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عیسائیوں کا غلو:

جس طرح سنگ دل یہود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیغمبر ماننا تو کجا ایک اچھے کردار کا انسان بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھے، نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، پر بلکہ ان کی والدہ ماجدہ مریم پر معاذ اللہ حرف گیری کرتے تھے۔

ادھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں نے یہ ستم کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انسانی حیثیت بالکل ختم کر دی اور ان کو معاذ اللہ خدا یا خدا کا بیٹا یا کم از کم خدا کا ایک حصہ سمجھنے لگے، ظاہر ہے کہ یہ عقیدے نہ عقل میں آسکتے ہیں اور نہ یکجا جمع ہو سکتے ہیں۔

فآمنوا باللّٰه ورُسُلِه ولا تقولوا ثلاثة، اللّٰه، عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام وامه، اب تم سب اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آؤ اور نہ کہو کہ تین (ہستیاں) ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد بنانے کا مطلب:

تم نے کبھی یہ سوچا کہ اللہ کو صاحب اولاد بنانے کا دوسرا مطلب کیا ہے؟ اس ذات پاک کے بارے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گستاخی نہیں ہوسکتی، اگر کسی انسان کو آپ یہ کہدیں کہ قطب مینار آپ کا بیٹا ہے تو وہ انسان آپ کی عقل کے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا؟ یا آپ کسی شخص کے بارے میں بڑے شدومد سے یہ اعلان کرنے لگیں کہ ان کے یہاں خرگوش پیدا ہوا ہے تو وہ شخص آپ کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ ظاہر ہے کہ دہلی کا قطب مینار ایک تاریخی یادگار تو ہوسکتا ہے ہر کوئی شخص اس کا معمار اور بانی ہونا پسند کرسکتا ہے مگر باپ بننا کوئی گوارہ نہیں کرے گا، ایسا کیوں؟ اسلئے کہ قطب مینار پتھر ہے اور انسان انسان ہے انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے نہ کہ پتھر، اسی طرح خرگوش پالنا بعض لوگوں کو پسند آسکتا ہے لیکن یہ کسی کو پسند نہ آئے گا کہ اس کے یہاں خرگوش پیدا ہو، پھر حضرت حق تعالیٰ شانہ کے بارے میں انسان اس قدر کیوں اندھا ہوگیا کہ ایک طرف انسان نے خدا کو خدا مان کر لا فانی اور لا ثانی مان لیا ہے اور دوسری طرف انسان اور فرشتوں کو اسی کی اولاد اور بیوی قرار دیدیا حالانکہ انسان ہو یا فرشتہ اس کا فنا ہونا یقینی ہے، سچ یہ ہے کہ اس سے بڑی گستاخی اور بے ادبی کا تصور نہیں ہوسکتا۔

لطیفہ: علامہ آلوسی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہارون رشید کے دربار میں ایک نصرانی طبیب نے حضرت علی بن حسین واقدی سے مناظرہ کیا اور کہا کہ تمہاری کتاب میں ایسا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا جز ہیں اور دلیل میں یہ آیت پڑھدی جس میں وروح منہ کے الفاظ ہیں، علامہ واقدی نے اس کے جواب میں ایک دوسری آیت پڑھدی ''وسخر لکم مافی السمٰوات وما فی الارض جمیعًا منہ'' اس آیت میں کہا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی سے ہے اور منہ کے ذریعہ سب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی ہے اور فرمایا کہ ''روح منہ'' کا اگر مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا جز ہیں تو اس آیت کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ کا جز ہے! یہ جواب سنکر نصرانی طبیب لاجواب ہوگیا اور مسلمان ہوگیا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ يَتَكَبَّرَ وَيَأْنَفَ **الْمَسِيْحُ** الَّذِي زَعَمْتُمْ اَنَّهُ اِلٰهٌ عن **اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ** عِنْدَ اللّٰهِ لَا يَسْتَنْكِفُوْنَ اَنْ يَّكُوْنُوْا عَبِيْدًا وَهٰذَا مِنْ اَحْسَنِ الْاِسْتِطْرَادِ ذُكِرَ لِلرَّدِّ عَلٰى مَنْ زَعَمَ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ اَوْ بَنَاتُ اللّٰهِ كَمَا رَدَّ بِمَا قَبْلَهٗ عَلَى النَّصَارٰى الزَّاعِمِيْنَ ذٰلِكَ، اَلْمَقْصُوْدُ خِطَابُهُمْ **وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا** (۱۷۲) فِي الْاٰخِرَةِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ** ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ **وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ** مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا** عَنْ عِبَادَتِهٖ **فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** مُؤْلِمًا هُوَ عَذَابُ النَّارِ **وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهٖ **وَلِيًّا** يَدْفَعُهُ عَنْهُمْ **وَّلَا نَصِيْرًا** (۱۷۳) يَمْنَعُهُمْ مِنْهُ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ** حُجَّةٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** عَلَيْكُمْ وَهُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وسلم ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا﴾ بینًا وهو القرآن ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا﴾ طریقًا ﴿مُّسْتَقِيمًا﴾ هو دینُ الاسلام ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ فی الکلٰلةِ ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ﴾ مرفوعٌ بفعلٍ یُفسِّرُهٗ ﴿هَلَكَ﴾ مات ﴿لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ ای ولا والدٌ هو الکلٰلةُ ﴿وَلَهُ أُخْتٌ﴾ من ابوینِ اوْاَبٍ ﴿فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ﴾ ای الاخ کذٰلک ﴿يَرِثُهَا﴾ جمیعَ ما ترکتْ ﴿إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ﴾ فانْ کان لها ولدٌ ذکرٌ فلا شیئَ لهٗ او اُنثی فلهٗ ما فضلَ عن نصیبها ولو کانتِ الاختُ او الاخ من اُمٍّ ففرضُهُ السُّدُسُ کما تقدَّم اوّلَ السُّورةِ ﴿فَإِن كَانَتَا﴾ ای الاختان ﴿اثْنَتَيْنِ﴾ ای فصاعدًا لانّها نزلتْ فی جابرٍ وقدماتَ عن اخواتٍ ﴿فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا﴾ ای الورثةُ ﴿إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ﴾ منهم ﴿مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ شرائعَ دینکم لِ ﴿أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ومنه المیراثُ روی الشیخانِ عنِ البراءِ انّها اٰخرُ اٰیةٍ نزلتْ من الفرائضِ۔

ترجمہ: حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام سے تم جن کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہو اللہ کا بندہ ہونے سے عار وانکار ہرگز ممکن نہیں اور نہ اللہ کے مقرب فرشتوں کو بندہ ہونے سے عار وانکار ہوسکتا ہے، اور یہ بہترین (طریقہ) استطراد ہے (یعنی طریقہ تردید ہے) یہ ان لوگوں پر رد کرنے کیلئے ذکر کیا گیا ہے جو فرشتوں کی الوہیت یا اللہ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسا کہ ماقبل (کے جملہ سے) مذکورہ عقیدہ رکھنے والے (نصاریٰ) پر رد کیا ہے، (یہاں) مقصود خطاب نصاریٰ ہی ہیں، اور جو بھی اس کی عبادت سے ننگ وعار (سرتابی وانکار) کرے گا تو اللہ آخرت میں ان سب کو گھیر کر اپنے حضور حاضر کرے گا، سو جن لوگوں نے ایمان لا کر نیک اعمال کئے ہوں گے تو ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا ثواب عطا کرے گا اور ان کو اپنے فضل سے (ان کے استحقاق سے) زیادہ اجر عطا کرے گا (ایسا اجر) کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا ہوگا، اور جن لوگوں نے اس کی بندگی سے سرتابی کی اور اس کو عار سمجھا تو ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور وہ دوزخ کی سزا ہے اور وہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو حمایتی نہ پائیں گے کہ ان کا دفاع کر سکے اور نہ مددگار کہ (اللہ کے) مقابلہ میں ان کی مدد کر سکے، لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حجت آچکی ہے اور وہ نبی (محمد ﷺ) ہیں اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی نازل کی ہے اور وہ قرآن ہے، سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوطی سے تھام لیا تو وہ اس کو اپنی خصوصی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا، اور وہ ان کی راہ راست کی طرف رہنمائی کرے گا کہ وہ دین اسلام ہے، (لوگ) کلالہ کے بارے میں آپ سے فتویٰ معلوم کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ خود تم کو کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی شخص لاولد فوت ہوجائے، نہ اس کا والد ہو اور نہ ولد ایسا شخص ہی کلالہ ہے، اِمْرُؤٌ اس فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر (فعل) هَلَكَ کر رہا ہے اور اس کی ایک بہن ہو حقیقی یا علاتی، تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا، اور اگر بہن لاولد مر جائے اور بھائی حقیقی ہو یا علاتی، بہن کے تمام متروکہ مال کا وارث ہوگا اگر بہن لاولد ہو، اور اگر بہن کے لڑکا ہو تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور

اگر لڑکی ہو تو بھائی لڑکی کے حصہ سے بچے ہوئے کا مستحق ہوگا، اور اگر بھائی بہن اخیافی (ماں شریک) ہوں تو ان کا حصہ چھٹا ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں گذر چکا ہے اور اگر (میت) کے دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو بھائی کے ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اس دلیل سے کہ یہ آیت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جو چند بہنیں چھوڑ کر انتقال کر گئے تھے، اور اگر ورثا کئی بھائی بہن ہوں تو بھائی کو بہن کا دوگنا ملے گا، اللہ تمہارے لئے تمہارے دین کے احکام بیان کرتا ہے، تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ان ہی میں سے میراث ہے، شیخین نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرائض کے بارے میں نازل ہونے والی یہ آخری آیت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَيَسْتَنْكِفَ، مضارع واحد مذکر غائب مصدر استنکاف، وہ عار سمجھتا ہے اور وہ تکبر و سرتابی کرتا ہے، اس کا مادہ نکفٌ ہے، (س ن) نکفًا، ونکَفًا، بے جا تکبر کرنا۔

قولہ: اَلْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ، اس کا عطف المسیح پر ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الملائکة المقربون، بترکیب توصیفی مبتداء ہو اور لا يَسْتَنكفون اس کی خبر محذوف ہے۔

قولہ: هٰذَا مِنْ اَحْسَنِ الْاِسْتِطْرَادِ، یعنی و لا الملائکة المقربون میں استطراد احسن ہے۔

استطراد مطلق کی تعریف:

ذکر الشئ فی غیر محله لمناسبةٍ، کسی شئ کو غیر محل میں کسی مناسبت کی وجہ سے ذکر کرنا استطراد ہے۔

استطراد کی دوسری تعریف:

مقصود کلام کو اس طرح ذکر کرنا کہ غیر مقصود کو مستلزم ہو جائے۔

استطراد احسن: ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف اس طرح انتقال کرنا کہ اول معنی کو ثانی معنی کے لئے ذریعہ نہ بنایا جائے۔

استطراد حسن: ثانی معنی کے لئے جو کہ مقصود ہوں اول معنی کو ذریعہ بنایا جائے، مفسر علام نے هذا من احسن الاستطراد کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مذکورہ آیت میں استطراد احسن ہے۔

قولہ: الیه ای الی الله او القرآن.

قولہ: اَلزَّاعِمِيْنَ ذٰلِكَ، یہ النصاریٰ کی صفت ہے اور ذلك کا اشارہ نصاریٰ کے عقیدۂ الوہیت و ابنیت، اور تثلیث میں سے ہر ایک کی طرف ہے۔

قَوْلَہٗ: صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، یہ یهديهم، کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

نصاریٰ نجران کے ایک وفد نے آپ ﷺ سے ملاقات کر کے شکایت کی کہ آپ ہمارے صاحب کی برائی کیوں بیان کرتے ہیں؟ کہا آپ نے فرمایا تمہارے صاحب کون ہیں؟ کہا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، آپ نے فرمایا میں ان کے بارے میں کیا کہتا ہوں؟ آپ ان کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا اللہ کا بندہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کیلئے کوئی عار کی بات نہیں ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی (خازن۔ روح المعانی) یعنی مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار نہیں، اور نہ ہی اللہ کے مقرب فرشتوں کو عار ہے اللہ کا بندہ ہونا تو انتہائی شرافت کی بات ہے، ذلت و غیرت تو اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت و بندگی کرنے میں ہے، جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح کو ابن اللہ اور معبود بنالیا اور مشرکین نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیکر ان کی بندگی شروع کر دی۔

انبیاء افضل ہیں یا ملائکہ؟

بعض مفسرین نے اس آیت کے تحت انبیاء و ملائکہ کے درمیان تفاضل کی بحث چھیڑ دی ہے اور ایک فریق افضلیت ملائکہ کا قائل ہو گیا ہے، اور دوسرے فریق نے افضلیت انبیاء کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

بحیثیت مجموعی معتزلہ اور بعض اشاعرہ فریق اول کے ساتھ ہیں، اور جمہور اشاعرہ فریق دوم کے ساتھ لیکن انصاف کی عدالت کا فیصلہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اور نہ اس مسئلہ میں بحث و مناظرہ سے کچھ حاصل، اسلئے کہ اس مسئلہ میں قرآن و حدیث دونوں خاموش ہیں۔

فَائِدَہ: اسْتَدلَّ بهذه الآية القائلون بتفضيل الملائكة على الانبياء، وهم ابوبكر الباقلانى والحليمى من ائمة الاشعريه وجمهور المعتزله، وقرر زمخشرى وجه الدلالة بما لايسمن ولا يغنى من جوع، واَطَالَ البيضاوى وابن المنير فى الرد عليه والمصنف يرىٰ اَنّ التفاضل فى هذا الباب من قبيل الرجم بالغيب.

افضلیت ملائکہ کے بارے میں معتزلہ کا عقیدہ:

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ انبیاء کرام سے افضل ہیں، صاحب کشاف نے مذکورہ آیت سے افضلیت ملائکہ پر استدلال کیا ہے۔

تمہید: معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ آیت مذکورہ کا مقصد عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مقام عبدیت کی نفی اور ابنیت کا اثبات ہے اور ابن چونکہ اَب کا جزء ہوتا ہے لہٰذا ابنیت کا ثبوت جزئیت کا ثبوت ہے۔

طریق استدلال:

لن یستنکف المسیح ان یکون عبدًا للّٰہ و لا الملائکۃ المقربون، میں لن یستنکف المسیح معطوف علیہ اور و لا الملائکۃ معطوف ہے، ترقی من الادنی الی الاعلی کے قاعدہ سے معطوف، معطوف علیہ سے اعلی و افضل ہوتا ہے، تاکہ معطوف معطوف علیہ کے لئے بمنزلۂ دلیل کے ہو، مذکورہ آیت میں حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کا عبدیت سے عدم استنکاف (عار محسوس نہ کرنا) معطوف علیہ ہے اور ملائکہ کا عدم استنکاف معطوف ہے اور بقول معتزلہ معطوف معطوف علیہ سے افضل ہوتا ہے، مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں معتزلہ کے نزدیک آیت کا مطلب ہوگا، مسیح علیہ الصلاۃ والسلام اللہ کی عبدیت سے ننگ و عار محسوس نہیں کرتے، اسلئے کہ فرشتے افضل ہونے کے باوجود عبدیت سے عار محسوس نہیں کرتے، گویا کہ فرشتوں کا عدم استنکاف مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے عدم استنکاف کی دلیل ہے اسی وجہ سے لا یَستنکفُ فلان عن خدمتی و لا اباہ بولا جاتا ہے، اس مثال میں ترقی من الادنی الی الاعلی ہے، اسلئے کہ اب ابن سے اعلی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بیان فضیلت کے موقع پر لا یستنکف فلان عن خدمتی و لا غلامُہٗ، نہیں بولا جاتا، اسی طرح کہا جاتا ہے "لن یستنکف من ھذا الامر الوزیرُ و لا السلطان نہ کہ اس کا برعکس، لہٰذا آیت کے معنی قاعدہ مذکورہ کے مقتضیٰ کے مطابق ہوں گے، لا یستنکف المسیح و لا مَن فوقہٗ۔

معتزلہ کے استدلال کا جواب:

آیت مذکورہ کا مقصد اصلی نصاری کے عقیدۂ ابنیت کو رد کرنا ہے لیکن ضمناً طرداً للباب افادۂ تام کے لئے ادنی مناسبت سے ملائکہ کے بارے میں مشرکوں کے عقیدۂ بنتّی کی بھی تردید کردی حالانکہ یہ مشرکین کے مذکورہ عقیدہ کی تردید کا محل نہیں ہے اسلئے کہ ماسبق سے روئے سخن اہل کتاب خصوصاً نصاریٰ کی طرف ہے، مشرکین کے عقیدہ کی تردید کا موقع و محل تو سورۂ زخرف آیت ١٥: وَجَعَلوا لَہٗ مِن عبادہ جزءً اِنّ الانسانَ لکفور مبین" ہے معلوم ہوا کہ زیر بحث آیت میں فرشتوں کے استنکاف کا ذکر تو طرداللباب افادہ تام کے لئے ضمناً و تبعاً التزام مالا یلتزم کے طور پر آ گیا ہے، ورنہ مقصود اصلی تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے استنکاف کو بیان کرنا ہے، گویا کہ مذکورہ عقیدہ رکھنے والوں سے کہا جارہا ہے کہ جو تم عقیدہ رکھتے ہو بات ایسی نہیں ہے اسلئے کہ جو بیٹا یا بیٹی (یعنی اولاد) ہوتا ہے وہ اَب کا عبد (غلام) ہونے میں ننگ و عار محسوس کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ابن اللہ

ہوتے تو عبداللہ ہونے میں عار محسوس کرتے اور یہی صورت حال فرشتوں کی ہے، لہٰذا معلوم ہوگیا کہ بطور معطوف فرشتوں کا بعد میں ذکر کرنا فرشتوں کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔

اللہ کا بندہ ہونا اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے:

لن یستنکف المسیح. علیہ الصلاۃ والسلام، یعنی مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ ہی اللہ کے مقرب فرشتوں کو عار ہے، اسلئے کہ اللہ کا بندہ ہونا اور اس کی بندگی کرنا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت ہے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر و قیمت پوچھئے، ان کو اس سے کیسے ننگ و عار ہوسکتی ہے، البتہ ذلت و غیرت تو غیر اللہ کی بندگی کرنے میں ہے، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ابن اللہ اور معبود بنالیا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر ان کے بت بنا کر ان کی بندگی کرنے لگے تو ایسے لوگوں کیلئے دائمی عذاب و ذلت ہے۔

اے لوگو تمہارے پاس نبی ﷺ کی شکل میں ایک دلیل محکم آچکی ہے، اور ہم تمہاری طرف قرآن کی شکل میں ایک نور مبین نازل کر چکے ہیں، سبحان اللہ آنحضرت ﷺ کی جانب دلیل محکم کہہ کر اور قرآن کی جانب نور مبین کہہ کر کیا روح پرور اشارہ فرمایا، اب جن کا سر ان دونوں کی تعلیمات پر جھکا ان کو بشارت دی جارہی ہے کہ آخرت میں بھی ان کو نہال کردیں گے اور دنیا میں بھی خدا پرست زندگی آسان کردیں گے۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ، اس آیت میں کلالہ کی میراث کا حکم بیان فرمایا گیا ہے، چونکہ کلالہ کے لئے اردو زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے کہ جس سے اس کا پورا مفہوم سمجھ میں آسکے، اسلئے اولاً کلالہ کا مصداق سمجھنا ضروری ہے کہ کلالہ کونسی میت اور کونسا وارث ہے؟

1. کلالہ ایسی میت کو کہتے ہیں کہ جس کے ورثاء میں بیٹا پوتا اور باپ دادا نہ ہوں، ان کے علاوہ کوئی اور وارث ہو، یہی قول حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔
2. جو شخص ایسی میت کا وارث قرار پائے وہ بھی کلالہ کہلاتا ہے، یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔
3. وارث اور میت کی نسبت بھی نسبت کلالہ کہلاتی ہے۔
4. حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کلالہ کی وضاحت پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا کہ میں اس لفظ کے بارے میں اپنی سمجھ کے مطابق ایک بات کہتا ہوں اگر درست ہو تو اللہ کا فضل سمجھئے اور اگر غلط ہو تو میری غلطی سمجھنا، غالباً اس سے مقصود باپ اور بیٹے کے علاوہ دوسرے رشتہ دار ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو غالباً کسی سائل کے جواب میں فرمایا کہ اس بات سے خدا سے ندامت آتی ہے کہ حضرت ابوبکر نے کوئی بات کہی ہو اور میں اس کی تردید کروں۔ (رواہ البیہقی)
5. حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں تفصیل چاہی تو آپ نے فرمایا کہ جو باپ بیٹے کے علاوہ ہو۔ (اخرجہ ابو الشیخ)

❻ حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنا وارث باپ اور بیٹا نہ چھوڑا ہو تو اس کا وارث (جو بھی ہو) کلالہ کہلائیگا۔ (اخرجه ابو داؤد فی المراسیل)

اگر کوئی شخص وفات پا جائے اس طرح کہ اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن موجود ہو تو بہن کیلئے مرنے والے کی میراث کا آدھا ہے اور اولاد سے بیٹا، بیٹی نیچے تک سب مراد ہیں اور بہن سے مراد سگی بہن ہے۔

اور حقیقی بھائی اپنی حقیقی بہن کا پوری میراث کا حق دار ہوگا بشرطیکہ بہن نے اولاد نہ چھوڑی ہو اور نہ باپ دادا موجود ہوں۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً اَوْ اِثْنَتَانِ اَوْ ثَلٰثٌ

سورۂ مائدہ مدنی ہے، ۱۲۰، یا ۱۲۲ یا ۱۲۳ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اَلْعُهُوْدِ الْمُؤَكَّدَةِ الَّتِي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَوِ النَّاسِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اَلْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ اَكْلاً بَعْدَ الذَّبْحِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ تَحْرِيْمُهُ فِي حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اَلْاٰيَةَ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ مُتَّصِلاً وَالتَّحْرِيْمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهِ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اَيْ مُحْرِمُوْنَ وَنَصْبُ غَيْرَ عَلَى الْحَالِ مِنْ ضَمِيْرِ لَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① مِنَ التَّحْلِيْلِ وَغَيْرِهِ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ جَمْعُ شَعِيْرَةٍ اَيْ مَعَالِمِ دِيْنِهِ بِالصَّيْدِ فِي الْاِحْرَامِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ بِالْقِتَالِ فِيْهِ وَلَا الْهَدْيَ مَا اُهْدِيَ اِلَى الْحَرَمِ مِنَ النَّعَمِ بِالتَّعَرُّضِ لَهُ وَلَا الْقَلَآئِدَ جَمْعُ قِلَادَةٍ وَهِيَ مَا كَانَ يُتَقَلَّدُ بِهِ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لِيَأْمَنَ اَيْ فَلَا تَتَعَرَّضُوْا لَهَا اَوْ لِاَصْحَابِهَا وَلَآ تُحِلُّوْا اٰمِّيْنَ قَاصِدِيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ بِاَنْ تُقَاتِلُوْهُمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا رِزْقًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ بِالتِّجَارَةِ مِنْهُ بِقَصْدِهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةٍ وَاِذَا حَلَلْتُمْ مِنَ الْاِحْرَامِ فَاصْطَادُوْا ۭ اَمْرُ اِبَاحَةٍ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ يَكْسِبَنَّكُمْ شَنَاٰنُ بِفَتْحِ النُّوْنِ وَسُكُوْنِهَا بُغْضُ قَوْمٍ لِاَجْلِ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ عَلَيْهِمْ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ فِعْلِ مَا اُمِرْتُمْ بِهِ وَالتَّقْوٰى ۠ بِتَرْكِ مَا نُهِيْتُمْ عَنْهُ وَلَا تَعَاوَنُوْا فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ عَلَى الْاِثْمِ الْمَعَاصِي وَالْعُدْوَانِ ۠ التَّعَدِّي فِي حُدُوْدِ اللّٰهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ خَافُوْا عِقَابَهُ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② لِمَنْ خَالَفَهُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو یعنی ان محکم قول وقراروں کو پورا کرو جو تم نے اللہ سے اور انسانوں سے کئے ہیں، تمہارے لئے مویشی چوپایوں مثلاً اونٹ، گائے اور بکری (وغیرہ) کو ذبح کر کے کھانا حلال کر دیا گیا ہے، مگر وہ جانور حلال نہیں کئے گئے جن کی حرمت تم کو آئندہ آیت حرمت

علیکم المیتة میں بتائی جارہی ہے یا استثناء منقطع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ متصل ہو، اور تحریم موت وغیرہ کے عارض ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو یعنی جب تم محرم ہو، اور غیرَ، کم (کی طرف لوٹنے والی) ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اللہ تعالیٰ حلت (وحرمت) کے جو احکام چاہتا ہے حکم دیتا ہے، اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، حرم میں شکار کر کے اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو شعائر شعیرۃٌ کی جمع ہے یعنی خدائی دین کی نشانی، اور نہ حرمت والے مہینے کی، اس میں قتال کر کے (بے حرمتی کرو) اور نہ ہدی کے جانوروں پر دست درازی کر کے ان کی بے حرمتی کرو، ہدی وہ مویشی جانور جس کو (قربانی کے لئے) حرم لیجایا جائے۔

اور نہ ان جانوروں پر دست درازی کرو جن کی گردنوں میں (نذر خداوندی کی علامت کے طور پر حرم کے درخت کے پٹے) پڑے ہوں اور قتال کر کے نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں کہ اپنے رب کے فضل اور تجارت کے ذریعہ اپنے رب کے رزق کے اور بزعم خویش بیت اللہ کے قصد سے اس کی رضامندی کے طالب ہوں، یہ حکم آیت براءت سے منسوخ ہے اور جب تم احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کی اجازت ہے (فاصطادوا) میں امر اباحت کے لئے ہے، اور ان لوگوں کی دشمنی کہ جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر قتل وغیرہ کے ذریعہ زیادتی کرو (شَنَـآن) نون کے فتحہ اور سکون کے ساتھ بمعنی بغض ہے، اور نیکی پر اس کام کو کر کے جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور تقوے پر اس کام کو ترک کر کے جس سے تم کو منع گیا ہے ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہو اور گناہ پر اور اللہ کی حدود میں زیادتی (کی باتوں میں) ایک دوسرے کا تعاون مت کرو (تعاونوا) میں اصل میں دو تاؤں میں سے ایک تاء محذوف ہے، اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو بایں صورت کہ اس کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ اپنی مخالفت کرنے والے کو سخت سزا دینے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: المَائِدَة، دسترخوان، جمع موائد.

قولہ: بالعُقُوْد، واحد عَقد پختہ عہد عقد مصدر ہے بطور اسم استعمال ہوا ہے۔

قولہ: بَهِيمَةُ، جمع بَهَائم، مویشی چوپائے عرف عرب میں بھائم کا اطلاق درند و پرند کے علاوہ ہر حیوان پر ہوتا ہے بھیمة، ابہام سے ماخوذ ہے چونکہ چوپایوں کی آواز میں ابہام ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کو بہائم کہا جاتا ہے۔

قولہ: اَنعام، واحد نَعَمٌ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، اونٹ، انعام میں اونٹ کا شامل ہونا ضروری ہے بغیر اونٹ کی شمولیت کے انعام نہیں کہا جاتا، عرب کے نزدیک اونٹ چونکہ بہت بڑی نعمت ہے اسلئے اس کو نعم کہا جانے لگا۔

قولہ: اَکلًا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوال: حلت وحرمت تو افعال کے اوصاف میں سے ہے یہاں ذات یعنی بہیمة الانعام کا وصف قرار دیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: اکلاً محذوف مان کر اسی سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

قَوْلُہٗ: تَحْرِیْمُہٗ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بھیمہ متلو اشیاء میں سے نہیں ہے؟

جَوَابٌ: بھیمۃ متلو نہیں ہے بلکہ متلو تحریم بھیمۃ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَالِاسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ، اسلئے کہ مستثنیٰ منہ جو کہ بھیمۃ الانعام ہے اور مستثنیٰ جو کہ ما یتلی علیکم ہے ایک جنس کے نہیں ہیں، مستثنیٰ منہ از قبیل ذوات ہے اور مستثنیٰ از قبیل الفاظ۔

قَوْلُہٗ: یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ مُتَّصِلاً، تقدیر مضاف کی صورت میں الا ما یُتلی علیکم، احلت لکم بھیمۃ الانعام سے مستثنیٰ متصل ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی ای اِلّا محرم ما یتلی علیکم، اور محرم سے مراد میتۃ ہے۔

قَوْلُہٗ: لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ، اس میں اشارہ ہے کہ انعام مذکورہ کی حرمت ذاتی نہیں ہے بلکہ موت کی وجہ سے طاری ہے۔

قَوْلُہٗ: وانتم حُرُم یہ جملہ غیرَ محلّی الصید کی ضمیر مستتر سے حال ہے جو لکم ضمیر کی طرف راجع ہے یعنی غیر محلّی الصید ذوالحال ہے اور وانتم حُرُم حال ہے۔

قَوْلُہٗ: وھذا مَنْسُوخٌ بآیَۃِ بَرَآءَۃٍ "وھی قولہ تعالی، اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم".

تفسیر و تشریح

زمانۂ نزول:

مسند احمد اور طبرانی میں اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں سورۂ مائدہ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں، اس شان نزول کی روایت کی سند میں اسماء بنت یزید کا پروردہ شہر بن حوشب ایک راوی ہے جس کو بعض علماء نے ضعیف اور کثیر الارسال لکھا ہے، لیکن تقریب میں اس کو صدوق لکھا ہے شہر بن حوشب کی یہ روایت چونکہ اسماء بنت یزید سے ہے جو شہر بن حوشب کی پرورش کرنے والی ہیں، اس لئے اس سند میں ارسال کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا، اسلئے کہ تابعی اگر واسطۂ صحابی کے بغیر آنحضرت ﷺ سے روایت کرے تو اس کو ارسال کہتے ہیں اور اس کی روایت کو مرسل کہتے ہیں اس سند میں وہ بات نہیں ہے۔

عقد: عقد کسے کہتے ہیں؟

تفسیر ابن جریر میں علی بن طلحہ کے واسطہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی جو روایت ہے اس میں حلال و حرام چیزوں کے جو احکام عہد کے طور پر قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان ہی کو عقود کی تفسیر قرار دیا ہے۔

بھیمۃ الانعام: مویشی چوپایوں کو کہتے ہیں ان میں پالتو جانور اونٹ، گائے، بھیڑ بکری اور جنگلی شکار کر کے کھانے

کے قابل جانور مثلاً نیل گائے، ہرن وغیرہ بھی داخل ہیں انعام کے مفہوم میں چوپائے درندے شامل نہیں ہیں اسلئے کہ عرب کے محاورے میں درندوں کے نام الگ الگ ہیں، اسی حکم کو بیان کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب درندے چوپائے حرام ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت ﷺ نے درندے جانوروں کے حرام ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، اسی طرح آپ نے پھاڑنے والے پرندوں کو بھی حرام قرار دیا ہے جس کے پنجے ہوتے ہیں، جو دوسرے جانوروں کا شکار کرتے ہیں یا مردار خور ہوتے ہیں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت میں ہے ''نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن کل ذی نابٍ من السباع و کل ذی مخلب من الطیر''۔

اِلَّا مَا یتلی علیکم، کا مطلب ہے کہ آئندہ آیت ''حرمت علیکم المیتة'' میں جن جانوروں کا ذکر فرمایا ہے وہ حرام ہیں غیر محلی الصید و انتم حرم کا مطلب ہے کہ حاجیوں کو احرام کی حالت میں خشکی کے جانوروں کا شکار حرام ہے البتہ دریائی جانوروں کا شکار بحالت احرام روا ہے بعض جانوروں کے حلال اور بعض کے حرام کرنے کی مصلحت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اللہ حاکم مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے، بندوں کو اس کے حکم میں چوں و چرا کرنے کا حق نہیں، اگرچہ اس کے تمام احکام حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں لیکن بندۂ مسلم اس کے حکم کی اطاعت اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے یا مبنی بر مصلحت سمجھتا ہے بلکہ صرف اس بنا پر کرتا ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے۔

شعائر کیا ہیں؟

ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا شعار کہلاتی ہے، کیونکہ وہ اس کے لئے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے، سرکاری پرچم، فوج، پولیس وغیرہ کی وردی (یونیفارم) سکّے اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں، اور وہ اپنے محکموں سے بلکہ جو بھی اس کے زیر اقتدار ہے اس سے احترام کا مطالبہ کرتی ہے گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے لئے، چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے لئے شعائر ہیں، کیس، کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہے یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروؤں سے اپنے شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اس نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔

شعائر اللہ کا احترام:

شعائر اللہ کے احترام کا عام حکم دینے کے بعد چند شعائر کا نام لے کر ان کے احترام کا خاص طور پر حکم دیا گیا کیونکہ اس وقت جنگی حالات کی وجہ سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ جنگ کے جوش میں کہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی توہین نہ ہو جائے ان چند

عائر کو نام بنام بیان کرنے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ صرف یہی احترام کے مستحق ہیں، شعائر اسلام ان اعمال وافعال کو کہا جاتا ہے عرفاً مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں اور محسوس ومشاہد ہیں، جیسے نماز، اذان، حج، ختنہ، اور سنت کے مطابق ڈاڑھی یرہ، مگر صاف اور صحیح بات وہ ہے جو بحر محیط اور روح المعانی میں حضرت حسن بصری اور علماء سے منقول ہے اور وہ یہ کہ شعائر اللہ سے مراد تمام شرائع اور دین کے مقرر کردہ واجبات وفرائض اور ان کی حدود ہیں۔

احرام بھی من جملہ شعائر اللہ ہے، اور اس کی پابندیوں میں سے کسی پابندی کو توڑنا اس کی بے حرمتی کرنا ہے۔

ان نزول:

یٰاَیُّھَا الذین آمنوا لا تُحِلُّوْا شَعائر اللّٰہ، (الآیة) ابن جریر نے عکرمہ اور سدّی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص ریح بن ہند مدینہ آکر مسلمان ہوگیا تھا اور اپنے وطن جا کر پھر مرتد ہوگیا، اس واقعہ کے ایک سال بعد اس نے حج کا قصد کیا حابہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو شریح بن ہند کے ساتھ جو نیاز کعبہ کے جانور اور جارت کا مال ہے اس کو لوٹ لیں، آپ نے فرمایا یہ کیونکر ہوسکتا ہے وہ تو نیاز کے جانور لے کر حج کے ارادہ سے جا رہا ہے، س پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ مشرکین خود کو ملت ابراہیمی کا پابند سمجھ کر حالت شرک میں بھی حج کیا رتے تھے، سورۂ براءت میں مشرکین کو حج بیت اللہ سے روکنے کے حکم سے پہلے روکنے کی ممانعت تھی، سورۂ براءت میں جب یہ م نازل ہوا کہ مشرکین نجس ہیں آئندہ سال سے وہ لوگ مسجد حرام کے پاس نہ آئیں جس سے سورۂ مائدہ کی اس آیت کا حکم سوخ ہوگیا، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے منسوخ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، مفسرین کی ایک جماعت اس آیت ے منسوخ ہونے کی قائل نہیں ہے، اور شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بھی فوز الکبیر میں اس آیت کے نسخ کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ حکم م میں تخصیص قرار دیا ہے، یعنی پہلے مشرکین اور مسلمین سب کو حج کی اجازت تھی سورۂ براءت کے اس حکم سے تخصیص ہوگئی کہ ندہ مشرکین مسجد حرام کے پاس نہ آیا کریں، اور شاہ صاحب تخصیص کو نسخ نہیں مانتے۔

حالتِ احرام میں محرم کے لئے خشکی کے جانوروں کے شکار کی ممانعت کردی گئی تھی جو احرام سے فارغ ہونے کے بعد باقی ں رہی اور غیر محرم کا، محرم کو شکار کا گوشت دینا اور محرم کے لئے لینا اور کھانا جائز ہے بشرطیکہ محرم کی خاطر شکار نہ کیا گیا ہو اور محرم ، شکار میں اشارۃً یا دلالۃً شریک نہ ہو۔

ان نزول کا دوسرا واقعہ:

بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کے شانِ نزول میں ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

یمامہ کا ایک دولتمند حطیم نامی تاجر بڑے کرّ وفر کے ساتھ مدینہ آیا، ابھی یہ شخص مسجد نبوی تک نہ پہنچا تھا کہ آنحضرت ﷺ

نے صحابۂ کرام کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا، تمہارے پاس قبیلہ یمامہ کا ایک شخص آرہا ہے جو شیطان کی طرح باتیں بناتا ہے، ادھر حطیم نے یہ کیا کہ اہل قافلہ کو مدینہ کے باہر چھوڑ کر تنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں ارشاد ہوا کہ خدائے پاک کو ایک ماننا محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم کرنا نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، حطیم نے عرض کیا کہ کچھ اور لوگ بھی میرے شریک معاملہ ہیں جن کے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا میں خود بھی اسلام قبول کرلوں گا اور بقیہ اصحاب کو بھی جناب کی خدمت میں حاضر کردوں گا تاکہ وہ بھی مشرف باسلام ہوسکیں، گفتگو کے بعد جب یہ شخص باہر نکلا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ شخص آیا تو تھا کافر ہوکر اور گیا ہے دھوکہ باز ہوکر، چنانچہ فوراً مع قافلہ واپس ہوگیا اور جاتے وقت مدینہ کی چراگاہ کے سارے مویشی ہانک لے گیا، اتنی تیزی سے واپس چلا گیا کہ تعاقب کے باوجود ہاتھ نہ آیا، اگلے سال آپ ﷺ صحابہ کے ہمراہ عمرۃ القضا کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو راستہ میں یمامہ کے مشرک حاجیوں کے قافلہ کی آوازیں آئیں، آپ نے فرمایا یہ حطیم اور اس کے قافلہ والے آرہے ہیں تحقیق سے یہ بات صحیح ثابت ہوئی، حطیم قافلہ کے ساتھ اس طرح مکہ جارہا ہے کہ مشرک حاجیوں کا ایک ہجوم ہے اور اونٹوں پر تجارتی سامان لدا ہوا ہے جو جانور مدینہ سے لوٹ کر لایا تھا ان کے گلے میں پٹے ڈال کر کعبۃ اللہ کی نذر کے لئے ہدی بنا کر لیجارہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اگر ہمیں اجازت ملے تو ہم اس دغاباز کو مزا چکھادیں اور اپنے مویشی واپس لے لیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ خود حاجی بن کر جارہا ہے اور جانور نیاز بیت اللہ کے لئے لے جارہا ہے آپ نے صحابہ کو اس کی اجازت نہ دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ہدایت القرآن ملخصا)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اَىْ اَكْلُهَا **وَالدَّمُ** اَىِ الْمَسْفُوْحُ كَمَا فِى الْاَنْعَامِ **وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** بِاَنْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَيْرِهٖ **وَالْمُنْخَنِقَةُ** اَلْمَيْتَةُ خَنِقًا **وَالْمَوْقُوْذَةُ** اَلْمَقْتُوْلَةُ ضَرْبًا **وَالْمُتَرَدِّيَةُ** اَلسَّاقِطَةُ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰى سِفْلٍ فَمَاتَتْ **وَالنَّطِيْحَةُ** اَلْمَقْتُوْلَةُ بِنَطْحِ اُخْرٰى لَهَا **وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ** مِنْهُ **اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ** اَىْ اَدْرَكْتُمْ فِيْهِ الرُّوْحَ مِنْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ فَذَبَحْتُمُوْهُ **وَمَا ذُبِحَ عَلَى** اِسْمِ **النُّصُبِ** جَمْعُ نِصَابٍ وَهِىَ الْاَصْنَامُ **وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا** تَطْلُبُوا الْقَسْمَ وَالْحُكْمَ **بِالْاَزْلَامِ** جَمْعُ زَلَمٍ بِفَتْحِ الزَّاىِ وَضَمِّهَا مَعَ فَتْحِ اللَّامِ قِدْحٌ بِكَسْرِ الْقَافِ سَهْمٌ صَغِيْرٌ لَا رِيْشَ لَهٗ وَلَا نَصْلَ وَكَانَتْ سَبْعَةً عِنْدَ سَادِنِ الْكَعْبَةِ عَلَيْهَا اَعْلَامٌ وَكَانُوْا يُجِيْلُوْنَهَا فَاِنْ اَمَرَتْهُمُ ائْتَمَرُوْا وَاِنْ نَهَتْهُمُ انْتَهَوْا **ذٰلِكُمْ فِسْقٌ** خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَةِ وَنَزَلَ بِعَرَفَةَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ **اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ** اَنْ تَرْتَدُّوْا عَنْهُ بَعْدَ طَمَعِهِمْ فِىْ ذٰلِكَ لِمَا رَأَوْا مِنْ قُوَّتِهٖ **فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** اَحْكَامَهٗ وَفَرَائِضَهٗ فَلَمْ يَنْزِلْ بَعْدَهَا حَلَالٌ وَلَا حَرَامٌ **وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ** بِاِكْمَالِهٖ وَقِيْلَ بِدُخُوْلِ مَكَّةَ اٰمِنِيْنَ **وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ** مَجَاعَةٍ اِلٰى اَكْلِ شَىْءٍ مِمَّا حُرِّمَ عَلَيْهِ فَاَكَلَ **غَيْرَ مُتَجَانِفٍ** مَائِلٍ **لِاِثْمٍ** مَعْصِيَةٍ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَهٗ مَا اَكَلَ **رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾** بِهٖ فِىْ اِبَاحَتِهٖ لَهٗ بِخِلَافِ الْمَائِلِ لِاِثْمٍ اَىِ الْمُتَلَبِّسِ بِهٖ كَقَاطِعِ

الطَّرِيقِ وَالبَاغِي مَثَلاً فَلاَ يَحِلُّ لَهُ الأَكْلُ **يَسْـَٔلُونَكَ** يَا مُحَمَّدُ **مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ** مِنَ الطَّعَامِ **قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ** المُسْتَلَذَّاتُ **وَ** صَيْدُ **مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ** الكَوَاسِبِ مِنَ الكِلاَبِ وَالسِّبَاعِ وَالطَّيْرِ **مُكَلِّبِيْنَ** حَالٌ مِنْ كَلَّبْتُ الكَلْبَ بِالتَّشْدِيْدِ أَرْسَلْتُهُ عَلَى الصَّيْدِ **تُعَلِّمُونَهُنَّ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ مُكَلِّبِيْنَ أَي تُؤَدِّبُوْنَهُنَّ **مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ** مِنْ آدَابِ الصَّيْدِ **فَكُلُوْا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ** وَإِنْ قَتَلْنَهُ بِأَنْ لَمْ يَأْكُلْنَ مِنْهُ بِخِلاَفِ غَيْرِ المُعَلَّمَةِ فَلاَ يَحِلُّ صَيْدُهَا وَعَلاَمَتُهَا أَنْ تَسْتَرْسِلَ إِذَا أُرْسِلَتْ وَتَنْزَجِرَ إِذَا زُجِرَتْ وَتُمْسِكَ الصَّيْدَ وَلاَ تَأْكُلَ مِنْهُ وَأَقَلُّ مَا يُعْرَفُ بِهِ ذٰلِكَ ثَلٰثُ مَرَّاتٍ فَإِنْ أَكَلَتْ مِنْهُ فَلَيْسَ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَى صَاحِبِهَا فَلاَ يَحِلُّ أَكْلُهُ كَمَا فِي حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِيْهِ أَنَّ صَيْدَ السَّهْمِ إِذَا أُرْسِلَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ كَصَيْدِ المُعَلَّمِ مِنَ الجَوَارِحِ **وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ** عِنْدَ إِرْسَالِهِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ** ﴿٤﴾ **اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ** المُسْتَلَذَّاتُ **وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ** أَي ذَبَائِحُ اليَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى **حِلٌّ** حَلاَلٌ **لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ** إِيَّاهُمْ **حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ** الحَرَائِرُ **مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ** حِلٌّ لَكُمْ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ **إِذَآ آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **مُحْصِنِيْنَ** مُتَزَوِّجِيْنَ **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** مُعْلِنِيْنَ بِالزِّنَا بِهِنَّ **وَلاَ مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ** أَخِلاَّءَ مِنْهُنَّ تُسِرُّوْنَ بِالزِّنَا بِهِنَّ **وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ** أَي يَرْتَدَّ **فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ** الصَّالِحُ قَبْلَ ذٰلِكَ فَلاَ يُعْتَدُّ بِهِ وَلاَ يُثَابُ عَلَيْهِ **وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿٥﴾ إِذَا مَاتَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: تمہارے لئے مرداراور بہنے والا خون (حرام کردیا گیا ہے) جیسا کہ سورۂ انعام میں مذکور ہے، اورخنزیر کا گوشت اوروہ جانور جس پر (بوقت ذبح) غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو بایں صورت کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، کا کھانا حرام کردیا گیا ہے اور گلا گھٹ کر مرا ہوا جانور اور چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور اور اوپر سے گر کر مرا ہوا جانور، اور وہ جانور جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور وہ جانور کہ جس میں سے درندہ نے کھالیا ہو (کھانا حرام کردیا گیا ہے) الا یہ کہ تم نے اس کو ذبح کر لیا ہو، یعنی مذکورہ جانوروں میں سے جو تم کو زندہ مل گیا ہو اور تم نے اس کو ذبح کرلیا ہو (تو وہ حرام نہیں ہے) اور وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو نُصُبٌ، نصابٌ کی جمع ہے اور وہ بت ہیں (حرام کردیا گیا ہے) اور پانسوں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنا اور نتیجہ معلوم کرنا (حرام کردیا گیا ہے) اَزلام، زَلَمٌ کی جمع ہے زاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مع لام کے فتحہ کے قدح چھوٹا تیر جس میں نہ پر لگے ہوں اور نہ اس میں انّی ہو، قِدحٌ قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور وہ سات تیر تھے جو بیت اللہ کے خادم کے پاس رہتے تھے، ان پر علامتیں لگی رہتی تھیں ان سے جواب مانگا کرتے تھے (فال لیا کرتے تھے) اگر وہ ان کو اجازت دیتے تو اس کام کو کرتے اور اگر جواب ممانعت میں نکلتا تو نہ کرتے، یہ فسق ہے یعنی اطاعت سے خروج ہے، اور (آئندہ آیت) حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں نازل ہوئی، اب کافر تمہارے دین (اسلام) سے مرتد ہونے کے بارے میں خواہش رکھنے کے باوجود

مایوس ہو چکے ہیں، اس لئے کہ وہ اس دین کی قوت دیکھ چکے ہیں، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو آج میں نے تمہارے دین (یعنی) اس کے احکام وفرائض کو مکمل کر دیا چنانچہ اس کے بعد حلال وحرام کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا اور تم پر میں نے دین مکمل کر کے اپنا انعام تام کر دیا اور کہا گیا ہے کہ مکہ میں مامون طریقہ پر داخل کر کے (انعام تام کر دیا) اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا، پس جو شخص شدت بھوک سے بیتاب ہو اس کے لئے حرام کردہ چیزوں میں سے کچھ کھا لینا تو مباح ہے، بشرطیکہ معصیت کی جانب میلان نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کھانے کو معاف کرنے والا ہے، اور اس کے لئے اس (کھانے کو) مباح کر کے رحم کرنے والا ہے، بخلاف اس شخص کے کہ جو معصیت کی طرف مائل ہو یعنی (معصیت) کا مرتکب ہو، جیسا کہ راہ زن، باغی، مثلاً، تو اس شخص کے لئے (مذکورہ چیزوں) میں سے کھانا حلال نہیں ہے، اے محمد ﷺ آپ سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ان کے لئے کونسا کھانا حلال کیا گیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے تمہارے لئے پاکیزہ لذیذ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور ان شکاری جانوروں کا کیا ہوا شکار جن کو تم نے سدھایا ہے خواہ کتے ہوں یا درندے یا پرندے، بشرطیکہ تم ان کو شکار کے پیچھے چھوڑو (مُكَلِّبِيْنَ) عَلَّمتم، کی ضمیر سے حال ہے، اور كَلَّبْتُ الْكلبَ بالتشدید سے ماخوذ ہے ای اَرْسَلْتُ علی الصید حال یہ کہ تم نے اللہ کے سکھائے ہوئے آداب صید میں سے ان کو سکھایا ہو (تعلّمونهن) مكلّبين کی ضمیر سے حال ہے، ای تُؤَدِّبُونَهُنَّ، تو تم اس شکار کو کھا سکتے ہو جو اس نے تمہارے لئے کیا ہے، اگرچہ اس کو مار ڈالا ہو بشرطیکہ اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو، بخلاف بغیر سدھے ہوئے شکاری جانور کے کہ اس کا کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے، اور سدھے ہوئے کی پہچان یہ ہے کہ جب اس کو شکار کے پیچھے دوڑایا جائے تو دوڑ پڑے اور جب روکا جائے تو رک جائے، اور شکار کو پکڑ کر اس سے کچھ کھائے نہیں، اور کم سے کم علامت کہ جس کے ذریعہ جانور کا معلَّم ہونا معلوم ہو تین بار (شکار کے پیچھے) چھوڑنا ہے، اگر شکاری جانور نے اس شکار سے کچھ کھا لیا تو سمجھ لو کہ یہ اس نے اپنے مالک کے لئے نہیں پکڑا لہٰذا ایسی صورت میں اس شکار کا کھانا حلال نہیں ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے اور اس میں ہے کہ تیر سے کیا ہوا شکار جبکہ تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہی ہو تو یہ تیر کا شکار شکاری جانور کے شکار کے مانند (حلال) ہے اور صید معلَّم کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے، آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے یعنی یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ حلال کر دیا گیا اور تمہارا ذبیحہ ان کیلئے حلال ہے، اور پاکدامن مومن عورتیں اور اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی آزاد عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں یعنی تمہارے لئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ تم ان کے مہر ادا کر دو، حال یہ کہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو، نہ کہ ان سے اعلانیہ (زنا کے ذریعہ) شہوت رانی کرنے والے اور نہ پوشیدہ طور پر ان سے آشنائی کرنے والے کہ ان سے زنا کو چھپانے والے ہو اور جو شخص ایمان کا منکر ہو یعنی مرتد ہو گیا تو اس کے سابقہ اعمال صالحہ ضائع ہو گئے لہٰذا وہ کسی شمار میں نہ ہوں گے اور نہ ان پر اجر دیا جائیگا، اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا جبکہ وہ ارتداد ہی پر فوت ہوا ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: المَیْتَة، اسم صفت ہے، مردار، وہ جانور جو بلا ذبح شرعی کسی حادثہ یا طبعی موت سے مر جائے۔

قولہ: اَکْلُھا، مضاف محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ حلّت و حرمت کا تعلق افعال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے۔

قولہ: اَلمنخَنِقَةُ، اسم فاعل واحد مؤنث (اِنخِنَاق، انفعال) خَنِقًا (ن) گلا گھونٹنا۔

قولہ: اُھِلَّ، اَلْاِھْلَال رفع الصوت، لِغیر اللّٰہ بہ میں لام بمعنی باء اور باء بمعنی عند، المعنی، مارفع الصوت عند ذکاتِہٖ باسم غیر اللّٰہ.

قولہ: المَوْقُوذَةُ وَقْذٌ (ض) اسم مفعول واحد مؤنث، چوٹ کھا کر مرا ہوا۔

قولہ: المُتَرَدِّیَةُ اسم فاعل واحد مؤنث تَرَدِّیٌ (تفعّل) اونچائی سے گر کر مرنے والا جانور۔

قولہ: النَطِیْحَةُ صیغہ صفت بروزن فَعِیْلَة بمعنی منطوحَة نطح (ف،ن) وہ بکری جو دوسرے کے سینگ کی چوٹ سے مری ہو، بعض اہل لغت نے بکری کی تخصیص نہیں کی ہے۔

سوال: نطیحةٌ، بروزن فعیلة ہے فعیلة کے وزن میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں تاء کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب: نطیحة میں تاء انتقال من الوصفیة الی الاسمیة کیلئے ہے نہ کہ تانیث کیلئے جیسا کہ ذبیحة میں ہے۔

قولہ: منه، مِنْه کے اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ فَاَکَلَ السَّبُعُ، کا مطلب ہے کہ جس کو درندہ نے کھالیا ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ درندے نے جس کو کھالیا وہ معدوم ہو گیا اور معدوم سے حلت یا حرمت کا کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا، مِنْه، کہ کر اس کا یہ جواب دیا کہ جس شکار میں سے کچھ حصہ درندے نے کھالیا ہو جس کی وجہ سے وہ جانور مر گیا ہو تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

قولہ: اِلّا ما ذَکَّیْتُمْ، یہ اَلمنخقةُ اور اس کے مابعد سے استثناء ہے۔

قولہ: عَلٰی اِسْمِ النُّصُب.

سوال: لفظ 'اسم' کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: تاکہ ذبح کا صلہ عَلٰی درست ہو جائے، لہٰذا علٰی بمعنی لام لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ (کما قال البعض).

قولہ: ذلکم، ای الاستقسام بالازلام خاصةً فسق.

قولہ: رَضِیْتُ، یہ بیان حال کے لئے جملہ مستانفہ ہے، اس کا عطف اکملتُ پر نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے لازم آئیگا کہ اسلام سے دین ہونے کے اعتبار سے آج راضی ہوا اس سے پہلے راضی نہیں تھا حالانکہ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین رہا ہے اور ہر نبی کا دین اسلام ہے رضیتُ متعدی بیک مفعول ہے، اور وہ الاسلام ہے، اور دِیْنًا تمیز ہے۔

قولہ: اِخْتَرْتُ، بعض حضرات نے کہا ہے کہ رضیتُ بمعنی اخترتُ ہے جو کہ متعدی بدو مفعول ہے اور اول مفعول،

اَلاسلامَ اور دوسرا دِیْنًا ہے، لہٰذا اس صورت میں دِیْنًا کو حال یا تمیز قرار دینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

قِوْلُہٗ: غیرَ مُتَجانِفٍ، تفاعل سے اسم فاعل واحد مذکر ہے، بدی کی طرف مائل ہونے والا، حق سے روگردانی کرنے والا، غَیْرَ، منصوب علی الحال ہے۔

قِوْلُہٗ: مَخْمَصَةٍ، اسم، ایسی بھوک کہ جس میں پیٹ لگ جائے۔

قِوْلُہٗ: فَمَنِ اضْطُرَّ فی مخمصةٍ، یہ آیت تین جگہ آئی ہے یہاں اور سورۂ بقرہ میں اور سورۂ نحل میں۔

جواب شرط کی طرف اشارہ کردیا ہے اور بعض حضرات نے، فَلَا اثمَ عَلَیْہِ محذوف مانا ہے، فَمَنْ اضطر الخ، یہ آیت سابقہ آیت کا تتمہ ہے اور ذلکم فسق سے یہاں تک جملہ معترضہ ہے، جو کہ دو کلاموں کے درمیان واقع ہوا ہے۔

قِوْلُہٗ: کقاطِعِ الطَّرِیْق، ای اِذَا کانا مسافِرَیْن.

تَفْسِیرو تَشریح

حرمَتْ علیکم المیتة الخ، آیت نمبر ا میں حلال جانوروں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان حلال جانوروں کے علاوہ کچھ حرام جانور بھی ہیں جن کی تفصیل آئندہ آئے گی، گویا کہ حرمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ الخ، اِلّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکم، کی تفصیل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اُحِلّت لکم بھیْمَةُ الْاَنعَام، میں عمومی طور پر چوپایوں کے حلال ہونے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے وہ چوپائے حرام ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسند امام احمد، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث مروی ہے کہ مردار جانوروں میں دو مردار جانور مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں اس حدیث کی سند میں بعض علماء نے عبداللہ بن زید بن اسلم کو اگرچہ ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد نے عبداللہ بن زید کو ثقہ کہا ہے۔

مردہ اور حرام گوشت والے جانوروں کی مضرت:

جن جانوروں کا گوشت انسان کے لئے مضر ہے خواہ جسمانی طور پر یا روحانی طور پر کہ اس سے انسان کے اخلاق اور قلبی کیفیات پر منفی اثر پڑنے کا خطرہ ہے ان کو قرآن مجید نے خبائث قرار دیکر حرام کردیا۔

حُرِّمَتْ علیکم الْمَیْتَةُ الخ، اس آیت میں مردار جانور کو حرام قرار دیا گیا، مردار جانور سے وہ جانور مراد ہے جو شرعی طریقہ پر ذبح کئے بغیر کسی بیماری کے سبب طبعی یا حادثاتی موت مرجائے ایسے جانور کا گوشت طبّی طور پر بھی انسان کے لئے سخت مضر ہے اور روحانی طور پر بھی۔

دوسری چیز جس کو اس آیت نے حرام قرار دیا ہے وہ خون ہے اور قرآن کریم کی دوسری آیت او دما مسفوحًا نے بتلا دیا کہ خون سے مراد بہنے والا خون ہے گوشت میں لگا ہوا خون حرام نہیں ہے، جگر و تلی باوجود خون ہونے کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں حدیث

مذکور میں جہاں مردار سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ کیا ہے وہیں جگر اور طحال کو خون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

تیسری چیز لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ ہے:

اوپر سے چونکہ جانوروں کے گوشت کا ذکر چل رہا ہے اسلئے یہاں بھی لحم الخنزیر فرمادیا ورنہ خنزیر کے بدن کی ہر چیز حرام ہے، یا اس لئے کہ جانور میں اعظم مقصود گوشت ہی ہوتا ہے اس لئے لحم الخنزیر فرمایا۔

اکله نجسٌ وَانّما خصّ اللحم لِاَنّه معظم المقصود. (مدارك)

سُوَر کے گوشت کی جسمانی مضرتوں سے طبّی لٹریچر بھرا پڑا ہے، اخلاقی اور روحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا!؟ بریدۃ الاسلمی کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس کو صحیح مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا! چوسر کھیلنے والا شخص جب تک چوسر کھیلتا ہے تو اس کے ہاتھ گویا سور کے خون میں ڈوبے رہتے ہیں، اگرچہ بعض مفسرین نے خنزیر کے بعض اجزاء کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

بعض اجزاء کو پاک قرار دینے والے علماء کا استدلال:

سورۂ انعام میں یہ بحث شروع کر دی ہے کہ لحم الخنزیر میں ترکیب اضافی ہے اور اس طرح کی ترکیب کے بعد جو ضمیر آتی ہے وہ مضاف کی طرف لوٹتی ہے، اسلئے فَاِنَّهٗ میں جو ضمیر ہے وہ لحم کی طرف لوٹے گی، اور معنی یہ ہوں گے کہ سور کا گوشت ناپاک ہے اس معنی کے اعتبار سے سور کے تمام اجزاء کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہوگا۔

مذکورہ استدلال کا جواب:

بعض علماء نے اس استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت "کمثل الحمار یحمل اسفارا" اور آیت واشکروا نعمة اللّٰه علیکم ان کنتم ایاه تعبدون کی بھی یہی ترکیب ہے اور ان میں یحملُ کی ضمیر اور ایاه کی ضمیر مضاف الیہ کی طرف راجع ہے نہ کہ مضاف کی طرف اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس طرح کی ترکیب میں ہمیشہ ضمیر کا مرجع مضاف کی طرف ہی راجع ہو۔

عیسائیوں کے نزدیک سور کا گوشت حرام ہے:

اگرچہ اب عیسائی سور کے گوشت کو حرام نہیں سمجھتے لیکن تورات کے حصہ استثناء کے باب ۱۴ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عیسائی مذہب میں سور قطعی حرام ہے۔

بائبل میں سور کے گوشت کی حرمت ونجاست:

اور سور کہ اس کا کُھر دوحصہ (چرواں) ہوتا ہے پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ (احبار ۱۱:۸)

مزید تفصیل کے لئے جلد اول کے صفحہ نمبر............ دیکھئے۔

چوتھے وہ جانور جو غیر اللہ کے لئے نام زد کر دیا گیا ہو، اگر ذبح کرتے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے تو وہ کھلا شرک ہے اور جانور بالا تفاق مردار کے حکم میں ہے۔

جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جانور ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیا کرتے تھے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ارشادات کی ایک تحریر تھی جسے وہ حفاظت کے خیال سے ہمیشہ تلوار کی میان میں رکھا کرتے تھے، اس تحریر کے الفاظ یہ تھے، اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے زمین کی مخصوص علامات بدل دیں، اللہ اس پر لعنت فرمائے جس نے اپنے باپ پر لعنت کی، اللہ اس پر لعنت کرے کہ جس نے ایسے شخص کو پناہ دی کہ جو دین میں نئے شوشے نکالتا رہتا ہے۔ (رواہ مسلم)

پانچویں منخنقه، یعنی وہ جانور جو گلا گھونٹ کر یا گردن مروڑ کر مار دیا گیا، یا خود ہی کسی جال یا پھندے میں پھنسنے کی وجہ سے دم گھٹ کر مر گیا ہو۔

چھٹی موقوذة، یعنی وہ جانور جو ضرب شدید کی وجہ سے مر گیا ہو، جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ، تیر اگر انی کی طرف سے لگنے کے بجائے دستہ کی طرف سے لگا جس کی ضرب سے شکار مر گیا تو یہ بھی موقوذة کے حکم میں ہے جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا ہو اس کو فقہاء نے موقوذة میں شمار کیا ہے، امام جصاص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے، المقتولة بالبندقة تلك الموقوذة، گولی کے ذریعہ جو شکار مرا ہو وہ بھی موقوذہ ہے، امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ اسی پر متفق ہیں۔

ساتویں متردية، وہ جانور کہ جو کسی اونچی جگہ مثلاً پہاڑ ٹیلہ وغیرہ سے گر کر مرا ہو اسی طرح کنویں وغیرہ میں گر کر مرنے والا بھی اس میں داخل ہے اسی طرح تیر لگا ہوا جانور اگر پانی میں گر کر مرا تو وہ بھی متردیة میں شامل ہوگا، اسلئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کی موت پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے ہوئی ہو۔

آٹھویں نطیحة، وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے یا ٹکر مارنے یا کسی تصادم مثلاً ریل، موٹر وغیرہ کی زد میں آ کر مر جائے تو ایسا جانور بھی حرام ہے۔

نویں وہ جانور کہ جسے کسی درندے نے پھاڑ دیا ہو جس کے صدمہ سے وہ مر گیا ایسا جانور بھی حرام ہے۔

اِلّا ما ذکیتم، یہ ماقبل میں مذکور نو جانوروں سے استثناء ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مذکورہ جانوروں میں سے کسی کو

زندہ پالیا اور ذبح کرلیا تو وہ حلال ہے یہ استثناء اول چار قسموں سے متعلق نہیں ہے، اسلئے کہ مردار اور خون میں تو اس کا امکان ہی نہیں اور خنزیر اور مَا اُھِلَّ لغیر اللّٰہ اپنی ذات سے حرام ہیں، ان کا ذبح کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

دسویں استھانوں پر ذبح کیا ہوا جانور بھی حرام ہے، نُصُب ان پتھروں کو کہا جاتا ہے کہ جو دیوی دیوتاؤں کے نام پر نصب کئے جاتے ہیں اسی قسم کے ۳٦۰ پتھر کعبۃ اللہ کے اطراف میں نصب کئے ہوئے تھے زمانۂ جاہلیت میں مشرکین ان کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان کے پاس جانور لاکر ذبح کیا کرتے تھے موجودہ اصطلاح میں ان کو استھان اور آستانہ کہتے ہیں اور اس کو عبادت سمجھتے تھے۔

گیارہویں استقسام بالازلام تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنا، نزول قرآن کے وقت عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا خواہ سفر سے متعلق ہو یا شادی و بیاہ وغیرہ سے تو اس کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تیروں سے معلوم کرتے، کعبۃ اللہ میں دس تیر رکھے رہتے تھے ان میں سے بعض پر نعم اور بعض پر لا لکھا رہتا اور بعض خالی ہوتے جب کسی کو کسی اہم معاملہ میں فیصلہ مطلوب ہوتا تو وہ بیت اللہ کے خادم کے پاس جاتا اور اس کو اول کچھ نذرانہ پیش کرتا اس کے بعد قریش کے بت ہبل کی بندگی کے اقرار کے ساتھ چمڑے کے تھیلے میں جس میں وہ تیر رکھے رہتے تھے مجاور ہاتھ ڈال کر تیر نکالتا اگر نعم والا نکل آتا تو وہ اجازت کا اشارہ سمجھا جاتا اور اگر 'لا' والا نکل آتا تو یہ ممانعت کا اشارہ سمجھا جاتا، اور خالی نکل آتا تو وہ عمل مکرر کیا جاتا تا آنکہ نعم یا لا والا تیر نکل آتا۔

اِستقسام کی دوسری صورت یہ ہوتی کہ دس لوگ موٹی اور فربہ بکریاں خریدتے ان کو ذبح کرنے کے بعد ان کا گوشت یکجا کردیتے اس کے بعد تھیلے میں سے ہر شریک، ایک تیر نکالتا، ہر تیر پر مختلف حصے لکھے ہوتے تھے کل اٹھائیس ہوتے تھے اور بعض تیر خالی بھی ہوتے تھے تیروں کی کل تعداد دس ہوتی تھی جس کے حصے میں جو تیر آتا اس لکھے ہوئے حصہ کا وہ حقدار ہوتا اور بعض لوگوں کے حصہ میں خالی تیر نکلتا تو وہ گوشت سے محروم رہتا، اس کے علاوہ اور بھی قسمت آزمائی کی صورتیں تھیں جو کہ قمار ہی کی قسمیں تھیں۔

ذلك فسق ، یعنی قسمت آزمائی کا مذکورہ طریقہ فسق ہے، ذلكَ فسق ، کا مصداق صرف استقسام بالازلام بھی ہوسکتا ہے، اور ماقبل میں مذکور تمام ممنوعات بھی۔

الیومَ یئسَ الذین کفروا مِنْ دینکم ، الیوم سے مراد یوم فتح مکہ بھی ہوسکتا ہے اور مطلقا زمان حاضر بھی مراد ہوسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ آج کفار تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہوچکے ہیں اسلئے اب تم ان سے کوئی خوف نہ رکھو صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔

مایوس ہونے کا دوسرا مطلب:

جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا تو مشرکین مکہ کو یہ امید تھی کہ شاید اسلام کمزور اور ضعیف ہوجائے اور جو لوگ مسلمان ہوچکے ہیں وہ مرتد ہوکر واپس اپنے آبائی مذہب بت پرستی کی طرف پلٹ آئیں، فتح مکہ کے بعد مشرکین کی مذکورہ امید ناامیدی میں تبدیل

ہوگئی اسی کا ذکر مذکورہ آیت میں ہے، کہ مشرکوں کا خوف تو اب ختم ہوا مگر ہر ایماندار کو اللہ کا خوف دل میں رکھنا ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ سے نڈر ہوکر مسلمان کچھ ایسے کاموں میں مشغول ہو جائیں جن کی وجہ سے اللہ کی جو مدد مسلمانوں کے شامل حال ہے وہ موقوف ہو جائے جس کے نتیجے میں اسلام میں ضعف آجائے اور کافر غالب ہو جائیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں شیطان کے بہکانے سے بت پرستی جو پھیلی ہوئی تھی وہ تو ایسی گئی کہ اب شیطان اس سے مایوس ہوگیا، لیکن آپس میں لڑانے کے لئے شیطان کا اثر باقی ہے۔

دین مکمل کردینے سے کیا مراد ہے؟

دین کو مکمل کردینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظام فکر اور اس کو ایک ایسا مکمل نظام تہذیب وتمدن بنادینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت ورہنمائی حاصل کرنے کے لئے اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

الیوم اکملت لکم دینکم، یہ آیت بہت اہم موقع پر نازل ہوئی تھی ذوالحجہ کی ۹ تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا عصر کے بعد کا وقت تھا آپ حجۃ الوداع کے موقع پر دعاء میں مصروف تھے، گویا ہر لحاظ سے نہایت مبارک موقع تھا۔

یہ آیت ایک طرف بے انتہاء مسرت کا پیغام تھا دوسری طرف اس میں ایک غم کا پہلو بھی تھا، یعنی اس آیت میں اس بات کا کھلا اشارہ تھا کہ تکمیل دین ہوچکی اور صاحب نبوت کا فرض پورا ہو چکا، چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صرف ۳ ماہ بقید حیات رہے جب حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ آیت سنی تو بے اختیار رونے لگے آپ ﷺ نے حضرت عمر سے معلوم کیا عمر کیوں روتے ہو؟ عرض کیا جب تک دین مکمل نہ ہوا تھا ہمارے کمالات میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، اب تکمیل کے بعد اس کی گنجائش کہاں؟ اسلئے کے ہر کمال کے لئے زوال ہے آپ ﷺ نے فرمایا سچ ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہ کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے لیکر حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ تک کی شریعتوں کو ایک خوشنما مکان سے تشبیہ دیکر فرمایا کہ اس مکان میں ایک آخری اینٹ کی کسر تھی وہ آخری اینٹ میں ہوں کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔

احکامی آخری آیت:

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ، نزول کے اعتبار سے تقریباً آخری آیت ہے اس کے بعد احکام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اس کے بعد صرف چند آیتیں ترہیب وترغیب کی نازل ہوئیں، مذکورہ آیت نویں ذی الحجہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی اور ۱۱ھ بارہ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا۔

غیرَ متجانفٍ لاثمٍ، اسی مضمون کو سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳، فَمَنِ اضْطُرَّ غیرَ باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیه، میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، اس آیت میں حرام چیز کے استعمال کی اجازت تین شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے، ① یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو مثلاً بھوک یا پیاس کی وجہ سے جان بلب ہو گیا ہو یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہو اور اس حرام چیز کے علاوہ اور کوئی چیز میسر نہ ہو، ② دوسرے یہ کہ خدائی قانون کو توڑنے کی نیت نہ ہو، ③ تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرے مثلاً حرام چیز کے چند لقمے یا چند گھونٹ یا چند قطرے اگر جان بچا سکتے ہوں تو ان سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہونے پائے، احناف کے نزدیک مذکورہ آیت کا یہی مطلب ہے، مفسرؒ علام نے متجانف کی تفسیر قطاع الطریق اور باغی سے اپنے مسلکِ شافعی کے مطابق کی ہے۔

ربط آیات:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ، سابقہ آیات میں حلال وحرام جانوروں کا ذکر تھا اس آیت میں اسی معاملہ کے متعلق ایک سوال کا جواب ہے بعض صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے شکاری کتے اور باز سے شکار کرنے کا حکم دریافت کیا تھا اس آیت میں اس کا جواب مذکور ہے۔

شان نزول:

مستدرک حاکم، ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ابورافع کی شان نزول کی روایت ہے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے، اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت ﷺ کے پاس آکر دروازہ پر رک گئے، آنحضرت نے اس کا سبب معلوم کیا تو جواب دیا، جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے نہیں آتے، تلاش سے معلوم ہوا کہ گھر میں کتے کا ایک پلا (بچہ) تھا، آنحضرت نے اس کو نکلوا دیا اور کتوں کو مارنے کا حکم دیا اسی ذیل میں بعض صحابہ نے کتے کے شکار کا حکم آنحضرت سے دریافت کیا، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

شکاری جانور:

عام طور پر جو جانور شکاری کہلاتے ہیں وہ کتا، چیتا، باز، وغیرہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک ضروری ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کردے، اگر شکار کو زخمی نہ کیا محض پکڑا تھا اور وہ جانور مر گیا تو یہ جانور حلال نہ ہوگا، البتہ اگر زخم خوردہ ہو کر مر جائے تو حلال ہے۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک وہ تمام جانور شکاری بنائے جا سکتے ہیں جو چھاڑ کھانے والے شمار ہوتے ہیں خواہ ان کا تعلق پرندوں سے ہو یا درندوں سے امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے شیر اور بھیڑیئے کو شکاری جانوروں میں شمار نہیں کیا، امام احمد

بن حنبل رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے نزدیک مکمل سیاہ کتا بھی شکاری جانوروں میں شامل نہیں ہے، امام احمد بن حنبل کا مستدل حضرت عبداللہ بن مغفل رَضِیَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ کی حدیث ہے، (ابو داؤد، ترمذی، دارمی) ایک دوسری حدیث جس کو حضرت جابر رَضِیَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے روایت کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا ابتداء یہ حکم مطلق تھا، پھر آپ نے فرمایا کالا کتا جس کی پیشانی پر نشان ہو اس کو ہرگز نہ چھوڑو کیونکہ وہ شیطان ہوتا ہے۔

شکاری جانور کو سدھانے کے اصول:

پہلی اصل:

یہ ہے کہ جب تم شکاری جانور کو شکار کے پیچھے چھوڑو تو فوراً دوڑ پڑے اور جب روکو تو رک جائے اور شکار کر کے تمہارے پاس لے آئے یا اس کی حفاظت کے لئے اس کے پاس بیٹھا رہے بغیر مالک کی اجازت کے اس میں سے کھانے نہ لگے، اور باز، شکرہ وغیرہ شکاری پرندوں کے سدھا ہوا ہونے کی یہ علامت ہے کہ جب تم اس کو شکار کے پیچھے لگاؤ تو فوراً لگ جائے اور جب بلاؤ تو فوراً واپس آجائے اب ان شکاری جانوروں کا کیا ہوا شکار تمہارا کیا ہوا شکار سمجھا جائیگا، اور اگر سدھایا ہوا شکاری جانور کسی وقت اس تعلیم کے خلاف کرے، مثلاً کتا خود شکار کھانے لگے یا باز بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری اصل:

یہ ہے کہ شکاری جانور تمہارے چھوڑنے سے شکار کے پیچھے دوڑے نہ کہ از خود آیت مذکورہ میں مُکَلِّبِیْنَ سے اسی اصل کی طرف اشارہ ہے یہ تکلیب سے ماخوذ ہے جس کے معنی کتے کو سکھانا ہیں اب مطلقاً شکار کے پیچھے چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اَرْسَلْتُهٗ عَلَى الصید، کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تیسری اصل:

یہ کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگے (بشرطیکہ شدید بھوکا نہ ہو) مِمَّا اَمْسَكْ علیکم سے اسی شرط کا بیان ہے۔

چوتھی اصل:

چوتھی شرط یہ کہ شکار کو جب شکار کے پیچھے چھوڑا ہو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو، مذکورہ چاروں شرطیں پوری کرنے کے بعد اگر شکار کو تمہارے پاس لانے یا تمہارے شکار کے پاس پہنچنے سے پہلے وہ شکار مر جائے تو حلال ہے ورنہ بغیر ذبح حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: بعض فقہاء کے نزدیک کتے پر قیاس کرتے ہوئے شکاری پرندے کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ شکاری پرندے نے شکار میں سے کچھ کھایا نہ ہو مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک پرندے کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے ذبح کرنے کیلئے مثلاً ایک بکری لٹائی اس پر بسم اللہ پڑھی اور معاً اس کو چھوڑ کر دوسری بکری ذبح کر ڈالی از سر نو بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ دوسری بکری حلال نہ ہوگی، اور اگر بکری تو وہی رہی مگر چھری بدل دی تو ذبح کردہ بکری حلال رہے گی۔

مسئلہ: اگر ایک شخص نے بسم اللہ پڑھکر ایک شکار پر تیر چلایا لیکن وہ تیر دوسرے شکار کو لگا یہ شکار حلال ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے تیر نکالا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر معاً تیر بدل کر اسی پہلے شکار پر دوسرا تیر چلایا اور از سر نو بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ شکار حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ ایک بغیر سدھایا ہوا کتا بھی شکار کرنے میں شریک ہوگیا یا کسی غیر مسلم کا کتا شکار کرنے میں شامل ہوگیا ان تمام صورتوں میں شکار بغیر ذبح کئے حلال نہ ہوگا۔

متفرق مسائل:

مسئلہ: حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام درندے جانور حرام ہیں۔

مسئلہ: حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بلّی کا گوشت کھانے اور اسے بیچ کر قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ: بجو اور لومڑی امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک حرام۔ امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک مکروہ اور امام شافعی کے نزدیک حلال ہے، زمین کے تمام جانور اور کیڑے مکوڑے حرام ہیں، اس سلسلہ میں امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے علاوہ باقی تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: گوہ، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک حرام ہے، باقی تین ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔

مسئلہ: ٹڈی امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے علاوہ باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے، خواہ مری ہوئی ملے یا ماری جائے۔ امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک ایسی ٹڈی مکروہ ہے جو مری ہوئی ملے۔

مسئلہ: گدھا اور خچر امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے سوا باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حرام ہے۔

مسئلہ: گھوڑے کا گوشت امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی امام محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور بیشتر ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک مناسب نہیں ہے۔

مسئلہ: گدھ اور اس جیسے وہ تمام پرندے جو مُردار کھاتے ہیں، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک مکروہ اور باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حرام ہیں۔

مسئلہ: پانی کے جانوروں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سمندری خنزیر کے علاوہ باقی سب حلال ہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مینڈک اور مگرمچھ کے علاوہ باقی سب بحری جانور حلال ہیں، البتہ مچھلی کے علاوہ جانور امام موصوف کے نزدیک ذبح کرنے سے حلال ہوں گے۔

مسئلہ: جو مچھلی مرنے کے بعد پانی پر تیرتی ہوئی ملے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔ (ہدایة القرآن)

مسئلہ: خرگوش اور مرغی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔

ایک اصولی ضابطہ:

سابق آیات میں حلال وحرام کی جزئیات کو بیان کرنے کے بعد اب الیوم اُحِلّ لکم الطیبٰت الخ میں ایک اصولی ضابطہ بیان کیا جارہا ہے جس سے حرام چیزوں کو حلال چیزوں سے بآسانی ممتاز کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ حلال اور حرام اشیاء کی ایک لمبی فہرست ہے جن کا شمار کرنا آسان نہیں ہے، سابقہ آیت میں غور کرنے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اشیاء میں اصل حلّت ہے حرمت عارض ہے جب تک کسی شئی کی حرمت کی صراحت یا مصرح کی علت نہ پائی جائے حرام نہ ہوگی، بخلاف زمانہ جاہلیت کے کہ ان کے یہاں اس کا عکس تھا کہ ہر شئی میں حرمت اصل ہے الا یہ کہ اس کی حلت صراحت سے معلوم ہوجائے۔

الیوم اُحِلّ لکم الطیّبٰت، میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے لئے صاف ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں مطلب یہ ہے کہ پاکیزہ چیزیں جسطرح تمہارے لئے پہلے سے حلال تھیں آئندہ بھی حلال رہیں گی اب ان میں تبدیل وتنسیخ کا احتمال ختم ہوگیا اس لئے کہ نسخ وتغیر وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے اور اب وحی کا سلسلہ موقوف ہونے جارہا ہے لہٰذا اب ردوبدل کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں۔

ایک دوسری آیت ویُحرم علیھم الخبائث میں گندی چیزوں کو حرام کرنے کا بیان ہے یعنی تمہارے لئے گندی اور قابل نفرت چیزوں کو حرام کیا جاتا ہے، لغت میں طیّبات صاف ستھری اور مرغوب چیزوں کو کہا جاتا ہے اور خبائث اس کے بالمقابل گندی اور قابل نفرت چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے، آیت کے اس جملہ نے یہ بتادیا کہ جتنی چیزیں صاف ستھری مفید اور پاکیزہ ہیں وہ انسان کے لئے حلال کی گئیں اور جو گندی قابل نفرت اور مضر چیز ہیں وہ حرام کی گئی ہیں، وجہ یہ ہے کہ انسان دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ اس کا مقصد زندگی دنیا میں کھانے، پینے، سونے جاگنے اور جینے مرنے تک محدود ہو، اس کو قدرت نے مخدوم کائنات کسی خاص مقصد سے بنایا ہے اور وہ مقصد پاکیزہ اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اسی لئے بداخلاق انسان درحقیقت انسان کہلانے کے قابل نہیں، اسی لئے قرآن کریم نے ایسے انسانوں کے لئے "بل ھم اضل" فرمایا یعنی ایسے لوگ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، جب انسان کی انسانیت کا مدار اصلاح اخلاق پر ہے تو ضروری ہے کہ جتنی چیزیں انسانی اخلاق کو گندہ اور خراب کرنے والی ہیں ان سے اس کا مکمل پرہیز کرایا جائے، اسی لئے کھانے پینے کی ساری چیزوں میں احتیاط کو لازمی

قرار دیا گیا، چوری، ڈاکہ، رشوت، سود، قمار وغیرہ کی حرام آمدنی جس کے بدن کا جزء بنے گی وہ لازمی طور پر اس کو انسانیت سے دور اور شیطنت سے قریب کردے گی۔

اسی لئے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا "یٰآیّھا الرسل کلوا مِنَ الطیبٰت و اعملوا صالحًا" کیونکہ اکل حلال کے بغیر عمل صالح متصور نہیں۔

طیبٰت اور خبائث کا معیار:

اب رہی یہ بات کہ کونسی چیزیں طیب یعنی صاف ستھری مفید اور مرغوب ہیں اور کونسی خبائث یعنی گندی، مضر اور قابل نفرت ہیں، اس کا اصل فیصلہ طبائع سلیمہ کی رغبت ونفرت پر ہے، یہی وجہ ہے کہ جن جانوروں کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے ہر زمانہ کے سلیم الطبع انسان ان کو گندہ اور قابل نفرت سمجھتے رہے ہیں جیسے مردار جانور، خون البتہ بعض چیزوں کا خبث مخفی ہوتا ہے، ایسی چیزوں میں انبیاء علیہم السلام کا فیصلہ سب کے لئے حجت ہوتا ہے، اس لئے کہ افراد انسانی میں سب سے زیادہ سلیم الطبع انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہی ہوتے ہیں، اسلئے کہ وہ اللہ رب العزت کے خصوصی تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی نگرانی پر مامور ہوتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر خاتم الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے عہد مبارک تک ہر پیغمبر نے مردار جانور اور خنزیر وغیرہ کی حرمت کا اپنے اپنے زمانہ میں اعلان فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمایا ہے کہ جتنے جانور شریعت اسلام نے حرام قرار دیئے ہیں اگر ان میں غور کیا جائے تو وہ سمٹ کر دو اصولوں کے تحت آجاتے ہیں، ایک یہ کہ کوئی جانور اپنی فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے خبیث ہو، دوسرے یہ کہ اس کے ذبح کرنے کا طریقہ غلط ہو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ذبیحہ مردار قرار پائیگا۔

سورۂ مائدہ کی تیسری آیت میں جن نو چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے ان میں خنزیر قسم اول میں داخل ہے باقی آٹھ قسم دوم میں، قرآن کریم نے "ویحرم علیھم الخبائث" میں اجمالی طور پر خبیث جانوروں کے حرام ہونے کا ذکر فرمایا، اور چند چیزوں کی حرمت کی صراحت کے بعد باقی چیزوں کی حرمت کا بیان رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرمادیا۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت اور مناکحت کی اجازت میں مناسبت اور حکمت:

وَالمحصنٰتِ مِن المؤمنات والمحصنٰتِ من الذین اُوتوا الکتابَ من قبلکم اِذَا آتیتموھن اُجورھُنّ،

ابھی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت کا ذکر تھا، اس کے معاً بعد کتابیہ سے نکاح کی حلت کا ذکر ہے مناسبت ظاہر ہے کہ جسطرح مواکلت طبعی ضرورت ہے مناکحت بھی انسان کی طبعی خواہش ہے لہٰذا دونوں کو یکجا ذکر کرنا عین باہمی مناسبت کا تقاضہ ہے۔

سَوَال: اہل کتاب کے ذبیحہ کا مسلمانوں کے لئے حلال ہونے کا بیان سمجھ میں آتا ہے اسلئے کہ مسلمان قرآنی احکام کے

مکلف ہیں مگر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے حلال ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اسلئے کہ اہل کتاب تو قرآنی احکام کے مکلف ہی نہیں۔

جواب: ایک جواب تو یہ ہے کہ دراصل یہ حکم بھی مسلمانوں ہی کو ہے اسلئے کہ اگر مسلمانوں کا کھانا (ذبیحہ) اہل کتاب کے لئے حرام ہوتا تو کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہ ہوتا کہ کسی اہل کتاب کو اپنا ذبیحہ کھلائے اور اگر کھلاتا تو گنہگار رہوتا مسلمانوں کے ذبیحہ کو اہل کتاب کیلئے حلال کر کے بتادیا کہ اگر مسلمان اہل کتاب کو اپنا ذبیحہ کھلادے تو گنہگار نہ ہوگا، لہذا مسلمان اپنی قربانی کا گوشت کتابی کو دے سکتے ہیں، اگر مذکورہ حکم نہ ہوتا تو کتابی کو اہل اسلام کے ذبیحہ کا گوشت دینا جائز نہ ہوتا۔

دوسرا جواب: جب نص قرآنی کی رو سے مسلمان کے لئے کتابیہ سے نکاح جائز ہے تو یہ ضروری تھا کہ ذبیحہ کی حلت طرفین سے ہو ورنہ تو ازدواجی زندگی میں نہایت دشواری پیش آتی اسلئے کہ مسلمان کا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے حلال نہ ہونے کی صورت میں معاشرتی دشواریاں ازدواجی زندگی میں پیچیدگیاں پیدا ہوتیں یا تو اہل کتاب کے ذبیحہ پر اکتفاء کرنا پڑتا جو دونوں کیلئے حلال تھا یا پھر دونوں کے لئے دو ہانڈیاں الگ الگ پکانی ہوتیں جو کہ ایک امر دشوار ہے۔

سوال: قرآنی نص سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیہ عورت مسلمان کیلئے حلال ہے مگر مومنہ کتابی کیلئے حلال نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس میں حکمت یہ ہے کہ مسلمان چونکہ تمام انبیاء سابقین پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں اور ان کا احترام سے نام لیتے اور ان کے نام کیلئے علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لازمی جز سمجھتے ہیں لہٰذا اگر کوئی کتابیہ مسلمان کے نکاح میں ہوگی تو وہ روزمرہ کی زندگی میں اپنے نبی کا نام ادب واحترام سے سنے گی جس سے موافقت وانسیت میں اضافہ ہوگا اور ازدواجی زندگی کی ہم آہنگی کو تقویت حاصل ہوگی اس کے برخلاف اہل کتاب چونکہ نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں ہیں لہذا وہ آپ ﷺ کا اسم گرامی احترام نبوت کے ساتھ نہ لیں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں بعض اوقات ہتک آمیز کلمات استعمال کریں جن کو سنکر ایک مسلمان عورت جو کسی کتابی کے نکاح میں ہو کبیدہ خاطر ہو، اس کا لازمی اور غیر مختلف نتیجہ یہ ہوگا کہ موافقت کے بجائے ناموافقت اور انس ومحبت کے بجائے نفرت وعداوت پیدا ہوجائے جس کے نتیجے میں زندگی کا گلستانِ محبت وادی پُر خار بن جائے۔

کتابیات سے نکاح کے بارے میں ائمہ کا اختلاف:

مسلمات اور کتابیات کے درمیان اصلاً قدر مشترک سلسلہ وحی ونبوت پر ایمان ہے، یہود ونصاریٰ کے اعمال فاسقانہ ہوں یا عقائد غالیانہ بہرحال اصلاً یہ لوگ توحید کے قائل اور سلسلہ وحی ونبوت کے ماننے والے ہیں، اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوان اہم ترین ہیں البتہ یہ خیال رہے کہ نصرانیت موجودہ یوروپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں ہے۔

کتابیہ سے نکاح بالکل جائز ہے نفس جواز نکاح میں کوئی گفتگو نہیں ہے اور نص کی موجودگی میں گفتگو کی گنجائش بھی نہیں ہوسکتی، البتہ فقہاء نے مفاسد پر نظر کرتے ہوئے اور مصلحت شرعی کا لحاظ رکھتے ہوئے فتویٰ یہ دیا ہے کہ بلاضرورت شدیدہ ایسے نکاحوں سے بچنا چاہئے۔

یَجُوزُ تزوج الکتابیات والاولیٰ ان لا یفعل، (فتح القدیر) وصح نکاح الکتابیة و اِنْ کرہ تنزیھًا، (درمختار) البتہ کتابیہ حربیہ کے نکاح کی کراہت میں شبہ نہیں، تکرہ الکتابیة الحربیة اجماعًا لا فتتاح باب الفتنة (فتح القدیر) حنفیہ کے اس قول کا ماخذ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ایک اثر ہے جس میں آپ نے کتابیہ مقیم دار الحرب سے نکاح پر کراہت ظاہر فرمائی ہے۔ (مسبوط)

علامہ شامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ غیر حربیہ سے نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور حربیہ سے مکروہ تحریمی۔ (ردالمحتار)

جمہور کا مسلک:

جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک اگرچہ از روئے نص قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے از روئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گے ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا، حضرت فاروق اعظم کو جب اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو، حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے، تو اس کے جواب میں امیر المؤمنین فاروق اعظم نے لکھا، میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتیں عام طور پر عفیف اور پاکدامن نہیں ہوتیں اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں آپ لوگوں کے گھرانوں میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے، اور امام محمد بن حسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو روایتِ امام ابوحنیفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظم نے جب حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خط لکھا تو اس کے الفاظ مندرجہ ذیل تھے۔

اعزم عَلَیْكَ أن لا تَضَع کتابی هذا حتّٰی تخلّی سبیلها فانی اخاف ان یقتدیكَ المسلمون فیختا روا لنساءَ اهل الذمة لجمالهِنّ و کفی بذلك فتنة لِنساء المسلمین. (کتاب الآثار، معارف)	یعنی تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دیکر آزاد کردو، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہاری اقتداء کریں گے اور اہل ذمہ (اہل کتاب) کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں تو مسلمان عورتوں کے لئے اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی۔

فاروق اعظم کی نظر دوربین:

فاروق اعظم کا زمانہ تو خیر القرون کا زمانہ تھا، اس وقت اس کا احتمال بہت کم تھا کہ کوئی یہودی یا نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کر سکے، اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان کے ذریعہ ہمارے گھروں میں بدکاری نہ داخل ہو جائے جس کی وجہ سے ہمارے گھر گندے ہو جائیں، یا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں، جس کے نتیجے میں مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں، مگر فاروقی نظروں نے اتنے ہی نتائج کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کیا، اگر آج کا نقشہ اور صورت حال ان کے سامنے ہوتی تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔

اول تو آج یہودیوں اور مسیحیوں کی بہت بڑی تعداد مردم شماری کے رجسٹروں میں تو یہود اور نصاریٰ ہیں مگر حقیقت میں وہ بے دین لامذہب دھریئے ہیں یہودیت اور نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں نہ ان کا ایمان تورات پر ہے اور نہ انجیل پر، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمانوں کیلئے کس طرح حلال ہو سکتی ہیں اور بالفرض وہ اپنے مذہب کی پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانے میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لئے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں اور ہو رہی ہیں جن کے عبرتناک انجام آئے دن آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال و حرام سے قطع نظر بھی کوئی سمجھدار ذی ہوش انسان اس کے قریب جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

محصنٰت کے معنی:

مذکورہ آیت میں دو جگہ محصنٰت کا لفظ آیا ہے جس کے معنی عربی لغت نیز عرف و محاورہ کے اعتبار سے دو ہیں ایک آزاد جو باندی کے بالمقابل ہے علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے یہی معنی مراد لئے ہیں دوسرے عفیف و پاکدامن لغت کے اعتبار سے یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے یہ معنی مراد لئے ہیں، پہلے معنی کی رو سے مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے اہل کتاب کی آزاد عورتیں حلال ہیں باندیاں نہیں مجاہد نے یہاں یہی معنی مراد لئے ہیں، مگر جمہور علماء نے دوسرے معنی، یعنی عفیف مراد لئے ہیں جسطرح عفیف و پاکدامن مومن عورت سے نکاح افضل و اولیٰ ہے گو غیر عفیف سے نکاح جائز ہے یہی مطلب اہل کتاب کی عفیفاؤں کے بارے میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اَیْ اَرَدْتُمُ الْقِيَامَ **اِلَى الصَّلٰوةِ** وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ **فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ** اَیْ مَعَهَا كَمَا بَيَّنَتْهُ السُّنَّةُ **وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ** اَلْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ اَیْ اَلْصِقُوا الْمَسْحَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اِسَالَةِ مَاءٍ وهو اِسْمُ جِنْسٍ فَيَكْفِیْ اَقَلُّ مَا يَصْدُقُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَسْحُ بَعْضِ شَعْرِهٖ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِیُّ

وَاَرْجُلَكُمْ بالنصب عطفًا على أيدِيكم والجرّ على الجوارِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اي معهما كما بيّنته السنّة وهما العظمان الناتيان في كلّ رجلٍ عند مفصل الساق والقدم والفصل بين الايدى والارجل المغسولة بالرأس الممسوح يفيد وجوب الترتيب في طهارة هذه الاعضاء وعليه الشافعيّ ويؤخذ من السنّة وجوب النيّة فيه كغيره من العبادات وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا فاغتسلوا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى مرضًا يضرّه الماءُ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اى مسافرين اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اى احدث اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ سبق مثله في اٰية النساء فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً بعد طلبه فَتَيَمَّمُوْا اقصدوا صَعِيْدًا طَيِّبًا ترابًا طاهرًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مع المرافق مِّنْهُ بضربتين والباءُ للالصاق وبيّنت السنّة انّ المرادَ استيعابُ العضوين بالمسح مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ضيق بما فرض عليكم من الوضوء والغسل والتيمم وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ من الاحداث والذنوب وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ببيان شرائع الدين لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٦﴾ نعمه وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بالاسلام وَمِيْثَاقَهُ عهده الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ عاهدكم عليه اِذْ قُلْتُمْ للنبيّ صلى الله عليه وسلم حين بايعتموه سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا في كلّ ما تأمر به وتنهى ممّا نحبّ ونكره وَاتَّقُوا اللّٰهَ في ميثاقه ان تنقضوه اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾ بما في القلوب فبغيره اولى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ قائمين لِلّٰهِ بحقوقه شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ بالعدل وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ يحملنّكم شَنَاٰنُ بغض قَوْمٍ اى الكفار عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا فتنالوا منهم لعداوتهم اِعْدِلُوْا في العدوّ والوليّ هُوَ اى العدل اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ فيجازيكم به وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وعدًا حسنًا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٩﴾ هو الجنّة وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ هم قريش اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ ليفتكوا بكم فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وعصمكم ممّا ارادوا بكم وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کے لئے اٹھو یعنی اٹھنے کا ارادہ کرو حال یہ کہ تم بے وضو ہو تو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھولیا کرو یعنی مع کہنیوں کے، جیسا کہ اس کو سنت نے بیان کیا ہے، اور سروں پر ہاتھ پھیرلیا کرو باء الصاق کے لئے ہے، یعنی مسح کو سروں سے بغیر پانی بہائے متعلق کرو مسح اسم جنس ہے لہٰذا جس پر مسح صادق آئے اس کا کم سے کم کافی ہے، اور وہ سر کے بعض بالوں کا مسح ہے اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے اور ٹخنوں سمیت پیر دھولیا کرو جیسا کہ سنت نے بیان کیا ہے (اَرْجُلَکم) نصب کے ساتھ ہے اَیْدِیَکم پر عطف کرتے ہوئے اور جر پڑوس کی رعایت کی

وجہ سے ہے، اور (کعبین) دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں ہر پیر میں پنڈلی اور قدم کے جوڑ کے مقام پر، اور ہاتھ اور پیر اعضاء مغسولہ کے درمیان اس ممسوح کا فصل ان اعضاء کی طہارت میں وجوب ترتیب کا فائدہ دیتا ہے، اور یہی امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ کا مذہب ہے اور وجوب وضوء میں نیت دیگر عبادات کے مانند سنت (انما الاعمال بالنیات) سے ماخوذ ہے اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح طہارت حاصل کرلیا کرو، یعنی غسل کرلیا کرو اور اگر تم کو مرض ہو ایسا مرض کہ جس میں پانی مضر ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت سے آیا ہو یعنی حدث کیا ہو، یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو، اور جستجو کے باوجود پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو (یعنی مٹی سے کام لو) تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت مسح کرو مٹی پر دو ضرب لگا کر، اور باء الصاق کے لئے ہے، اور سنت نے یہ بات واضح کردی ہے کہ دونوں اعضاء کے مسح سے مراد استیعاب بالمسح ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر وضوء اور غسل اور تیمّم فرض کرکے تمہارے لئے کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو حدث سے اور گناہوں سے پاک کرے، اور دین کے قوانین بیان کرکے تمہارے اوپر اپنی نعمت تام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور تم اپنے اوپر نعمت اسلام کو یاد کرو اور اپنے اس عہد کا خیال رکھو جو اس نے تم سے اس وقت لیا کہ جب تم نے نبی سے بیعت کرتے وقت کہا تھا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا، ہر اس بات میں جس کا آپ حکم فرمائیں اور منع فرمائیں، خواہ ہم پسند کریں یا ناپسند کریں، اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کے بارے میں نقض عہد کرنے سے اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے واقف ہے، تو اس کے علاوہ سے بطریق اولیٰ واقف ہے، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے اس کے حقوق کے ساتھ راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ انصاف نہ کرو، کہ تم ان سے دشمنی کی وجہ سے ان سے اپنا مقصد حاصل کرو، دوست و دشمن ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو اور عدل خدا ترسی کے زیادہ مناسب ہے اللہ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دیگا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اچھا وعدہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے اور وہ جنت ہے، اور جو لوگ کفر کریں اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں تو وہ جہنمی ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تمہارے اوپر کیا ہے جب ایک قوم یعنی قریش نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں تاکہ تم کو نقصان پہنچائیں (قتل کریں) مگر اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تمہارے اوپر اٹھنے سے روک دیا اور تم کو اس سے محفوظ رکھا جس کا وہ تمہارے ساتھ کرنے کا ارادہ کرچکے تھے، اللہ سے ڈرتے رہو ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای اَرَدتُّمُ القِیَامَ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اِذا قُمتم الی الصلوٰة فاغسِلوا وجوهَکم، سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت شروع فی الصلوٰۃ کے بعد واجب

ہے حالانکہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی طہارت کا ہونا ضروری ہے۔

جَوَابُ: یہ ہے کہ اِذَا قمتم کا مطلب ہے اِذَا اَرَدتم القیامَ، یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو طہارت حاصل کرو۔

سَوَال: قمتم بول کر اردتم کا ارادہ کس مناسبت سے ہے اس میں کونسا علاقہ ہے؟

جَوَابُ: مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے ارادہ چونکہ قیام کا سبب ہے اور قیام مسبب ہے، لہٰذا یہاں قیام بول کر ارادہ مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَنْتُمْ مُحْدِثُونَ، یہ اضافہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی قیام الی الصلوٰۃ کا ارادہ ہو تو طہارت حاصل کرنا ضروری ہے خواہ پہلے سے طہارت حاصل ہو یا نہ ہو؟

جَوَابُ: وضوء اسی وقت ضروری ہے کہ جب طہارت نہ ہو، اسی پر علماء کا اتفاق ہے، مگر ہر نماز کے لئے تازہ وضوء کرنا بہتر ہے۔

قَوْلُہٗ: المَرَافِق، یہ مرفق میم کے کسرہ اور فاء کے زبر کے ساتھ ہے اس میں ایک لغت میم کے فتحہ اور فاء کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے، اس جوڑ کو کہتے ہیں جو بازو اور پہنچے کے درمیان ہوتا ہے جس کو اردو زبان میں کہنی کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَلْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ بعض حضرات نے کہا ہے کہ با زائدہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تبعیض کے لئے ہے، ابن ہشام اور زمخشری نے کہا ہے کہ الصاق کے لئے ہے یعنی مسح کو خواہ پورے سر کا ہو یا بعض کا سر سے متعلق کردو، امام مالک اور احمد نے احتیاطاً استیعاب کو واجب کہا ہے اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اقل مقدار کو واجب کہا ہے اسلئے کہ یہ یقینی مقدار ہے، اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ربع رأس کا مسح واجب قرار دیا ہے اور دلیل آپ ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں وارد ہوا ہے، "اَنَّہٗ مسح علی الناصیۃِ، الناصیۃ مقدم الراس وھو بقدر ربع الرأس".

قَوْلُہٗ: بِالنَّصْبِ، اَرْجلکم، میں دو قراءتیں ہیں لام کے فتحہ کے ساتھ یہ نافع اور ابن عامر اور کسائی اور حفص کی عاصم سے۔

قَوْلُہٗ: بِالْجَرِّ یہ باقی قراء سبعہ کی ہے، اسی اختلاف قراءت کی وجہ سے پیروں کے دھونے یا مسح کرنے کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہوا ہے، اہل سنت کے نزدیک صرف غسل ہی واجب ہے اور اہل تشیع کے نزدیک مسح ہی ضروری ہے اور داؤد بن علی اور فرقۂ زیدیہ میں سے ناصر للحق دونوں کے درمیان جمع کے قائل ہیں۔

قَوْلُہٗ: والجرِّ للجوار، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: بہت سے قراء "ارجلکم" میں لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جر کی قراءت کی صورت میں رؤسکم پر عطف ہونے کی وجہ سے مسح کا حکم ہوگا حالانکہ یہ مذہب خوارج اور اہل تشیع کا ہے جو کہ سنت رسول اور سنت صحابہ کے عمل کے خلاف ہے۔

جَوَابُ: حاصل جواب یہ ہے کہ اَرْجُلِکم کسرۂ لام رعایت جوار کی وجہ سے ہے نہ کہ عطف علی المجرور کی وجہ سے اور اس کی مثالیں قرآن اور غیر قرآن میں بکثرت ہیں۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

اوپر کی آیات میں انسان کی راحت کی حلال چیزوں کا ذکر تھا، جو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے لہذا انسان پر لازم ہے کہ منعم کا شکر گذار ہو، اور شکر گذاری کا ایک طریقہ نماز ہے اور نماز کے لئے طہارت ضروری ہے، اور طہارت کے لئے طریقۂ طہارت کا جاننا ضروری ہے اسی واسطے مذکورہ آیت میں نماز کے بیان کے ساتھ طہارت کا طریقہ بھی بیان فرمایا۔

جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور بے وضو یا بے غسل ہو تو وضو یا غسل کر کے طہارت حاصل کرلے اور اگر پانی دستیاب نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو اس صورت میں تیمّم کرے وضوء اور جنابت سے طہارت حاصل کرنے کیلئے تیمّم ایک ہی طرح ہوگا، اگر پہلے سے وضو ہو تو وضوء کرنا ضروری نہیں ہے البتہ مستحب ہے، ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہیں، صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے ایک وضوء سے چند نمازیں پڑھیں، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا کہ ایک وضوء سے چند نمازیں پڑھنا آپ کی عادت شریفہ نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ کام قصداً کیا ہے، آپ ﷺ کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ اگر چہ ہر نماز کے لئے تازہ وضوء بہتر ہے مگر ایک وضوء سے چند نمازیں پڑھنا بھی جائز ہے گویا آپ نے مذکورہ عمل بیان جواز کے لئے فرمایا۔

وضوء میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک فرض ہے دیگر علماء اس کو سنت کہتے ہیں اسی طرح ڈاڑھی کے بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانے کو بعض علماء فرض کہتے ہیں مگر اکثر علماء اس کو بھی سنت کہتے ہیں۔

کہنیاں غسل یدین میں داخل ہیں یا نہیں؟

ہاتھوں کا مع کہنیوں کے دھونا ضروری ہے سوائے امام زفر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے، حضرت جابر کی روایت جس کو دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ دھوتے وقت کہنیوں کو بھی دھویا، اس حدیث کو اگر چہ منذری اور ابن صلاح وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن صحیح مسلم میں ابوہریرہ کی حدیث مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے مونڈھے تک اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا، اس حدیث سے جمہور علماء کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ کہنیاں غسل یدین میں داخل ہیں بلکہ اجر کے لحاظ سے اس سے بھی کچھ بڑھانا چاہئے، چنانچہ ابوہریرہ کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مونڈھوں تک ہاتھ دھو کر فرمایا کہ قیامت کے دن وضوء کے اعضاء میں اللہ کی قدرت سے ایک چمک پیدا ہوگی اس لئے جس سے ہو سکے اپنی اس چمک کو بڑھائے۔

مذکورہ حدیث پر اعتراض:

بعض علماء نے ابو ہریرہ کے اس فعل پر اعتراض کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل عمرو بن شعیب کی اس حدیث کے خلاف ہے کہ جو مسند امام احمد، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص وضو میں تین دفعہ کی حد سے بڑھا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا''۔

مذکورہ اعتراض کا جواب:

مذکورہ اعتراض کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ عمرو بن شعیب کی اس حدیث میں وضوء کے اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے اس لئے اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص تین دفع دھونے کی حد سے بڑھا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ اور عمرو بن شعیب کی حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اسلئے کہ عمرو بن شعیب کی روایت میں تعداد میں حد سے بڑھنے کی ممانعت ہے اور ابو ہریرہ کی روایت میں مقدار میں زیادتی کی سفارش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ابو ہریرہ اس روایت میں تنہا ہیں کسی اور صحابی سے یہ روایت مروی نہیں ہے، مگر یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی صحیح روایتوں میں یہ فعل حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی موجود ہے۔

سر کا مسح اور ائمہ کا اختلاف:

وضوء میں سر کا مسح فرض ہے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چوتھائی سر کا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم سے کم حصے کا مسح کر لینے سے بھی فرض ادا ہو جائیگا، ان دونوں حضرات کے نزدیک پورے سر کا مسح بہتر ہے۔

پاؤں دھونے کے سلسلہ میں شیعہ حضرات کے علاوہ امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، شیعہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ پیروں پر مسح فرض ہے نہ کہ دھونا۔ (تفسیر هداية القرآن)

وَاِنْ کنتم جنبًا فاطّهّروا، جنابت خواہ مباشرت سے ہو یا بیداری وخواب میں خروج منی سے دونوں صورتوں میں غسل واجب ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے سورۂ نساء کی آیت ۴۳ ملاحظہ کریں)۔

یٰاَیُّها الذین آمنوا کونوا قوامین لِلّٰه شهداء بالقسط (الآیة) پہلے کی تشریح سورۂ نساء کی آیت نمبر (۱۳۵) میں اور دوسرے جملے کی سورۃ المائدہ کے آغاز میں گذر چکی ہے۔

عادلانہ گواہی کی اہمیت:

نبی کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ، حضرت نعمان بن بشیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا اس عطیہ پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہ بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو، اور فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

یٰاَیھا الذین آمنوا اذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اِذھم قوم، (الآیة) اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کئے ہیں مثلاً کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے خلاف سازش کر کے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے بروقت آپ کو بذریعہ وحی سازش کی اطلاع فرمادی آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، بعض نے کہا ہے کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے دو عامری شخصوں کا قتل ہو گیا تھا ان کی دیت کی ادائیگی میں حسب معاہدہ بنونضیر سے تعاون لینا تھا اسی سلسلہ میں آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے تھے، اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے، یہود نے سازش کر کے اوپر سے ایک پتھر گرا کر آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی تھی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس سازش کی اطلاع دیدی، ایک تیسرا واقعہ نزول آیت کے بارے میں غوث بن حارث کا نقل کیا ہے، جس کو عبدالرزاق نے حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے اپنی تفسیر میں اس آیت کا شان نزول قرار دیا ہے، اس کی سند معتبر ہے۔

غوث بن حارث کا واقعہ:

امام بخاری نے حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع کے لئے جاتے وقت درختوں کے سایہ میں ہم لوگ ٹھہر گئے حضرت جابر کہتے ہیں کہ میری آنکھ لگ گئیں اور دیگر ساتھی بھی سو گئے، آنحضرت بھی اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا کر استراحت فرمانے لگے، غوث بن حارث نے چپکے سے آکر آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور تلوار سونت کر آپ سے کہنے لگا اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ، ابن اسحٰق کی روایت میں اتنا مزید ہے کہ حضرت جبرئیل نے آکر غوث کے سینہ پر ایک تھپکی ماری جس پر تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار اُٹھالی اور غوث بن حارث سے پوچھا اب تجھ کو کون بچا سکتا ہے اس نے کہا کوئی نہیں آپ نے اس کو معاف کر دیا، واقدی نے اس واقعہ میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ غوث اس واقعہ کو دیکھکر مسلمان ہو گیا اور اس کے واسطہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی، اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ احسان فرمایا کہ آپ کو ایک دشمن کے حملے سے بچالیا پھر اس احسان میں امت کو شریک فرما کر یہ آیت اس تنبیہ کے ساتھ نازل فرمائی کہ امت کی ہدایت کے لئے رسول کا آنا ایک بڑا احسان ہے۔ (احسن تفاسیر)

لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ بِمَا يُذْكَرُ بَعْدُ وَبَعَثْنَا فيه اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اَقَمْنَا
هُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ مِن كُلِّ سِبْطٍ نَقِيبٌ يَكُونُ كَفِيلاً على قومِهِ بالوَفاءِ بالعَهْدِ تَوْثِقَةً عليهم وَقَالَ
هم اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ بالعَوْنِ والنَّصْرِ لَىِٕنْ لامُ قسمٍ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ
سُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ نَصَرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا بالاِنْفاقِ في سَبِيلِهِ لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ
يِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الميثاقِ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ
سَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ اَخْطَأَ طَرِيقَ الحقِّ والسَّواءُ في الاصلِ الوَسَطُ فنَقَضُوا الميثاقَ قالَ تعالىٰ فَبِمَا نَقْضِهِمْ ما
ئِدَةٌ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ اَبْعَدْنَاهم مِن رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ لا تَلِيْنُ لِقَبُولِ الايمانِ
حَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ الذي في التَّوْرٰةِ مِن نَعْتِ محمدٍ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ التي
ضَعَهُ اللّٰهُ عليها اي يُبَدِّلُوْنَهُ وَنَسُوْا تَرَكُوا حَظًّا نَصِيباً مِّمَّا ذُكِّرُوْا اُمِرُوْا بِهٖ ۚ في التَّورٰةِ مِن اِتِّبَاعِ محمدٍ
لَاتَزَالُ خِطَابٌ للنبيِّ صلى الله عليه وسلم تَطَّلِعُ تَظْهَرُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ اي خِيانةٍ مِّنْهُمْ بنَقْضِ العَهْدِ وغيرِهِ
لَا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ مِمَّن اَسْلَمَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾ هذا مَنْسُوخٌ بايةِ
سَّيفِ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى مُتَعَلِّقٌ بقَولِهِ اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ كَمَا اَخَذْنَا على بني اسرائيلَ
يهودِ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ في الانجيلِ مِن الايمانِ وغيرِهِ ونَقَضُوا المِيثاقَ فَاَغْرَيْنَا اَوْقَعْنَا
يْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ بتَفَرُّقِهِمْ واخْتِلافِ اَهْوائِهِمْ فكلُّ فرقةٍ تُكَفِّرُ الاُخْرىٰ
سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ في الاخرةِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾ فَيُجَازِيهِمْ عليه يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اليهودُ
لنَّصارىٰ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا محمدٌ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ تَكْتُمُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ
نوراةِ والانجيلِ كايةِ الرَّجْمِ وصِفَتِهِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ مِن ذلِكَ فلا يُبَيِّنُهُ اذا لَمْ يَكُنْ فيه مَصْلَحَةٌ اِلَّا
تِضَاحُكُمْ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ هو النبي صلى الله عليه وسلم وَّكِتٰبٌ قرانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾
اهرٌ يَّهْدِيْ بِهِ اي بالكتابِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ بِاَنْ اٰمَنَ سُبُلَ السَّلٰمِ طُرُقَ السَّلامَةِ
يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الكُفرِ اِلَى النُّوْرِ الاِيمانِ بِاِذْنِهٖ بارادتِهِ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ دينِ
سلامِ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ حَيْثُ جَعَلُوهُ اِلٰهاوهم اليَعْقُوبِيَّةُ فِرْقَةٌ
ن النَّصارىٰ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ اي يَدْفَعُ مِنَ عذابِ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ
يَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ اي لا اَحَدَ يَمْلِكُ ذلِكَ ولو كان المسيحُ الٰهاً لَقَدَرَ عليه وَلِلّٰهِ مُلْكُ
سَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَاءَهُ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ
صٰرٰى اي كُلٌّ منهما نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ اي كَابْنَائِهِ في القُربِ والمَنْزِلَةِ وهو كَابِينا في الشَّفَقَةِ

والرَّحْمَةِ **وَاَحِبَّآؤُهٗ ۭ قُلْ** لهم يا محمدُ **فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ** ان صَدَقْتُمْ فى ذٰلِكَ وَلَا يُعَذِّبُ الابُ وَلَدَهٗ ولا الحَبِيْبُ حبيبَهٗ وقد عَذَّبَكُمْ فانتم كَاذِبُوْنَ **بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ** مِنْ جُمْلَةِ **مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ** من البَشَرِ لكم مالهم وعليكم ما عليهم **يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ** المَغْفِرَةَ لَهٗ **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ** تَعْذِيْبَهٗ لَا اِعْتِرَاضَ عليه **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ١٨** المَرْجِعُ **يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا** محمدٌ **يُبَيِّنُ لَكُمْ** شَرَائِعَ الدِّيْنِ **عَلٰي فَتْرَةٍ** اِنْقِطَاعٍ **مِّنَ الرُّسُلِ** اِذْ لَمْ يَكُنْ بينَه وَبَيْنَ عيسٰى رسولٌ ومُدَّةُ ذٰلِكَ خَمْسُمِائَةٍ وتِسْعٌ وسِتُّوْنَ سَنَةً لِ **اَنْ** لا **تَقُوْلُوْا** اذا عُذِّبْتُمْ **مَا جَاۗءَنَا مِنْ** زائدةٌ **بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ** فلا عُذْرَ لكم اذًا **وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ١٩ۧ** ومنه تَعْذِيْبُكُمْ ان لم تَتَّبِعُوْهُ.

ترجمہ: اور اللہ نے بنی اسرائیل سے آئندہ مذکور باتوں کے بارے میں یہ پختہ عہد لیا تھا، اور ان میں سے ہم نے بارہ نقیب مقرر کئے تھے، اس میں غیبت سے (تکلم کی جانب) التفات ہے، (بَعَثْنَا بمعنی اقمنا ہے نہ کہ بمعنی اَرسلنا) ہر قبیلہ سے ایک نقیب (نگراں) کہ وہ اپنی قوم پر ایفاء عہد کی تاکید رکھے اور ان سے کہا تھا کہ میں اعانت اور نصرت کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہوں قسم ہے اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور راہ خدا میں خرچ کر کے خدا کو قرض حسن دیتے رہے تو یقین رکھو میں تمہاری بُرائیاں تم سے زائل کر دوں گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس عہد کے بعد جس نے تم میں سے کفر کیا تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا، یعنی راہ حق سے خطا کر گیا، اور سواء، کے معنی اصل میں وسط کے ہیں، تو بنی اسرائیل نے عہد شکنی کی، تو ان کے نقض عہد کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا جس کی وجہ سے قبول حق کے لئے نرم نہیں ہوتے، (اب ان کا حال یہ ہے) کہ محمد ﷺ کی ان صفات وغیرہ کو کہ جو تورات میں موجود ہیں ان کے اس اصل مفہوم سے کہ جو اللہ نے متعین کیا ہے ردو بدل کر کے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں یعنی انکو بدل دیتے ہیں، اور جس چیز یعنی اتباع محمد کا ان کو تورات میں حکم دیا گیا تھا اس کا اکثر حصہ انہوں نے پس پشت ڈال دیا تھا، اور آئے دن تمہیں یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے، ان کے نقض عہد وغیرہ کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے، ان میں سے بہت کم لوگ جو اسلام لائے ہیں، (اس عیب سے) بچے ہوئے ہیں (جب ان کی یہ حالت ہے) تو ان کو معاف کر دو اور (ان حرکتوں) سے چشم پوشی کرتے رہو اللہ تعالی ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش پسند کرتے ہیں یہ (حکم) آیت سیف سے منسوخ ہے، اور ان لوگوں سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاری ہیں جیسا کہ ہم نے بنی اسرائیل یہود سے عہد لیا تھا، مگر ان کو بھی جو (سبق) انجیل میں ایمان وغیرہ کا یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ فراموش کر دیا، اور عہد شکنی کی، تو ہم نے ان کے اندر تفریق کے ذریعہ اور ان کے نظریات میں اختلاف کے ذریعہ قیامت تک کے لئے بغض وعداوت ڈال دی جس کے نتیجے میں ہر فریق دوسرے کی تکفیر کرتا ہے، عنقریب آخرت میں اللہ

تعالیٰ ان کو بتادے گا جو حرکتیں (دنیا میں) وہ کیا کرتے تھے؟ تو ان کو اس کی سزا دے گا، اے اہل کتاب یہود و نصاریٰ تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو کتاب الٰہی تورات و انجیل کی بہت سی ان باتوں کو جیسا کہ آیت رجم اور آپ ﷺ کی صفات جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر رہا ہے اور ان میں سے بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کر جاتا ہے، کہ ان کو ظاہر نہیں کرتا جن میں تمہاری فضیحت کے علاوہ کوئی مصلحت نہ ہو یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی اور وہ (محمد ﷺ) نبی ﷺ ہیں، اور ایک ایسی حق نما کتاب قرآن کہ اس کے ذریعہ اللہ اس شخص کو جو اس کی رضا کا طالب ہے کہ اس پر ایمان لائے سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے ارادہ سے ان کو کفر کی ظلمت سے ایمان کے نور کی جانب نکالتا ہے اور راہ راست (یعنی) دین اسلام کی جانب رہنمائی کرتا ہے یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی خدا ہے بایں طور کہ انہوں نے مسیح کو معبود قرار دیا اور وہ فرقۂ یعقوبیہ ہے جو کہ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے، ان سے پوچھو اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کس کی مجال کہ اللہ کے عذاب کا کچھ بھی دفاع کر سکے، یعنی اس کی کسی کو مجال نہیں، اور اگر مسیح خدا ہوتے تو اس پر قادر ہوتے، یہود و نصاریٰ یعنی ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں یعنی قرب و منزلت میں، اور وہ ہمارے لئے شفقت و رحمت میں باپ کے مانند ہے اور اس کے چہیتے ہیں اے محمد ﷺ ان سے پوچھو تو پھر وہ تم کو سزا کیوں دیتا ہے؟ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو، اور باپ بیٹے کو سزا نہیں دیا کرتا اور نہ محبوب اپنے محبوب کو اور وہ یقیناً تم کو سزا دے گا، لہٰذا تم (اپنے دعوے میں) جھوٹے ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے دوسرے انسان پیدا کئے تمہارے لئے وہی اجر و ثواب ہے جو ان کے لئے ہے اور تمہارے لئے وہی سزا ہے جو ان کے لئے ہے، وہ جسے معاف کرنا چاہے معاف کرتا ہے اور جس کو عذاب دینا چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اللہ کی ملک ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اے اہل کتاب ہمارا رسول محمد ﷺ تمہارے پاس آیا ہے اور دین کے احکام کی واضح تعلیم دے رہا ہے جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا اس لئے کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے درمیان کوئی رسول نہیں تھا، اور توقف کی مدت ٥٦٩ سال ہے جب تم کو سزا دی جائے تو تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا، مِنْ، زائدہ ہے، لہٰذا اب تمہارے لئے کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے اسی میں تم کو سزا دینا بھی شامل ہے اگر تم اس کی اتباع نہ کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: نَقِیْب، جمع نُقَبَاء، سردار، قوم کی طرف سے وفاءِ عہد کا ذمہ دار، قوم کے حالات کی نگرانی کرنے والا، یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔

قولہ: لَئِنْ اَقَمْتُمْ لام حذفِ قسم پر دلالت کرنے کے لئے ہے، اور اِنْ شرطیہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَاللّٰہِ لَئِنْ اَقَمْتُمْ

الصلوة، لأُكفِّرَنَّ، جواب قسم ہے جو کہ قائم مقام ہے جواب شرط کے۔

قولہ: عَزَّرتموا. تعزیر سے ماضی جمع مذکر حاضر ہے، واؤ اشباع کا ہے تم نے مدد کی۔

قولہ: یُحَرِّفونَ الکلِمَ، یہ جملہ مستانفہ ہے مقصد یہود کی قساوت قلبی کو بیان کرنا ہے۔

قولہ: خیانةٍ مؤنث ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ خائنةٍ فاعل کے وزن پر مصدر ہے جیسا کہ عَافِیَةً اور عَاقِبَة، اس کی تائید اعمش کی قراءت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے خائنةٍ کے بجائے خیانةً پڑھا ہے، نیز منھم اور فاعْفُ عنھم بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

قولہ: بآیَة السَّیفِ، ای اقتلوا المشرکین حیث وَجَدتموھم.

قولہ: متعلق بقوله، یعنی مِنْ جار، اپنے مجرور جملہ سے ملکر اخذنا کے متعلق ہے۔

قولہ: اَغرَینَا ای اَلصقنا وَاَلزَمنَا، اِغراء سے ماضی جمع متکلم ہے، ہم نے ڈالدی ہم نے لگادی۔

قولہ: بَینَھم، ای فِرَق النصاری، ① نسطوریہ جن کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ کے بیٹے ہیں، ② یعقوبیہ جن کا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہیں، ③ ملکانیہ جن کا عقیدہ ہے کہ خدا تین میں کا ایک ہے۔

قولہ: کآیَةِ الرَّجمِ وَصِفَتِہٖ یہ یہود کے کتمان کی مثال ہے اور نصاریٰ کے چھپانے کی مثال مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد ہے۔

قولہ: اِن صَدَقْتُمْ فِی ذٰلِكَ، فَلِمَ یعذبکم بِذنوبکم، شرط محذوف کی جزاء ہے، لہٰذا عطفِ انشاء علی الاخبار کا اعتراض وارد نہ ہوگا۔ (ترویح الارواح)

قولہ: لان لا تقولوا، لام محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ جملہ لاجلہ ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَائِیلَ (الآیة) سابقہ آیات میں مسلمانوں کے عہد اور اس عہد پر قائم رہنے کی تاکید کا ذکر تھا، ان آیات میں اہل کتاب کی عہد شکنی اور اس کے انجام بد کا ذکر ہے، مقصد مسلمانوں کو آگاہ کرنا ہے کہ عہد شکنی بڑے وبال کا باعث ہوتی ہے، ان آیات میں یہود کی دو عہد شکنیوں کا ذکر ہے۔

پہلی عہد شکنی:

پہلی عہد شکنی کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے مصر میں قیام کے زمانہ میں بنی اسرائیل ملک شام سے ہجرت کرکے مصر میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں، ملک شام پر چونکہ قوم عاد کے باقی ماندہ کچھ لوگ

قابض ہو گئے ہیں ان سے لڑ کر ملک شام کو آزاد کرائیں اور وہیں سکونت اختیار کریں، قوم عاد کے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کا نام عملیق بن آذر تھا، ملک شام پر قابض لوگ اسی شخص کی اولاد تھے اسی لئے ان کو عمالقہ کہا جانے لگا تھا، عمالقہ قوم کے لوگ بڑے تن توش کے مالک اور شہ زور اور قد آور تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب شام کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہ قبیلوں میں سے بارہ سردار منتخب کئے جن کو اپنے اپنے قبیلوں کی دینی و اخلاقی نگرانی کی ذمہ داری سپرد کی، مذکورہ بارہ سرداروں کو قوم عمالقہ کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا اور ان سے یہ عہد لیا کہ قوم عمالقہ کی قوت و طاقت اور شہ زوری کی کوئی ایسی بات یہاں آکر بیان نہ کریں جس سے بنی اسرائیل کے حوصلے پست ہو جائیں اور ان سے خوف زدہ ہو کر ان سے لڑنے سے ہمت ہار بیٹھیں، چنانچہ قوم عمالقہ کے حالات معلوم کر کے آنے کے بعد بارہ آدمیوں میں سے دس نے بدعہدی کی اور اپنے عزیزں اور دوستوں سے قوم عمالقہ کی شہ زوری کی حالات بیان کر دیئے جس کی وجہ سے بنی اسرائیل ہمت ہار گئے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ لڑنے کیلئے جانے سے انکار کر دیا، ان آیتوں میں بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور بارہ سرداروں کی بدعہدی کا ذکر ہے۔

دوسری عہد شکنی:

دوسرا عہد تورات کے احکام کی پابندی کا تھا، اس دوسرے عہد میں نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا بنی اسرائیل کو پابند کیا گیا تھا، جو انہوں نے پورا نہ کیا جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں تفصیل سے گذر چکا ہے، ان آیات میں اسی سابقہ عہد کو یاد دلایا گیا ہے، غرض یہ کہ اس عہد کے مطابق یہود کو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبی آخر الزمان کی فرمانبرداری اور پیروی کا پابند کیا گیا تھا انہوں نے اس کو پورا نہ کیا جس کی وجہ سے تورات کے بھی پابند نہ رہے، اسلئے کہ تورات کی جن آیات میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و علامات مذکور تھیں ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر ڈالی، اسی تحریف کی جانب وَيُحَرِّفُونَ الكلم عن مواضعه، سے اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے، یہود چونکہ اپنے پختہ عہد پر قائم نہ رہ سکے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طرح طرح کی سزاؤں میں گرفتار ہوئے اور اس طرح ذلت سے دوچار ہوئے کہ تاریخ میں یہود کا نام ہمیشہ ذلت سے لیا گیا، یہ سب کچھ عہد شکنی کی وجہ سے ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قلوب قبول حق کے معاملہ میں سخت پتھر کے مانند ہو گئے، اس سنگدلی کا اثر یہ ہوا کہ اپنے اندر تبدیلی کے بجائے خدا کے کلام میں تبدیلی کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اس کا اکثر حصہ فراموش کر بیٹھے، ان کی اس تحریف و خیانت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے جس کی اطلاع آپ کو ہو جاتی ہے، البتہ بہت تھوڑے لوگ ان میں ایسے بھی ہیں کہ اس ناشائستہ حرکت سے محفوظ رہے، آپ ان کو معاف کیجئے اور درگذر سے کام لیجئے۔

سابق میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کا جو بیان آیا بظاہر اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے انتہائی نفرت و حقارت کا معاملہ کریں ان کو پاس نہ آنے دیں اس آیت کے آخری جملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی جارہی ہے۔ فاعفُ عنهم واصفح انّ الله يحب المحسنين'' یعنی آپ ان کو معاف کریں اور ان کی بدکرداریوں کو نظر انداز کریں، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

ومن الذین قالوا انا نصاریٰ سابقہ آیت میں یہود کی عہد شکنی اور اس کے انجام بد کا ذکر تھا، اس آیت میں کچھ نصاریٰ کا حال بیان کیا جارہا ہے، کہ نصاریٰ نے بھی عہد شکنی کی، اور اس کی سزا کا بیان ہے کہ ان کے آپس میں افتراق اور بغض وعداوت ڈالدی گئی جو تا قیامت باقی رہے گی۔

سوال: آجکل عیسائیوں کے حالات سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ وہ باہم متحد نظر آتے ہیں؟

جواب: مذکورہ آیت میں ان عیسائیوں کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ جو واقعی عیسائی ہیں، اور عیسائی مذہب کے پابند ہیں اور جو خود اپنے مذہب کو بھی چھوڑ کر دہریئے اور بے دین ہو چکے ہیں وہ درحقیقت عیسائیوں کی فہرست سے خارج ہیں، چاہے وہ قومی طور پر خود کو عیسائی کہتے ہوں، ایسے لوگوں میں اگر وہ افتراق اور عداوت نہ ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں، اسلئے کہ افتراق واختلاف تو مذہب کی بنیاد پر تھا جب مذہب ہی نہ رہا تو اختلاف بھی نہ رہا۔

انجیل میں آپ ﷺ کی بشارت:

آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صدگونہ تحریفات کے باوجود بشارت محمدی ﷺ ان میں آج تک باقی ہے حضرت یحییٰ کے بارے میں ہے، جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو یحییٰ علیہ الصلاة والسلام کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ (آیا تو مسیح ہے) تو اس نے کہا میں تو مسیح نہیں ہوں، پھر انہوں نے اس سے پوچھا پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیا ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے، اس نے جواب دیا نہیں تو انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ (یوحنا، ۱:۲۵)

مذکورہ گفتگو میں بار بار وہ نبی کے کیا معنی ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معروف نبی کی پیش گوئی یہود میں مدت سے چلی آرہی تھی اور یہ نبی یقیناً مسیح سے الگ ہے جیسا کہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔

وَ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ** اي منكم **اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا** اصحاب خدم وحشم **وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۲۰﴾ من المنّ والسلوى وفلق البحر وغير ذلك **يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ** امركم بدخولها وهي الشام **وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ** تنهزموا خوف العدو **فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ** ﴿۲۱﴾ في سعيكم **قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ** من بقايا عاد طوالًا ذوي قوة **وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ** ﴿۲۲﴾ لها **قَالَ** لهم **رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ** مخالفة امر الله وهما يوشع وكالب من النقباء الذين بعثهم موسى في كشف احوال الجبابرة **اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا** بالعصمة فكتما ما اطلعا عليه من حالهم الا عن موسى بخلاف بقية النقباء فافشوه فجبنوا **ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ** باب القرية ولا تخشوهم فانهم اجساد بلا قلوب **فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ** قالا ذلك تيقنا بنصر الله وانجاز

وَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ عن القتال قَالَ موسى حِينَئذٍ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَ اِلَّا اَخِىْ ولا اَمْلِكُ غيرَهما فأُجبِرُهم على الطَّاعَةِ فَافْرُقْ فافصِلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ تعالى له فَاِنَّهَا اى الارْض المُقدَّسَة مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَنْ يَدْخُلُوها اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ يَتحيَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ وهى تِسْعَةُ فَرَاسِخَ قَالَهُ ابنُ عبّاسٍ رضى الله تعالى عنه فَلَا تَاْسَ تَحزنْ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ رُوِىَ انهم كانوا يَسِيرُوْنَ اللَّيلَ جَادِّيْنَ فَاِذَا اَصْبَحُوْا اِذَاهُمْ فى المَوْضِعِ الذى اِبْتَدَؤُا منه ويَسِيرُوْنَ النّهارَ كذٰلك حتى انْقَرضُوْا كُلُّهم اِلا مَن لَمْ يَبْلُغِ العِشرِيْنَ قيل وكَانُوْا سِتَّمِائَةِ اَلفٍ وَمَاتَ هرُوْنُ ومُوسٰى عليهما السلام فى التِّيهِ وكان رَحْمَةً لهما وعذاباً لِاُولٰئِكَ وسَأَلَ مُوسٰى رَبَّهٗ عِندَ مَوْتِهٖ اَنْ يُدْنِيَهُ من الارْضِ المُقدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ فَاَدْنَاهُ كما فِى الحديثِ ونُبِّئَ يوشعُ بعدَ الاَرْبَعِيْنَ واُمِرَ بقتالِ الجَبَّارِيْنَ فَسَارَ بمن بَقِىَ معه وقَاتَلَهُمْ وكان يومَ الجُمعةِ ووَقَفَتْ له الشَّمْسُ سَاعَةً حتى فَرَغَ عن قِتَالِهِمْ وروَى اَحْمَدُ فى مُسْنَدِه حديثَ اَنَّ الشَّمْسَ لم تُحْبَسْ على بَشَرٍ اِلَّا لِيُوشَعَ لَيَالِىَ سَارَ اِلى البَيْتِ المُقَدَّسِ.

ترجمہ: اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا تھا، اے میری قوم کے لوگو تم اللہ کی ان نعمتوں کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کیں اس نے تم میں سے نبی پیدا کئے اور تمہیں جاہ و حشمت والا بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا کہ جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا یعنی مَنّ و سلویٰ، اور سمندر پھاڑ کر راستہ بنا دیا وغیرہ، اے میری قوم کے لوگو اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے (نام) لکھ دی ہے، یعنی اس میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے اور وہ (سرزمین) ملک شام ہے، اور الٹے پاؤں پیچھے نہ ہٹو، ورنہ دشمن کے خوف سے شکست خوردہ ہو جاؤ گے، اور اپنی کوشش میں نامراد ہو کر رہ جاؤ گے، انہوں نے جواب دیا اے موسیٰ وہاں تو قوم عاد کی نسل کے دراز قد طاقتور بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے تا آں کہ وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہاں اگر وہ وہاں سے نکل گئے تو ہم داخل ہونے کیلئے تیار ہیں، ان سے ان دو آدمیوں نے کہا جو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے تھے اور وہ یوشع اور کالب تھے جو ان بارہ سرداروں میں سے تھے جن کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبابرہ کے تفتیش حال کے لئے بھیجا تھا جن دونوں پر اللہ نے (افشاء) سے حفاظت کے ذریعہ انعام فرمایا چنانچہ ان دونوں حضرات نے اپنی معلومات کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ سے صیغۂ راز میں رکھا، برخلاف دیگر سرداروں کے کہ انہوں نے افشاء راز کر دیا جس کے نتیجے میں (بنو اسرائیل) پست ہمت ہو گئے، تم ان کے پاس شہر کے دروازہ پر تو پہنچو اور ان سے ڈرو نہیں وہ تو بے دل مجسمے ہیں (یعنی بزدل لوگ ہیں) اور جب تم دروازے میں داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم ہی غالب رہو گے، انہوں نے یہ بات اللہ کی مدد اور اس کے وعدہ کو پورا کرنے پر یقین کرتے ہوئے کہی، اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو، لیکن

انہوں نے (پھر یہی کہا) کہ اے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں، پس تم اور تمہارا رب جاؤ اور ان سے لڑو ہم یہاں لڑائی سے محفوظ بیٹھے ہوئے ہیں تو اس وقت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں اپنی ذات اور بھائی کے علاوہ کسی کا مالک نہیں اور میں ان دونوں کے علاوہ کا مالک نہیں ہوں کہ ان کو اطاعت پر مجبور کرسکوں، تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کردے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ارض مقدس میں چالیس سالوں تک داخلہ ممنوع ہے یہ زمین میں متحیر سرگرداں رہیں گے اور (اس کی وسعت) نوفرسخ ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، اِن نافرمانوں کی حالت پر ہرگز ترس نہ کھائیں، روایت کیا گیا ہے کہ بنواسرائیل بڑی کوشش کے ساتھ راتوں کو چلتے تھے مگر جب صبح ہوتی تھی تو وہ اسی جگہ ہوتے تھے جہاں سے انہوں نے سفر کی ابتداء کی تھی، اور یہی حال ان کے دن میں چلنے کا تھا، حتی کہ ان کی پوری نسل ختم ہوگئی سوائے ان نوجوانوں کے کہ جن کی عمر ابھی بیس سال کی نہیں ہوئی تھی، کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ (٦٠٠٠٠٠) تھی، اور حضرت ہارون اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال مقام تیہ ہی میں ہوا، اور یہ مقام تیہ کا قیام ان دونوں کے لئے رحمت اور ان سب کے لئے عذاب تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے انتقال کے وقت اپنے رب سے دعاء کی کہ ان کو ارض مقدس سے ایک پتھر پھینکنے کی مقدار قریب کردے چنانچہ ان کو قریب کردیا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور حضرت یوشع علیہ الصلاۃ والسلام کو چالیس سال بعد نبی بنایا گیا، اور جبابرہ سے قتال کرنے کا حکم دیا چنانچہ (حضرت یوشع علیہ الصلاۃ والسلام) بقیہ لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر چلے اور ان سے قتال کیا، اور اس روز جمعہ کا دن تھا، سورج ان کے واسطے ایک ساعت کے لئے ٹھہر گیا تھا یہاں تک کہ قتال سے فراغت ہوگئی، اور روایت کیا احمد نے اپنی مسند میں کہ سورج سوائے حضرت یوشع علیہ الصلاۃ والسلام کے کسی کے لئے نہیں ٹھہرایا گیا، ان راتوں میں کہ جن میں یوشع علیہ الصلاۃ والسلام نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای منکم یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: فیکم، کی تفسیر منکم سے کیوں کی؟

جواب: اسلئے کہ، کُم، میں حقیقۃً ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قولہ: مِنَ المَنِّ والسلوی، اس میں اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اہل عالم پر مطلقاً فضیلت حاصل نہیں تھی بلکہ منّ وسلوی کی وجہ سے جزوی فضیلت حاصل تھی۔

قولہ: اَنعَمَ اللّٰہُ علیھما، اس میں احتمال ہے کہ جملہ دعائیہ ہو اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ جملہ خبریہ ہو تو اس صورت میں رجلان کی صفت ثانیہ ہوگا۔

قولہ: اَلْبَاب کی تفسیر بابَ القریۃ سے کرکے اشارہ کردیا کہ الباب میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قولہ: وعلی اللّٰہ فتوکّلوا ان کنتم مؤمنین، واؤ استینافیہ ہے اور کلام مستانف ہے فاء امر محذوف کے جواب پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے تنبّھوا فتوکّلوا علی اللّٰہ، علی اللّٰہ، توکلوا کا متعلق مقدم ہے، ان کنتم شرط ہے جواب شرط محذوف ہے جس پر ماقبل یعنی توکلوا دلالت کررہا ہے، قال رب انی لا املك الا نفسی واخی، یہ جملہ استینافیہ برائے اظہار حسرت والتاسف ہے، قال، قول ہے اور مابعد اس کا مقولہ ہے، لا املك انّ کی خبر ہے، الّا، حرف استثناء برائے حصر ہے نفسی مفعول بہ ہے۔

قولہ: واخی، اس میں رفع، نصب اور جر تینوں کا احتمال ہے، اگر املك، کی ضمیر مستتر پر عطف ہو تو رفع ہوگا اور اگر انّ کے اسم پر عطف ہوگا تو نصب ہوگا اور اگر یاء مجرور پر عطف ہو تو مجرور ہوگا۔

قولہ: یتیھون، تیہٌ، (ض) مضارع جمع مذکر غائب، سرگرداں پھرتے رہیں گے۔

قولہ: لا تأس، تو غم نہ کھا، (س) مصدر اسیً، تاس مضارع واحد مذکر حاضر اصل تأسیُ تھا لاء نہی کی وجہ سے یاء ساقط ہوئی۔

تفسیر وتشریح

اذ قال موسیٰ لقومہ (الآیۃ) حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے اس خطبہ کا زمانہ وہ ہے کہ جب قوم، بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی سے آزاد ہوکر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی کے ساتھ نقل وحرکت کررہی تھی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ان کے دینی پیغمبر بھی تھے اور دنیوی رہبر ولیڈر بھی، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو آمادہ کررہے تھے کہ اپنے وطن فلسطین چلو، ظالم وغاصب قوم عمالقہ کو وہاں سے نکال باہر کرو اور خود اس پر حکمرانی کرو، تازہ ترین تاریخی تحقیق کے مطابق مصر سے خروج بنی اسرائیل کا زمانہ ۱۴۴۰ ق م کا ہے، اور فلسطین پر بنی اسرائیل کی فوج کشی کا زمانہ ۱۴۰۰ ق م ہے اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی اس تقریر کا زمانہ اسی میدانی مدت کا ہے اور عجب نہیں کہ آپ کا بالکل آخری زمانہ ہو جیسا کہ تورات کے صحیفہ استثناء باب اول سے اندازہ ہوتا ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو اسی صحیفہ استثناء میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے یہ تقریر دریائے اردن کے پار موآب کے میدان میں مصر سے واقعۂ خروج کے چالیسویں سال کے گیارہویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو فرمائی تھی۔ (ماجدی)

بیشتر انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں یہ سلسلہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے شروع ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ختم ہوگیا، اور آخری پیغمبر بنی اسماعیل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے، اسی طرح متعدد بادشاہ بھی بنی اسرائیل میں ہوئے اور بعض نبیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے عظیم بادشاہت سے نوازا، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو ملوکیت کا اطلاق اس زمانہ میں جاہ وحشمت کے مالک بلکہ ہر آزاد اور خود مختار اور صاحب حیثیت شخص پر بھی اس کا اطلاق ہوتا تھا۔

(ابن جریر ملخصا)

ملوکیت بھی نبوت کی طرح اللہ کا انعام ہے:

مطلب یہ ہے کہ نبوت کی طرح ملوکیت بھی خدائی انعام ہے جسے علی الاطلاق برا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے اگر ملوکیت علی الاطلاق بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بادشاہ نہ بناتا، اور نہ اس کا ذکر انعام کے طور پر فرماتا جیسا کہ یہاں ملوکیت کو انعام کے طور پر ذکر فرمایا۔

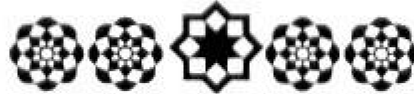
آج کل مغربی طرزِ جمہوریت کا کابوس ذہنوں پر مسلط ہے اور شاطران مغرب نے اس کا افسون اس طرح پھونکا ہے کہ مغربی افکار کے اسیر اہل سیاست ہی نہیں بلکہ اصحاب جبہ و دستار بھی ان کے دام فریب میں پھنس گئے ہیں، بہر حال ملوکیت یا شخصی حکومت کا سربراہ و حکمران عادل و متقی ہو تو جمہوریت سے ہزار درجے بہتر ہے۔

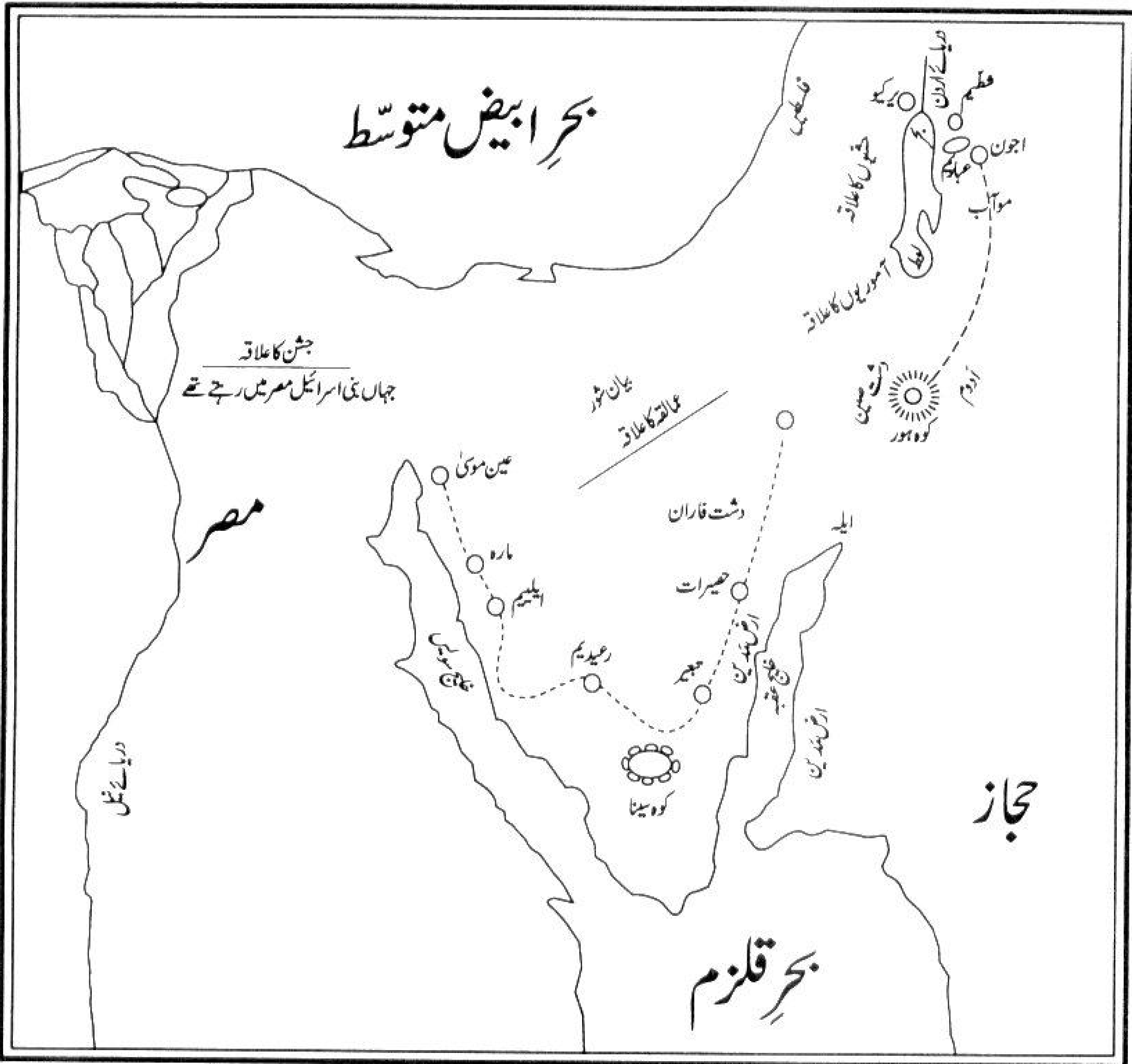
مذکورہ آیت میں ان انعامات کی طرف اشارہ ہے جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے تھے جیسے مَنّ و سلویٰ کا نزول، مقام تیہ میں بادلوں کا سایہ فگن ہونا، فرعون سے نجات کے لئے دریا کو دولخت کر کے راستہ بنا دینا وغیرہ وغیرہ، اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانہ میں فضیلت اور اعلیٰ مقام کی حامل تھی، لیکن نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت و بعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہو گیا، (کنتم خیر امة اخرجت للناس) لیکن یہ مقام خیریت "تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، بنو اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا مسکن و مادر وطن بیت المقدس تھا، لیکن حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی امارت کے زمانہ میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے تھے اسی وقت سے مصر میں سکونت پذیر رہے، اس زمانہ میں بیت المقدس پر قوم عمالقہ کی حکمرانی تھی جو کہ ایک بہادر قوم تھی، جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بحکم خداوندی اپنے آبائی وطن شام میں جا کر آباد ہونے کا ارادہ کیا تو ملک شام اور بیت المقدس پر قابض عمالقہ کو جہاد کے ذریعہ بے دخل کرنا ضروری تھا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کو اس ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا، اور ساتھ ہی نصرت الٰہی کی بشارت بھی سنائی، لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل عمالقہ سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ (ابن کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے دشت فاران سے بارہ سرداروں کا ایک وفد فلسطین کی صورت حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا، اور ان کو تاکید کر دی کہ ایسی کوئی رپورٹ برسر عام پیش نہ کریں جو بنی اسرائیل کیلئے ہمت شکنی کی باعث ہو، مذکورہ سرداروں کا وفد چالیس دن دورہ کر کے وہاں سے واپس آیا اور سوائے حضرت یوشع بن نون کے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بھانجے تھے اور کالب بن یوحنا کے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے داماد تھے، باقی لوگوں نے مجمع عام میں ہمت شکن رپورٹ پیش کر دی، اور کہدیا کہ وہاں اگرچہ دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں، لیکن وہاں کے باشندے بڑے شہ زور وقد آور ہیں ہماری طاقت نہیں کہ ان کا مقابلہ کر سکیں، یہ رپورٹ سنکر پورا مجمع چیخ اٹھا کہ کاش ہم مصر ہی میں مرجاتے یا بیابان ہی میں ہمارا خاتمہ ہو جاتا، اس سے بہتر ہے کہ ہم مصر واپس چلے جائیں، قوم کی یہ صورت حال دیکھ کر حضرت یوشع اور کالب کھڑے

ہوئے اور قوم کی اس بزدلی پر ملامت کی مگر وہ کسی صورت میں عمالقہ سے جہاد کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کا جواب قوم نے یہ دیا کہ ان کو سنگسار کردو، غرضیکہ بنی اسرائیل نے بدترین بزدلی، بے ادبی، تمرد وسرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا، کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس کے برعکس جب غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے قلت تعداد اور قلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصہ لینے کے لئے بھرپور عزم کا اظہار فرمایا اور یہ بھی کہا کہ یارسول اللہ ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے کہ جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے کہا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی)





تشریح: حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں مارہ، ایلیم اور عیدیم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے
زائد مدت تک اس مقام پر ٹھہرے رہے، یہیں تورات کے بیشتر احکام آپ پر نازل ہوئے، پھر آپ کو حکم ہوا، کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور ا
فتح کرلو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کو لئے ہوئے تبعیر اور حصیرات کے راستے دشت فاران میں تشریف لا
اور یہاں سے آپ نے ایک وفد فلسطین کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے روانہ کیا، قادس کے مقام پر اس وفد نے آکر اپنی رپورٹ پیش کی، حضرت یوشع
کالب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ نہایت حوصلہ شکن تھی، جسے سن کر بنی اسرائیل چیخ اٹھے اور انہوں نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کردیا، تب اللہ تعالیٰ
حکم دیا کہ اب یہ چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل، یوشع اور کالب کے سوا فلسطین کی شکل دیکھنے نہ پائے گی، اس کے بعد
اسرائیل دشت فاران و بیابان شور اور دشت صین کے درمیان مارے مارے پھرتے رہے اور عمالقہ، اموریوں، ادومیوں ندیانوں اور موآب کے لوگوں سے لڑ
بھڑتے رہے، جب چالیس سال گزرنے کے قریب آئے تو ادوم کی سرحد کے قریب کوہ ہور پر حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے وفات پائی، پھر حضرت مو
علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کو لئے ہوئے موآب کے علاقے آئے میں داخل ہوئے، اور اس پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے حسبون اور شطیم تک پہنچ گئے، یہ
کوہ عباریم پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہوا، اور ان کے بعد ان کے خلیفہ اول حضرت یوشع نے مشرق کی جانب سے دریائے اردن کو پار کر کے شہر
(اریکا) کو فتح کیا، یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا پھر ایک مدت ہی میں پورا فلسطین فتح ہوگیا، اس نقشہ میں ایلہ (قدیم نام ایلات
موجودہ نام عقبہ) وہ مقام ہے جہاں غالباً اصحاب السبت کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس کا ذکر سورۂ بقرہ رکوع ٨، اور سورۂ اعراف رکوع ١٢ میں آیا ہے۔

وَاتْلُ یا محمد عَلَيْهِمْ علی قومك نَبَأَ خبر ابْنَيْ آدَمَ هابیل وقابیل بِالْحَقِّ متعلق باتل إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا الی اللّٰه وهو کبش لهابیل وزرع لقابیل فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وهو هابیل بان نزلت نار من السماء فاکلت قربانه وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ وهو قابیل فغضب واضمر الحسد فی نفسه الی ان حج آدم علیه السلام قَالَ له لَأَقْتُلَنَّكَ قال لم قال لتقبل قربانك دونی قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْ لام قسم بَسَطْتَ مددت إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۸﴾ فی قتلك إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ ترجع بِإِثْمِي قتلی وَإِثْمِكَ الذی ارتکبته من قبل فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ولا ارید ان ابوء باثمك اذا قتلتك فاکون منهم قال تعالی وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ زینت لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ فصار مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۰﴾ بقتله ولم یدر ما یصنع به لانه اول میت علی وجه الارض من بنی آدم فحمله علی ظهره فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ ینبش التراب بمنقاره ویثیر علی غراب آخر میت معه حتی واراه لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي یستر سَوْءَةَ جیفة أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ عن أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿۳۱﴾ علی حمله وحفر له و واراه مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ الذی فعله قابیل كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ ای الشان مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ قتلها أَوْ بغیر فَسَادٍ اتاه فِي الْأَرْضِ من کفر او زنا او قطع طریق ونحوه فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا بان امتنع من قتلها فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا قال ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنه من حیث انتهاك حرمتها وصونها وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ ای بنی اسرائیل رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ المعجزات ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿۳۲﴾ مجاوزون الحد بالکفر والقتل و غیر ذلك ونزل فی العرنیین لما قدموا المدینة وهم مرضی فاذن لهم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ان یخرجوا الی الابل ویشربوا من ابوالها والبانها فلما صحوا قتلوا الراعی واستاقوا الابل إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ بمحاربة المسلمین وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا بقطع الطریق أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ ای ایدیهم الیمنی وارجلهم الیسری أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ او لترتیب الاحوال فالقتل لمن قتل فقط والصلب لمن قتل واخذ المال والقطع لمن اخذ المال ولم یقتل والنفی لمن اخاف فقط قاله ابن عباس وعلیه الشافعی واصح قولیه ان الصلب ثلاثا بعد القتل وقیل قبله قلیلا ویلحق بالنفی ما اشبهه فی التنکیل من الحبس وغیره ذَٰلِكَ الجزاء المذکور لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ هو عذاب النار إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا من المحاربین والقطاع مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ لهم ما اتوه رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾ بهم عبر بذلك دون فلا تحدوهم لیفید انه لا یسقط عنه بتوبته الا حدود اللّٰه دون حقوق الآدمیین کذا ظهر لی

ولَم اَرَ مَن تَعَرَّضَ لَهُ واللّٰهُ اَعلَمُ فاذا قتلَ وَاَخذَ لمالَ يُقتَلُ ويُقطَعُ ولا يُصلَبُ وهو اَصَحُّ قَولَي الشّافعِيِّ ولا تُفيدُ تَوبَتُهُ بعدَ القُدرَةِ عليه شيئاً وهوا صَحُّ قولَيهِ اَيضًا.

ترجمہ: اے محمد ﷺ اپنی قوم کو آدم کے دونوں بیٹوں ھابیل اور قابیل کا قصہ بے کم وکاست سنادو بالحق اُتلُ سے متعلق ہے، جب ان دونوں نے اللہ کے نام کی قربانی کی اور وہ (قربانی) ھابیل کا مینڈھا تھا اور قابیل کا غلّہ، تو اللہ نے ان میں سے ایک یعنی ھابیل کی قربانی قبول کرلی اس طریقہ پر کہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور ھابیل کی قربانی کو کھا گئی (جلا گئی) اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی اور وہ قابیل تھا، تو وہ غضبناک ہوا، اور حسد کو اپنے دل میں چھپائے رہا (اور موقع کی تلاش میں رہا) جب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس نے کہا میں تجھے ضرور قتل کردوں گا (ھابیل نے) پوچھا کیوں؟ (جواب دیا) کہ تیری قربانی قبول ہوئی میری نہیں ہوئی، ھابیل نے کہا اللہ تو خدا پرستوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے ہاتھ اٹھائیگا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، لئِن میں لام قسمیہ ہے، میں تیرے قتل کے معاملہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور میں تو یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے گناہ جن کا تو پہلے سے ارتکاب کرچکا ہے، مثلاً (حسد اور نافرمانی والدین وغیرہ کا گناہ) اپنے سر لے اور دوزخیوں میں سے ہو جائے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ کو قتل کرکے تیرے قتل کا گناہ اپنے سر لوں جس کی وجہ سے میں دوزخیوں میں ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ظالموں کے ظلم کی یہی سزا ہے، چنانچہ اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کردیا آخر کار اس کو قتل کر ہی ڈالا، تو وہ اس کے قتل کی وجہ سے زیاں کاروں میں شامل ہو گیا، اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس میت کے ساتھ کیا کرے؟ اس لئے کہ روئے زمین پر یہ بنی آدم کی پہلی میت تھی، چنانچہ اس کو اپنی پشت پر اٹھالیا، آخر اللہ نے ایک کوا بھیجا کہ جو اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید رہا تھا، اور اپنے ساتھی دوسرے کوے کی میت پر (مٹی) ڈال رہا تھا، یہاں تک کہ اس کو چھپادیا، تاکہ وہ (قابیل) کو دکھائے کہ اپنے بھائی کی میت کو کس طرح چھپائے، یہ دیکھ کر وہ بولا افسوس مجھ پر میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوا کہ اپنے بھائی کی میت کو چھپا سکتا تو وہ اپنے بھائی کی میت کو اپنی پشت پر اٹھائے پھرنے پر شرمندہ ہوا (دوسرا ترجمہ) تو وہ اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ ہونے پر پچھتایا، اور اس کے لئے گڑھا کھودا اور اس میں چھپادیا، اور اسی حرکت کی وجہ سے جو قابیل نے کی بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا، کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا کفر کے ذریعہ یا زنا یا رہزنی وغیرہ کے ذریعہ فساد برپا کرنے والا ہو، قتل کردیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس طریقہ پر کہ اس کے قتل سے باز رہا تو اس نے گویا تمام انسانوں کی جان بچائی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ حکم نفس کی بے حرمتی اور اس کی حفاظت کے اعتبار سے ہے، اور ان کے یعنی بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی کرنے والے رہے یعنی کفر اور قتل وغیرہ کے ذریعہ حد سے تجاوز کرنے والے رہے، آئندہ آیت قبیلہ عُرینہ والوں کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ وہ مدینہ آئے اور وہ

ریض تھے، تو آپ ﷺ نے ان کو اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ اونٹوں کی طرف جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ پئیں، چنانچہ جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا لے گئے، ان لوگوں کی سزا جو مسلمانوں سے محاربہ کر کے اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کریں اور رہزنی کے ذریعہ ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں، یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے اور سولی دی جائے اور ان کے ہاتھ پیر جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یعنی ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پیر کاٹے جائیں) یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے، اَوْ ترتیب احوال کے لئے ہے قتل اس کے لئے ہے جس نے فقط قتل کیا ہو اور سولی اس کے لئے ہے جس نے قتل کیا ہو اور مال لیا ہو اور قطع اس کے لئے ہے جس نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو، اور جلاوطنی اس کے لئے ہے جس نے صرف خوف زدہ کیا ہو، یہ حضرت ابن عباس رَضِّکَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْہُ نے فرمایا اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ قتل کے بعد تین دن تک سولی پر آویزاں رکھنا چاہئے اور کہا گیا ہے کہ قتل سے قبل تھوڑی دیر کے لئے سولی پر آویزاں رکھنا چاہئے، اور جلاوطنی کے ساتھ اس کو بھی شامل کر لیا جائیگا جو سزا میں جلاوطنی کے مانند ہو، وہ سزا حبس وغیرہ ہے، یہ مذکورہ سزا ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں ان کے لئے عظیم عذاب ہے اور وہ آگ کا عذاب ہے، مگر محاربین اور راہزنوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے تمہارے انھیں گرفتار کرنے سے پہلے توبہ کر لی، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں اس گناہ کو جس کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے اور ان پر رحم کرنے والے ہیں۔

اِنَّ اللّٰه غفور رحیم، سے تعبیر فرمایا نہ کہ فلا تحدّوهم سے، تاکہ کلام اس بات کا فائدہ دے کہ توبہ سے صرف حدود اللہ معاف ہوتی ہیں نہ کہ حقوق العباد، میری سمجھ میں ایسا ہی آیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور نے اس (نکتہ) سے تعرض کیا ہو، اور اللہ بہتر جاننے والا ہے، چنانچہ جب قتل کیا اور مال لیا تو قتل کیا جائیگا اور (ہاتھ) بھی کاٹا جائیگا، اور سولی نہیں دیا جائیگا، اور یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول ہے اور گرفتاری کے بعد ڈاکو کو اس کی توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اُتْلُ، تو پڑھ، تو تلاوت کر، تِلَاوَة، سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

قولہ: تَبُوْءَ. بَوْءٌ (ن) مضارع واحد مذکر غائب، تو حاصل کرے، تو سمیٹے، تو کمائے، تو لوٹے۔

قولہ: طَوَّعت تَطْوِيْعٌ، (تفعیل) سے ماضی واحد مؤنث غائب، اس نے رغبت دلائی، اس نے راضی کیا، اس نے آمادہ کیا، اس نے آسان کر دیا، (وَسَّعَتْ وزَيَّنَتْ مِنْ طاعَ المرعى له، اِذَا اتَّسَعَ). (اعراب القرآن للدرویش)

قولہ: سَوْءَة، لاش، عیب، ستر۔

قولہ: على حمله، اى حمل الجسدِ على ظهره، یعنی اپنے بھائی ھابیل کو اپنی پشت پر اٹھائے پھرنے اور دفن کا

طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نادم ہوا، علی حملہٖ کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حملہ کی ضمیر کا مرجع قتل کو قرار دیا جائے اور ترجمہ یہ ہو کہ قابیل اپنے نفس کے ھابیل کو قتل پر آمادہ کرنے پر نادم ہوا۔

قولہ: من حیث اِنتِھاکِ حُرمَتِھا، اس کا تعلق کانمّا قَتَلَ الناسَ جمیعا، سے ہے، یعنی جس نے ایک نفس کو قتل کر کے اس کی بے حرمتی کی تو گویا اس نے تمام نفوس کی بے حرمتی کی۔

قولہ: وصونِھَا، اس کا تعلق، فکانّما احیا الناس جمیعا، سے ہے یعنی جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی، مِنْ حیثُ اِنتھاكِ حُرمَتِھا وصَوْنِھَا، یہ جملہ لف ونشر مرتب کے طور پر ہے۔

قولہ: عُرَنِیّینَ، یہ عُرَنِیٌّ کی جمع ہے یہ عرب کے ایک قبیلہ عُرینۃ، کی طرف منسوب ہے عُرنیین میں یاء نسبی ہے، جیسا کہ جَھَنِیٌّ قبیلہ جہینہ کی طرف منسوب ہے (جمل) عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ اور ابن جریر نے انس کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بحرین کے باشندے قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مراد ہیں۔ (احسن التفاسیر)

قولہ: اَوْ لِتَرْتِیبِ الاَحْوَالِ، یعنی اَوْ قرآن میں جہاں کہیں آیا ہے وہ تخییر کیلئے ہے سوائے یہاں کے یہاں ترتیب کے لئے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاتلُ، اس کا عطف سابق میں اُذکر مقدر پر ہے، ای اُذکر اِذقال موسی لقومِہٖ وَاتل عَلَیْھِم نَبأ ابنَیْ آدمَ، دونوں میں ربط ظاہر ہے معطوف علیہ میں جُبُن عن القتل جہاد سے جی چرانے کا ذکر ہے اور معطوف میں جرأۃ علی القتل قتل ناحق کا ذکر ہے، یہ دونوں باتیں ہی معصیت ہیں۔

نَبَأَ ابنَیْ آدمَ سے قابیل وھابیل حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صلبی بیٹے مراد ہیں، قابیل بڑے تھے ان کا ذریعہ معاش کاشتکاری تھا اور ھابیل چھوٹے تھے ان کا ذریعہ معاش گلّہ بانی تھا۔

حسن نے کہا ہے کہ مذکورہ دونوں شخص بنی اسرائیل کے فرد تھے مگر صحیح اول ہے اسلئے کہ اسی آیت کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ قاتل کو دفن کا طریقہ معلوم نہیں تھا، ایک کوّے سے رہنمائی حاصل کر کے دفن کیا، اگر بنی اسرائیل کا واقعہ ہوتا تو دفن کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے تھا اسلئے کہ ہزارہا انسان اس سے پہلے انتقال کر چکے ہوں گے۔ (روح المعانی ملخصاً واضافة)

قابیل وھابیل کا واقعہ:

قرآن کریم میں دونوں کے نذر ماننے اور ایک کی نذر قبول ہونے کا ذکر ہے مگر یہ نذر کس لئے مانی گئی تھی اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔

تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو روایتیں ہیں ان کے مطابق واقعہ کا

حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھائی بہن کا نکاح ضرورۃً جائز تھا، اسلئے کہ بہن بھائیوں کے علاوہ اس وقت کوئی دوسری نسل موجود نہیں تھی، البتہ اس قدر احتیاط کی جاتی تھی کہ ایک بطن کے بھائی بہن کا نکاح نہیں ہوتا تھا، کہا گیا ہے کہ قابیل کی بہن خوبصورت تھی اور ھابیل کی بہن بدصورت، ھابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا نکاح ھابیل کی بہن سے ہونا تھا مگر قابیل اس پر راضی نہ ہوا اور اپنی ہی بہن سے نکاح پر مصر رہا، تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں بھائی اللہ کی راہ میں نذر پیش کریں جس کی نذر قبول ہو جائے وہ خوبصورت لڑکی سے نکاح کرے، کہا گیا ہے کہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام اقلیما تھا اور ھابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام لیوذا تھا۔

قابیل اپنے ساتھ پیدا ہونیوالی لڑکی اقلیما سے نکاح کرنے پر مصر رہا تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کو نذر ماننے کا حکم دیا، قابیل چونکہ زراعت کا پیشہ کرتے تھے وہ گندم کی بالوں کا مٹھا نذر کیلئے لائے اور ھابیل چونکہ گلہ بانی کا پیشہ کرتے تھے تو وہ ایک عمدہ قسم کا دنبہ لائے، اس زمانہ میں نذر قبول کئے جانے کی یہ علامت تھی کہ جس کی نذر قبول ہوتی تھی آسمانی آگ آکر اسے جلا دیتی تھی چنانچہ ھابیل کی قربانی بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئی جس کی وجہ سے قابیل کو ھابیل پر حسد ہوا جس کی وجہ سے قابیل نے ھابیل کو قتل کرنے کی ٹھان لی اور ایک روز جبکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے لئے تشریف لے گئے تھے ان کی عدم موجودگی میں قابیل نے ھابیل کو قتل کر دیا، بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ قابیل نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا لہذا قیامت تک ناحق ہونے والے قتل کا گناہ قابیل کے اعمال نامے میں بھی لکھا جائیگا، اس وقت تک مُردوں کو دفن کرنے کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کی معرفت دفن کا طریقہ سکھایا، قابیل کوّے سے دفن کا طریقہ سیکھ کر بہت نادم ہوا کہ میرے اندر ایک جانور کے برابر بھی سمجھ نہیں، ھابیل چونکہ نبی کے حکم پر تھا اسلئے خود کو اس نے خداترس بتایا، تبوءَ باثمی واِثمِكَ، کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ذاتی گناہوں کے علاوہ میرے خون ناحق کا وبال بھی تیرے ذمہ ہوگا، اور بعض حضرات نے، باثمی، کا مطلب یہ لیا ہے کہ قتل کا وہ گناہ جو مجھے اس وقت ہوتا جب میں تجھے قتل کرتا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، صحابۂ کرام نے عرض کیا قاتل کا جہنم جانا تو سمجھ میں آتا ہے مقتول جہنم میں کیوں جائیگا، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔ (بخاری ومسلم)

اس موقع پر اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد:

یہاں اس واقعۂ قابیل وھابیل کو ذکر کرنے کا مقصد یہود کو ان کی سازش اور حسد پر لطیف طریقہ سے ملامت کرنا ہے، عبداللہ بن مسعود نے روایت کیا ہے کہ یہودیوں میں سے ایک گروہ نے نبی ﷺ اور آپ کے خاص صحابہ کو کھانے کی دعوت پر بلایا تھا اور خفیہ طور پر یہ سازش کی تھی کہ اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں گے، اس طرح اسلام کی جان نکال دیں گے، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے عین وقت پر آپ ﷺ کو ان کی سازش کا علم ہو گیا اور دعوت پر تشریف نہ لے گئے، اور یہ سازش

محض حسد کی بناء پر تھی یہ آخری نبی بنواسرائیل میں آنے کے بجائے بنواسماعیل میں کیوں آگیا؟ حالانکہ وہ آپکا نبی ہونا یقین اور وثوق کے ساتھ پہچانتے تھے۔ (یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم).

شانِ نزول:

اِنّما جزاءُ الذین یُحاربون اللہ ورسولہ، (الآیۃ) اس آیت کے شان نزول میں کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہوکر مدینہ آئے، انھیں مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی تو انھیں نبی ﷺ نے مدینہ سے باہر جہاں صدقے کے اونٹ رہتے تھے بھیج دیا اور فرمایا تم اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو اللہ تمہیں شفاء عطا فرمائیگا، چنانچہ چندروز میں وہ لوگ تندرست ہوگئے مگر انہوں نے یہ حرکت کی آنحضرت ﷺ کا آزاد کردہ یسار نامی ایک غلام تھا جو نماز بہت اطمینان سے دل لگا کر پڑھا کرتا تھا اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو آزاد کردیا تھا۔

صدقات کے جانور جن میں بیت المال کی اونٹنیاں بھی شامل تھیں اور آپ کی اونٹنی بھی تھی، یسار ان کی نگرانی پر مامور تھے، عرینہ کے قبیلہ کے لوگ کچھ روز تو مدینہ میں رہے مگر چندروز میں ان کے پیٹ بڑھ گئے اور رنگ زرد ہوگئے، ان لوگوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان کو یسار کے ساتھ جنگل جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا کرو چنانچہ جب یہ صحت یاب ہوگئے تو یسار کی اول تو آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور بعد میں ان کو قتل بھی کردیا اور اونٹوں کو لیکر اپنے وطن روانہ ہوگئے اور مرتد ہوگئے، مدینہ میں جب یہ خبر پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے جریر بن عبداللہ کو سردار بنا کر کچھ لوگوں کو ان کے پکڑنے کے لئے بھیجا آخر کار یہ لوگ پکڑے گئے، ان کی آنکھوں کو **العین بالعین** کے قاعدہ سے پھوڑ کر قتل کرادیا گیا اور یہ قصاص کے طور پر کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ خَافُوْا عِقَابَهُ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ **وَابْتَغُوْٓا** اُطْلُبُوْا **اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ** مَا يُقَرِّبُكُمْ اليه من طَاعَتِهِ **وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ** لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۳۵﴾ تَفُوْزُوْنَ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ** ثَبَتَ **اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۳۶﴾ **يُرِيْدُوْنَ** يَتَمَنَّوْنَ **اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** ﴿۳۷﴾ دَائِمٌ **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ** اَلْ فِيْهِمَا مَوْصُوْلَةٌ مُبْتَدَاءٌ وَلِشِبْهِهٖ بِالشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِيْ خَبَرِهٖ وهو **فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا** اي يَمِيْنَ كُلٍّ منهما من الكُوْعِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ ان الذي يُقْطَعُ فيه رُبْعُ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا وانه اِنْ عَادَ قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرٰى من مَفْصَلِ الْقَدَمِ ثم الْيَدُ الْيُسْرٰى ثم الرِّجْلُ الْيُمْنٰى وبعد ذٰلِكَ يُعَزَّرُ **جَزَآءً** نُصِبَ على المَصْدَرِ **بِمَا كَسَبَا نَكَالًا** عُقُوْبَةً لهما **مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** غَالِبٌ على اَمْرِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۳۸﴾ في خَلْقِهٖ **فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ** رَجَعَ عن السَّرِقَةِ **وَاَصْلَحَ** عَمَلَهُ **فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۳۹﴾ في التَّعْبِيْرِ بِهٰذا ما تَقَدَّمَ فلا يَسْقُطُ

بتوبتِہٖ حَقُّ الادمیّ مِن القَطع ورَدِّ المَالِ نَعَم بَیّنَتِ السُّنَّۃُ اَنَّہٗ اِن عُفِیَ عَنہُ قَبلَ الرَّفعِ الی الاِمَامِ سَقَطَ وعلیہ
الشافِعِیُّ اَلَمْ تَعْلَمْ الاستفہامُ فیہ للتقریر اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ تعذیبَہٗ
وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ المغفِرَۃَ لہ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾ ومنہ التعذیبُ والمغفرۃُ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ
صُنعُ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ یَقَعُوْنَ فیہ بسُرعَۃٍ ای یُظہِرُوْنَہٗ اذا وَجَدُوْا فُرصَۃً مِنَ لِلبَیَان
الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ بِاَلسِنَتِہِم مُتَعَلِّقٌ بقَالُوْا وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وہم المنافقون وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ
قَومٌ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ الذی افتَرَتہُم اَحبَارُہُم سَمَاعَ قَبُولٍ سَمّٰعُوْنَ منک لِقَوْمٍ لِاَجلِ قومٍ اٰخَرِيْنَ ۙ من
الیَہُودِ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ وہم اہلُ خیبرَ زَنٰی فیہم مُحصَنَانِ فکَرِہُوْا رَجمَہُمَا فبَعَثُوْا قُرَیظَۃَ لِیَسْاَلُوْا النبیَّ صلی
اللّٰہ علیہ وسلم عن حُکمِہِمَا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ الذی فی التوراۃِ کاٰیۃِ الرَّجمِ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ التی
وَضَعَہُ اللّٰہُ علیہا ای یُبَدِّلُوْنَہٗ يَقُوْلُوْنَ لمن اَرسَلُوہُم اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا الحکمَ المُحَرَّفَ ای الجَلدَ ای
اَفتَاکُم بہ محمدٌ فَخُذُوْهُ فاقبَلُوْہُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ بل اَفتَاکُم بخلافِہٖ فَاحْذَرُوْا ؕ ان تَقبَلُوْہُ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ
اِضلَالَہٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ فی دَفعِہَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ من الکُفرِ
ولو اَرَادَہٗ لَکَانَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ ذُلٌّ بالفَضِیحَۃِ والجِزیَۃِ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ ہم
سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ بضمِّ الحاءِ وسُکُونِہَا ای الحرام کالرُّشٰی فَاِنْ جَآءُوْكَ لِتَحکُمَ بینہم
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ ہذا التخییرُ منسوخٌ بقولہ وَاَنِ احکُم بَینَہُم (الایۃ) فیَجِبُ الحکمُ بینہم
اذا تَرَافَعُوْا الینا وہو اَصَحُّ قَولَی الشافعیّ ولو تَرَافَعُوْا الینا مع مُسلِمٍ وَجَبَ اِجمَاعًا
وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ بینہم فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ بالعَدلِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾
العادِلِینَ فی الحُکمِ ای یُثِیبُہُم وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ بالرَّجمِ استفہامُ
تَعَجُّبٍ ای لم یَقصِدُوْا بذلک مَعرِفَۃَ الحقِّ بل ما ہو اَہوَنُ علیہم ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ یُعرِضُوْنَ عن حُکمِکَ
بالرَّجمِ المُوَافِقِ لِکِتَابِہِم مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ التحکیم وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے یعنی اس کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو، اور اس کی اطاعت کے ذریعہ اس کا قرب تلاش کرو جو تم کو اس کا مقرب بنادے اور اس کی راہ میں اس کے دین کو سر بلند کرنے کیلئے جدوجہد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ، خوب سمجھ لو ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی اگر ان کے قبضہ میں زمین کی ساری دولت ہو اور اتنی ہی اور۔ اس سب کو قیامت کے دن کے عذاب کے عوض میں دینا چاہیں تو بھی ان سے قبول نہ ہوگی اور انہیں دردناک سزامل کر رہے گی، وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل بھاگیں مگر نہ نکل سکیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا، اور چور خواہ مرد ہو یا عورت الف لام (السارق اور السارقۃ) دونوں میں موصولہ مبتداء مشابہ بالشرط ہے اور اسی وجہ سے اس کی خبر پر فاء داخل ہے

اوروہ فاقطعوا ایدیھما ہے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یعنی ہر ایک کے داہنے ہاتھ کو گٹے سے کاٹ دو، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ وہ مقدار کہ جس کے عوض (ہاتھ) کاٹا جائیگا چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ ہے اور اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پیر ٹخنے سے کاٹا جائیگا، پھر بایاں ہاتھ پھر دایاں پیر، اور اس کے بعد تعزیری سزا دی جائے گی، یہ ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے، اور اللہ کی جانب سے ان کے لیے بطور سزا کے ہے، اور اللہ اپنے حکم میں غالب اپنی مخلوق کے بارے میں باحکمت ہے جزاءً مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے پھر جس نے گناہ کے بعد توبہ کرلی یعنی سرقہ سے باز آ گیا، اور اپنے عمل کی اصلاح کرلی تو اللہ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے، (فلا تحدوھم) کے بجائے اِنّ اللّٰہ غفور رحیم، سے تعبیر کرنے کا وہی مطلب ہے جو ماسبق میں بیان ہوا، لہٰذا (سارق کے) توبہ کرلینے سے نہ تو حق العباد میں سے قطع ید ساقط ہوگا اور نہ (مسروقہ) مال کی واپسی کا حق، البتہ سنت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر مسروق منہ نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہونے سے پہلے معاف کردیا، تو قطع ساقط ہو جائیگا اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے، کیا تم نہیں جانتے؟ استفہام تقریر کے لئے ہے، کہ اللہ زمین و آسمان کی سلطنت کا مالک ہے، جس کو عذاب دینا چاہے عذاب دے گا اور جس کو معاف کرنا چاہے گا معاف کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور ان میں تعذیب اور مغفرت بھی داخل ہیں، اے رسول آپ کے لئے ان لوگوں کا طرز عمل باعث رنج نہ ہو کہ جو لوگ کفر کے بارے میں بڑی تیزگامی دکھاتے ہیں یعنی بڑی تیزی سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جب بھی موقع پاتے ہیں کفر کا اظہار کرتے ہیں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں مِن بیانیہ ہے، جنہوں نے اپنی زبان سے کہا ہم ایمان لائے ہیں (بافواھھم) قالوا سے متعلق ہے، حالانکہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے اور منافق ہیں، یا ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کرلیا ہے، اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو قبولیت کے کان سے جھوٹی بات سننے کے عادی ہیں جن کو ان کے حبار نے گھڑ لیا ہے، اور یہود میں سے ان لوگوں کے لئے آپ کی جاسوسی کرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آتے اور وہ اہل خیبر ہیں، ان میں دو شادی شدہ لوگوں نے زنا کیا تھا مگر ان لوگوں نے ان کے رجم کئے جانے کو ناپسند کیا، چنانچہ ان لوگوں نے بنی قریظہ کو آپ کی خدمت میں ان کا حکم معلوم کرنے کے لئے بھیجا، اور تورات میں مذکور حکم میں ردوبدل کرتے ہیں مثلاً آیت رجم میں، اس کا صحیح مفہوم متعین ہونے کے بعد، وہ مفہوم کہ جس کو اللہ نے متعین فرمایا ہے یعنی اس میں تبدیلی کردیتے ہیں، اور جن لوگوں کو بھیجا ان سے کہتے ہیں کہ اگر اس محرف حکم یعنی کوڑے مارنے کا محمد فتوی دیں تو قبول کرلینا اور اگر (محرف کے مطابق) فتوی نہ دیں بلکہ اس کے خلاف فتویٰ دیں تو اس کو قبول کرنے سے اجتناب کرنا، اور اللہ جسے فتنے گمراہی میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو تم اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے یعنی اسکے دفاع کے لئے کچھ نہیں کرسکتے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے قلوب کو کفر سے اللہ کا پاک کرنے کا ارادہ نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ (پاک کرنے کا) ارادہ کرتے تو ضرور پاک ہو جاتے ان کے لئے دنیا میں رسوائی کے جزیہ کے ساتھ بڑی ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے، اور یہ لوگ کان لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور حرام مال کے کھانے والے ہیں

مثلاً رشوت کے ذریعہ، اگر یہ لوگ آپ سے اپنا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کے پاس آئیں، (اگر چاہو) تو ان کے درمیان فیصلہ کردو یا انکار کردو، یہ اختیار اللہ تعالیٰ کے قول "و ان احکم بینھم" کے ذریعہ منسوخ ہے، لہٰذا اگر وہ فیصلہ ہمارے پاس لائیں تو اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اقوال میں سے یہ صحیح تر ہے، اور اگر کسی مسلمان کے ساتھ ہمارے پاس مقدمہ لائیں تو بالاتفاق فیصلہ کرنا واجب ہے، اور اگر تم انکار کردو تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ صحیح صحیح فیصلہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فیصلہ میں انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں یعنی ان کو اجر عطا فرمائیں گے، اور یہ لوگ آپ کو کیسے حَکَم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اس میں رجم کا خدائی حکم موجود ہے استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی اس سے ان کا مقصد معرفتِ حق نہیں ہے بلکہ ان کیلئے آسانی تلاش کرنا ہے، پھر یہ لوگ آپ کے رجم کے فیصلے کے بعد جو ان کی کتاب کے مطابق ہے اعراض کرتے ہیں، در حقیقت یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ثَبَتَ.

سوال: لَوْ ثَبَتَ اَنَّ لَھُمْ میں ثَبَتَ مقدر ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: لَوْ حرفِ شرط چونکہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے اگر ثَبَتَ فعل مقدر نہ مانا جائے تو، لَوْ کا حرف پر داخل ہونا لازم آئیگا۔

قولہ: اَلْ، الف لام موصولہ ہیں معنی میں اَلَّذِیْ سَرَقَ وَالَّتِیْ سَرَقَتْ کے ہے اسم موصول مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے اسلئے اس کی خبر فاقطعوا پر متضمن بمعنی جزاء ہونے کی وجہ سے فاء داخل ہے۔

قولہ: نَصْبٌ عَلَی الْمَصْدَرِیَّۃِ، یعنی جزاءً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای یُجْزَوْنَ جزاءً.

قولہ: فی التَّعْبِیْرِ بھذا یعنی فَمَنْ تاب من بعد ظلمہ کے جواب میں فَلَا تحدّو نہیں فرمایا بلکہ فاِن اللّٰہ یتوب علیہ فرمایا، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی وجہ سے حقوق العباد کو معاف نہ فرمائیں گے، یعنی آخرت کی سزا تو معاف فرما سکتے ہیں جو کہ حقوق اللہ ہے مگر دنیا کی سزا جو کہ قطع ید اور مسروقہ مال کی واپسی ہے معاف نہ فرمائیں گے، اور اِن اللّٰہ غفورٌ رحیم کی تعبیر میں بھی یہی مقصد ہے۔

قولہ: لا یَحْزُنْكَ صُنع، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حزن و ملال کا تعلق ذات سے نہیں بلکہ فعل سے ہوتا ہے اسی مقصد کے لئے مفسرِ علّام نے صنع کا اضافہ کیا ہے۔

قولہ: سمّٰعُوْنَ، یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای ھم سمّٰعون.

قولہ: مِن بعد مَواضعِهٖ ، ای من بعد تحقق مواضِعِهِ الّتی وضع اللّٰه، یعنی کلمہ کا مفہوم منجانب اللہ متعین ہونے کے باوجود کلمہ کو اس کے حقیقی مفہوم سے ہٹا دیتے تھے۔

قولہ: اَلسُّحت، حرام یہ سَحتَهٗ، سے ماخوذ ہے اس وقت بولتے ہیں جب کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے حرام مال چونکہ مسحوت البرکت ہوتا ہے اسی لئے اس کو سُحت کہا جاتا ہے، اکّالون للسحت، وہ بڑے حرام خور ہیں۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّھَا الَّذِیْن آمنوا اتقوا للّٰه وابتغوا اِلَیْه الوسیلة ، وسیله، وسْلٌ مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں، سین اور صاد دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے فرق اتنا ہے کہ صاد سے مطلقاً ملنے اور جڑنے کے معنی میں ہے اور سین سے رغبت ومحبت کے ساتھ ملنے اور جڑنے کے معنی میں۔ وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو، کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کرو جن سے تمہیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے، علامہ شوکانی فرماتے ہیں "انّ الوَسِیلَةَ التی هِیَ القربة تصدق علی التقویٰ وعلی غیرها من خصال الخیر التی یتقرب العباد بها الی ربّهمْ" یہاں وسیلہ کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو عام لوگ مراد لیتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے، البتہ حدیث میں اس مقامِ محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا جائیگا، اسی لئے آپ نے فرمایا جو اذان کے بعد میرے لئے وسیلہ کی دعاء کریگا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

دعاء وسیلہ:

دعاء وسیلہ جو اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے یہ ہے، اللّٰهُمَّ ربّ هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة، اٰتِ محمدًا نِ الوسیلة والفضیلة وَابعثه مقامًا محمودًانِ الذی وَعَدْتَهٗ.

اِنَّ الذین کفروا لو انّ لهم مافی الارض جمیعا (الآیة) حدیث میں آتا ہے کہ ایک جہنمی کو جہنم سے نکال کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیگا، تو نے اپنی آرام گاہ کیسی پائی؟ وہ کہے گا بدترین آرام گاہ ہے اللہ تعالیٰ فرمائیگا کیا تو زمین بھر فدیہ دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرےگا؟ وہ اثبات میں جواب دیگا، اللہ تعالیٰ فرمائیگا میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بہت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا، تو نے وہاں اس کی پرواہ نہیں کی، اور اسے دوبارہ جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔ (صحیح مسلم صفة القیامه بخاری شریف کتاب الرقاق والانبیاء)

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما. (الآیة)

سرقہ کے لغوی معنی اور شرعی تعریف:

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی کے محفوظ مال کو بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو سرقہ کہتے ہیں، یہی سرقہ کی شرعی تعریف ہے، اس تعریف کی رو سے سرقہ ثابت ہونے کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چور کی نہ اس میں ملکیت ہو اور نہ ملکیت کا شبہ، اور نہ ایسی چیز کہ جس میں عوام کے حقوق مساوی ہوں جیسے استفادۂ عام کی اشیاء اور ادارے، ان میں چوری کی سزا جاری نہ ہوگی البتہ حاکم اپنی صوابدید کے مطابق تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

دوسری شرط مال کا محفوظ ہونا ہے مال غیر محفوظ کو اگر کوئی شخص اٹھا لے تو اس پر بھی حدِ سرقہ جاری نہ ہوگی، البتہ عند اللہ گنہگار ہوگا، اور اس پر تعزیری سزا بھی جاری کی جاسکتی ہے۔

تیسری شرط بلا اجازت لینا ہے، جس مال کے لینے یا استعمال کرنے کی اجازت ہو اور وہ اس کو اٹھا کر لیجائے تب بھی حد سرقہ جاری نہ ہوگی، امت کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائیگا، سرقہ کا اطلاق خیانت پر نہ ہوگا، نبی ﷺ نے فرمایا، ''لا قطع علیٰ خائن''۔

مقدار مال مسروقہ جس پر ہاتھ کاٹا جائیگا:

آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، ایک ڈھال کی قیمت نبی ﷺ کے زمانہ میں بروایت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا دس درہم اور بروایت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا تین درہم اور بروایت انس بن مالک پانچ اور بروایت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا ربع دینار ہوتی تھی، قیمت کا مذکورہ اختلاف ڈھال کی نوعیت کے اعتبار سے ہوسکتا ہے، اسی اختلاف کی وجہ سے فقہاء کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے، اور امام مالک وشافعی رَحِمَھُمَا اللہُ تَعَالٰی واحمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک چوتھائی دینار ہے جو اس زمانہ کے درہم میں تین ماشہ (۱/۵۱) رتی چاندی ہوتی تھی، اور ایک چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی ہوتا تھا۔

مفسرِ علام نے چوری کی جو سزا بیان فرمائی ہے وہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک ہے احناف کے نزدیک پہلی مرتبہ چوری میں دایاں ہاتھ اور دوسری مرتبہ چوری میں بایاں پیر کاٹا جائیگا، اس کے بعد بھی اگر اس نے چوری کی تو حاکم اپنی صوابدید کے مطابق تعزیری سزا دے گا۔

بہت سی اشیاء کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا:

آپ ﷺ کی ہدایت ہے کہ ''لا قطع فی ثمرة و لا کثر'' پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، لا قطع فی طعام، کھانے کی چیزوں میں قطع ید نہیں ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، ''لم یکن قطع السارق علی عهد رسول الله ﷺ فی الشئ التافه'' یعنی معمولی چیزوں کی چوری میں نبی ﷺ کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا، لا قطع فی الطیر'' پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے، نیز حضرت عمر وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان چوریوں پر سرے سے کوئی سزا ہی نہ دی جائے، مطلب یہ ہے کہ ان چوریوں میں ہاتھ نہ کاٹا جائے حاکم جو مناسب سمجھے تعزیری سزا جاری کرسکتا ہے۔

اسلامی سزاؤں کے متعلق اہل یورپ کا واویلاہ:

اسلامی سزاؤں کے متعلق اہل یورپ اور ان کی تہذیب سے متاثر لوگوں کا یہ عام اعتراض ہے کہ یہ سزائیں سخت ہیں، اس کے متعلق یہ بات پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے صرف پانچ جرموں کی سزائیں خود مقرر کیں ہیں، جن کو شرعی اصطلاح میں حد کہا جاتا ہے، ① ڈاکہ کی سزا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹنا ② چوری کی سزا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹنا، ③ زنا کی سزا بعض صورتوں میں سوکوڑے لگانا اور بعض میں سنگسار کرنا، ④ زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کی سزا اسی (۸۰) کوڑے لگانا، پانچویں ⑤ حد شرعی شراب نوشی کی ہے اس کی سزا بھی اسّی کوڑے ہیں، مذکورہ پانچ جرائم کے سوا دیگر تمام جرائم کی سزا حاکم وقت کی صوابدید پر ہے، اس کے علاوہ مذکورہ پانچ جرائم میں بہت سی صورتیں ایسی نکلیں گی کہ ان میں حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں ہوگا، بلکہ حاکم وقت کی صوابدید کے مطابق تعزیری سزائیں دی جائیں گی۔

اسلامی سزاؤں کا مقصد:

اسلامی سزاؤں کا مقصد ایذاء رسانی نہیں بلکہ انسداد جرائم اور امن عامہ کو قائم کرنا ہے، شرعی سزاؤں کے نفاذ کی نوبت شاذ ونادر ہی آتی ہے، عام حالات میں حدود والے جرائم میں بھی تعزیری سزائیں جاری ہوتی ہیں، لیکن اگر حدود کی شرائط کی تکمیل کے ساتھ جرم ثابت ہوجائے کہ جو نہایت مشکل ہے تو پھر مجرم کو ایسی عبرتناک سزا دی جاتی ہے جس کی ہیبت لوگوں کے قلب و دماغ پر مسلط ہوجائے، اور اس جرم کے تصور سے بدن پر لرزہ طاری ہوجائے بخلاف مروجہ تعزیری قوانین کے کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں ایک کھیل ہیں، جیل خانہ میں بیٹھے ہوئے بھی آئندہ اس جرم کو اور زیادہ بہتر طریقہ سے کرنے کے پروگرام بناتے ہیں اور جیل سے رہائی پانے کے وقت وہ کہہ کر آتے ہیں ہماری جگہ محفوظ رکھی جائے ہم بہت جلد واپس آنے والے ہیں۔

حدود شرعیہ کے نفاذ کی تاثیر:

بخلاف ان ممالک کے کہ جن میں حدود شرعیہ نافذ کی جاتی ہیں ان کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو حقیقت سامنے آجائے گی، وہاں نہ آپ کو بہت سے لوگ ہاتھ کٹے ہوئے نظر آئیں گے اور نہ سالہا سال میں وہاں سنگساری کا کوئی واقعہ نظر آئیگا مگر سزاؤں کی دھاک قلوب پر ایسی ہے کہ وہاں چوری ڈاکہ اور بے حیائی کا نام تک نظر نہ آئیگا سعودی عربیہ کے حالات سے عام مسلمان براہ راست واقف ہے، دن میں پانچ مرتبہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے کہ دکانیں کھلی ہوئی ہیں ان میں لاکھوں کا سامان پڑا ہوا ہے دکان کا مالک دکان بند کئے بغیر نماز کے لئے حرم میں بے فکر ہو کر چلا جاتا ہے، اس کو کبھی یہ وسوسہ بھی نہیں پیش آتا کہ اس کی دکان سے کوئی چیز غائب ہو جائے گی، اور یہ ایک دن کا معمول نہیں ہے بلکہ روزمرہ کا معمول ہے دنیا کے کسی متمدن اور مہذب ملک میں ایسا کر کے دیکھئے تو ایک دن میں سینکڑوں چوریاں اور ڈاکے پڑ جائیں گے۔

تہذیب نو اور حقوق انسانی کے دعویداروں کی عجیب منطق:

یہ عجیب بات ہے کہ جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ تو ہمدردی ہے مگر پورے عالم انسانیت پر رحم نہیں کرتے جن کی زندگی ان جرائم پیشہ لوگوں نے اجیرن بنا رکھی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مجرم پر ترس کھانا پوری انسانیت پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان اسلامی سزاؤں پر اعتراض کے لئے ان لوگوں کی زبانیں اٹھتی ہیں لیکن جن کے ہاتھ ہیروشیما کے لاکھوں بے گناہ بے قصور انسانوں کے خون سے رنگین ہیں ان کے خلاف ان کی زبانوں کو تالا لگا ہوا ہے۔

اور حال ہی میں جن لوگوں نے افغانستان اور عراق میں ہزاروں بے گناہ بے قصور عورتوں بچوں بوڑھوں اور مریضوں کو ایک ہی دن میں موت کی نیند سلا دیا جن کے ہاتھوں سے ابھی تک بے قصوروں کا خون ٹپک رہا ہے جن کی خون آشامی کی طلب دن بدن بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور روزانہ ایک نئے شکار کی تلاش وجستجو رہتی ہے۔

شان نزول:

والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما:

جس مخزومی عورت کے چوری کے واقعہ کے وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں اس عورت کا قصہ صحیحین اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں کچھ اس طرح مذکور ہے فتح مکہ کے وقت ایک مخزومی عورت نے چوری کی تھی یہ عورت چونکہ شریف اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھی جس کی وجہ سے قریش کیلئے اس کا ہاتھ کاٹنا شاق تھا، اسلئے قریش نے حضرت اسامہ بن زید سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سفارش کرائی، آپ کو یہ سفارش سنکر غصہ آ گیا تو آپ نے فرمایا تعزیرات الٰہی میں بھی بندوں کی سفارش کا کچھ دخل ہوسکتا ہے؟ بالفرض اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا، غرض آپ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا

حکم صادر فرمایا، جب اس عورت کا ہاتھ کٹ چکا تو اس عورت نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضرت میری توبہ بھی قبول ہوگی آپ نے فرمایا تو اب ایسی ہوگئی جیسے آج ہی تیری ماں نے تجھے جنا ہے۔

مال مسروقہ کی مقدار پر ہاتھ کاٹنے پر اعتراض:

ابوالعلاء شاعر نے بغداد کے فقہاء پر ایک اعتراض کیا تھا جو مال مسروقہ کی مقدار کے بارے میں تھا، اعتراض کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کی شرعی دیت پانچسو دینار ہیں، اور اگر کوئی شخص کسی کی کوئی چیز چرالے تو تین پر یا دس درہم پر پانچسو دینار کی مالیت کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

جواب: جب تک وہ ہاتھ چوری میں ملوث نہیں ہوا تھا تو اللہ کے نزدیک معزز اور معصوم تھا جو کہ عنداللہ گراں قدر تھا، مگر جب وہ چوری کی گندگی میں آلودہ ہوگیا تو وہ عنداللہ بے حیثیت اور بے قیمت ہوگیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت گھٹ گئی۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ شریعت کے احکام برے کاموں سے روکنے کیلئے ہیں اسلئے چور کو تو یوں روکا کہ تین درہم تک ہاتھ کٹنے کا خوف رہے اور خون خرابہ کرنے والوں اور ملک میں فساد برپا کرنے والوں کو یوں روکا کہ اگر تم کسی کا ہاتھ کاٹو گے تو پانچ سو اشرفیاں تاوان دینا ہوگا۔

شان نزول:

یٰاَیُّھَا الرسول لا یحزنك (الآیة) آیت ۴۱ اور ۴۴ کے شان نزول میں دو واقعے بیان کئے گئے ہیں ایک تو شادی شدہ مرد و عورت کا ہے، تورات میں شادی شدہ زانیوں کی سزا سنگسار تھی اور آج بھی ہے لیکن یہ واقعہ چونکہ ایک بڑے گھرانے کا تھا اس لئے وہ سنگساری کی سزا سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس فیصلہ کرائیں، اگر انہوں نے ہمارے ایجاد کردہ طریقہ کے مطابق یعنی کوڑے مارنے اور منہ کالا کر کے گھمانے کی سزا تجویز کی تو مان لیں گے اور اگر سنگساری کا فیصلہ کیا تو نہیں مانیں گے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فیصلے کے طالب ہوئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تورات میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور رسوا کرنا ہے، عبداللہ بن سلام نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو تورات میں تو رجم کا حکم ہے، جاؤ تورات لیکر آؤ، یہود تورات لا کر پڑھنے لگے تو آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھیں، عبداللہ بن سلام نے کہا ہاتھ اٹھاؤ ہاتھ ہٹایا تو وہاں آیت رجم موجود تھی بالآخر اعتراف کرنا پڑا کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں تورات میں آیت رجم موجود ہے چنانچہ دونوں زانیوں کو رجم کر دیا گیا۔

(صحیحین اور دیگر کتب)

دوسرا واقعہ:

دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہود کا ایک قبیلہ نو دکو یہود کے دیگر قبیلوں سے زیادہ معزز اور اعلیٰ سمجھتا تھا، اور اسی وجہ سے اپنے مقتول کی دیت سو وسق اور دیگر قبیلوں کے مقتول کی قیمت پچاس وسق مقرر کر رکھی تھی، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کے دوسرے قبیلوں کو کچھ حوصلہ ہوا تو انہوں نے سو وسق دیت دینے سے انکار کر دیا، قریب تھا کہ ان کے درمیان اس مسئلہ پر جنگ چھڑ جائے، لیکن ان کے سمجھدار لوگ نبی ﷺ کے پاس فیصلہ کرنے پر رضامند ہو گئے، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ، ابتداء جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تھی یہودی اس وقت تک باقاعدہ اسلامی ریاست کی باقاعدہ رعایا نہیں تھے بلکہ اسلامی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات معاہدات پر مبنی تھے، یہودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی ان کے مذہبی مقدمات کے فیصلے انہی کے قوانین کے مطابق ان کے اپنے جج کرتے تھے، نبی ﷺ کے پاس یا آپ کے مقررہ کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کیلئے وہ از روئے قانون مجبور نہ تھے لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے ان کا فیصلہ کرانے کے لئے نبی ﷺ کے پاس اس امید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کیلئے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے قانون سے بچ جائیں۔

شان نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم و ابن اسحٰق نے عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ان آیتوں کے نزول میں یہ قصہ روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس اور یہودی علماء نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے یہ فریب کیا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ معاملات میں اختلاف ہو گیا ہے ہم چند مقدمات آپ کے پاس لائے ہیں ان مقدموں کو اگر آپ ہماری خواہش کے مطابق فیصلہ کر دیں گے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے اور ہم چونکہ علماء ہیں ہمارا قوم میں اثر ہے اسلئے دیگر لوگ بھی مسلمان ہو جائیں گے، مگر باطنی طور پر ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ دھوکا کھا کر حکم الٰہی کے خلاف فیصلہ کر دیں تو آپ کی نبوت میں طرح طرح کے شبہات ڈالیں، مگر آپ نے اس طرح فیصلے سے انکار فرما دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہوشیار اور باخبر کرنے کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں، اور فرمایا اے رسول اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کرنا منظور فرمائیں تو انصاف سے فیصلہ کریں، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، لیکن اگر ان کو انصاف منظور ہوتا تو یہ لوگ تورات کے اس حکم سے نہ پھرتے جن پر تمام انبیاء بنی اسرائیل کا عمل تھا۔

إِنَّآ أَنزَلۡنَا ٱلتَّوۡرَىٰةَ فِيهَا هُدًى من الضَّلَالَةِ وَنُورٌ بَيَانٌ لِلْأَحْكَامِ يَحۡكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ من بني إسْرائيل ٱلَّذِينَ أَسۡلَمُواْ انقادُوا اللّٰهَ لِلَّذِينَ هَادُواْ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ العُلماءُ منهم وَٱلۡأَحۡبَارُ الفُقَهاءُ بِمَا اي بسَبَب الذي ٱسۡتُحۡفِظُواْ استُودِعُوْهُ اي اسْتَحْفَظَهُمُ اللّٰهُ اياه مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ أن يُبَدِّلُوْهُ وَكَانُواْ عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ أنَّهُ حَقٌّ فَلَا تَخۡشَوُاْ ٱلنَّاسَ أيُّهَا اليَهُودُ في إظْهارِ ما عندكم من نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والرَّجْمِ وغَيرِهما وَٱخۡشَوۡنِ في كِتْمَانِه وَلَا تَشۡتَرُواْ تَستَبدِلُوْا بِـَٔايَٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا من الدُّنيا تَاخُذُوْنَهُ على كِتْمَانِه وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾ به وَكَتَبۡنَا فَرَضْنا عَلَيۡهِمۡ فِيهَآ اي التوراةِ أَنَّ ٱلنَّفۡسَ تُقتَلُ بِٱلنَّفۡسِ اذا قتلَتْها وَٱلۡعَيۡنَ تُفقَأُ بِٱلۡعَيۡنِ وَٱلۡأَنفَ تُجدَعُ بِٱلۡأَنفِ وَٱلۡأُذُنَ تُقطَعُ بِٱلۡأُذُنِ وَٱلسِّنَّ تُقلَعُ بِٱلسِّنِّ وفي قِراءَةٍ بالرفع في الاربعة وَٱلۡجُرُوحَ بالوَجهَين قِصَاصٌ اي يُقتَصُّ فيما أمكَنَ كَاليَدِ والرِّجْلِ والذَّكَرِ ونحو ذلك وما لا يُمكِنُ فيه الحُكُومَةُ وهذا الحُكْمُ وان كُتِبَ عليهم فهو مُقرَّرٌ في شَرْعِنا فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ اي بالقِصاص بانْ مكَّن من نفسِه فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ لِمَا أتاهُ وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ في القِصَاص و غيرِه فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيۡنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم أتْبَعْنا اي النَّبِيِّيْنَ بِعِيسَى ٱبۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ قَبلَهُ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِۖ وَءَاتَيۡنَٰهُ ٱلۡإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى من الضَّلَالَةِ وَنُورٌ بَيَانٌ لِلأحكَامِ وَمُصَدِّقًا حالٌ لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ لما فيها من الاحكامِ وَهُدًى وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وقُلنا وَلۡيَحۡكُمۡ أَهۡلُ ٱلۡإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِۚ من الاحكام وفي قِراءَةٍ بنَصبِ يَحْكُمَ وكَسْرِ لامِه عَطْفًا على معمول آتَيْنَاهُ وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ يا محمدُ ٱلۡكِتَٰبَ القرآنَ بِٱلۡحَقِّ مُتعلِّقٌ بأنزلنا مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ قبله مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَمُهَيۡمِنًا شاهدا عَلَيۡهِۖ والكتابُ بمعنى الكُتُبِ فَٱحۡكُم بَيۡنَهُم بين أهلِ الكتابِ اذا تَرافَعُوْا اليك بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ اليك وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡ عادلًا عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلۡحَقِّۚ لِكُلّٖ جَعَلۡنَا مِنكُمۡ أيُّها الأُمَمُ شِرۡعَةً شَرِيعَةً وَمِنۡهَاجًا طَرِيقًا واضِحًا في الدِّينِ تَمْشُوْنَ عليه وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَكُمۡ أُمَّةً وَٰحِدَةً على شَرِيعَةٍ واحدةٍ وَلَٰكِن فَرَّقَكُم فِرَقًا لِّيَبۡلُوَكُمۡ لِيَختبِرَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمۡ من الشَّرائعِ المُختلِفَةِ لِيَنظُرَ المُطِيعَ منكم والعاصيَ فَٱسۡتَبِقُواْ ٱلۡخَيۡرَٰتِۚ سارِعُوْا اليها إِلَى ٱللَّهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيعًا بالبَعْثِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ فِيهِ تَخۡتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾ من أمرِ الدِّينِ ويَجزِي كُلًّا منكم بعَمَلِه وَأَنِ ٱحۡكُم بَيۡنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡ وَٱحۡذَرۡهُمۡ أَن لا يَفۡتِنُوكَ يُضِلُّوكَ عَنۢ بَعۡضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيۡكَۖ فَإِن تَوَلَّوۡاْ عن الحُكمِ المُنزَلِ وأرادُوْا غيرَهُ فَٱعۡلَمۡ أَنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بالعُقُوبَةِ في الدنيا بِبَعۡضِ ذُنُوبِهِمۡۗ التي أتَوْهَا ومنها التَّوَلِّي ويُجازِيهِم على جَمِيعِها في الأُخرى وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ لَفَٰسِقُونَ ﴿٤٩﴾ أَفَحُكۡمَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ يَبۡغُونَۚ بالياءِ والتاءِ يَطلُبُوْنَ من المُداهَنَةِ والمَيلِ اذا تَوَلَّوا

استفہام انکار **وَمَنْ** ای لا احد **اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ** عند قوم **يُّوْقِنُوْنَ** به خصوا بالذکر لانہم یتدبرونہ.

ترجمہ: ہم نے تورات نازل کی جس میں گمراہی سے ہدایت اور روشنی تھی (یعنی) احکام کا بیان تھا، بنی اسرائیل کے تمام انبیاء جو کہ مسلمان اللہ کے تابع فرمان تھے، یہودیوں کے لئے اسی کے ذریعہ فیصلے کرتے تھے اور ان کے علماء اور فقہاء بھی (اسی کے ذریعہ فیصلے کرتے تھے) اس سبب سے کہ ان کو اللہ نے اس کا محافظ بنایا تھا یعنی ان کو اس پر امین بنایا تھا بایں طور کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کا مطالبہ کیا تھا، اس میں ردوبدل کرنے سے، اور وہ اس کے برحق ہونے پر شاہد تھے، پس اے یہود تم محمد ﷺ کی ان صفات کے اور رجم وغیرہ کے اظہار کے بارے میں جو تمہارے پاس ہیں لوگوں سے مت ڈرو (بلکہ) ان کے چھپانے کے بارے میں مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کو دنیوی قلیل معاوضہ کے بدلے جس کو تم اس کو چھپانے کے عوض میں لیتے ہو مت بیچو، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں اور ہم نے ان پر تورات میں مقرر کر دیا ہے کہ جان کو جان کے بدلے قتل کیا جائیگا جب (قاتل) اس کو قتل کرے، اور آنکھ، آنکھ کے بدلے پھوڑی جائیگی اور ناک ناک کے بدلے کاٹی جائے گی، اور کان کان کے بدلے کاٹا جائیگا، اور دانت دانت کے بدلے اکھاڑا جائیگا اور ایک قراءت میں چاروں جگہ رفع کے ساتھ ہے، اور زخموں میں برابری ہے (جروح) میں بھی دونوں وجہ (رفع ونصب) ہیں، یعنی ان میں برابری کی جائیگی جبکہ ممکن ہو، جیسا کہ ہاتھ، پیر اور ذکر وغیرہ میں اور جس میں برابری ممکن نہ ہو اس میں عادل کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا یہ (مذکورہ) حکم اگرچہ ان پر فرض کیا گیا ہے مگر وہ ہماری شریعت میں بھی ثابت ہے پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے اس طور پر وہ اپنی ذات پر قدرت دیدے تو اس کا یہ عمل اس کے فعل (قتل) کا کفارہ ہے اور جو لوگ قصاص وغیرہ کے معاملہ میں اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں اور ہم نے ان نبیوں کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو ان سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا، اور ان کو انجیل عطا کی جس میں گمراہی سے رہنمائی تھی اور احکام کا بیان تھا حال یہ ہے کہ وہ اپنے سے سابق کتاب تورات یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرنے والی ہے اور خداترس لوگوں کے لئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی، اور ہم نے حکم دیا کہ اہل انجیل ان احکام کے مطابق فیصلہ کریں جو ہم نے اس میں نازل کئے ہیں اور ایک قراءت پر عطف کرتے ہوئے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں، اور اے محمد ہم نے آپ کے پاس کتاب قرآن حق کے ساتھ نازل کی ہے (بالحق) انزلنا کے متعلق ہے، اور اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے اور اس پر شاہد ہے اور کتاب بمعنی کتب ہے، لہٰذا تم اہل کتاب کے درمیان جب وہ تمہارے پاس فیصلہ لائیں تو آپ نازل کردہ خدائی قانون کے ذریعہ فیصلہ کریں، اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس سے روگردانی کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور تم میں سے ہر ایک کے لئے اے لوگو ہم نے ایک شریعت اور دین کا واضح طریقہ متعین

کیا ہے کہ جس پر تم چلو، اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا ایک شریعت کے ماننے والی، لیکن اس نے تم کو مختلف فرقے بنایا تاکہ وہ تم کو ان شرائع مختلفہ میں آزمائے جو تم کو دی ہیں تاکہ وہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان کو دیکھے، لہٰذا بھلائیوں میں سبقت کرنے کی کوشش کرو یعنی اس کی طرف جلدی کرو تم سب کو بعث کے بعد خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو اس کی اصل حقیقت بتادے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے یعنی دینی امور میں، اور تم میں سے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء دے گا اور آپ ان کے درمیان نازل کردہ خدائی قانون کے ذریعہ فیصلہ کرتے رہئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور محتاط رہئے کہ کہیں یہ لوگ آپ کو ان میں سے جو آپ پر اللہ نے نازل کی ہیں بعض باتوں سے منحرف نہ کردیں، پس اگر یہ لوگ نازل کردہ حکم سے انحراف کریں اور اس کے علاوہ کا قصد کریں تو سمجھ لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں جن کے وہ مرتکب ہوئے ہیں ان کو دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے، ان میں سے انحراف بھی ہے اور ان سب کی سزا تو آخرت میں دے گا، اور یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، اگر یہ (خدائی قانون) سے انحراف کرتے ہیں تو کیا یہ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں (یبغون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اور استفہام انکاری ہے حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے، اور اہل ایمان کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا کہ وہی اس (فیصلہ میں) غور و فکر کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلَّذِیْنَ هَادُوْا، اس کا تعلق یحکم سے ہے یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلے کرتے تھے۔

قولہ: اَلَّذین اَسْلَمُوا، النبیین کی صفت ہے۔

قولہ: الرَبَّانِیُّونَ، یہ خلاف قیاس رب کی طرف نسبت ہے، راء کے کسرہ کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے۔

قولہ: اَلْاَحبار، یہ کسرہ اور فتحہ کے ساتھ حبر کی جمع ہے بمعنی فقہاء فراء نے کہا ہے کسرہ فصیح ہے یہ تحبیر سے ماخوذ ہے بمعنی تحسین۔

قولہ: اُسْتُحْفِظُوا، اِسْتِحْفَاظ سے ماضی مجہول جمع مذکر غائب وہ نگہبان مقرر کئے گئے، یعنی احبار کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کی تحریف سے حفاظت کریں۔

قولہ: وفی قِراءةٍ بالرَّفع فی الاَربَعَةِ، چاروں جگہ مبتداء وخبر ہونے کی وجہ سے ایک قراءت میں مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔

قولہ: یُقْتَصُّ، قصاص کی تفسیر یُقْتَصُّ سے کرنے کا مقصد حمل کو درست کرنا ہے۔

قولہ: نحو ذلك، کالشفتین والانثیین والقدمین، اور جس زخم میں برابری اور مساوات ممکن نہ ہو مثلاً زخم لگا دینا یا بدن کے کسی حصہ سے گوشت اتار لینا یا ہڈی توڑ دینا، اس میں چونکہ مساوات ممکن نہیں ہے اسلئے حاکم عادل کا فیصلہ معیار ہوگا۔

قولہ: ای بالقصاص بان مَکَّنَ مِنْ نفسه، یہ تشریح امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق ہے، ورنہ امام ابوحنیفہ

رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک تَـصَـدَّقَ کے معنی معاف کرنے کے ہیں یعنی اگر مقتول کے ورثاء نے قاتل کا قصاص معاف کردیا تو یہ ان کے حق میں صدقہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قلنا۔

سُؤَالٌ: یہاں قلنا محذوف ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: تاکہ قَفَّیْنَا پر اس کا عطف صحیح ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: بنصب لیحکم، لام کیْ کے بعد اَنْ مقدرہ کی وجہ سے یَحْکُمَ منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: عـطـفـاً عَـلـٰی مَعْمُولِ آتینا، اور وہ معمول مقدر ھـدًی و موعظةً، ہے، آتَیْـنَاہُ کا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، و آتَیْنَاہُ الاِنْجیلَ للھدی والموعظة وحکمھم بہٖ۔

تفسیر و تشریح

اِنَّـا اَنـزَلْنَا التوراة فیھا حُکم اللّٰہ، سابقہ آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں سازش کا ایک قصہ ابن جریر ابن ابی حاتم نے ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن صوریا جو کہ اپنے زمانہ میں تورات کا بڑا ماہر عالم سمجھا جاتا تھا اور شاس بن قیس اور دیگر چند یہودی علماء کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فریب دہی کے ارادہ سے حاضر ہوا، اور ایک فرضی مقدمہ میں آپ سے غلط فیصلہ کرانا چاہا مگر آپ نے منع فرما دیا اور فرمایا کہ تورات میں اس مقدمہ کا حکم لکھا ہوا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرلو، اسی دوران آپ کو آگاہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ لوگ آپ سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانا ہی چاہیں تو آپ عدل وانصاف سے فیصلہ کریں اللہ کو یہی پسند ہے، اگر ان لوگوں کو انصاف منظور ہوتا تو یہ لوگ تورات کے ان احکام سے انحراف نہ کرتے جن پر تمام انبیاء بنی اسرائیل اور علماء وفقہاء کا عمل رہا ہے، اس آیت میں آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود سے ان کے اسلاف کا طرز عمل یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کو اپنے با اثر سرگروہ لوگوں کے ڈر سے یا مالداروں سے رشوت لینے کے لالچ سے تورات کے احکام بدلنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، ورنہ تمہارا شمار احکام الٰہی کے منکرین میں ہوگا، اگرچہ مذکورہ آیات یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس امت میں سے بھی اگر کوئی دانستہ قرآنی آیات کا منکر ہو اور اس میں تحریف کرے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوگا، اور اگر کوئی شخص قرآنی آیت کے حق ہونے کے اقرار کے باوجود اس پر عمل نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

وَکتبـنا عَلَیھم فیھا اَنّ النفس بالنفس (الآیة) سابقہ آیت میں یہود کی اس کارستانی کا بیان تھا کہ انہوں نے تورات میں آیت رجم کا انکار کیا تھا، اس آیت میں ان کی دوسری کارستانی کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تورات کے حکم کے مطابق ان پر قصاص فرض تھا، لیکن یہود کے بعض قبیلوں نے اس پر عمل چھوڑ دیا تھا، اور اپنی طرف سے حکم الٰہی کے برخلاف ایک اور دستور گھڑ لیا تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مدینہ کے گرد و نواح میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، بنوقریظہ اور بنونضیر، بنوقریظہ کے ہاتھوں اگر بنونضیر کے کسی شخص کا قتل ہو جاتا تو اس کا قصاص لیا جاتا تھا، اور دیت بھی اور اگر بنوقریظہ کا کوئی بنونضیر کے ہاتھوں مارا جاتا تو قصاص نہیں لیا جاتا تھا، صرف دیت دی جاتی تھی۔

بنوقریظہ اور بنونضیر کا مقدمہ آپ کی خدمت میں:

بنوقریظہ و بنونضیر کا قتل کا ایک مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، بنونضیر نے بنوقریظہ کو اپنی قوت وطاقت کے بل بوتہ پر مذکورہ خود ساختہ دستور پر مجبور کر رکھا تھا، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی اس زور زبردستی اور بددیانتی کا پردہ فاش فرما دیا کہ خود تورات میں بھی قصاص کے معاملہ میں مساوات کے احکام موجود ہیں یہ لوگ دانستہ ان سے انحراف کرتے ہیں، اور محض حیلہ جوئی کے لئے اپنا مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ تُوَالُوْنَهُمْ وتُوَادُّوْنَهُمْ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ لِاتِّحَادِهِمْ فِى الكُفرِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ مِن جُمْلَتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ بِمُوَالَاتِهِمُ الكُفَّارَ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضُعْفُ اعتقادٍ كعبدِ اللّٰهِ بنِ اُبَيِّ الْمُنَافِقِ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ فى مُوَالَاتِهِمْ يَقُوْلُوْنَ مُعْتَذِرِيْنَ عنها نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ يَدُوْرُ بِهَا الدَّهرُ علينا من جَدْبٍ او غَلَبَةٍ ولَا يَتِمُّ اَمْرُ مُحَمَّدٍ فَلَا يَمِيْرُوْنَا قال تعالٰى فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ بالنَّصرِ لِنَبِيِّه بِاِظْهَارِ دِيْنِه اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ بِهَتْكِ سِتْرِ المُنَافِقِيْنَ وَافْتِضَاحِهِمْ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ من الشَّكِّ ومُوَالَاةِ الكُفَّارِ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُوْلُ بالرَّفعِ اِسْتِيْنَافًا بِوَاوٍ ودُوْنِهَا وبالنَّصبِ عَطْفًا على يَأْتِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِبَعْضِهِمْ اذا هُتِكَ سِتْرُهُمْ تَعَجُّبًا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فيها اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ فى الدِّيْنِ قال تعالى حَبِطَتْ بَطَلَتْ اَعْمَالُهُمْ الصَّالِحَةُ فَاَصْبَحُوْا فَصَارُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ الدُّنْيَا بالفَضِيْحَةِ والاٰخِرَةِ بالعِقَابِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ بالفَكِّ والادْغَامِ يَرْجِعْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ الى الكُفرِ اِخْبَارٌ بما عَلِمَ تعالى وُقُوْعَهٗ و قد ارْتَدَّ جَمَاعَةٌ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بَدَلَهُمْ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ قال صلى اللّٰه عليه وسلم هم قَوْمُ هٰذَا واَشَارَ اِلَى ابى موسى الاَشْعَرِىِّ رَوَاهُ الحَاكِمُ فى صحيحه اَذِلَّةٍ عَاطِفِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ اَشِدَّاءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ فيه كَمَا

يَخَافُ الْمُنَافِقُوْنَ لَوْمَ الْكُفَّارِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْاَوْصَافِ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ كَثِيْرُ الْفَضْلِ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ بِمَنْ هُوَ اَهْلُهٗ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ سَلَامٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَوْمَنَا هَجَرُوْنَا اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ خَاشِعُوْنَ اَوْ يُصَلُّوْنَ صَلٰوةَ التَّطَوُّعِ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيُعِيْنُهُمْ وَيَنْصُرُهُمْ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ لِنَصْرِهِ اِيَّاهُمْ اَوْقَعَهٗ مَوْقَعَ فَانَّهُمْ بَيَانًا لِاَنَّهُمْ مِنْ حِزْبِهٖ اَيْ اَتْبَاعِهٖ.

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، کہ ان سے دلی دوستی اور محبت کرنے لگو، یہ تو آپس ہی میں ان کے کفر میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا دوست بناتا ہے تو وہ بھی منجملہ ان ہی میں شمار ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ کفار سے دوستی کر کے ظلم کرنے والوں کی رہنمائی نہیں کرتا، تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یعنی ضعفِ اعتقاد ہے جیسا کہ عبداللہ بن اُبی منافق ان کی دوستی میں سبقت کرتے ہیں، اور عذر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم کسی چکر میں نہ پھنس جائیں، یعنی گردش زمانہ ہمارے اوپر قحط سالی یا مغلوبیت نہ ڈالدے، اور (ادھر) محمد ﷺ کا مشن پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے تو یہ لوگ ہمیں غلہ بھی نہ دیں، مگر بعید نہیں کہ اللہ اپنے نبی کی نصرت کے ذریعہ اس کے دین کو غالب کر کے اس کو فتح عطا فرمادے، یا کوئی دوسری صورت اپنی جانب سے منافقین کی پردہ دری کر کے اور ان کو رسوا کر کے ظاہر فرمادے، تو یہ (منافق) اس نفاق اور کفار سے دوستی پر جسے اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے، اس وقت اہل ایمان آپس میں تعجب سے کہیں گے (یَقُوْلُ) رفع کے ساتھ بطور استیناف کے، واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے اور نصب کے ساتھ، یاتی پر عطف کی وجہ سے، جبکہ ان کی پردہ دری کردی جائے گی، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی بڑی زوردار قسمیں کھایا کرتے تھے، کہ بلاشبہ ہم دین میں تمہارے ساتھ ہیں ان کے سب اعمال صالحہ ضائع ہوگئے اور دنیا میں رسوائی کی وجہ سے اور آخرت میں عذاب کی وجہ سے زیاں کاروں میں ہوں گے، اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم میں سے جو اپنے دین سے کفر کی طرف پھرتا ہے (تو پھر جائے) (یَرْتَدُّ) ادغام اور ترک ادغام (دونوں جائز ہیں) بمعنی یَرْجِعُ، یہ اس واقعہ کی خبر دینا ہے جس کے وقوع سے اللہ واقف ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایک جماعت مرتد ہوگئی، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں ایسے لوگ پیدا کردے گا کہ جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، آنحضرت ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ اس کی قوم ہوگی، اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جو مومنین کے بارے میں نرم (مہربان) اور کفار کے معاملہ میں سخت ہوں گے اور اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور اس معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، جیسا کہ منافق کافروں کی ملامت سے ڈرتے ہیں یہ مذکورہ اوصاف اللہ کا فضل ہے اللہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور فضل کا کون اہل ہے؟ اسے خوب جاننے والا ہے (آئندہ آیت اس وقت

نازل ہوئی) جب عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو ہماری قوم نے چھوڑ دیا (آپ نے فرمایا) تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی اختیار کرتے ہیں یا نفلی نماز پڑھتے ہیں، اور جس نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو اپنا رفیق بنالیا تو وہ ان کی اعانت اور نصرت کرے گا، (وہ سمجھ لے) کہ اللہ کی جماعت ہی اس کی مدد کی وجہ سے غالب رہے گی، اِنَّھُمْ، کے بجائے، حِزْبُ اللّٰہ، یہ بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ لوگ اس کی جماعت اور اس کے متبعین میں سے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: تُوَالُونَھُمْ وَتُوادّونَھُمْ.

قِوْلَہُ: توالونھم اصل میں تُوَالِیُونَھُمْ تھا ضمہ یاء پر دشوار ہونے کی وجہ سے لام کو دیدیا واوَ اور یاء دو حروف ساکن جمع ہوئے یاء کو حذف کردیا، لام کا کسرہ ساقط ہونے کے بعد تُوَالُونھم ہوگیا تُوادّون اصل میں تُوادِدون تھا، دال کو دال میں ادغام کردیا تو ادّون ہوگیا (دونوں صیغے مفاعلہ) سے مضارع جمع مذکر حاضر کے ہیں، اَوْلیاء، وَلِیٌّ کی جمع ہے، وَلی کے مختلف معنی آتے ہیں، محبت کرنے والا، دوست، مددگار، قریب، پڑوسی، حلیف، تابع وغیرہ، اسلئے تعیین معنی کی ضرورت ہوئی، مفسر علام نے توَادّوھم، کہہ کر معنی کی تعیین کردی۔

قِوْلَہُ: مِنْ جُمْلَتِھِمْ، یہود و نصاریٰ سے اجتناب میں شدت کو بیان کرنے کے لئے یہ جملہ لایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ حکمہ کحکمھم.

قِوْلَہُ: اِنَّ اللّٰہَ لا یَھْدِی القَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ، یہ اِنَّھم مِنْھُمْ کی علت ہے۔

قِوْلَہُ: یُسَارِعُوْنَ یہ قلوبھم کی ضمیر ھم سے حال ہے۔

قِوْلَہُ: دَائِرَۃ، گردش، مصیبت، یہ دورٌ سے مشتق ہے جس کے معنی گھومنے پھرنے کے ہیں، دَائرۃ، ان صفات میں سے ہے کہ جن کا موصوف مذکور نہیں ہوتا، دائرۃ موصوف یَدُوْرُ بھا اس کی صفت ہے۔

قِوْلَہُ: اَلْمِیرَۃ، غلہ، کھانا، ای الیھود والنصاریٰ لا یعطوننا المِیْرَۃَ، یعنی یہود و نصاریٰ ہم کو غلہ دینا بند کردیں گے۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اَوْلیاء، اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دلی محبت اور دوستی کا تعلق قائم کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے، اور اس پر سخت وعید فرمائی ہے کہ جو ان سے دلی دوستی کرے گا وہ انہی میں سے سمجھا جائیگا، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ غیر مسلمان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی نہیں کرنی چاہئے، غیر مسلموں سے رواداری ہمدردی، خیر خواہی عدل وانصاف اور احسان وسلوک سب کچھ کرنا چاہئے، اسلئے کہ اسلام کی یہی تعلیم ہے اسلام تو جانوروں کے

حقوق کی حفاظت کا بھی علم بردار ہے چہ جائیکہ انسان! البتہ ان سے ایسی گہری دوستی اور اختلاط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات کو نقصان پہنچے اس کی اجازت نہیں، یہی وہ مسئلہ ہے جو ترک موالات کے نام سے مشہور ہے۔

شان نزول:

مذکورہ آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔

پہلا واقعہ:

حضرت عبادہ بن صامت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ انصاری اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی دونوں زمانۂ جاہلیت سے یہود کے قبیلے بنی قینقاع کے حلیف چلے آرہے تھے، اسلام کے ظاہر ہونے کے بعد عبادہ بن صامت نے یہود کی دوستی سے اظہار بیزاری کر دیا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہدیا کہ میرے لئے اللہ اور اس کے رسول کی دوستی کافی ہے مگر عبداللہ بن ابی یہود کے ساتھ دوستی قائم رکھنے پر مصر رہا، حضرت عبادہ بن صامت کے ساتھ عبداللہ بن ابی کی اس مسئلہ میں ایک مرتبہ تیز کلامی بھی ہوگئی عبداللہ بن ابی یہود کے ساتھ دوستی قائم رکھنے پر مصر تھا اس کا کہنا تھا کہ اسلام کا ابھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہے نہ معلوم اونٹ کس کروٹ بیٹھے، اور محمد ﷺ اپنے مشن میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں، اس لئے ضروری ہے کہ یہود کے ساتھ تعلقات و روابط قائم رکھے جائیں تاکہ آڑے وقت میں کام آئیں، اسی واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ:

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو بنی قریظہ سے فہماش کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، بنو قریظہ سے ابولبابہ کے دیرینہ تعلقات تھے، بنو قریظہ نے ابولبابہ سے معلوم کیا کہ اگر ہم لڑائی موقوف کر کے اپنے قلعہ سے اتر آئیں تو آخر ہمارا انجام کیا ہوگا؟ حضرت ابولبابہ نے ہاتھ اپنے گلے پر پھیر کر اشارہ کر دیا کہ تمہارا انجام قتل ہوگا، حالانکہ یہ ایک رازداری کی بات تھی جس کا اظہار ابولبابہ کو نہیں کرنا چاہئے تھا، مگر تعلقات اور دوستی کی بنا پر خفیہ راز سے بنو قریظہ کو آگاہ کر دیا، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(احسن التفاسیر ملخصاً)

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ، (الآیة) یعنی ترک موالات کا حکم شرعی سن کر وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض نفاق ہے اپنے کافر دوستوں کی طرف دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان سے قطع تعلق کرنے میں تو ہمارے لئے خطرات ہیں، اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو یہ لوگ آڑے وقت میں ہمارے کام آسکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا مَهْزُوًّا بِهِ وَلَعِبًا مِّنَ لِلْبَيَانِ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ المشركين بالجر والنصب أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ بترك موالاتهم
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ صادقين في ايمانكم و الذين إِذَا نَادَيْتُمْ دعوتم إِلَى الصَّلَاةِ بالاذان اتَّخَذُوهَا
اى الصلوة هُزُوًا مهزوا به وَلَعِبًا بان يستهزء وا بها يتضاحكوا ذَلِكَ الا تخاذ بِأَنَّهُمْ بسبب انهم
قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ ونزل لما قال اليهود للنبي صلى الله عليه وسلم بمن تؤمن من الرسل فقال بالله وما
انزل الينا الاية فلما ذكر عيسى قالوا لا نعلم دينا شرا من دينكم قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ تنكرون
مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ اى الانبياء وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٩﴾ عطف على ان امنّا
المعنى ما تنكرون الا ايماننا ومخالفتكم في عدم قبوله المعبّر عنه بالفسق اللازم عنه وليس هذا مما
ينكر قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ اخبركم بِشَرٍّ مِنْ اهل ذَلِكَ الذى تنقمونه مَثُوبَةً ثوابا بمعنى جزاء
عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ ابعده عن رحمته وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ بالمسخ و من
عَبَدَ الطَّاغُوتَ الشيطان بطاعته وراعى في منهم معنى من وفيما قبله لفظها وهو اليهود وفى قراءة
بضم باء عبد واضافته الى مابعده اسم جمع لعبد ونصبه بالعطف على القردة أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا تميز لان
ماواهم النار وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ طريق الحق واصل السواء الوسط وذكر شر واضل فى مقابلة
قولهم لا نعلم دينا شرا من دينكم وَإِذَا جَاءُوكُمْ اى منافقوا اليهود قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا اليكم متلبسين
بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا من عندكم متلبسين بِهِ ولم يؤمنوا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ من النفاق
وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ اى اليهود يُسَارِعُونَ يقعون سريعا فِي الْإِثْمِ الكذب وَالْعُدْوَانِ الظلم وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ
الحرام كالرشى لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ عملهم هذا لَوْلَا هلا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ منهم
عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ الكذب وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ ترك نهيهم وَقَالَتِ الْيَهُودُ لما ضيق
عليهم بتكذيبهم النبى صلى الله عليه وسلم بعد ان كانوا اكثر الناس مالا يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ مقبوضة عن
ادرار الرزق علينا كنوا به عن البخل تعالى عن ذلك قال تعالى غُلَّتْ امسكت أَيْدِيهِمْ عن فعل
الخيرات دعاء عليهم وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ مبالغة فى الوصف بالجود وثنى اليد لافادة
الكثرة اذ غاية ما يبذله السخى من ماله ان يعطى بيديه يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ من توسيع او تضييق لا
اعتراض عليه وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ من القران طُغْيَانًا وَكُفْرًا لكفرهم به
وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فكل فرقة منهم تخالف الاخرى كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ
اى لحرب النبى صلى الله عليه وسلم أَطْفَأَهَا اللَّهُ اى كلما ارادوه ردهم وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اى
مفسدين بالمعاصى وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾ بمعنى انه يعاقبهم وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا بمحمد وَاتَّقَوْا الكفر

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٦٥ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ بالعمل بما فيهما ومنه الايمان
بالنبيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ من الكُتُب مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ بان
يُوَسَّعَ عليه الرِّزق ويُفيضَ من كُلِّ جهةٍ مِنْهُمْ اُمَّةٌ جماعةٌ مُّقْتَصِدَةٌ تعملُ به وهم مَن اٰمَنَ بالنبي
صلى الله عليه وسلم كعبدِ اللهِ بنِ سلامٍ واصحابه وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ بِئسَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝٦٦

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے پیش رو اہل کتاب کو جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور سامان تفریح بنایا ہے اور مِن بیانیہ ہے اور کافروں مشرکوں کو (اپنا) دوست نہ بناؤ ھزوًا بمعنی مھزوًا بہ ہے، یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے نصب کے ساتھ ہے، ان سے ترک موالات کر کے اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو، (یعنی) اپنے ایمان میں سچے ہو اور ان لوگوں کو بھی کہ جو تم نماز کیلئے اذان دیتے ہو تو وہ اس نماز کا مذاق اڑاتے ہیں اور کھیل بناتے ہیں اس طریقہ پر کہ اس کا استہزاء کرتے ہیں اور اس کی تضحیک کرتے ہیں اور ان کا یہ استہزاء وغیرہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں جب یہود نے نبی ﷺ سے کہا رسولوں میں سے تم کس رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ پر اور اس پر جو ہماری جانب نازل کیا گیا (الآیۃ) جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر فرمایا تو کہنے لگے ہم تمہارے دین سے کسی دین کو بدتر نہیں سمجھتے، تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، ان سے کہو، اے اہل کتاب تم ہم کو صرف اس وجہ سے ناپسند کرتے ہو کہ ہم اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو انبیاء سابقین پر نازل کیا گیا ہے ایمان رکھتے ہیں اور بلاشبہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں، اس کا عطف اَنْ آمنّا پر ہے معنی یہ ہیں کہ تم صرف ہمارے ایمان کو ناپسند کرتے ہو اور تم سے ہماری مخالفت ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہے جس کو فسق سے تعبیر کیا گیا ہے جو کہ ایمان کے عدم قبول کو لازم ہے اور یہ ناپسندیدہ باتوں میں سے نہیں ہے، ان سے کہو کیا میں ان لوگوں کی نشاندہی کردوں (بتلادوں) جو سزا کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک ان سے بدتر ہیں جن کو تم سمجھتے ہو مثوبۃً بمعنی جزاءً ہے اور وہ، وہ شخص ہے جس پر اللہ نے لعنت کی یعنی جس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور اس پر غضبناک ہوا، اور ان میں سے بعض کو مسخ کر کے بندر بنادیا اور بعض کو سور بنادیا اور وہ شخص ہے جس نے شیطان کی بندگی کی اس کی اطاعت کر کے، اور مِنْهُمْ میں، مَنْ کے معنی کی رعایت کی ہے اور اس کے ماقبل میں مَنْ کے لفظ کی رعایت کی ہے اور وہ یہود ہیں، اور ایک قراءت میں عَبَد، کی باء کے ضمہ اور اس کی مابعد کی طرف اضافت کے ساتھ ہے، عَبُد اسم جمع ہے اور (طاغوت) کا نصب، القردة پر عطف کی وجہ سے ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے درجے اور بھی زیادہ برے ہیں مکانًا تمیز ہے اسلئے کہ ان کا ٹھکانا آگ ہے اور راہ راست سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، (یعنی) طریق حق سے، اور سواءٌ کی اصل وسط ہے اور شرٌّ اور اضلُّ کا ذکر ان کے قول "لا نعلم دینا شرًّا من دینکم" کے مقابلہ میں ہے، اور جب یہ منافق یہودی تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، حالانکہ کفر لئے ہوئے آئے اور وہ تمہارے پاس سے کفر ہی لئے ہوئے واپس گئے، اور ایمان نہیں لائے، اور

اللہ خوب جانتا ہے اس نفاق کو جس کو یہ چھپائے ہوئے ہیں اور آپ ان میں سے یعنی یہود میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہیں کہ گناہ کذب اور ظلم کی طرف لپکتے ہیں یعنی گناہ میں بعجلت ملوث ہو جاتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں جیسا کہ رشوت، یقیناً یہ جو کچھ کرتے ہیں بہت بری حرکت ہے اور کیوں ان کے علماء اور مشائخ گناہ یعنی جھوٹ بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے نہیں روکتے ؟ ان کو منع نہ کرنا یقیناً بہت بری حرکت ہے اور جب یہود پر نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے تنگدستی ڈالدی گئی حالانکہ وہ لوگوں میں کثیر المال تھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں یعنی ہمارے اوپر رزق میں کشادگی کرنے سے بندھے ہوئے ہیں، (ید اللہ مغلولة) سے بخل کی طرف کنایہ کیا ہے (حالانکہ) اللہ تعالیٰ بخل سے بری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کے ہاتھ نیک کام سے روک دیئے گئے ہیں (یہ) ان کے لئے بد دعاء ہے، اور ان کی بکواس کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یہ صفت سخاوت میں مبالغہ ہے، کثرت کا فائدہ دینے کے لئے یَدْ کو تثنیہ لایا گیا ہے، اس لئے کہ سخی اپنے مال سے جس چیز کی سخاوت کرتا ہے، اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے لٹائے، اور جس طرح چاہے خرچ کرے خواہ وسعت سے یا تنگی سے، اس پر کسی کو انگلی اٹھانے کا حق نہیں، جو چیز آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کی گئی ہے (یعنی) قرآن یقیناً اس نے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کیا ان کے اس (قرآن) سے منکر ہونے کی وجہ سے اور (اس کی پاداش) میں ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض ڈالدیا ہے اور جب کبھی یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے یعنی جب بھی وہ حملہ آور ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو پسپا کر دیتا ہے، یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یعنی معصیت کے ذریعہ فساد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ مفسدہ پردازوں کو پسند نہیں فرماتے، مطلب یہ کہ وہ ان کو سزا دیگا، اور اگر (اس سرکشی کے بجائے) اہل کتاب محمد ﷺ پر ایمان لے آتے اور کفر سے بچتے تو ہم ان کے گناہوں کو معاف کر دیتے اور ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچا دیتے اگر ان لوگوں نے تورات وانجیل میں مذکور (احکام) پر عمل کر کے ان کو قائم کیا ہوتا اور ان ہی میں سے نبی ﷺ پر ایمان لانا بھی ہے اور ان (دوسری) کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کی گئیں، تو ان کے لئے اوپر سے بھی رزق برستا اور نیچے (زمین) سے بھی رزق ابلتا، بایں طور کہ ان پر رزق کی وسعت کر دی جاتی اور چاروں طرف سے رزق کی ریل پیل ہوتی، ان میں کچھ لوگ اعتدال پسند بھی ہیں جو اسی پر عمل کرتے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لائے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، لیکن ان کے اکثر لوگ سخت بدعمل ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لَا تَتَّخِذُوا، الخ، کلام مستانف ہے، لا تتخذوا فعل مضارع مجزوم بلا، اس کے اندر ضمیر فاعل اَلَّذی اسم موصول اِتخذوا فعل بافاعل دینکم مفعول بہ اول، ھُزُواً معطوف علیہ لَعِباً معطوف، معطوف بامعطوف علیہ مفعول بہ ثانی، جملہ ہو کر

صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مفعول اول لاتتخذوا کا، اَوْلیاءَ مفعول ثانی، لا تتخذوا ضمیر فاعل اور مفعول سے مل کر جواب نداء، نداا پنے منادیٰ اور جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر، قُلْ فعل محذوف کا مقولہ۔

قولہ: مَھْزُوًّا بہ، یعنی ھُزُوًا مصدر، مفعول کے معنی میں ہے۔

قولہ: بالجرِّ، جر الّذین پر عطف کی وجہ سے ہے۔

قولہ: النصبُ، اور کفّار کا نصب، الَّذِینَ اِتخذوا پر عطف کی وجہ سے۔

قولہ: فقال با للّٰہ و مَا اُنزِلَ الینا (الآیة) مطلب یہ ہے کہ یہود کے جواب میں آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا بھی ذکر ہے۔

قولہ: تَنْقِمُوْنَ، تم انکار کرتے ہو تم دشمنی رکھتے ہو، تم عیب جوئی کرتے ہو، یہ نَقَمٌ سے ماخوذ ہے، مضارع جمع مذکر حاضر ہے۔

قولہ: المعنی ما تُنْکِرُوْنَ اِلّا اِیْمَانَنَا، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ھل تنقمونَ میں استفہام انکاری ہے۔

قولہ: ثوابًا، اس میں اشارہ ہے کہ مَثُوْبَةً مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قولہ: وذُکِرَ شَرٌّ وَاَضَلُّ فی مُقَابَلَةِ الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: شَرٌّ اور اَضَلُّ اسم تفضیل کے صیغے ہیں جن کے لئے مفضل علیہ کی ضرورت ہوتی ہے، پیش نظر آیت میں یہود مفضل اور مسلمان مفضل علیہ ہیں، اور مفضل اور مفضل علیہ نفس وصف میں شریک ہوا کرتے ہیں لہٰذا یہود اور مسلمان نفس شرارت اور ضلالت میں شریک ہوں گے گو یہود مسلمانوں سے وصف شرارت اور ضلالت میں بڑھے ہوئے ہوں گے، حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے؟

جواب: یہاں شرارت اور ضلالت کا استعمال مقابلہ اور مشاکلة کے طور پر ہوا ہے اسلئے کہ یہود نے کہا تھا، لا نعلم دیناً شرًّا من دینکم، جیسا کہ جزاء السیئة سیئة میں جزاء ظلم کو مشاکلةً سیئة کہا گیا ہے۔

دوسرا جواب: بعض اوقات اسم تفضیل نفس زیادتی کو بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے اس وقت اس کو مفضل علیہ کی ضرورت نہیں ہوتی، یعنی اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں آتا ہے اور قرآن کریم میں اس کا استعمال بکثرت ہے۔

قولہ: مُقْتَصِدَة، یہ اقتصاد (افتعال) سے ماخوذ ہے اسم فاعل واحد مؤنث، سیدھے راستہ پر قائم رہنا۔

تفسیر وتشریح

یایھا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لا تتخذوا الَّذِیْنَ اتخذُوْا دِیْنَکم ھُزُوًا الخ اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں، یہاں یہ تاکید کی جارہی ہے کہ دین کا مذاق اڑانیوالے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہئے۔

شان نزول:

تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابوالشیخ ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ بعضے یہودی ظاہر میں تو مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن میں اسلام کے مخالف تھے، بعض سیدھے سادے مسلمان، یہودیوں کو سچا مسلمان سمجھتے تھے، جس کی وجہ سے ان سے دلی دوستی اور گہرے تعلقات رکھتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر بتلا دیا کہ یہ لوگ دین اسلام کا مذاق اڑانے والے اور مسلمانوں کی تضحیک کرنے والے ہیں لہٰذا ان سے دلی دوستی اچھی نہیں۔

واِذا نَادیتم الی الصلوۃ، ابن جریر اور ابن ابی حاتم سے روایت کی ہے کہ جب مدینہ میں اذان ہوتی تھی تو ایک نصرانی اشهد ان محمدا رسول اللہ سنکر کہا کرتا تھا کہ خدا اس جھوٹے مؤذن کو چولھے میں ڈالے، ایک روز اس نصرانی کے گھر میں آگ لگی وہ اور اس کے اہل وعیال سب جل کر خاکستر ہو گئے تورات اور انجیل میں یہ بات صاف لکھی ہوئی ہے کہ مکہ کے پہاڑوں میں سے جس نبی کا ظہور ہونے والا ہے وہ نبی آخر الزمان ہوگا، اس کے باوجود اس نصرانی نے دانستہ اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی اس پر اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوئی۔

قل یا اھل الکتاب ھل تنقمون منا الا أن آمنّا، (یعنی) اے اہل کتاب تم ہم سے بلاوجہ ناراض ہو جبکہ ہمارا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس سے پہلے اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، کیا یہ بھی کوئی قصور اور عیب کی بات ہے، البتہ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ بدترین اور قابل نفرت کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ کی لعنت اور غضب ہوا جن میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور بعض کو سور بنا دیا، اور جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی، اس آئینہ میں تم اپنا چہرہ دیکھو تم کو صاف نظر آئے گا کہ یہ کن کی تاریخ ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟ یاد رہے کہ یہود کے اسلاف کو یوم السبت کی خلاف ورزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو سور بنا دیا تھا۔

شان نزول:

معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں ہے کہ بعض یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ آپ کن کن نبیوں کو برحق مانتے ہیں، آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیاء کا نام لیا یہود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سنکر چنگاری زیر پا ہو گئے اور بہت چڑے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِذَا جَاءَ وْکُمْ، (الآیۃ) یہ منافقین جب دعوائے اسلام کے ساتھ آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو کفر لے کر آتے ہیں اور کفر ہی لے کر واپس چلے جاتے ہیں، آپ ﷺ کی کیمیا تاثیر گفتگو بھی ان کے سنگ لاخ دلوں پر کچھ اثر نہیں کرتی اسلئے کہ ان کے دل کفر ونفاق کی گندگی سے آلودہ ہوتے ہیں، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد ہدایت کا حصول نہیں بلکہ فریب اور دھوکہ ہوتا ہے، اور اللہ ان کے دلوں کے مخفی رازوں کو بخوبی جانتا ہے، آپ دیکھیں کہ ان میں کے اکثر لوگ گناہ کے

کاموں اور ظلم وزیادتی کی طرف لپکتے ہیں اور حرام خوری ان کا شیوہ ہے۔

لَوْلا یَنھٰھُم الربّٰنیون (الآیة) یہ علماء اور مشائخ دین پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمہارے سامنے فسق وفجور اور حرام خوری کا ارتکاب کرتی ہے لیکن تم انھیں منع نہیں کرتے، ایسے حالات میں تمہارا یہ بڑا جرم ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کتنی اہم اور ضروری چیز ہے اور اس کے ترک پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

قدرت کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت بڑا جرم ہے:

ترمذی، ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ میں معتبر سندوں سے جو روایتیں اس باب میں نقل ہوئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی اچھا آدمی کسی برے آدمی کو کوئی برا کام کرتے دیکھے اور قدرت کے باوجود منع نہ کرے تو اس کو دنیا ہی میں منع نہ کرنے کا وبال ضرور بھگتنا پڑے گا۔

شان نزول:

وقالت الیھودُ ید اللّٰہ مغلولة، طبرانی اور ابوالشیخ نے جو شان نزول اس آیت کا حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کی روایت سے بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شماس نے جو یہود کے قبیلۂ قینقاع کا سردار تھا ایک دوسرے یہودی سے جس کا نام نباش بن قیس تھا ایک روز کہا کہ یہود کی طرف سے اللہ نے سخاوت اور کشائش رزق کا ہاتھ روک لیا ہے اسلئے کہ نعوذ باللہ، اللہ بخیل ہوگیا ہے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ جمیعَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ولا تَکْتُمْ شَیْئاً منه خوفاً ان تُنَالَ بِمَکْرُوْہٍ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ ای لم تُبَلِّغْ جمیعَ ما اُنزِلَ الیک فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ بالافرادِ والجمعِ لانَّ کِتْمَانَ بَعْضِھَا کَکِتْمَانِ کُلِّھَا وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ان یَّقْتُلُوْکَ وکان النبیُّ صلی اللّٰہ علیه وسلم یُحْرَسُ حتی نَزَلَتْ فقال انْصَرِفُوْا عَنِّیْ فقد عَصَمَنِیَ اللّٰہُ تعالٰی رَوَاہُ الحاکمُ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ من الدِّینِ مُعْتَدٍّبه حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰٮةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ بان تَعْمَلُوْا بما فیه ومنه الایمانُ بی وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ من القراٰن طُغْیَانًا وَّکُفْرًا لِکُفْرِھم به فَلَا تَاْسَ تَحْزَنْ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿٦٨﴾ ان لم یُؤْمِنُوابك ای لا تَھْتَمَّ بھم اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا ھم الیھودُ مُبْتَداءٌ وَالصّٰبِئُوْنَ فِرْقَةٌ منھم وَالنَّصٰرٰی ویُبْدَلُ من المُبْتَداءِ مَنْ اٰمَنَ منھم بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ فی الاخرۃِ خَبَرُ المُبْتَداءِ دَالٌّ علی خَبَرِ اِنَّ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ علی

الایمان باللہِ ورُسُلِہٖ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہِمۡ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ منہم بِمَا لَا تَہۡوٰۤی اَنۡفُسُہُمۡ من الحقِ کَذَّبُوْہُ فَرِیۡقًا

منہم کَذَّبُوۡا وَفَرِیۡقًا منہم یَّقۡتُلُوۡنَ ﴿۷۰﴾ کزکریا ویحیی والتعبیرُ بہ دُون قتلُوا حِکایَۃٌ لِلحالِ الماضِیَۃِ

لِلفاصِلَۃِ وَحَسِبُوۡۤا ظنُّوا اَلَّا تَکُوۡنَ بالرفعِ فَاَنْ مُخَفَّفَۃٌ والنصبِ فہی ناصِبَۃٌ ای تَقَعُ فِتۡنَۃٌ عذابٌ بہم

علٰی تکذیبِ الرُّسُلِ وقتلِہم فَعَمُوۡا عن الحقِ فلم یُبصِرُوْہُ وَصَمُّوۡا عن استِماعِہٖ ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ

لَمَّا تابُوا ثُمَّ عَمُوۡا وَصَمُّوۡا ثانیًا کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ ؕ بَدَلٌ من الضمیرِ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۱﴾ فیُجازیہم بہ

لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ سبق مثلہٗ وَقَالَ لہم الۡمَسِیۡحُ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبَّکُمۡ ؕ

فانی عَبدٌ ولستُ بالٰہٍ اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فی العِبادَۃِ غیرَہٗ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ منعہٗ اَن یَدخُلَہا

وَمَاۡوٰىہُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ زائدۃٌ اَنۡصَارٍ ﴿۷۲﴾ یمنعُوْہم من عذاب اللہِ لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ اٰلِہَۃٍ

ثَلٰثَۃٍ ۘ ای احدُہا والاخرانِ عیسٰی واُمُّہٗ وہم فِرقَۃٌ من النصارٰی وَمَا مِنۡ اِلٰہٍ اِلَّاۤ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہُوۡا عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ

من التثلیثِ ولم یُوَحِّدُوا لَیَمَسَّنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ای ثَبَتُوا علی الکُفرِ مِنۡہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۳﴾ مُؤلِمٌ ہو النارُ

اَفَلَا یَتُوۡبُوۡنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَہٗ ؕ مِمَّا قالُوْہ استفہامُ تَوبِیخٍ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ لمن تاب رَّحِیۡمٌ ﴿۷۴﴾ بہٖ

مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مضت مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ فہو یَمضِی مِثلُہم ولیس بالٰہٍ کما زعمُوا

والا لَمَا مَضٰی وَاُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ ؕ مُبالغَۃٌ فی الصِدقِ کَانَا یَاۡکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ کغیرِہما من الحیواناتِ ومن کان

کذلک لا یکونُ اِلٰہا لِتَرکِیبِہٖ وضُعفِہٖ وما یَنشأُ منہ من البَولِ والغائِطِ اُنۡظُرۡ مُتعجِّبًا کَیۡفَ نُبَیِّنُ لَہُمُ الۡاٰیٰتِ

علی وَحدانِیَّتِنا ثُمَّ انۡظُرۡ اَنّٰی کیف یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۷۵﴾ یُصرَفُونَ عن الحقِ مَعَ قِیامِ البُرہانِ قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ

ای غیرِہٖ مَا لَا یَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ؕ وَاللّٰہُ ہُوَ السَّمِیۡعُ لِاَقوالِکُم الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۶﴾ باحوالِکُم والاستفہامُ لِلانکارِ

قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ الیہود والنصارٰی لَا تَغۡلُوۡا تُجاوِزُوا الحدَّ فِیۡ دِیۡنِکُمۡ غلوًّا غَیۡرَ الۡحَقِّ بان تضعُوا عیسٰی

او ترفعُوْہُ فوق حقِّہٖ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَہۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ بغلوِّہم وہم اسلافُہم وَاَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا من الناسِ

وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿۷۷﴾ طریقِ الحقِ والسَّواءُ فی الاصلِ الوَسَطُ.

ترجمہ: اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ سب (لوگوں تک) پہنچادو اور اس خوف سے کہ اس کی وجہ سے تم کو کوئی پریشانی لاحق ہوگی، اس میں سے کچھ نہ چھپاؤ، اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا یعنی جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے وہ سب (لوگوں تک) نہ پہنچایا تو تم نے اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا، (رسالۃ) افراد اور جمع کے ساتھ ہے، اس لئے کہ بعض کا چھپانا کل کے چھپانے کے مانند ہے، اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائیگا کہ تم کو قتل کریں، اور نبی ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی یہاں تک کہ آیت ''یعصمك من الناس'' نازل ہوئی، تو آپ نے فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کردی ہے رواہ حاکم، یقین رکھو کہ اللہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں کامیابی کی) راہ نہ دکھائیگا، آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم معتد بہ دین پر قائم نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل اور اس کے (احکام) پر قائم نہ ہو کہ جو تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کئے ہیں، بایں طور کہ جو اس میں ہے اس پر عمل کرو اور ان (احکام میں) میری تصدیق کرنا بھی شامل ہے جو قرآن آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کردے گا، ان کے منکر ہونے کی وجہ سے، اگر منکر قوم رب پر ایمان نہ لائے تو آپ افسوس نہ کریں یعنی ان پر غم زدہ نہ ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ (خواہ) مومن ہوں یا یہودیت اختیار کرنے والے ہوں اور وہ یہودی ہیں مبتداء ہے اور صابی اور نصاریٰ (یا ہوں) (صابی) یہود کا ایک فرقہ ہے اور مَنْ آمَنَ، مبتداء سے بدل ہے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر حقیقت میں ایمان لائیگا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ غم (فلا خوف علیهم و لاهم یحزنون) مبتداء کی خبر ہے جو کہ اِنَّ کی خبر پر دال ہے، ہم نے بنی اسرائیل سے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے، (مگر) جب بھی ان کا کوئی رسول ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف حق لے کر آیا تو اس کی تکذیب کی، ان میں سے بعض کی تکذیب کی اور ان میں سے بعض کو قتل کر ڈالا جیسا کہ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام اور یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اور قَتَلُوْا کے بجائے یقتلون سے تعبیر حکایت حال ماضیہ کے طور پر ہے اور فواصل کی رعایت بھی مقصود ہے اور وہ بزعم خویش یہ سمجھے کہ کوئی فتنہ رونما نہ ہوگا یعنی ان کے رسولوں کی تکذیب اور قتل کی وجہ سے ان پر کوئی عذاب واقع نہ ہوگا، (الّا تکونُ) رَفع کے ساتھ ہے، اس صورت میں اَن مخففہ عن المثقلہ ہوگا، اور نصب کے ساتھ بھی ہے، اس صورت میں اَن ناصبہ ہوگا، اَن تکونَ، بمعنی اَن تقع ہے، حق سے اندھے ہوگئے کہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں اور اسی کے سننے سے بہرے ہوگئے پھر جب انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی پھر دوبارہ ان میں سے اکثر لوگ اندھے بہرے ہوگئے اور کثیرٌ مِنهم) صَمُّوْا کی ضمیر سے بدل ہے، یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے تو ان کو اس کی سزا دیگا، یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا اللہ وہ عیسیٰ ابن مریم ہی ہے، اسی قسم کی آیت گذر چکی ہے، اور ان سے مسیح علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا تھا اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کیونکہ میں بندہ ہوں معبود نہیں ہوں، جس نے عبادت میں غیر کو اللہ کا شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اس کے لئے جنت کو حرام کردیا، یعنی جنت میں اس کے داخلہ پر پابندی لگادی، اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں، کہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے، مِن زائد ہے یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک ہے یعنی ایک اللہ اور دوسرے دو عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی والدہ یہ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اگر یہ لوگ تثلیث کی بکواس سے باز نہ آئے اور توحید کے قائل نہ ہوئے تو جس نے ان میں سے کفر کیا ہوگا یعنی کفر پر قائم رہا ہوگا تو ان کو دردناک سزا دی جائے گی اور وہ آگ کی سزا ہے تو پھر کیا لوگ اپنی کہی ہوئی باتوں کے بارے میں اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور اس سے معافی نہ مانگیں گے اللہ اس سے جس نے توبہ کی

درگذر کرنے والے اور اس پر رحم کرنے والے ہیں، مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں یہ بھی ان کی طرح گذر جائیں گے وہ معبود نہیں ہیں جیسا کہ انہوں نے مان رکھا ہے ورنہ تو وہ نہ گذرتے، ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھی، صداقت میں مبالغہ کرنے والی، اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے جس طرح دیگر جاندار کھاتے ہیں اور جو ایسا ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا اپنے مرکب ہونے کی وجہ سے اور اپنے ضعف کی وجہ سے اور اس سے بول و براز خارج ہونے کی وجہ سے دیکھو امر تعجب کیلئے ہے ہم ان کے لئے اپنی وحدانیت پر کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر دیکھو دلیل قائم ہونے کے باوجود حق سے کیسے الٹے پھرے جارہے ہیں؟ آپ ان سے کہو کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے نہ نقصان کا مالک ہے اور نہ نفع کا حالانکہ اللہ ہی سب کی باتوں کا سننے والا اور سب کے احوال کا جاننے والا ہے، استفہام انکار کے لئے ہے، کہو اے اہل کتاب یہود و نصاریٰ ناحق اپنے دین میں غلو نہ کرو یعنی اپنے دین کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو، بایں طور کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر کرو یا ان کے رتبہ سے زیادہ ان کو بڑھاؤ اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے اپنے غلو کی وجہ سے گمراہ ہو چکے ہیں اور وہ ان کے اسلاف ہیں، اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہ راست سے بھٹک گئے تھے، یعنی راہ حق سے، سواء کے معنی درحقیقت وسط کے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لِاَنَّ كتمانَ بَعْضِها كَكِتمان كلّها، یہ رسالات کو جمع لانے کی علت ہے۔

قولہ: اَنْ يَقْتُلُوا، اس جملہ کو مقدر ماننے کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے قول "واللّٰه يعصمك من الناس" کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو انسانوں کی جانب سے ہر قسم کی گزند سے محفوظ رکھیں گے، حالانکہ آپ ﷺ کو انسانوں کی طرف سے گزند پہنچی تھی، مثلاً غزوۂ احد میں آپ کے چہرۂ انور کا زخمی ہوجانا آپ کی رباعی مبارک کا ٹوٹ جانا وغیرہ وغیرہ۔

جواب: حفاظت سے مراد قتل سے حفاظت ہے نہ کہ مطلقاً گزند سے حفاظت لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: مِنَ الدّينِ مُعْتَدّبه یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہود و نصاریٰ و مشرکین کیلئے یہ کہنا کہ تم کسی شئ پر نہیں ہو درست نہیں ہے اسلئے کہ وہ جس دین دھرم پر تھے وہ بھی تو ایک شئ تھی اس کا جواب دیا۔

جواب: شئ سے مراد عنداللہ دین معتد بہ ہے، نہ کہ ان کا اختیار کردہ دین و دھرم۔

قولہ: الصّٰبِئُوْنَ، صَابیٌ، کی جمع ہے اسم فاعل دین سے خارج ہونے والا، جب کوئی شخص اسلام لاتا تو عرب کہتے قد صَبَأَ، وہ دین سے نکل گیا یہ فرقہ اس نام سے اسلئے موسوم ہوا کہ وہ یہودیت اور نصرانیت سے نکل کر ستاروں کی پرستش کرنے لگا

ان کا مرکز حران ہے، ابواسحٰق صابی اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

قولہ: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا، اس جملہ میں نو ترکیبیں ہوسکتی ہیں ان میں سے آسان تین ترکیبیں لکھی جاتی ہیں۔

❶ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ناصب، الذین اسم موصول آمنوا صلہ، موصول صلہ سے مل کر، اِنَّ کا اسم، فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون، جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر محذوف۔

وَالذین ھادوا والصابئون والنصاری مَن آمَنَ باللّٰہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون.

❷ واو، استینافیہ الّذین اسم موصول هَادُوْا صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ، والصابئون معطوف علیہ معطوف والنصاری معطوف تینوں معطوفات مل کر مبدل منہ مَنْ آمَنَ باللّٰہ والیوم الآخر جملہ ہو کر معطوف علیہ، وعمل صالحاً معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر مبتداء، فلا خوف علیہ ولاھم یحزنون، جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے۔

❸ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل الذین اسم موصول آمنوا، صلہ، موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ الذین اسم موصول ھادوا صلہ اسم موصول صلہ سے ملکر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ الصابئون معطوف علیہ معطوف واوٗ حرف عطف النصاری معطوف تینوں معطوفات مل کر مبدل منہ مَنْ اٰمَنَ باللّٰہ بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر اِنَّ کا اسم فلا خوف علیہ ولاھم یحزنون. اِنَّ کی خبر۔

قولہ: کَذَّبُوْہٗ یہ کلّما کی جزاء محذوف ہے۔

قولہ: والتَّعْبِیْرُ بِہٖ یعنی موقع ماضی کا تھا مگر یقتلون مضارع استعمال ہوا ہے ایک تو حکایت حال ماضیہ کے طور پر یعنی یہ بتانے کے لئے کہ گویا کہ قتل کا معاملہ اس وقت ہو رہا ہے، دوسرا مقصد فواصل کی رعایت ہے۔

قولہ: تَقَعَ، اس میں اشارہ ہے کہ تکون تامہ ہے لہٰذا اس کو خبر کی ضرورت نہیں ہے، فِتنۃٌ، تکون کا فاعل ہے۔

قولہ: بَدَلٌ مِنَ الضَّمِیْرِ یعنی کثیرٌ منھم، عَموا وصمّوا، کی ضمیر سے بدل البعض ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کثیرٌ منھم، اُولٰئِكَ مبتداء محذوف کی خبر ہو۔

قولہ: فِرْقَۃٌ مِنَ النَّصَارٰی اس میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ثالث ثلثۃ کہنے والا نصاری کا ایک فرقہ ہے اس کے علاوہ دیگر فرقے بھی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الٰہ مانتے ہیں لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّھَا الرسول بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ (الآیۃ) آپ ﷺ کو اس آیت میں تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ پر جو کچھ نازل کیا جاتا ہے اس کو آپ بے کم وکاست اور بلا خوف لومۃ لائم لوگوں تک پہنچا دیں چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھپالیا ہے اس نے یقیناً جھوٹ بولا، (صحیح بخاری) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب سوال کیا گیا کہ آپ کے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعہ سے نازل شدہ اور کوئی بات ہے؟ تو آپ نے قسمیہ منع فرمایا، اِلّا فھماً یعطیه اللّٰه رجلاً، البتہ قرآن کا فہم ہے جسے اللہ کسی کو بھی عطا فرمادے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ نے کیسی لطیف اور سچی بات اس موقع پر فرمائی، کہ اگر آپ نے قرآن کا کوئی جز چھپایا ہوتا تو وہ یہی جز ہوتا، قَالَت لَوْ کَانَ محمد کا تماً شیئاً مِنَ القرآن لکَتَمَ ھذه الآیة. (ابن کثیر)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے صحابہ کے لاکھوں کے مجمع میں فرمایا تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا "نَشھَدُ اَنَّکَ قد بَلَّغتَ وَاَدَّیْتَ ونَصَحْتَ" ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچادیا اور اس کا حق ادا کر دیا، اور خیر خواہی فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگلی کا شارہ کرتے ہوئے فرمایا، 'اَللّٰھُمَّ قَدْ بلغتُ' (تین مرتبہ)۔

واللّٰه یَعْصِمُكَ مِنَ النّاس، آپ کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقہ پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت بھی، اس آیت کے نزول سے قبل آپ کی حفاظت کے ظاہری اسباب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے دل میں آپ کی طبعی محبت ڈال دی اور وہ آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض قریش کے سرداروں کے ذریعہ پھر انصار مدینہ کے ذریعہ آپ کا تحفظ فرمایا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب جن میں صحابۂ کرام کا پہرہ بھی شامل تھا اٹھوادیا اس کے بعد بارہا سنگین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، چنانچہ بذریعہ وحی "وقتاً فوقتاً" اللہ نے یہودیوں کے مکروکید سے مطلع فرما کر خطرہ سے بچالیا۔

قُل یااھل الکتاب لَستُمْ علی شیْءٍ الخ، یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے یعنی جس طرح بعض نیک کاموں سے اہل ایمان کے ایمان وتصدیق وعمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تمرد سے کفر وطغیان میں بھی زیادتی ہوتی ہے، یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔

قل یااھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق، یعنی اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جس کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اس میں مبالغہ کرکے انھیں منصب نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز مت کرو جیسے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں تم نے غلو کیا، غلو ہر دور میں شر اور گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے، انسان کو جس سے عقیدت ومحبت ہوتی ہے اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے، وہ ولیوں اور بزرگوں کو پیغمبروں کی طرح معصوم سمجھنے لگتا ہے، اور پیغمبروں کو خدائی صفات سے متصف کردیتا ہے۔

وَلا تتبعوا اھواءَ قوم قد ضلوا من قبل، یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو جو ایک نبی کو الٰہ بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ بِاَنْ دَعَا عَلَیْھِمْ فَمُسِخُوْا قِرَدَۃً وھم اصحابُ اَیْلَۃَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ

ن دعا علیہم فمسخوا خنازیر وھم اصحاب المائدۃ ذٰلِكَ اللعن بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ
ی لا ینھی بعضھم بعضًا عَنْ معاودۃ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ فعلھم ھذا تَرٰى یا محمد
ثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ من اھل مکۃ بغضًا لک لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ من العمل لمعادھم
الموجب لھم اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ محمد
مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ ای الکفار اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ خارجون عن الایمان
تَجِدَنَّ یا محمد اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ من اھل مکۃ لتضاعف کفرھم
جھلھم وانھماکھم فی اتباع الھوی وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ
ی قرب مودتھم للمؤمنین بِاَنَّ بسبب انّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ علماء وَرُهْبَانًا عبادًا
اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ عن عبادۃ الحق کما یستکبر الیھود واھل مکۃ.

ترجمہ: بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی لعنت کی گئی یعنی ان کے لئے بدعا کی
ئی، جس کی وجہ سے ان کو بندر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا، اور وہ ایلہ کے باشندے تھے، اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبانی
نت کی گئی اس طریقہ پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے بدعاء کر دی جس کے نتیجے میں ان کو سور کی شکل میں مسخ
کر دیا گیا، اور وہ اصحاب مائدہ تھے، یہ لعنت اس وجہ سے کی گئی کہ وہ نافرمانی کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر گئے تھے، انہوں
نے آپس میں ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، ان کا یہ طرز عمل برا تھا، جو انہوں نے اختیار
یا، اے محمد آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ جو آپ کی عداوت میں مکہ کے کافروں سے دوستی کرتے
ں، قسم ہے (ہماری عزت وجلال کی) کہ ان کے نفسوں نے جو اعمال اپنی آخرت کے لئے بھیجے ہیں وہ نہایت برے
مال ہیں جو ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوئے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ پر اور
اس کے) نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس چیز پر جو نازل ہوئی تھی ایمان رکھتے تو کفار کو کبھی دوست نہ بناتے مگر ان میں سے اکثر
یمان سے خارج ہو چکے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مکہ کے مشرکوں
و پاؤ گے ان کے کفر کے دوگنا ہونے اور ان کے جہل اور ان کی خواہشات میں منہمک ہونے کی وجہ سے، اور ایمان والوں
کے لئے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں اور یہ یعنی دوستی میں مومنوں سے ان کا قریب
نا اس وجہ سے ہے کہ ان میں علماء اور عبادت گذار (تارک الدنیا) پائے جاتے ہیں اور حق کی بندگی سے غرور نہیں کرتے
یسا کہ یہود اور اہل مکہ غرور کرتے ہیں۔

تحقیق، ترکیب و تسہیل تفسیری فوائد

قولہ: ایلة، بحر طبریہ کے ساحل پر ایک بستی کا نام ہے۔

قولہ: مُعَاوَدَة، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ منکر کو کرنے کے بعد اس سے نہی کا نہ کوئی فائدہ اور نہ امر معقول، اسلئے کہ جس چیز کا وقوع ہو گیا اس کا اصلی عدم ممکن نہیں، مُعَاوَدَة، مضاف محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ منکر کے دوبارہ ارتکاب سے ممانعت مقصود ہے۔

قولہ: فِعْلِهِمْ، یہ ما کا بیان ہے۔

قولہ: هذا، یہ مخصوص بالذم ہے۔

قولہ: مِنْهُمْ اَیْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ.

قولہ: الموجب یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: المُوْجب مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: اسلئے کہ ان سخط اللہ مخصوص بالذم ہے اور مخصوص بالذم فاعل کا بیان ہوتا ہے اور سخط اللہ علیهم کا ماقدمت کا بیان واقع ہونا صحیح نہیں ہے جب تک کہ الموجب مضاف محذوف نہ مانا جائے اسلئے کہ ماقدمت اہل کتاب کا فعل ہے اور سخط اللہ کا فعل ہے لہٰذا حمل درست نہ ہوگا۔

قولہ: مُحَمَّد ﷺ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اہل کتاب تو نبی پر ایمان رکھتے تھے، اس کا جواب دیا ہے کہ نبی سے مراد محمد ﷺ ہیں اور النبی میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: قِسِّيْسِيْنَ، رومی زبان میں عالم کو کہتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

لُعِنَ الَّذِيْنَ كفروا مِنْ بنی اسرائيل، زبور میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اور اس کے بعد قرآن کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی زبانی بنی اسرائیل پر لعنت کرائی گئی۔

ایک امی عربی کا تاریخ کی حقیقت کو صحیح صحیح بیان کرنا:

جو لوگ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں اور خود فرنگیوں کی موجودہ اناجیل سے واقف ہیں وہ قرآن مجید کے اس بیان پر عش عش کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ چھٹی صدی عیسوی کا ایک عرب امی لاکھ ذہین و باخبر ہوا ان اہم تاریخی حقائق پر نظر رکھ ہی کیسے سکتا تھا؟ تاوقتیکہ عالم الغیب والشہادۃ براہ راست اسے تعلیم نہیں دے رہا تھا۔

دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق اور عہد جدید میں:

مذکورہ دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق کے صحیفۂ زبور اور عہد جدید کے صحیفۂ متی میں علی الترتیب موجود ہے، زبور میں لعنت کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

خداوند نے سنا اور نہایت غصہ ہوا اسلئے یعقوب میں ایک آگ بھڑکائی گئی اور اسرائیل پر قہر اٹھا، کیونکہ انہوں نے خدا پر اعتماد نہ کیا اور اس کی قیامت پر اعتماد نہ رکھا۔ (زبور ۔۷۸: ۲۱، ۲۲، ۲۳)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی لعنت کے الفاظ:

غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو، اے سانپو، اے افعی کے بچو تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ (متی ۲۳، ۳۱، ۳۲)

چنانچہ اسرائیلیوں نے داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں قانونِ سبت کو توڑا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں تو خود ان کی نبوت کا شدت سے انکار کیا۔

ان کی مسلسل نافرمانیوں کی داستان سے اسرائیلیوں کے مذہبی نوشتے اور صحیفے بھرے ہوئے ہیں نمونے کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

انہوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ ور کیا، کیونکہ انہوں نے بت پوجے باوجودیکہ انھیں خداوند نے کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو اور باوجود اس کے خداوند نے سارے نبیوں اور غیب بینوں کی معرفت سے اسرائیل اور یہود پر باتیں جتائی تھیں پر انہوں نے نہ سنا، بلکہ اپنے باپ دادوں کی گردن کشی کے مانند جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہ لائے تھے گردن کشی کی، اور اس کے قانون کو اور اس کے عہد کو جو اس نے اپنے باپ دادوں سے باندھا تھا، اور اس کی گواہیوں کو جو اس نے ان پر دی تھیں جنھیں دکھا کر خداوند نے انھیں حکم کیا تھا کہ تم ان کے سے کام مت کیجیو، اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کر دیئے اور اپنے لئے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے، اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش کی اور بعل کی عبادت کی اور انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گذارا اور فال گیری اور جادوگری کی اور اپنے تئیں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اسے غصہ دلا دیں ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا۔

(۲، سلاطین ۔۱۷: ۱۲، ۱۸) (تفسیر ماجدی)

بنی اسرائیل پر لعنت کے اسباب:

لعنت کے اسباب میں سے غصیان یعنی واجبات کا ترک کرنا اور محرمات کا ارتکاب، اور اعتداء یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے انہوں نے حد سے تجاوز کیا، مزید بریں یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے جو بجائے خود ایک بڑا جرم

ہے بعض مفسرین نے اسی ترک نہی کو عصیان اور اعتداء قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا، بہر حال برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا بہت بڑا جرم اور لعنت وغضب الٰہی کا سبب ہے، حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلی خرابی جو بنی اسرائیل میں داخل ہوئی یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو برائی کرتے دیکھتا تو کہتا اللہ سے ڈرو اور یہ برائی چھوڑ دو یہ تمہارے لئے جائز نہیں، لیکن دوسرے ہی روز پھر اسی کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہ ہوتی، درانحالیکہ ایمان کا تقاضہ اس سے نفرت اور ترک تعلق تھا، جس کی وجہ سے اللہ نے ان کے درمیان آپس میں عداوت ڈال دی اور وہ لعنت الٰہی کے مستحق ہوئے، پھر فرمایا: کہ اللہ کی قسم تم ضرور لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکا کرو، ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا کرو، ورنہ تمہارا حال بھی یہی ہوگا، (ابوداؤد کتاب الملاحم) دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی تھی کہ تم عذاب الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوں گی۔

لَتَجِدَنَّ اشد الناس عداوۃً للذین آمنوا الیھود (الآیۃ)، اہل ایمان سے یہود کی شدید ترین عداوت کی وجہ عناد اور جو دحق ہے، حق سے اعراض اور استکبار اور اہل علم وایمان کی تنقیص وتحقیر کا جذبہ ان میں بہت پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے، حتی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی بھی کئی مرتبہ سازش کی آپ ﷺ پر جادو کیا، کھانے میں زہر دیا، پتھر گرا کر ہلاک کرنے کی مذموم کوشش کی غرضیکہ نقصان وایذاء رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اور یہی صورت حال مشرکین مکہ کی تھی۔

بہ نسبت یہود کے، نصاریٰ میں جو دو استکبار کم ہے:

یعنی نصاریٰ میں علم وتواضع ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں یہود کی طرح جو دو استکبار نہیں ہے اس کے علاوہ دین مسیحی میں نرمی وعفو و درگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، ان ہی وجوہ کی بناء پر نصاریٰ بنسبت یہود کے مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں عیسائیوں کا یہ وصفِ قربت یہود کے مقابلہ میں ہے، تاہم جہاں تک اسلام دشمنی کا تعلق ہے کم وبیش کچھ فرق کے ساتھ اسلام کے خلاف یہ عناد عیسائیوں میں بھی موجود ہے جیسا کہ صلیب وہلال کی صدیوں پر محیط معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی مل کر سرگرم عمل ہیں، اسی لئے قرآن نے دونوں ہی سے دلی دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

یہود ونصاریٰ میں وصف مشترک:

یہود آپس میں اور نصاریٰ آپس میں تو باہمی دوست ہوتے ہی ہیں باقی یہود ونصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے کم سے کم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں دونوں متحد ہیں، آج سے جبکہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں ٹھیک ۶۰ سال پہلے ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق مئی ۱۹۴۶ء میں، فلسطین کی سرزمین پر ایک اسرائیلی سلطنت کی بنیاد ڈالنے کے سلسلہ میں

مسلمانوں کے خلاف یہود ونصاریٰ کی ساز باز قرآن مجید کی اس پیش گوئی کی معجزانہ تصدیق پیش کررہی ہے۔

یہود کی قتل مسیح سے براءت:

اس سے بڑھ کر حیرت انگیز اور دنیا کو دنگ کردینے والی یہود ونصاریٰ کے اتحاد کی وہ مثال ہے جو ۱۹۶۴ء میں پیش آئی جب یہود نے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کی ذمہ داری سے براءت نامہ پیش کیا، اور دنیائے مسیح کے پیشوائے اعظم نے انجیلوں کے واضح ترین شہادتوں کے باوجود قبول کرلیا۔

(نَزَلَتْ فِي وَفْدِ النَّجَاشِيِّ القَادِمِيْنَ مِنَ الحَبَشَةِ قَرَأَ عَلَيهِم صلى الله عليه وسلم سُوْرَةَ يٰسٓ فَبَكَوْا وَاَسْلَمُوْا و قَالُوْا مَا اَشْبَهَ هٰذَا بِمَا كَانَ يَنْزِلُ عَلَى عِيْسٰى) قال تعالى **وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ** مِنَ القُرْاٰنِ **تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا بِنَبِيِّكَ و كِتَابِكَ **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿٨٣﴾ المُقِرِّيْنَ بِتَصْدِيْقِهِمَا وقَالُوْا فِي جَوَابِ مَنْ عَيَّرَهُمْ بِالاِسْلَامِ مِنَ اليَهُوْدِ **وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ** القُرْاٰنِ اى لَا مَانِعَ لَنَا مِنَ الايمانِ مَعَ وُجُوْدِ مُقْتَضِيْهِ **وَنَطْمَعُ** عَطْفٌ عَلَى نُؤْمِنُ **اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿٨٤﴾ المُؤْمِنِيْنَ الجَنَّةَ قال تعالى **فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿٨٥﴾ بِالاِيْمَانِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ** ﴿٨٦﴾

ترجمہ: (آئندہ آنے والی آیات) حبشہ سے آنے والے نجاشی کے وفد کے متعلق نازل ہوئیں حضور ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ یٰسین پڑھی تو وہ رونے لگے اور اسلام لے آئے اور انہوں نے کہا کہ اس (آپ ﷺ پر نازل ہونے والے کلام) کی اس (کلام) سے کتنی مشابہت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوا تھا۔ اللہ نے فرمایا اور جب وہ اس کلام قرآن کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے (یعنی) تیرے نبی اور کی کتاب کی تصدیق کی، تو، تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لے (یعنی) ان لوگوں کے ساتھ جو (مذکورہ) دونوں چیزوں کی تصدیق کا اقرار کرنے والے ہیں اور ان لوگوں کے جواب میں کہا کہ جنہوں نے ان کو اسلام لانے پر عار دلائی تھی اور وہ یہود میں سے تھے، اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور حق قرآن پر جو ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں؟ یعنی ایمان لانے سے ہمارے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہے حالانکہ ایمان کا مقتضی موجود ہے اور ہم کیوں امید نہ رکھیں اس کا عطف نُؤْمِنُ پر ہے، یہ کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی جنت میں رفاقت نصیب فرمائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کو ان کے اس قول کی وجہ سے ایسی جنتیں عطا کیں جن میں نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اور ایمان والوں کا یہ صلہ ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَاِذَا سَمِعُوْا (الآیة) واؤ اگر استینا فیہ مانا جائے تو یہ کلام مستانف ہوگا اور مفسر علام نے قال تعالی کہہ کر اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اگر عاطفہ مانا جائے جیسا کہ ابوسعود کی یہی رائے ہے تو اس کا عطف لا یستکبرون پر ہوگا، ای ذلك بسبب انّهم لا یَستکبرون.

قولہ: یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا، یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، یعنی قرآن سنکر جب ان کی مذکورہ حالت ہوتی ہے تو وہ کیا کہتے ہیں، اس کا جواب ہے یقولون ربنا آمنّاالخ.

قولہ: مُقْتَضِیَه، یعنی جبکہ ایمان کا موجب موجود ہے اور وہ صالحین میں داخل ہونے کی ان کی رغبت وخواہش ہے۔

قولہ: عَطْفٌ عَلٰی نُؤْمِنُ، یعنی نطمع کا عطف نؤمنُ پر ہے نہ کہ مبتداء محذوف کی خبر، ای نحن نطمع اسلئے کہ حذف خلاف ظاہر ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرسول (الآیة) گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ یہود ومشرکین کی عام اخلاق حالت کے مقابلہ میں مسلمانوں کے حق میں نصاری کا رویہ قابل قدر ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ نصاریٰ میں ایسے افراد موجود ہیں جو علم دوست اور دنیا سے کنارہ کش ہیں اور نہ وہ متکبر ہیں اب موجودہ پیش نظر آیتوں میں کچھ ایسے خداترس نصاریٰ کا خصوصی تذکرہ ہے جن کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی، ان حضرات کی حق شناسی کا واقعہ چونکہ اسلام کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے اسلئے اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

ہجرت حبشہ کے واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ نے جب یہ دیکھا کہ دن بدن لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے جارہے ہیں اور اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے تو متفقہ طور سے منصوبہ بند طریقہ پر مسلمانوں کے درپئے آزار ہوگئے، اور طرح طرح سے مسلمانوں کو ستانا شروع کردیا کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا کہ ایک نہ ایک مسلمان مشرکین کے دستِ ستم سے زخم خوردہ ہوکر نہ آتا ہو، پوری صورت حال آپ ﷺ کے سامنے تھی مگر آپ ﷺ کچھ نہیں کرسکتے تھے، مجبوراً آپ نے مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دیدی، آپ نے فرمایا:

تفرّقوا فی الارض فاِن اللّٰہ یجمعکم قالوا الی این نذھب قال الی ھنا وَاشارَ بیدہ الی ارض الحبشة.

(عبد الرزاق عن معمر عن الزهری)

ترجمہ: تم اللہ کی زمین میں کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا، صحابہ نے عرض کیا کہاں جائیں؟

آپ نے ملک حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اور نہ وہ خود ظالم ہے چنانچہ ماہ رجب ۵ھ نبوی میں نفوس قدسیہ کے مندرجہ ذیل قافلے نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

حبشہ کی پہلی ہجرت:

نفوس قدسیہ کا یہ قافلہ سولہ (۱۶) افراد پر مشتمل تھا، جن میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں تھیں، جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

مرد

1. حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
2. حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
3. زبیر بن عوام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
4. ابوحذیفہ بن عتبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
5. مصعب بن عمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
6. ابوسلمہ بن عبدالاسد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
7. حضرت عثمان بن مظعون رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
8. حضرت عامر بن ربیعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
9. سہیل بن بیضاء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
10. ابوسبرہ بن ابی رہم عامری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ،
11. حاطب بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔

عورتیں

1. حضرت رقیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا، (آپ ﷺ کی صاحبزادی) اور حضرت عثمان غنی کی زوجۂ محترمہ،
2. سہلہ بنت سہیل ابوحذیفہ کی بیوی،
3. ام سلمہ بنتِ ابی امیہ ابوسلمہ کی بیوی جو ابوسلمہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی زوجیت سے مشرف ہو کر ام المومنین کے لقب سے ملقب ہوئیں،
4. لیلیٰ بنتِ ابی حثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی،
5. ام کلثوم بنت سہیل بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ابوسبرہ کی بیوی، (سیرت المصطفیٰ)

بعض حضرات نے عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام بھی ذکر کیا ہے حافظ عسقلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود حبشہ کی پہلی ہجرت میں شریک نہیں تھے، البتہ دوسری ہجرت میں شریک تھے۔

مذکورہ سولہ افراد کا قافلہ چھپ چھپا کر مکہ سے روانہ ہوا حسن اتفاق کہ جب یہ حضرات جدہ کی بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی کشتیاں حبشہ جانے کیلئے تیار تھیں پانچ درہم اجرت دیکر یہ سب حضرات سوار ہو گئے، مشرکین مکہ کو جب اس کا علم ہوا تو ان کے تعاقب میں آدمی دوڑائے، جب یہ لوگ بندرگاہ پہنچے تو کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں (سیرت مصطفیٰ) یہ حضرات رجب سے شوال تک حبشہ میں مقیم رہے، اِدھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے، اس خبر کو صحیح سمجھ کر یہ حضرات حبشہ سے مکہ کے

لئے روانہ ہوگئے مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے چنانچہ یہ لوگ سخت کشمکش میں مبتلا ہوگئے، کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوا۔

حبشہ کی جانب دوسری ہجرت:

اب تو مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو اور زیادہ ستانا شروع کردیا آپ ﷺ نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دیدی نفوس قدسیہ کا یہ قافلہ ایک سو تین افراد پر مشتمل تھا جن میں چھیاسی (۸۶) مرد اور سترہ (۱۷) عورتیں شامل تھیں، شرکاء وفد کے ناموں کے لئے سیرت المصطفیٰ کی طرف رجوع کریں۔ (سیرت ابن هشام، سیرت المصطفی)

قریش کا وفد حبشہ میں:

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابۂ کرام حبشہ میں جا کر اطمینان کے ساتھ ارکان اسلام ادا کرنے لگے ہیں تو مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی اور اس کے تمام ارکان و مصاحبین کے لئے تحائف و ہدایا دیکر حبشہ بھیجا، چنانچہ یہ دونوں صاحبان حبشہ پہنچ کر اول ارکان سلطنت اور مصاحبین سے ملے اور ان کو بیش بہا نذرانے پیش کئے اور دوران گفتگو کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کیا ہے اور وہ آپ کے شہر میں پناہ گزیں ہوگئے ہیں ہماری قوم کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں نے ہم کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ یہ لوگ ہمارے حوالہ کردیئے جائیں، آپ حضرات بادشاہ سے سفارش کیجئے کہ ان لوگوں کو بغیر کسی مکالمہ اور گفتگو کے ہمارے سپرد کردے چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں باریاب ہوئے اور نذرانے اور ہدایا پیش کر کے اپنا مدعا پیش کیا تو ارکان سلطنت اور مصاحبین نے پوری تائید کی، عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ شاہ حبشہ مسلمانوں کو بلا کر حقیقت حال دریافت کرے یا ان کی بات سنے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ بھی بخوبی سمجھتے تھے کہ ہمارا مکر و فریب ظاہر ہو جائیگا اور مسلمانوں کی زبانوں سے حق ظاہر ہونے کے بعد اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا، شاہ حبشہ نجاشی اس بات پر ہرگز راضی نہ ہوا کہ فریق مخالف کی بات سنے بغیر ایک طرفہ فیصلہ کردے، اور صاف کہدیا کہ میں صورت حال کو دریافت کئے بغیر ان لوگوں کو تمہارے حوالہ نہیں کرسکتا اور ایک قاصد مسلمانوں کے پاس ان کو بلانے کیلئے روانہ کیا، قاصد صحابہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔

صحابہ کی حق گوئی اور بیباکی:

بادشاہ کے دربار کے لئے روانہ ہوتے وقت صحابہ میں سے کسی نے کہا کہ دربار میں پہنچ کر کیا کہو گے؟ مطلب یہ تھا کہ بادشاہ عیسائی ہے اور ہم مسلمان ہیں بہت سے عقائد میں ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کے جواب میں صحابہ نے کہا ہم دربار میں وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے سکھایا ہے، صحابہ کی جماعت دربار میں پہنچی اور صرف سلام پر اکتفاء کیا، عام شاہی

آداب کے مطابق کسی نے بھی بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا، شاہی مقربین کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل بہت ناگوار گزرا، چنانچہ اسی وقت مسلمانوں سے سوال کر بیٹھے کہ آپ لوگوں نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ خود بادشاہ نے سوال کیا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت جعفر رَضِحَالِلّهُ تَعَالیٰعَنْهُ نے کہا ہم خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے، اللہ کے رسول نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں، مسلمانوں نے یہ بھی کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی، بادشاہ نے پوچھا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے علاوہ کونسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے، صحابہ کی جماعت میں سے حضرت جعفر رَضِحَالِلّهُ تَعَالیٰعَنْهُ، جواب کے لئے اٹھے، اور ایہا الملک کہہ کر ایک ایسی تقریر دل پذیر کی کہ بادشاہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، نجاشی نے کہا اچھا اس کلام میں سے جو تمہارے پیغمبر پر نازل ہوا ہے سناؤ حضرت جعفر رَضِحَالِلّهُ تَعَالیٰعَنْهُ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں، یہی وہ موقع ہے جس کو وَاِذَا سمعوا الخ میں بیان کیا گیا ہے اور یہی واقعہ اس کا شان نزول ہے، مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ آیت کے مصداق شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی متوفی ۹ھ اور اس کے وہ درباری ہیں جو سچے مسیحی تھے، جب شاہ حبشہ اور درباریوں نے سورۂ مریم کی آیتیں سنیں تو سب آب دیدہ ہوگئے، روتے روتے بادشاہ کی ڈاڑھی تر ہوگئی، جب حضرت جعفر رَضِحَالِلّهُ تَعَالیٰعَنْهُ تلاوت ختم کر چکے تو نجاشی نے کہا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ عَلَیۡهِالصَّلٰوةُوَالسَّلَامُ لیکر آئے دونوں ایک ہی شمعدان سے نکلے ہوئے ہیں۔

نجاشی کا قریشی وفد کو دوٹوک جواب:

شاہ حبشہ نے قریشی وفد سے صاف کہدیا کہ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہ کروں گا، جب قریشی وفد دربار سے بے نیل ومرام باہر نکلا تو عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل بادشاہ کے سامنے ایک ایسی بات پیش کروں گا کہ جس سے وہ ان لوگوں کو بالکل نیست ونابود کردے گا، اگلے روز قریشی وفد نے دوبارہ دربار میں باریابی حاصل کی اس دوران عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ عَلَیۡهِالصَّلٰوةُوَالسَّلَامُ کی شان میں بہت سخت بات کہتے ہیں نجاشی نے دوبارہ صحابۂ کرام کو بلا بھیجا، اس وقت صحابہ تشویش میں مبتلا ہوگئے جماعت میں سے کسی نے کہا اگر بادشاہ عیسیٰ عَلَیۡهِالصَّلٰوةُوَالسَّلَامُ کے بارے میں سوال کرے گا تو کیا جواب ہوگا؟ اس پر سب نے متفق ہوکر کہا خدا کی قسم ہم وہی کہیں گے جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے،

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی دوبارہ حاضری:

مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو نجاشی نے دریافت کیا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰ عَلَیۡهِالصَّلٰوةُوَالسَّلَامُ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر رَضِحَالِلّهُ تَعَالیٰعَنْهُ نے کہا ہم حضرت عیسیٰ عَلَیۡهِالصَّلٰوةُوَالسَّلَامُ کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ عَلَیۡهِالصَّلٰوةُوَالسَّلَامُ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی خاص روح اور اس کا خاص کلمہ تھے، نجاشی نے

زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا، خدا کی قسم مسلمانوں نے جو کچھ کہا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اس سے ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں، اگر چہ یہ بات بہت سے درباریوں کو ناگوار گذری مگر نجاشی نے اس کی پرواہ نہیں کی، اور کہا سونے کا ایک پہاڑ لے کر بھی تم کو ستانا پسند نہیں کرتا، اور حکم دیا کہ قریش کے تمام تحائف وہدایا واپس کر دیئے جائیں، اس کے بعد مسلمان حبشہ میں اطمینان وسکون کے ساتھ رہنے لگے، جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو ان میں اکثر لوگ خبر سنتے ہی حبشہ سے مدینہ منورہ واپس آ گئے، جن میں سے چوبیس (۲۴) آدمی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، باقی ماندہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں ۷ھ فتح خیبر کے وقت حبشہ سے مدینہ پہنچے۔ (عیون الاثر)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حبشہ سے مدینہ کو روانگی:

حضرت جعفر جب حبشہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو نجاشی نے سب کے لئے سواری اور زادراہ دیا اور مزید براں کچھ ہدایا اور تحائف بھی دیئے اور ایک قاصد ہمراہ کر دیا اور یہ کہا میں نے جو کچھ آپ لوگوں کے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دینا اور کہدینا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعاء مغفرت فرمائیں، چنانچہ مسلمانوں کی جماعت نے مدینہ پہنچ کر پوری صورت حال اور سرگذشت آپ ﷺ کو سنائی اور نجاشی کا پیغام دعاء بھی پہنچایا آپ اسی وقت اٹھے اور وضو کیا اور تین بار یہ دعاء کی، اللهم اغفر للنجاشي، اے اللہ تو نجاشی کی مغفرت فرما اور سب مسلمانوں نے آمین کہی۔

وَنَزَلَ لَمَّاهَمَّ قَوْمٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تعالٰى عنهم اَنْ يُّلَازِمُوا الصَّوْمَ وَالقِيَامَ وَلَا يَقْرُبُوا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ وَلَا يَاكُلُوا اللَّحْمَ وَلَا يَنَامُوا عَلَى الْفِرَاشِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا** تَتَجَاوَزُوا اَمْرَ اللّٰهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا** مَفْعُولٌ وَالجَارُّ وَالمجرورُ قَبْلَهُ حَالٌ مُتَعَلِّقٌ به **وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ** الكائنِ **فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ** هُوَ مَا يَسْبِقُ اِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْحَلْفِ كَقَوْلِ الاِنْسَانِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ **وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ** بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ وفي قِرَاءَةٍ عَاقَدْتُمُ **الْاَيْمَانَ** عليه بِاَنْ حَلَفْتُمْ عَنْ قَصْدٍ **فَكَفَّارَتُهٗٓ** اي اليَمِيْنِ اِذَا حَنِثْتُمْ فيه **اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ** لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ **مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ** منه **اَهْلِيْكُمْ** اي اَقْصَدِهِ وَاَغْلَبِهِ لا اَعْلَاهُ وَلَا اَدْنَاهُ **اَوْ كِسْوَتُهُمْ** بِمَا يُسَمّٰى كِسْوَةً كَقَمِيْصٍ وَعِمَامَةٍ وَاِزَارٍ وَلَا يَكْفِيْ دَفْعُ مَا ذُكِرَ اِلٰى مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ وعليه الشَّافِعِيُّ **اَوْ تَحْرِيْرُ** عِتْقُ **رَقَبَةٍ** مُؤْمِنَةٍ كما في كَفَّارَةِ القَتْلِ وَالظِّهَارِ حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَى المُقَيَّدِ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** وَاحِدًا مِمَّا ذُكِرَ **فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ** كَفَّارَتُهُ وظَاهِرُهُ اَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ التَّتَابُعُ وعليه الشَّافِعِيُّ **ذٰلِكَ** المَذْكُوْرُ **كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ** وَحَنِثْتُمْ **وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ** ان

تَنْكُثُوهَا مَالَمْ تَكُنْ عَلَى فِعْلِ بِرٍّ وَإِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ كَمَا فِي سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ كَذٰلِكَ اى مِثْلَ ما بَيَّنَ لكم ما ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۸۹﴾ على ذلك يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ المُسْكِرُ الذي يُخامِرُ العقلَ وَالْمَيْسِرُ القِمَارُ وَالْاَنْصَابُ الاَصْنَامُ وَالْاَزْلَامُ قِدَاحُ الاستِسْقَامِ رِجْسٌ خبيثٌ مُسْتَقْذَرٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ الذي يُزَيِّنُهُ فَاجْتَنِبُوْهُ اى الرجسَ المعبَّرَ به عن هذه الاشياءِ اَنْ تفعلُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ اذا اَتَيْتُمُوْهما لما يَحْصُلُ فيهما من الشَّرِّ والفِتَنِ وَيَصُدَّكُمْ بالاشتغال بهما عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ خَصَّهُمَا بالذكر تعظيماً لهُما فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴿۹۱﴾ عن اِتيانهما اى اِنْتَهُوا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا المعاصيَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ عن الطاعةِ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۹۲﴾ الاِبلاغُ البيّنُ وجزاؤكُم علينا لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اَكَلُوْا مِنَ الخَمْرِ والمَيْسِرِ قَبْلَ التَّحْرِيْمِ اِذَا مَا اتَّقَوْا المحرَّمَاتِ وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثَبَتُوْا على التقوى والايمانِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا العَمَلَ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۹۳﴾ بمعنى اَنَّهُ يُثِيْبُهُمْ.

ترجمہ: (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت نے یہ ارادہ کرلیا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھیں گے اور ہمیشہ نماز میں مشغول رہیں گے، اور عورتوں سے ہم بستر نہ ہوں گے اور نہ خوشبو کا استعمال کریں گے، اور نہ گوشت کھائیں گے اور نہ بستر پر سوئیں گے، اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حکم خداوندی سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے جو حلال مرغوب چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ (حلالاً، کلوا کا) مفعول ہے اور اس کا ماقبل (مِمّا رزقکم اللّٰہ) کا متعلق مقدم حال ہے، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو (مہمل) قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرے گا، لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا قصد سبقت لسانی سے سرزد ہو جائے، مثلاً لوگ کہتے ہیں، لا واللّٰہ، اور بلٰی واللّٰہ، مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو یعنی قصداً قسم کھاتے ہو (عقدتم) میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں اور ایک قراءت میں عاقدتم ہے تو ایسی قسم کا کفارہ جب تم اس میں حانث ہو جاؤ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ہر ایک مسکین کو ایک مُد وہ اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو، یعنی درمیانی درجہ کا، غالب حالات کے اعتبار سے، نہ بہت اعلیٰ اور نہ بہت ادنیٰ، یا انھیں کپڑے پہناؤ، وہ کپڑا جس کو (عرف میں) لباس کہا جائے، مثلاً قمیص، اور دستار، اور ازار، اور مذکورہ چیزیں ایک ہی مسکین کو دیدینا کافی نہیں ہے اور یہ (امام) شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے، یا ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے جیسا کہ کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار میں مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے، جو شخص (مذکورہ تینوں) میں سے کسی پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا کفارہ تین دن کے روزے ہیں اور اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تسلسل شرط نہیں ہے، اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ اور توڑ دو اور اپنی قسموں کی توڑنے سے حفاظت کیا کرو جبکہ قسم کسی کار خیر یا اصلاح بین الناس نہ کرنے پر نہو،

جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے، اسی طرح جیسا کہ مذکورہ (احکام) تمہارے لئے بیان کئے اللہ تمہارے لئے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم اس پر شکر ادا کرو اے ایمان والو یہ شراب جو عقل کو مستور کردے اور جوا اور بت اور قسمت آزمائی کے تیر خبیث گندے شیطانی عمل ہیں جن کو وہ آراستہ کرکے پیش کرتا ہے تم ان سے پرہیز کرو، یعنی اس گندگی سے پرہیز کرو جن کو ان ناموں سے تعبیر کیا ہے، امید ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہوگی شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض و عداوت ڈالدے جب تم ان کا ارتکاب کرو، اس لئے کہ ان سے شر و فساد جنم لیتا ہے، اور تم کو ان میں مشغول کرکے اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے ان دونوں کی عظمت کی وجہ سے خاص طور پر انکو ذکر کیا ہے تو کیا تم ان چیزوں سے باز آجاؤ گے؟ یعنی باز آجاؤ، اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور معاصی سے باز آجاؤ اور اگر تم اس کی طاعت سے حکم عدولی کرو گے تو جان لو ہمارے رسول پر صاف صاف (حکم) پہنچا دینا ہے اور بس، اور تم کو جزاء دینا ہماری ذمہ داری ہے، جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے، انہوں نے حرمت سے پہلے شراب اور (مال) قمار میں سے جو کچھ کھایا پیا اس پر گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ (آئندہ) حرام کردہ چیزوں سے بچے رہیں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک عمل کرتے رہیں پھر تقوے اور ایمان پر ثابت قدم رہیں پھر (ممنوعات) سے اجتناب کریں اور نیک اعمال کریں اور اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کو پسند کرتے ہیں بایں معنی کہ ان کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: مُفْعُوْلٌ وَالْجَارُّ وَالْمَجْرُوْرُ قَبْلَهٗ، حَالٌ مُتَعَلِّقٌ به حلاً لا طیبًا موصوف صفت سے مل کر کُلوا کا مفعول بہ ہے اور مِمَّا رزقنا کم حلالاً سے متعلق ہو کر حال مقدم ہے تقدیر عبارت یہ ہے، کلوا شیئاً حَلاَلاً طَیّباً حال کو نہ مما رزقکم اللّٰہ، اسلئے کہ مِمَّا رزقکم دراصل نکرہ کی صفت ہونے کی وجہ سے مقدم ہو کر حال واقع ہے، مفسر علّام نے مذکورہ عبارت سے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلُہٗ: الکَائِن، اس میں اشارہ ہے کہ فی اَیْمَانِکم، اَللَّغو کی صفت ہے نہ کہ حال۔

قِوْلُہٗ: مَایَسْبِقُ اِلیه اللِسَانُ من غَیرِ قَصْدٍ، یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا مذہب ہے۔

قِوْلُہٗ: بما عَقَّدْتم ای وَثَقْتم بالنیة و القصد. عَقَّدْتُمْ، تعقید (تفعیل) سے ماضی جمع مذکر حاضر تم نے گرہ لگائی تم نے پختہ عہد کیا۔

قِوْلُہٗ: عَلَیْهِ، اس میں اشارہ ہے مَا عَقَّدْتم، میں مَا، موصولہ ہے اور عَقَّدْتُمُ الاَیْمَان جملہ ہو کر صلہ ہے، اور جب صلہ جملہ ہوتا ہے تو اس میں ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور وہ علیہ ہے۔

قِوْلُہٗ: اِذَا حَنِثْتم، اس میں اشارہ ہے کہ نفسِ یمین وجوب کفارہ کا سبب نہیں ہے بلکہ قسم توڑنا کفارہ کا سبب ہے۔

قوله: مُؤْمِنَة، هذا عند الشافعي.
قوله: مُد، ایک مد کی مقدار ۶۸ تولہ ۳ ماشہ یا ۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام ہوتی ہے۔
قوله: كَفَّارُتُه، اس میں اشارہ ہے کہ فَصِیام ، مبتداء ہے اور کفارۃ اس کی خبر محذوف ہے۔
قوله: خَبِیْثٌ مُسْتَقْذَرٌ، الرجس کے معنی اکثر کے نزدیک نجس کے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رِجس معنیٰ اسم جمع ہے یہی وجہ ہے کہ مفرد ہونے کے باوجود متعدد کی خبر واقع ہے، مفسر علام نے مستقذرٌ کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا کہ رجس سے مراد نجس طبعی نہیں ہے بلکہ نجس عقلی ہے، زجاج نے کہا کہ رجس فتحۂ راء اور کسرۂ راء کے ساتھ ہر عمل قبیح کو کہتے ہیں۔
قوله: الرِجْس، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سوال: اِجْتَنِبُوْہ، کی ضمیر متعدد یعنی ماقبل میں مذکور چار چیزوں کی طرف راجع ہے حالانکہ ضمیر واحد ہے۔
جواب: ضمیر واحد کا مرجع الرجس ہے جو اسم جمع ہونے کی وجہ سے حکم میں متعدد کے ہے، مفسر علام نے اَنْ تفعلوہ، اِذَا تیتموھما، بالاشتغال، ان تینوں کلموں کا اضافہ کرکے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ منع اور حکم کا تعلق افعال سے ہوتا ہے نہ کہ ذوات واعیان سے۔
قوله: ثَبِتُوا مفسر علام نے ثبتوا کا اضافہ دفع تکرار کے لئے کیا ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

اوپر قریبی آیات میں رہبانیت کا مدح وستائش کے طور پر ذکر آیا تھا احتمال تھا کہ کہیں مسلمان بھی اس کو قابل مدح وستائش نہ سمجھ لیں اسی مناسبت سے حلال چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت کا ذکر فرمایا۔

شان نزول:

یٰاَیُّھَا الَّذین آمنوا لَا تُحرموا طیبٰتِ (الآیة) ان آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں متعدد واقعات احادیث میں مروی ہیں، ممکن ہے کہ یہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہوئے ہوں۔

پہلا واقعہ:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ایک روز عبداللہ ابن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے گھر ان کی عدم موجودگی میں ایک مہمان آیا، عبداللہ ابن رواحہ آپ ﷺ کی خدمت میں تھے تاخیر سے گھر لوٹے تو معلوم ہوا کہ ان کی اہلیہ نے

ان کے انتظار میں مہمان کو کھانا نہیں کھلایا عبداللہ ابن رواحہ کو اس سے ناگواری ہوئی اور کھانا نہ کھانے کی، **ھُوَ حرام عَلَیَّ**، کہہ کر قسم کھالی یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اہلیہ نے بھی **ھُوَ حرام عَلیَّ** کہہ کر قسم کھالی جب مہمان نے دیکھا کہ عبداللہ ابن رواحہ اور ان کی اہلیہ نے کھانا نہ کھانے کی قسم کھالی ہے تو اس نے بھی **ھو حرام علیّ**، کہہ کر قسم کھالی، جب عبداللہ ابن رواحہ نے دیکھا کہ مہمان نے بھی قسم کھالی تو انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا **کلوا بسم اللّٰہ**، اور پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "قد اَصَبْتَ" تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر شوکانی)

دوسرا واقعہ:

ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یا رسول اللہ جب میں گوشت کھاتا ہوں تو مجھے شہوت کا زور ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے میں نے گوشت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (ایضًا)

تیسرا واقعہ:

ایک روز صحابہ کے مجمع میں حضور اقدس ﷺ نے آخرت کی زندگی اور حالات پر نہایت اثر انگیز تقریر فرمائی، اس کا اثر یہ ہوا کہ تقریباً دس صحابۂ کرام حضرت عثمان بن مظعون رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مکان پر جمع ہوئے اور باہمی مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ آئندہ دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے، ٹاٹ کا لباس پہنیں گے، زمین پر لیٹیں گے، گوشت کو ہاتھ نہ لگائیں گے، بال بچوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے دن بھر روزے رکھا کریں گے اور شب بیداری کریں گے، اس کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوگئی تو ان لوگوں کو آپ ﷺ نے بلا بھیجا جب یہ حضرات حاضر خدمت ہوگئے تو آپ نے واقعہ کی تصدیق چاہی ان لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے ہم بستر بھی ہوتا ہوں، لہٰذا جس نے میرا طریقہ اختیار کیا وہ میرا ہے اور جس نے میرا طریقہ اختیار نہ کیا وہ میرا نہیں، اس قسم کا واقعہ صحیحین میں بھی مذکور ہے مگر ان میں مذکورہ آیت کا شان نزول ہونے کی صراحت نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

مذکورہ آیت کا مطالبہ:

اس آیت میں خاص طور پر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں، ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے مختار نہ بنو، حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا، اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرو گے تو قانون الٰہی کے پیرو ہونے کے بجائے قانون نفس کے پیرو قرار پاؤ گے۔

دوسری بات یہ کہ عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بدھ مذہب کے بھکشوؤں کی طرح رہبانیت اور قطع لذّات کا طریقہ

اختیار نہ کرو، مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ سے یہ میلان رہا ہے کہ نفس وجسم کے حقوق ادا کرنے کو روحانی ترقی میں مانع سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو دنیوی لذتوں سے محروم کرنا اور دنیا کے سامان راحت سے رشتہ توڑ لینا بجائے خود ایک نیکی ہے، اور خدا کا تقرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، ماسبق میں مذکور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں بھی بعض لوگ ایسے تھے جو اسی قسم کی ذہنیت رکھتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کو بعض صحابہ کے بارے میں گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا ضبط نفس کے لئے میرے یہاں روزہ ہے اور رہبانیت کے سارے فائدے جہاد سے حل ہوتے ہیں، اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو حج وعمرہ کرو نماز قائم کرو زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے او پر سختی کی، اور جب انہوں نے خود اپنے او پر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔

قسم کی اقسام اور ان کے احکام:

لا یؤاخذکم باللغو الکائن فی ایمانکم.

پہلی قسم یمین لغو:

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ تکیہ کلام کے طور پر بلا ارادہ قسم کھایا کرتے ہیں، ہر بات میں واللہ، باللہ، تاللہ، ان کے زبان سے نکل جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص کسی بات کو سچ سمجھ کر قسم کھاتا ہے حالانکہ وہ بات غلط ہے، اس قسم کی قسموں کو یمین لغو کہتے ہیں یعنی مہمل قسم اس قسم کی قسموں کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

دوسری قسم یمین غموس:

اگر گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس قسم کو فقہاء کی اصطلاح میں یمین غموس کہتے ہیں، یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ ہے البتہ اس پر بھی کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا اس سے استغفار لازم ہے، کیونکہ اس قسم کی قسم کھانیوالا گناہ میں ڈوب جاتا ہے اسی لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں غموس کے معنی ڈوبنے کے ہیں۔

تیسری قسم یمین منعقدہ:

یمین منعقدہ یہ ہے کہ زمانہ آئندہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائے، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے یہ بعض صورتوں میں گناہ بھی ہوتا ہے۔

اس جگہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں بظاہر لغو، سے یہی یمین لغو مراد ہے جس پر کفارہ واجب نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو اسلئے

کہ اس کے بالمقابل عقدتم الایمان مذکور ہے۔

کفارۂ قسم:

فکفارته اطعام عشرة مساکین مِن اوسط ما تطعمون اَهْلِیکم او کِسْوَتُهُمْ اَوْ تحریر رقبةٍ، یعنی مذکورہ تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کرلیا جائے اول یہ کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا دونوں وقت کھانا کھلانا یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوش کپڑا دیدیا جائے مثلاً ایک لمبا کرتہ پائجامہ یا تہہ بند، یا ایک غلام آزاد کردیا جائے، اگر مذکورہ مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھے۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک یہ تین روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔

یاَیّها الذین آمَنُوا اِنّما الخمروا لمیسِرُ، شراب کے بارے میں یہ تیسرا حکم ہے پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی، لیکن یہاں اسے اور اس کے ساتھ جوا، پرستش گاہوں (تھانوں) اور فال کے تیروں کو رجس (پلید) اور شیطانی کام قرار دیکر صاف لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دیدیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس آیت میں شراب اور جوئے کے مزید نقصانات بیان کرکے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ مقصد ایمان کی آزمائش ہے، چنانچہ جو اہل ایمان تھے وہ منشائے الٰہی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہوگئے، اور کہہ اٹھے، "اِنتهَینا ربّنَا" اے ہمارے پروردگار ہم باز آگئے۔

اِنّما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العَدَاوة و البغضاءَ، یہ شراب اور جوئے کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات کا بیان ہے جو محتاج وضاحت نہیں، اسی لئے شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے، اور جوا بھی ایسی بری لت ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور پشتینی جاگیرداروں کو مفلس وقلاش بنادیتی ہے۔

جُوا شراب کی دنیوی مضرتیں:

شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیاوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کو اگر لکھا جائے تو ایک بڑا دفتر تیار ہوسکتا، قرآن مجید نے یہاں ان کی صرف سب سے بڑی مضرت خانہ جنگی کی طرف اشارہ کیا ہے شراب وقمار دونوں کے مضر اثرات شر وفساد کی شکل میں روزانہ مشاہدے میں آتے ہیں، شراب نوشی اور جرائم میں قریبی بلکہ چولی دامن کا ساتھ ہے آج ماہرین کے فراہم کردہ اعداد وشمار سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ شراب وجُوا کا جرائم سے بہت قریبی تعلق ہے جوئے اور شراب نوشی کی لت میں پڑکر بڑے بڑے مشاہیر واکابر کا اپنی دولت عزت حتیٰ کہ سلطنت تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کی قدیم ترین تاریخی قصہ مہابھارت سے ظاہر ہے۔

عرب جاہلیت کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح آج فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی یہ دونوں بلائیں بری طرح مسلط ہیں۔

شانِ نزول:

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات، لباب میں مسند احمد سے بروایت ابو ہریرہ منقول ہے کہ جب مذکورہ آیت میں تحریم خمر ومیسر نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت سے لوگ جو کہ شراب پیتے تھے اور قمار کا مال کھاتے تھے، تحریم سے پہلے مر گئے ان کا کیا حال ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ لَيَختَبِرَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ يُرسِلُهُ لكم مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اى الصِغَارَ منه اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ الكِبَارَ منه وكان ذلك بالحُدَيْبِيَةِ وهم مُحرِمُونَ فكانت الوُحُوشُ والطَّيرُ تَغشَاهُمْ فى رِحَالِهِمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُورٍ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ حَالٌ اى غائباً لَمْ يَرَهُ فَيَجتَنِبُ الصَّيدَ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّهيِ عَنْهُ فاصطَادَهُ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ مُحرِمُونَ بحَجٍّ او عُمرَةٍ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ بالتَنوِينِ ورَفْعِ ما بعدَهُ اى فعليه جَزَاءٌ هو مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اى شِبهُهُ فى الخِلْقَةِ وفى قِرَاءَةٍ بإضَافَةِ جَزَاءٍ يَحْكُمُ بِهٖ اى بالمِثْلِ رَجُلَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ لهما فِطْنَةٌ يُمَيِّزَانِ بها اَشْبَهَ الاشياءِ به وقد حَكَمَ ابنُ عباسٍ وعمرُ وعلىٌّ رَضِيَ اللّٰه تعالى عنهم فى النَّعَامَةِ بِبَدَنَةٍ وابنُ عباسٍ وابو عبيدةَ فى بَقَرِ الوَحْشِ وحِمَارِهِ ببقرةٍ وابن عُمرَ وابنُ عَوفٍ فى الظبى بشاةٍ وحَكَمَ بها ابنُ عباسٍ وعمرُ وغيرُهما فى الحَمَامِ لانه يُشبِهُهَا فى العَبِّ هَدْيًا حالٌ من جَزَاء بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اى يُبلَغُ به الحرمَ فَيُذبَحُ فيه ويُتَصَدَّقُ به على مَسَاكِينِهِ ولا يجوزُ ان يُذبَحَ حَيْثُ كان ونَصْبُهُ نعتاً لما قبلَهُ وانْ أُضِيفَ لأنَّ اضافتَهُ لفظيَّةٌ لا تُفِيدُ تعريفاً فإنْ لم يكن للصيدِ مِثْلٌ مِنَ النَعَمِ كالعُصفُورِ والجَرَادِ فعليه قيمتُهُ اَوْ عليه كَفَّارَةٌ غيرُ الجَزَاءِ وانْ وجدَهُ هى طَعَامُ مَسٰكِيْنَ من غالبِ قُوتِ البَلَدِ مِمَّا يُسَاوِى الجَزَاءَ لكلِّ مسكينٍ مُدٌّ وفى قراءةٍ بإضافةِ كَفَّارةٍ لما بعدَهُ وهى للبَيَان اَوْ عليه عَدْلُ مثلُ ذٰلِكَ الطعام صِيَامًا يَصُومُهُ عن كُلِّ مُدٍّ يوماً وانْ وجدَهُ وَجَبَ ذلك عليه لِّيَذُوْقَ وَبَالَ ثِقَلَ جزاءِ اَمْرِهٖ الذى فَعَلَهُ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ من قتلِ الصَّيدِ قبلَ تحريمِهِ وَمَنْ عَادَ عليه فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ غالبٌ على اَمرِهِ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ مِمَّنْ عَصَاهُ والْحِقَ بقتلِهِ مُتَعَمِّدًا فيما ذُكِرَ الخطأُ اُحِلَّ لَكُمْ ايها النَّاسُ حَلَالًا كنتم او مُحرِمِينَ صَيْدُ الْبَحْرِ ان تأكُلُوهُ وهو ما لا يَعِيشُ الافيه كالسَمَكِ بخلافِ ما يَعِيشُ فيه وفى البَرِّ كالسَرَطَان وَطَعَامُهٗ ما يَقذِفُهُ الى السَاحِلِ مَيِّتًا مَتَاعًا تمتيعاً لَّكُمْ تأكُلُونَهُ وَلِلسَّيَّارَةِ المُسَافِرِينَ منكم يَتَزَوَّدُونَهُ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ وهو ما يَعِيشُ فيه من الوُحُوشِ الماكولِ اَنْ تَصِيدُوهُ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا فلو صَادَهُ حلالٌ فللمُحرِمِ اَكْلُهُ كما بَيَّنَتْهُ السنَّةُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ المُحَرَّمَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ يَقُومُ به اَمرُ دِينِهِم بالحجِّ اِلَيْهِ و دُنيَاهُم بِاَمنِ داخلِهِ

وعدمِ التعرُّضِ لهُ وجبي ثمراتُ كلِّ شيءٍ اليه وفي قراءةٍ قِيَماً بلا الف مَصْدَرُ قامَ عَيْنُهُ مُعتلٌّ
وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ بمعنى الاشهرِ الحُرُمِ ذوالقعدةِ وذوالحجةِ والمحرَّمِ ورَجَبَ قياماً لهم بامنِهم القتالَ
فيها وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ قياماً لهم بأمنِ صاحبهما من التعرُّضِ له ذٰلِكَ الجعلُ المذكورُ
لِتَعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ فإنَّ فِعْلَهُ ذلك لِجَلْبِ المَصَالِحِ لكم
او دَفْعِ المَضَارِّ عنكم قبلَ وُقُوعِها دليلٌ على عِلْمِه بما في الوجودِ وماهو كائنٌ اِعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ
لاعدائِه وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لاوليائِه رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ بهم مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الابلاغُ لكم وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
تُظْهِرُوْنَ من العملِ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ تُخْفُوْنَ منه فيُجازيكُم به قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ الحرامُ وَالطَّيِّبُ
الحلالُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ في تركِه يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تفوزُوْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تم کو ایک چیز سے ضرور آزمائیگا جس کو وہ تمہارے لئے بھیجے گا، اور وہ چھوٹا شکار ہے، جس تک تمہاری رسائی ہوگی اور ان میں سے بڑے (شکار) تمہارے نیزوں کی زد میں ہوں گے، اور ایسا حدیبیہ کے مقام پر ہوا حال یہ ہے کہ وہ حالت احرام میں تھے، وحشی جانور اور پرندے ان کے خیموں میں ان کے پاس بکثرت آتے تھے تاکہ اللہ علم ظہور کے اعتبار سے یہ دیکھے کہ کون اس سے غائبانہ طور پر ڈرتا ہے (بالغیب) یخافہ کی ضمیر سے حال ہے کہ وہ اس کو بغیر دیکھے اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ شکار سے اجتناب کرتا ہے پھر جس نے اس کی (یعنی) شکار کی ممانعت کے بعد حد سے تجاوز کیا، اور شکار کیا، تو اس کے لئے دردناک سزا ہے، اے ایمان والو! حج یا عمرہ کے لئے حالتِ احرام میں شکار نہ کرو، اور اگر تم میں سے کسی نے جان بوجھ کر شکار کیا تو اس پر شکار کئے ہوئے جانور کے مثل کی جزاء ہے، جزاءٌ کی تنوین کے ساتھ، اور اس کے بعد (یعنی قتل) کے رفع کے ساتھ ہے، یعنی اس پر جزاء ہے، (اور) وہ جزاء مقتول جانور کے مثل ہے یعنی جو خلقت میں اس کے مشابہ ہو، اور ایک قراءت میں جزاءٌ کی مثلٌ کی جانب اضافت کے ساتھ ہے، اس مثل کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں کہ جن کو سمجھ (تجربہ) ہو جس کے ذریعہ چیزوں کے مشابہ بالصید ہونے کی تمیز کر سکیں، اور ابن عباس اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شتر مرغ میں بدنہ کا حکم دیا ہے، اور ابن عباس اور ابوعبیدہ نے نیل گائے اور حمار وحشی میں گائے کا حکم دیا ہے اور ابن عمر اور ابن عوف نے ہرن میں بکری کا حکم دیا ہے اور ابن عمر وغیرہ نے کبوتر میں بکری کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ کبوتر پانی چوس کر پینے میں بکری کے مشابہ ہوتا ہے حال یہ کہ وہ جزاء ہدی ہے ھَدْیاً جزاء سے حال ہے کہ اس کو حرم میں پہنچایا جائے تاکہ حرم میں ذبح کیا جائے، اور اس کو حرم کے مسکینوں پر صدقہ کر دیا جائے، اور جہاں چاہے وہاں ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور (بالغ الکعبة) کا نصب اپنے ماقبل (ھدیا) کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے اگرچہ (بالغ الکعبة) میں اضافت ہے، اسلئے کہ یہ اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اور اگر شکار کا جانوروں (مویشیوں) میں مثل نہ ہو مثلاً چڑیا، ٹڈی تو (شکار کرنے والے پر) اس کی

قیمت واجب ہوگی، یا اس پر کفارہ ہے نہ کہ جزاء، اگرچہ اس کی جزاء دستیاب ہو اور وہ کفارہ مساکین کا کھانا ہے، شہر کی غالب غذا سے جو جزاء (کی قیمت) کے مساوی ہو ہر مسکین کو ایک مُدّ، اور ایک قراءت میں کَفّارۃ کی اس کے مابعد کی طرف اضافت کے ساتھ ہے، اور یہ اضافت بیانیہ ہوگی، یا اس کے اوپر اس طعام کے مساوی روزے ہیں ہر مُدّ کے عوض ایک روزہ، اگرچہ غلہ دستیاب ہو یہ اس پر واجب ہے تاکہ یہ شخص اپنے فعل کی جزاء کا (مزا) چکھے، شکار کے قتل کی حرمت سے پہلے جو قتل صید صادر ہو گیا اللہ نے اس کو معاف کردیا اور جس نے اللہ سے عداوت رکھی اللہ اس سے انتقام لے گا اللہ اپنے امر میں غالب اور اپنی نافرمانی کرنے والوں سے انتقام لینے والا ہے شکار کو قصداً مارنے کے مذکورہ حکم میں خطاءً مارنے کے حکم کو شامل کردیا گیا ہے، اے لوگو تمہارے لئے دریائی شکار یعنی اس کا کھانا حلال کردیا گیا ہے خواہ تم غیر مُحرِم ہو یا مُحرِم، اور دریائی جانور وہ ہے جو دریا ہی میں رہتے ہیں مثلاً مچھلی بخلاف اسکے جو دریا اور خشکی دونوں جگہ رہتے ہیں مثلاً کیکڑا اور دریا کا کھانا یعنی مردار حلال کردیا گیا ہے اور (دریا کا طعام) وہ ہے کہ جس کو دریا مردہ کرکے ساحل پر ڈالدے تمہارے فائدے کے لئے کہ تم اس کو کھاؤ اور تم میں سے مسافروں کے لئے کہ وہ اس کو اپنا زادراہ بنائیں، اور تمہارے لئے خشکی کے جانوروں کا شکار حرام کردیا گیا ہے اور (خشکی کا شکار) غیر مانوس ماکول (حلال) جانور ہے جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو پس اگر اس کا شکار غیر مُحرِم نے کیا ہو تو مُحرِم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے جیسا کہ سنت (حدیث) نے بیان کیا ہے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس کے حضور تم سب کو جمع کیا جائیگا، اور اللہ نے کعبہ (یعنی) بیت محترم کو لوگوں کے حالات درست کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے کہ اس کی بدولت اپنے دینی معاملہ کو حج کے ذریعہ درست کرتے ہیں، اور اپنے دنیوی معاملات کو حرم میں داخل ہونے والے کے امن کے ساتھ داخل ہونے کی وجہ سے اور اس سے کسی کے تعرض نہ کرنے کی وجہ سے درست کرتے ہیں، اور ہر شی کی پیداوار اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہے، اور ایک قراءت میں قِیَماً بغیر الف کے قام کا مصدر ہے اس کا عین کلمہ معتل ہے، اور اَلشّھر الحرام، اَلاشھُرُ الحُرُمُ، کے معنی میں ہے، (اور وہ) ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور رجب ہیں، ان مہینوں میں ان کے قتال سے مامون رہنے کی وجہ سے (یہ مہینے اَشہرالحرم کہلاتے ہیں) اور ہدی (کے جانور) کو اور ان جانوروں کو بھی کہ جن کے گلے میں پٹے ہوں ان کے حالات درست کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے مذکورہ دونوں کے مالکوں کے تعرض سے مامون رہنے کی وجہ سے یہ فعل مذکور اس لئے ہے تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کا جاننے والا ہے، بلاشبہ اس جعل مذکور کو تمہارے حصول مصلحت یا تم سے دفع مضرت کے لئے اس کے واقع ہونے سے پہلے کرنا یہ دلیل ہے موجودہ چیزوں اور آئندہ چیزوں سے اس کے واقف ہونے کی خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو سخت عذاب دینے والا ہے اور اللہ اپنے دوستوں کو معاف کرنے والا ہے اور ان پر رحم کرنے والا ہے اور رسول کی ذمہ داری ہم لوگوں تک پیغام دینا ہے اور بس اور وہ اس عمل کو خوب جانتا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو، اور جس کو تم پوشیدہ رکھتے ہو تو وہ تم کو اس پر جزاء دے گا، آپ کہئے کہ حرام اور حلال برابر نہیں ہوسکتا، اگرچہ حرام کی کثرت آپ کو تعجب میں ڈالدے تو اے عقلمندو اس کے ترک کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: حالٌ، بالغیب، مَنْ موصول سے حال ہے نہ کہ یخافه کی ضمیر سے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کا غائب ہونا لازم آئیگا، غائبًا سے اسی کی طرف اشارہ ہے، اور بالغیب غائبًا کے معنی میں ہے، لم یَرَہٗ بالغیب کی تفسیر ہے۔

قولہ: فعَلَیْهِ جزاءٌ.

سوال: فعَلَیْهِ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس کے اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ جزاء ہمیشہ جملہ ہوتی ہے حالانکہ یہاں جملہ نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جزاء اصل میں علیه جزاء ہے جو کہ جملہ ہے۔

قولہ: یَحْکُمُ به ذَوَا عَدْلٍ.

سوال: ذَوَا عَدْلٍ یَحْکُم کا فاعل واقع ہو رہا ہے حالانکہ صفت کا فاعل واقع ہونا صحیح نہیں ہے؟

جواب: یحکم، کا فاعل محذوف ہے یعنی رجلان، مفسر علّام نے رجلان محذوف مان کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی رجلان ذوا عدل، موصوف صفت مل کر یحکم کا فاعل ہے۔

قولہ: وإن وجدہٗ اَیْ اَلْجزاءَ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَوْ عَلَیْهِ کفارةٌ، میں اَوْ تخییر کے لئے ہے نہ کہ ترتیب کے لئے۔

قولہ: وھی للبَیَانِ، یعنی کفارة کی طعام کی طرف اضافت کی صورت میں اضافت بیانیہ ہوگی جیسا کہ خاتم فضةٍ میں اضافت بیانیہ ہے۔

قولہ: اَنْ تاکُلُوهُ، صید البحر کی تفسیر تاکلوه سے کر کے اشارہ کر دیا کہ صید سے مراد شکار کا جانور ہے نہ کہ فعل اصطیاد اس لئے اس کے ساتھ لفظ اکل مقدر ماننا ضروری ہے اسلئے کہ نفس حیوان اپنی ذات کے اعتبار سے حلت وحرمت کے ساتھ متصف نہیں ہوتا، بلکہ فعل حلت وحرمت کے ساتھ متصف ہوتا ہے اسی وجہ سے مفسر علّام نے لفظ تاکلوا، مقدر مانا ہے۔

قولہ: اَنْ تَصِیْدُوْہ اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس صید کی حلت وحرمت کا کوئی مطلب نہیں ہے بلکہ فعل صید حرام ہے۔

قولہ: یَقُوم به مفسر علّام نے قیاماً کی تفسیر یقوم به سے کر کے اس اعتراض کا جواب دیدیا کہ قیامًا کا حمل کعبة البیت پر درست نہیں ہے۔

قولہ: عَیْنُه مُعْتَلٌّ قیامًا اصل میں قوامًا تھا واؤ کسرہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل گیا۔

قولہ: الاَشْهُرَ الْحُرُمَ، والشهر الحرام کی تفسیر الاشهر الحرم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ الشهر الحرام میں الف لام جنس کا ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

یا ایها الذین آمنوا، ٦ھ صلح حدیبیہ کے موقع پر جبکہ آپ ﷺ کے ہمراہ تقریباً چودہ سو صحابہ کرام عمرہ کی غرض سے محو سفر تھے حدیبیہ کے مقام پر قیام کے دوران آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ یہ خبر دینے کے لئے بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لا رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کے انتظار میں حدیبیہ کے مقام پر چندروز قیام کرنا پڑا، اس دوران وحوش وطیور کی اس قدر بہتات ہوئی کہ خیموں میں گھسے جاتے تھے مگر چونکہ صحابہ کرام احرام باندھے ہوئے تھے اس لئے ان کو پکڑنے سے مجبور تھے، گویا کہ یہ نظیر تھی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کی یوم السبت میں مچھلیوں کی کثرت اور پکڑنے سے ممانعت کی، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ بنی اسرائیل آزمائش میں ناکام رہے اور یوم السبت میں مچھلی پکڑنے کے مجرم قرار دیئے گئے بخلاف صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کہ وہ آزمائش میں ثابت قدم رہے حالانکہ شکار کرنا عرب کا محبوب مشغلہ تھا۔

مسئلہ: شکار جو کہ حالت احرام اور حرم میں حرام ہے عام ہے، خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول۔

مسئلہ: صید (شکار) ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، عادۃً انسانوں سے غیر مانوس ہوں، لہٰذا جو خلقۃً اہلی ہوں جیسے بھیڑ بکری گائے اونٹ وغیرہ ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔

مسئلہ: البتہ جن جانوروں کو دلیل شرعی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے ان کا پکڑنا اور کھانا درست ہے مثلاً مچھلی اور بعض غیر ماکول جانوروں کو بھی دلیل استثناء کی وجہ سے قتل کرنا درست ہے جیسے، کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، اور بچھو، اور کاٹنے والا کتا، اسی طرح اگر درندہ حملہ آور ہو تو اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے، حدیث میں ان کا استثناء مذکور ہے معلوم ہوا الصید، میں الف لام عہد کا ہے۔

مسئلہ: جس حلال جانور کا غیر احرام اور غیر حرم میں شکار کیا جائے تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے، جبکہ محرم اس کے قتل میں کسی طرح بھی معین ومددگار نہ ہو۔

مسئلہ: حرم کے شکار کو جس طرح قصداً قتل کرنے پر جزاء واجب ہوتی ہے اس طرح خطا ونسیان میں بھی جزاء واجب ہوتی ہے۔

مسئلہ: جس جگہ اور جس وقت جانور کا قتل ہوا ہے بہتر تو یہ ہے کہ دو عادل شخص اس جانور کی قیمت کا تخمینہ کریں، اگر مقتول جانور غیر ماکول ہے تب تو یہ قیمت ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی، اور اگر مقتول جانور ماکول ہو تو جانور حسب شرائط قربانی کے خریدے اور حدود حرم میں ذبح کر کے حرم کے فقراء پر تقسیم کر دے یا اس قیمت کا غلہ حسب شرائط صدقۃ الفطر نصف صاع ہر مسکین کو دے، یا فی مسکین نصف صاع جتنے مساکین کو وہ غلہ پہنچ سکتا ہو اتنے ہی روزے رکھ لے، روزوں اور غلہ کی تقسیم

میں حرم کے فقراء کی شرط نہیں ہے بخلاف گوشت کے، اور اگر قیمت نصف صاع سے کم بچ جائے تو اختیار ہے کہ خواہ کسی فقیر کو دیدے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے،

مسئلہ: مسکینوں کو غلہ دینے کی بجائے ہر مسکین کو دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا کھلانا بھی کافی ہے،

مسئلہ: محرم کے لئے جس جانور کا شکار کرنا حرام ہے اس کا ذبح کرنا بھی حرام ہے، نیز محرم کا مذبوح مردار ہوگا۔

(معارف القرآن)

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیماً الخ، کعبہ کو البیت الحرام اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا درخت وغیرہ کاٹنا حرام ہے قیاماً للناس بیت الحرام لوگوں کے قیام اور گزران کا باعث قرار دیا، مطلب یہ ہے کہ کعبہ اور اس کے متعلقات لوگوں کی دینی و دنیوی بقا کے اسباب اور ذریعہ ہیں، الناس اگرچہ عام انسانوں کے لئے بولا جاتا ہے مگر قرینہ کی وجہ سے یہاں اہل مکہ مراد ہیں یا اہل عرب بھی مراد ہو سکتے ہیں اور عام دنیا کے انسان بھی، اسلئے کہ حج بیت اللہ کا پورے عالم کی اقتصادیات سے گہرا تعلق ہے۔

کعبہ کی مرکزی حیثیت:

عرب میں کعبہ کی حیثیت محض ایک عبادت گاہ ہی کی نہ تھی بلکہ اپنی مرکزیت اور اپنے تقدس کی وجہ سے کعبہ ہی پورے ملک کی معاشی و تمدنی زندگی کا سہارا ہوتا تھا حج اور عمرہ کے لئے سارا ملک اس کی طرف کھنچ کر چلا آتا اور اس اجتماع کی بدولت انتشار کے مارے ہوئے عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ پیدا ہوتا مختلف علاقوں اور قبیلوں کے لوگ باہم تمدنی روابط قائم کرتے، شاعری کے مقابلوں سے ان کی زبان وادب کو ترقی نصیب ہوتی اور تجارتی لین دین سے سارے ملک کی معاشی ضروریات پوری ہوتیں، قابل احترام مہینوں کی بدولت عربوں کو پورا ایک تہائی زمانہ امن کا نصیب ہو جاتا تھا، بس یہی ایک زمانہ ایسا تھا کہ جس میں ان کے قافلے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن وامان کے ساتھ بسہولت آتے جاتے تھے قربانی کے جانوروں اور قلادوں کی موجودگی سے بھی اس نقل وحمل میں بڑی مدد ملتی تھی، کیونکہ نذر کی علامت کے طور پر جن جانوروں کی گردنوں میں پٹے پڑے ہوئے ہوتے، انھیں دیکھ کر عربوں کی گردنیں احترام سے جھک جاتیں اور کسی غارت گر قبیلہ کو بھی ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی۔

قل لا یستوی الخبیث والطیب الخ، الخبیث، کا لفظ نافرمان یا نافرمانی، حرام اور ردی، کفر وشرک وغیرہ سب کو شامل ہے، خواہ از قبیل ذات ہو یا صفات یا از قبیل مال یا اعمال (قرطبی) اور طیب، فرمانبردار اور فرمانبرداری پاک اور لطیف سب کو شامل ہے، ظاہر بین نظروں میں ہزار روپے سو کے مقابلہ میں یقیناً کم ہیں، مگر خدا کی نافرمانی کر کے، حاصل کئے گئے ہوں تو وہ ناپاک اور خبیث ہیں، اور سو روپے جو خدا کی فرمانبرداری کرتے ہوئے حاصل کئے گئے ہوں وہ پاک اور طیب ہیں، ناپاک مقدار میں خواہ کتنا ہی زیادہ ہو بہرحال وہ پاک قلیل کے برابر نہیں سکتا، غلاظت کے ایک ڈھیر سے عطر کا ایک قطرہ زیادہ قدر رکھتا ہے لہذا

دانشمند شخص کو حلال ہی پر قناعت کرنی چاہئے خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔

وَنَزَلَ لَمَّا اَكْثَرُوْا سُوَالَه صلى الله عليه وسلم يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ تُظْهَرْ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ
لِمَا فيها مِن المَشَقَّةِ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ اى فى زَمَنِ النبيّ صلى الله عليه وسلم تُبْدَ لَكُمْ
المعنى اذا سَاَلْتُمْ عن اشياءَ فى زمنِهِ يُنَزِّلُ القراٰنُ بِاِبْدَائِها ومَتٰى اَبْدَأها سَاءَ تْكُمْ فلا تَسْئَلُوْا عنها
عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا عن مَسْئَلَتِكُمْ فلا تَعُوْدُوْا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا اى الاشياءَ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ انبيائَهم
فَاُجِيْبُوْا بِبَيَانِ احكامِها ثُمَّ اَصْبَحُوْا صَارُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ بتركِهم العملَ بها مَا جَعَلَ شَرَعَ
اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ كما كان اَهلُ الجاهليَّةِ يَفْعَلُوْنَهُ روى البخارى عن سعيدِ بن
المُسَيَّبِ قال البحيرةُ التى يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّواغيتِ فلا يَحْلِبُهَا احدٌ من الناسِ والسَّائِبَةُ كانوا يُسَيِّبُوْنَها
لاٰلِهتِهم فلا يُحمَلُ عليها شَىْءٌ والوصيلةُ الناقةُ البِكْرُ تَبْكُرُ فى اولِ نتاجِ الابلِ بِاُنْثٰى ثم تثنى بَعدَهُ بانثى
وكانوا يُسَيِّبُوْنَها لطواغيتِهم ان وَصَلَتْ احدَهما بالاخرى ليس بينهما ذَكَرٌ والحامُ فَحْلُ الابلِ
يَضْرِبُ الضرابَ المعدودَ فاذا قَضٰى ضِرابَهُ وَدَعُوْهُ للطواغيتِ وعفوْهُ من الحملِ فلم يُحمَلْ عليه شَىْءٌ
وسَمَّوْهُ الحامِىَ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فى ذلك ونسبتِهِ اليه وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾
ان ذلك اِفْتِرَاءٌ لانهم قَلَّدُوْا فيه اٰبائَهم وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اى الى حُكْمِهِ من
تحليلِ ما حَرَّمْتُمْ قَالُوْا حَسْبُنَا كافِيْنا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا من الدِّيْنِ والشريْعَةِ قال تعالٰى اَ حَسبهم ذلك
وَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾ الى الحقِّ والاستفهامُ للانكار يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ
اى احْفَظُوْهَا وقُوْمُوْا بصلاحِها لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ قيل المرادُ لا يَضُرُّكُمْ من ضَلَّ من اهلِ
الكتٰبِ و قيل المرادُ غَيْرُهم لحديثِ ابى ثَعْلَبَةَ الخُشَنِيِّ سَأَلْتُ عنها رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم
فقال ائتَمِرُوْا بالمعروفِ وتَنَاهَوْا عن المنكرِ حتى اذا رايت شُحًّا مُطَاعًا وهوى متبعًا ودنيا مُؤْثَرَةً واِعْجَابَ
كلِّ ذى رأى بِرَأيِهِ فعليك نَفْسَكَ رواهُ الحاكمُ وغيرُهُ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾
فيجازيكُم به يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اى اسبابُهُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ
خبرٌ بمعنى الامرِ اى لِيَشْهَدُوْا اضافةُ شهادةٍ لِبَيْنَ على الاتِّساعِ وحينَ بدلٌ من اذا او ظَرفٌ لحَضَرَ
اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اى غيرِ مِلَّتِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ سافَرْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا
تُوْقِفُوْنَهُمَا صفةُ اٰخَرَانِ مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ العصرِ فَيُقْسِمٰنِ يَحْلِفَانِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ شَكَكْتُمْ فيهما ويَقُوْلَانِ
لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ باللّٰهِ ثَمَنًا عِوَضًا نَأْخُذُهُ بدلَهُ من الدنيا بِاَنْ نَحْلِفَ او نَشْهَدَ به كاذبًا لاجلِهِ وَّلَوْ كَانَ المُقْسَمُ
لَهُ او المَشْهُوْدُ لَهُ ذَا قُرْبٰى قرابةٍ منّا وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ التى اَمَرَنَا باقامتِها اِنَّآ اِذًا ان كَتَمْنَاها

لَمِنَ الْاٰثِمِیْنَ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ اطلع بعد حلفهما عَلٰٓی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا ای فِعلاً ما یوجِبُهٗ من خیانةٍ او کذبٍ فی الشهادةِ بان وجد عندهما مَثلاً ما اتُّهِمَا به وادَّعَیا انهما ابتاعاهُ من المیّتِ او اوصی لهما بِهٖ فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا فی توجُّهِ الیمینِ علیهما مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الوصیة وهم الوَرَثَةُ ویُبْدَلُ من اٰخَرَانِ الْاَوْلَیٰنِ بالمیّتِ ای الاَقْرَبَانِ الیه وفی قراءةٍ الاَوَّلِیْنَ جمعُ اول صفةٌ او بَدَلٌ من الذین فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ علی خیانةِ الشاهدَیْنِ ویَقُوْلان لَشَهَادَتُنَآ یَمِیْنُنَا اَحَقُّ اَصدقُ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ یَمِیْنِهِمَا مَا اعْتَدَیْنَآ تجاوَزْنا الْحَقَّ فی الیمینِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: لوگوں نے جب آپ ﷺ سے کثرت سے سوالات کرنے شروع کئے تو یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والوایسی (فضول) باتوں کا سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اس لئے کہ اس میں دشواری ہو، اور اگر تم نزول قرآن کے دوران یعنی آپ ﷺ کے زمانۂ حیات میں ان باتوں کا سوال کرو گے تو تم کو جواب دیدیا جائیگا، مطلب یہ کہ جب تم آپ کے زمانۂ حیات میں چیزوں کے بارے میں سوال کرو گے تو قرآن (ان کا جواب) ظاہر کرنے کے بارے میں نازل ہوگا اور جب قرآن ان چیزوں کا جواب ظاہر کردے گا تو تمہیں ناگواری ہوگی، لہٰذا ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو، اللہ نے تمہارے (ماضی میں) سوال کرنے کو معاف کر دیا، آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بردبار ہے، ایسی باتیں تم سے پہلی قوم نے اپنے انبیاء سے پوچھی تھیں ان کے احکام بیان کرکے ان کا جواب دیدیا گیا، پھر وہ ان احکام پر ترک عمل کرکے ان احکام کے منکر ہو گئے اللہ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو جیسا کہ اہل جاہلیت اس کو کرتے تھے، امام بخاری نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کا دودھ دوہنا بتوں کے نام پر موقوف کر دیا جاتا تھا، چنانچہ کوئی شخص ان کا دودھ نہیں دوہتا تھا، اور سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو وہ اپنے معبودوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ وہ اس کو بار برداری کے کام میں نہیں لیتے تھے، اور وصیلہ اس نوجوان اونٹنی کو کہتے تھے جو پہلی ہی بار مادہ بچہ جنے پھر دوبارہ بھی مادہ بچہ جنے کہ ان کے درمیان نر بچہ نہ ہو، اور حام وہ اونٹ جو دس بار جفتی کرے، جب وہ مذکورہ تعداد پوری کر لیتا تو اس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، اور اس پر بار برداری ترک کر دیتے کہ اس پر کوئی چیز نہ لادتے، اور اس کا نام حام رکھتے تھے، لیکن (یہ) کافر اس معاملہ میں اس کی جانب نسبت کرنے میں اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے تھے، اور ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ تہمت ہے اسلئے کہ انہوں نے اس معاملہ میں اپنے آباء کی تقلید کی ہے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ یعنی اس کے حکم کی طرف کہ وہ جس کو تم نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرنا ہے تو کہتے ہیں کہ جس دین وشریعت پر ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو پایا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ ان کے لئے کافی ہوگا اگر چہ ان کے آباء کچھ نہ جانتے ہوں؟ اور راہ حق کی طرف ہدایت یافتہ نہ ہوں استفہام انکار کے لئے ہے، اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو یعنی اپنی حفاظت کرو اور اس کی اصلاح کے لئے مستعد ہو جاؤ کسی کی

گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو کہا گیا ہے کہ مراد اہل کتاب ہیں اور کہا گیا ہے کہ مراد غیر اہل کتاب ہیں، ابوثعلبہ الخشنی کی حدیث کی وجہ سے، (ابوثعلبہ نے فرمایا) کہ میں نے مذکورہ آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا بھلی بات کا حکم کرو اور بری بات سے روکو، اور جب تم دیکھو کہ بخل کی پیروی کی جارہی ہے اور خواہشات کی اتباع کی جارہی ہے اور دنیا کو (دین) پر ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے میں مست ہے، تو تم اپنی فکر کرو، (اس کو حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے) تم سب کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے تو وہ تم کو وہ سب کچھ بتادے گا جو تم کیا کرتے تھے کہ وہ اس کی جزادے گا، اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کی موت آجائے یعنی اس کے اسباب ظاہر ہونے لگیں اور وصیت کرنے کا وقت ہو تو اس کے لئے شہادت کا (نصاب) یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو عادل آدمی گواہ بنائے جائیں، خبر بمعنی امر ہے، یعنی ان کو شہادت دینی چاہئے، اور شہادۃ کی اضافت بین کی جانب وسعت کی بناء پر ہے، اور حین اِذَا سے بدل ہے یا حَضَرَ کا ظرف ہے، اور اگر دوران سفر تم پر موت کی مصیبت آجائے تو تمہارے غیروں یعنی غیر مسلموں میں سے دو گواہ لے لئے جائیں، اگر تم (اے وارثو) ان دونوں کے بارے میں شک میں پڑ جاؤ تو ان دونوں کو عصر کی نماز کے بعد روک لو (تحبسونهما) آخران کی صفت ہے تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ دیں کہ ہم اللہ کی قسم کا عوض نہیں چاہتے کہ اس کے بدلے میں دنیوی عوض لے لیں کہ ہم دنیا کے لئے قسم کھالیں یا اس کے لئے جھوٹی شہادت دیدیں، اگرچہ جن کے فائدے کے لئے قسم کھائی جارہی ہے یا جن کے فائدہ کے لئے شہادت دی جارہی ہے ہمارے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے جس کے ادا کرنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اگر ہم نے چھپایا تو ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے، پس اگر ان کے قسم کھانے کے بعد (کسی طرح) یہ سراغ لگ جائے کہ وہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے ہیں یعنی انہوں نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہو جو خیانت کو یا کذب فی الشہادتین کو واجب کرے بایں طور کہ مثلاً وہ چیز جس کے بارے میں ان کو اتہام لگایا گیا ہے وہ ان کے پاس سے برآمد ہو، اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ انہوں نے میّت سے یہ چیز خریدی ہے یا میت نے ان کے لئے اس کی وصیت کی ہے تو دوسرے دو گواہ جو ان دونوں کے قائم مقام ہوں یمین کو ان کی طرف متوجہ کرنے میں ان لوگوں کی جانب سے کہ جو وصیت کے مستحق قرار پائے ہیں اولین، آخران سے بدل ہے اور وہ ورثاء ہیں جو میت کے اولیا یعنی میت کے رشتہ دار ہیں اور ایک قراءت میں اَوَّلِین اول کی جمع ہے الذین کی صفت یا بدل ہے تو وہ شاہدین کی خیانت پر اللہ کی قسم کھائیں، اور کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے راست تر ہے اور ہم نے قسم میں حق سے تجاوز نہیں کیا ہے، بے شک ہم اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَشیاءَ، اَشیَاءُ کی اصل شَیْئاءُ تھی بروزن فَعْلاءُ، کحمراء، کہ عرب کے نزدیک دو ہمزوں کے درمیان الف ثقیل النطق ہے جس کی وجہ سے پہلے ہمزہ کو جو کہ لام کلمہ ہے قلب مکانی کر کے شین سے مقدم کر دیا اب اس کا وزن اشیاء بروزن لفعاء

ہو گیا اب یہ الف تانیث ممدودہ کی وجہ سے غیر منصرف ہو گیا۔ (اعراب القرآن)

قِوْلُہٗ: ان تَسْئَلُوا عنها حينَ يُنَزَّلُ القرآنُ تُبْدَلكم، اِن حرف شرط، تسئلوا فعل شرط عنها، تسئلوا کے متعلق، ها ضمیر ماسبق میں مذکور اشیاء کی طرف راجع ہے حین ینزل القرآن، تسئلوا کا ظرف ہے اور تُبْدَلكم جواب شرط ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلْمَعْنی اِذَاسَئَلْتُمْ الخ، مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے یہ بتانا ہے کہ یہاں دو شرطیہ جملے اور نہی ہیں، دراصل نہی جو کہ مقدم ہے دونوں جملوں سے مؤخر ہونی چاہئے، اور دونوں شرطیہ جملوں میں پہلا جملہ مؤخر اور ثانیہ مقدم ہونا چاہئے، نہی کو مع اس کے نتیجے کے اہتمام زجر کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا اور یہ تقدیم و تاخیر باعتبار معنی کے ہے اسلئے کہ واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتا۔

قِوْلُہٗ: اذا سَئَلْتُم عن اَشْيَاءَ، یہ جملہ ثانیہ کے معنی ہیں اور متٰی اَبدأها سائتكم یہ جملہ اولی کے معنی ہیں۔

قِوْلُہٗ: فلا تَسْئَلُوا عَنْهَا یہ معنی نہی ہیں۔

قِوْلُہٗ: اِذَا سَئَلْتُم عَنْ اَشْيَاءَ مبتداء ہے يُنَزَّلُ القرآنُ عن اِبْدائِها اس کی جزا ہے۔

قِوْلُہٗ: عن مَسْئَلَتِكُم اس میں اشارہ ہے کہ عنها کی ضمیر مسئلة کی طرف لوٹ رہی ہے جو یسئلون سے مفہوم ہے۔

قِوْلُہٗ: شَرَعَ، جَعَلَ کی تفسیر شرع سے اشارہ کر دیا کہ جَعَلَ، شَرَعَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بیک مفعول ہے اور وہ بحيرة ہے من زائدہ ہے۔

قِوْلُہٗ: بَحِيرَة، باء کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ بروزن فعيلة بمعنی مفعولة اس کے آخر میں تاء غیر قیاسی طور پر لاحق ہوئی ہے اسلئے کہ اس کو وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کیا ہے جس کی وجہ سے بمنزلہ جامد کے ہو گیا، بحیرہ کی تعریف میں علماء کا بہت اختلاف ہے منجملہ ایک قول یہ ہے کہ جو قوی تر ہے جب اونٹنی پانچ مرتبہ بچہ جنتی تھی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر اپنے بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے اور اس پر بار برداری اور سواری کرنا حرام سمجھتے تھے، اور کوئی شخص اس کو گھاس پانی سے نہیں روکتا تھا۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قِوْلُہٗ: سَائِبَة، یہ سَابَ يَسِيبُ سے اسم فاعل ہے آزاد کرنا، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زمانہ جاہلیت میں اسطرح نذر مانتے تھے، مثلاً، اگر میں سفر سے صحیح سلامت واپس آ گیا یا میں مرض سے شفایاب ہو گیا تو میری اونٹنی آزاد ہے، اس طریقہ پر چھوڑی ہوئی اونٹنی کو سائبہ کہا جاتا تھا۔ (اعراب القرآن ایضاً)

قِوْلُہٗ: البَكر بفتح الباء والکاف جوان اونٹنی تبكر فی اول نتاج الابل با لانثی ای تلد فی اول مرة بالانثی، وہ جوان اونٹنی جس نے پہلا بچہ مادہ جنا ہو۔

قِوْلُہٗ: وَصِيلَه، وہ نوجوان اونٹنی جس کے پہلے حمل میں مادہ بچہ پیدا ہوا ہو، اور دوسری مرتبہ بھی مادہ بچہ جنے تسلسل کے ساتھ چونکہ مادہ بچے جنے اس لئے اس اونٹنی کو وصیلہ کہتے ہیں ایسی اونٹنی کو عرب بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے، اور اس سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے تھے۔

قَوْلُهُ: حام، حَـمٰی یحمی حَمْیًا و حِمَایَةً روکنا سے اسم فاعل، اِذَا مُنِعَ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حام وہ اونٹ جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہوئے ہوں، گویا کہ اس کی پشت بار برداری اور سواری سے محفوظ ہوگئی ای لا یُرکب و لا یُحملُ ولا یُمنع من ماء لا مرعٰی.

قَوْلُهُ: واِضَافَةُ شَهَادَة لِبَین علی الاتِّسَاع یعنی ظرف کو قائم مقام فاعل کے اتساعاً کر دیا گیا ہے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ مصدر فاعل یا مفعول کی جانب مضاف ہوتا ہے۔

تَفسِیر وتَشرِیح

شانِ نزول:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لا تسئلوا عن اَشیاء (الآیة)، اس آیت میں فرضی اور دور از مقصد سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے، مذکورہ آیت کے شان نزول کے بارے میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو ابو ہریرہ، انس بن مالک نے روایت کی ہے، ''آپ ﷺ ایک روز'' اپنے گھر سے نکلے اور مسجد میں تشریف فرما ہوئے صحابہ کرام آپ ﷺ کے اطراف میں جمع ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا جس کو جو سوال کرنا ہے کرے، تو ایک صاحب کھڑے ہوئے اور سوال کیا یا رسول اللہ میرا اصل باپ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے، ایک دوسرے صاحب کھڑے ہوئے سوال کیا کہ میرے والد کہاں ہیں آپ نے فرمایا دوزخ میں، قفال نے فرمایا کہ اہل کتاب نے مومنین سے کہا تھا کہ تم اپنے نبی سے یہ سوال کرو اور وہ سب سوالات فرضی تھے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

دوسرا واقعہ:

مسلم کی روایت کے مطابق مذکورہ آیت کے شان نزول کا یہ واقعہ مذکور ہوا ہے، جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو اقرع بن حابس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے آپ سے سوال کیا، کیا ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے؟ آپ نے سکوت فرمایا تو مکرر وہی سوال کیا آپ پھر بھی خاموش رہے جب تیسری مرتبہ وہی سوال کیا تو آپ نے عتاب کے لہجہ میں فرمایا، اگر میں تمہارے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد فرمایا ''جن چیزوں کے بارے میں تم کو کوئی حکم نہ دوں تو ان کو اسی طرح رہنے دو، ان کی کھود کرید کر کے سوالات نہ کرو، تمہارے سے پہلے بعض امتیں اسی کثرت سوالات کی وجہ سے ہلاک ہوچکی ہیں۔

آپ ﷺ کا کثرت سے سوال سے منع فرمانا:

خود نبی ﷺ بھی صحابہ کو کثرت سوال سے منع فرماتے تھے، آپ نے فرمایا ''اِنَّ اعظم المسلمین فی المسلمین جرماً مَن سَأل عَن شئٍ لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسئلتہٖ''، مسلمانوں میں سے سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہیں کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کردی گئی۔ (بخاری، مسلم)

کس قسم کے سوالات سے ممانعت ہے؟

ایسے سوالات سے منع کیا گیا ہے جو سراسر فضول ہوں نہ ان سے کوئی دینی معاملہ متعلق اور نہ دنیوی ضرورت، یا مثلاً لوگوں کی جزئیات زندگی سے سوالات کرنا، البتہ معاشی یا معادی واقعی ضرورت پیش آجائے یا پیش آنے کا قوی احتمال ہو تو ایسے سوالات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، دور دور کے احتمالات پیدا کرکے محض سوال برائے سوال کرنا، اپنے دل سے گھڑ کر محض امتحان یا ضیق میں ڈالنے کے لئے فرضی سوالات کرنا منع ہے یہاں ایسے ہی سوالات سے ممانعت کی جارہی ہے۔

مسند سعید بن منصور اور تفسیر ابن جریر میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ مذکورہ آیت میں جو بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کا ذکر ہے، ان کے بارے میں بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا جس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی، حاصل آیت کا یہ ہے کہ ملت ابراہیمی میں اللہ نے ان جانوروں کو حرام نہیں ٹھہرایا قریش میں یہ رسم عمرو بن عامر خزاعی کی ایجاد کردہ ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان جانوروں کو حرام کرنے کی رسم قریش میں عمرو بن عامر نے جاری کی اور آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا اس کی انتڑیاں دوزخ کی آگ میں نکلی ہوئی پڑی تھیں اور وہ ان کو کھینچتا ہوا پھر رہا تھا، اور جل رہا تھا۔ (احسن التفاسیر)

اپنی اصلاح پر اکتفاء کافی نہیں:

بعض لوگوں کو یایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضر کم من ضَلَّ الخ کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کرلی جائے تو کافی ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے اسلئے کہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے، اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کردے گا، تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کہاں رہے گا؟ جبکہ قرآن نے اِذَا اھتدیتم کی شرط عائد کی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا اے لوگو تم آیت کو غلط جگہ استعمال کررہے ہو میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ برائی ہوتے دیکھیں اور اس کی اصلاح کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ان کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے (مسند احمد، ترمذی)

اسلئے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمہارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو تمہارے لئے یہ نقصان دہ نہیں جبکہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے مجتنب ہو اگر عملی یا لسانی طور پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے برا سمجھنا ایمان کا آخری درجہ ہے۔

شانِ نزول:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا شھادۃُ بینکم اِذ ا حَضَرَ احد کم الموت، مذکورہ آیات کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جس کا نام بُدَیل تھا دو شخصوں کے ساتھ جن کا نام تمیم اور عدی تھا جو اس وقت نصرانی تھے تجارت کے لئے ملک شام گئے شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گیا اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں رکھدی مگر اس کی اطلاع اپنے ساتھیوں کو نہ کی جب مرض زیادہ بڑھا تو اس نے اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا یہ سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا، انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش و نگار تھے سامان میں سے نکال لیا، وارثوں نے جب سامان کھولا تو اس میں ایک فہرست نکلی وارثوں نے اوصیاء سے معلوم کیا کہ کیا مرنے والے نے کچھ سامان فروخت کیا تھا؟ یا بیماری کے علاج معالجہ میں خرچ ہوا تھا اس کا جواب ان دونوں نے نفی میں دیا، آخر معاملہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہیں تھے تو دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی، نہ اس کی کوئی چیز چھپائی آخر کار ان سے قسم لے کر ان کے حق میں فیصلہ ہو گیا، کچھ روز کے بعد معلوم ہوا کہ ان دونوں نے وہ پیالہ مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے، جب ان سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے کہا ہم نے تو میت سے خریدا تھا، چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اسلئے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔

میت کے وارثوں نے پھر آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا اب صورت حال بدل گئی اسلئے کہ اب اوصیاء خریداری کے مدعی اور ورثاء منکر تھے، اوصیاء کے پاس گواہ نہ ہونے کی وجہ سے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے قسم کھالی کہ پیالہ میت کی ملک تھا، اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں، چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا وہ قیمت اوصیاء سے ورثاء کو دلائی گئی۔

مسئلہ: میت جس کو مال سپرد کرے یا کسی کو دینے لینے وغیرہ کے لئے کہہ جائے تو وہ وصی ہے اور وصی ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ: وصی میں مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر میں ہو یا حضر میں افضل ہے لازم نہیں۔

مسئلہ: نزاع میں جو زیادہ کا مثبت ہو وہ مدعی کہلاتا ہے اور دوسرا مدعا علیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ: اول مدعی سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں اگر شریعت کے مطابق گواہ پیش کر دے تو مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے، اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوتا ہے، البتہ مدعا علیہ قسم سے انکار کرے تو مقدمہ کا فیصلہ مدعی کے حق میں ہوتا ہے۔

مَسْئَلۃ: اگر مدعا علیہ کسی فعل کے متعلق قسم کھائے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھے اس فعل کی اطلاع نہیں۔
مَسْئَلۃ: اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہوں تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ان پر قسم آئے گی اور جو وارث نہ ہوں ان پر قسم نہ ہوگی۔ (معارف القرآن، ملخصًا)

کافر کی شہادت کافر کے حق میں قابل قبول ہے:

یاایھا الذین آمنوا شہادۃ بینکم (الخ) او آخران من غیر کم، اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت آنے لگے تو دو ایسے آدمیوں کو وصی بناؤ جو تم میں سے ہوں اور نیک ہوں اور اگر اپنی قوم کے آدمی نہ ہوں تو غیر قوم کے وصی بناؤ۔

اس سے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے یہ مسئلہ کا استنباط کیا ہے کہ کفار کی شہادت بعض کی بعض کے حق میں جائز ہے کیونکہ اس آیت میں کفار کی شہادت مسلمانوں پر جائز قرار دی ہے، جیسا کہ اَوْ آخرانِ من غیر کم سے ظاہر ہے، تو کفار کی شہادت بعض کی بعض پر بطریق اولی جائز ہے لیکن بعد میں یاایھا الذین آمنوا اِذا تداینتم بدینٍ اِلٰی اجل مسمًّی فاکتبوہ، (الی قولہ) واستشھدوا شھیدین من رِّجالکم سے کفار کی شہادت مسلمانوں کے حق میں منسوخ ہوگئی لیکن کفار میں بعض کی بعض پر اسی طرح باقی ہے۔ (معارف)

قَوْلُہٗ: من بعد الصلوٰۃ، اس وقت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کی اہل کتاب بہت تعظیم کرتے تھے، صلوۃ سے مراد صلوۃ عصر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قسم کے لئے کسی خاص وقت یا کسی خاص جگہ کی تعیین قسم میں تغلیظ کے لئے جائز ہے۔ (قرطبی)

المعنی لِیُشہد المحتضَرُ علی وصیتِہٖ اثنین او یُوْصِیُ الیہما من اہلِ دِیْنِہٖ او غیرِہم اِنْ فَقَدَہم لسفرٍ ونحوِہٖ فَاِنِ ارْتَابَ الوَرَثَۃُ فیہما فادَّعَوْا انہما خَانَا باخذِ شیٍٔ اودَفْعِہٖ اِلٰی شخصٍ زَعَمَا ان المَیِّتَ اَوْصٰی لہ فَلْیَحْلِفَا الخ فاِنْ اطَّلَعَ علی اَمارَۃِ تَکْذِیْبِہما فَادَّعَیَادا فِعًا لَہٗ حَلَفَ اقربُ الورثۃِ علی کِذْبِہما وصِدْقِ مَا ادَّعَوْہُ والحکمُ ثَابِتٌ فی الْوَصِیَّیْنِ منسُوْخٌ فی الشَّاہِدَیْنِ وکذا شَہَادَۃُ غیرِ اہلِ المِلَّۃِ منسوخَۃٌ واعتبارُ صَلوٰۃِ العصرِ لِلتَّغْلِیْظِ وتخصِیْصُ الحلفِ فی الاٰیۃِ باثنین من اقرب الورَثۃِ لِخصوصِ الواقعۃِ التی نَزَلَتْ لہا وھی ما رَوَاہُ البخاری ان رجلاً من بَنِی سَہْمٍ خَرَجَ مع تَمِیْمِ الدَّارِی وعَدِی بن بَدَّاءٍ وہما نصرانِیَّانِ فمَاتَ السَّہْمِیُّ بارضٍ لیس فیہا مسلمٌ فلمَّا قَدِمَا بتَرِکَتِہٖ فَقَدُوْا جَامًا مِن فِضَّۃٍ مُخَوَّصًا بالذَّہَبِ فَرفعَا الی النبیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَنَزَلَتْ فَاَحْلَفَہُمَا ثم وُجِدَ الجامُ بمکَّۃَ فقال ابْتَعْنَاہ من تمیم وعَدِی فَنَزَلَتْ الاٰیۃُ الثانیۃُ فقَامَ رجلانِ من اَوْلِیَاءِ السَّہْمِیِّ فَحَلَفَا وفی روایۃِ الترمذی فَقَامَ عمرُو

بنُ العاصِ ورجلٌ آخرُ منهم فحلَفا و كَانَا اقربَ اليه وفي روايةٍ فمرضَ فاَوْصىٰ اليهما وامرهما ان يُبلّغا مَا تركَ اهلَهُ فلما مَاتَ اَخذا الجَامَ ودفعا الى اهلِهِ ما بَقِيَ **ذٰلِكَ** الحكمُ المذكُورُ من ردِّ اليمينِ على الورثةِ **اَدْنٰىٓ** اقربُ الى **اَنْ يَّاْتُوْا** اى الشهودُ او الاوصِياءُ **بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ** الذى تحملُوْهَا عليه من غير تحْرِيفٍ ولا خيانةٍ **اَوْ** اقربُ الى ان **يَّخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ** على الورثةِ المُدّعِينَ فيحلِفُوْنَ على خيانتِهم وكذبِهم فيفتضحُوْنَ ويغرمُوْنَ فلا يَكْذِبُوْا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** بتركِ الخيانةِ والكذبِ **وَاسْمَعُوْا** ما تُؤْمَرُوْنَ به سِمَاعَ قبولٍ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۱۰۸﴾ الخارجين عن طاعتِهِ الى سبيلِ الخيرِ.

ترجمہ: (مذکورہ دونوں آیتوں کا) مطلب یہ ہے کہ قریب المرگ شخص اپنی وصیت پر دو آدمیوں کو گواہ بنا لے اپنی ملت یا غیر ملت کے دو آدمیوں کو وصی بنا لے اگر سفر وغیرہ کی وجہ سے اپنی ملت کے گواہ میسر نہ ہوں، اگر ورثاء وصیوں کے بارے میں شک وشبہ کریں اور دعویٰ کریں کہ ان دونوں نے (ترکہ میں سے) کوئی چیز لیکر یا ایسے شخص کو کچھ دیکر جس کے بارے میں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میت نے اس کے لئے وصیت کی تھی تو ان دونوں سے قسم لی جائے اگر علامات سے ان دونوں وصیوں کی دروغ گوئی کا پتہ چلے بایں طور کہ وہ دونوں موصیٰ لہ کو دینے کا دعویٰ کریں تو ورثاء کا قریب ترین شخص ان کے کذب اور ورثاء کے دعوے کی صداقت پر قسم کھائے، اور حکم وصیوں کے بارے میں باقی ہے، اور شاہدین کے بارے میں منسوخ ہے، اسی طرح غیر اہل ملت کی شہادت کے بارے میں آیت منسوخ ہے، اور عصر کی نماز کے وقت کا تعین کے اعتبار تغلیظ کے لئے ہے اور (میت کے) قریب ترین ورثاء کی تخصیص اس مخصوص واقعہ کی وجہ سے ہے جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی اور وہ (واقعہ) وہ ہے جس کو بخاری نے روایت کیا ہے، کہ بنی سہم کا ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بدّاء کے ساتھ (تجارت کے لئے) نکلا اور یہ دونوں نصرانی تھے سہمی کا انتقال ایسی سرزمین میں ہو گیا کہ وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، تو (مذکورہ) آیت نازل ہوئی، چنانچہ جب یہ دونوں حضرات (ملک شام سے) مرحوم کا ترکہ لے کر آئے تو چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش ونگار تھے لے لیا یہ دونوں (تمیم داری اور عدی) آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، ان دونوں سے قسم لی گئی، بعد ازاں وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا تو اس شخص نے (جس کے پاس پیالہ پایا گیا) کہا میں نے اس کو تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، سہمی کے اولیاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوئے اور قسم کھائی (کہ یہ پیالہ ہمارے مورث کا ہے) اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن عاص اور ان میں کا ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور دونوں نے قسم کھائی اور یہ دونوں میت کے قریبی رشتہ دار تھے، (ترمذی کی) ایک (دوسری) روایت میں ہے کہ جب سہمی بیمار ہوئے تو دونوں کو وصی بنایا اور ان سے کہا کہ اس کا متروکہ مال اس کے ورثاء کو پہنچا دیں جب اس کا انتقال ہوا (میت کے متروکہ مال میں سے) ایک پیالہ لے لیا اور باقی ماندہ مال میت کے ورثاء کو پہنچا دیا یہ مذکورہ حکم یعنی قسم کے حق کو ورثاء کو لوٹا دینا اس بات کا قریبی ذریعہ ہے کہ شاہد یا اوصیاء اس شہادت کو جس کے وہ متحمل ہوئے ہیں ٹھیک ٹھیک بغیر کسی تحریف وخیانت کے ادا کریں گے یا اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ

وہ اس بات کا خوف کریں گے کہ کہیں (ان کی) قسموں کی جو مدعی ورثاء کے خلاف ہیں تردید نہ کردی جائے بایں طور کہ ورثاء (اوصیاء کی) دروغ گوئی اور خیانت پر قسم کھالیں جس کی وجہ سے وہ رسوا ہو جائیں اور تاوان دینا پڑے، تو وہ جھوٹ نہ بولیں خیانت وکذب کو ترک کر کے اللہ سے ڈرو اور جس کا حکم دیا جائے اس کو قبولیت کے کان سے سنو اللہ فاسق لوگوں کی یعنی اس کی طاعت سے خارج ہونے والوں کی راہ خیر کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: المعنی یعنی مذکورہ دونوں آخری آیتوں کے معنی۔

قولہ: لِیُشهِد المحتضَر الخ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شَهَادَةُ بَيْنِكُم مصدر بمعنی امر ہے، یعنی قریب المرگ شخص کو چاہئے کہ اپنی وصیت پر دو آدمیوں کو گواہ بنالے۔

قولہ: او يُوْصِى اِلَيهِمَا، اس اضافہ سے اشارہ کردیا کہ آیت کی دو تفسیریں ہیں، خازن کی عبارت یہ ہے، واختلفوا فی هٰذَين الاِ ثنين فقيل هما الشاهدانِ اللّذان يشهدَ ان على وصية الوصى وقيل هما وصيان لِاَنّ الآية نزلتْ فيهمـا ولا نـه تعالى قال فيقسمانِ بالله والشاهد لا يلزمه اليمين، مطلب یہ کہ شهادةِ اثنين سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِثْنَان سے وہ دو شاہد مراد ہیں جن کو موصی نے بوقت مرگ وصیت پر گواہ بنایا ہو، بعض حضرات نے کہا ہے خود وصی مراد ہیں، اس لئے کہ مذکورہ واقعہ اوصیاء ہی سے متعلق ہے، دوسری بات یہ کہ شاہدوں پر قسم لازم نہیں ہوئی، ثانی صورت میں شہادت بمعنی حضور ہوگا مثلاً تو کہے شهدت وَصِيَّةَ فلانٍ، بمعنی حضرتُها۔

تفسیر و تشریح

ترمذی، ابوداؤد وتفسیر ابن جریر وغیرہ میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایتیں مروی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تین شخص دو نصرانی اور ایک مسلمان تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گئے مسلمان جس کا نام بزیل یا بُدَیل سہمی تھا سخت بیمار ہو کر قریب المرگ ہو گیا تو اس نے اپنے مال سامان کی ایک فہرست بنا کر اپنے سامان میں رکھدی اور وہ سامان اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں کو دیکر وصیت کی کہ میرا یہ سامان میرے وارثوں کو دیدینا، اس سامان میں چاندی کا کٹورا (پیالہ) بھی تھا جس پر سونے کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے، یہ کٹورا نصرانیوں نے اس سامان میں سے نکال لیا اور باقی سامان مسلمان سہمی کے ورثاء کو دیدیا نصرانی ساتھیوں کی نظر اس فہرست پر نہیں پڑی، سہمی کے ورثاء نے جب سامان کھولا تو وہ فہرست برآمد ہوئی، اس فہرست کے مطابق وہ کٹورا موجود نہیں تھا، سہمی کے ورثاء نے اس کٹورے کا دعوی آنحضرت ﷺ کے روبرو پیش کیا آپ ﷺ نے ان نصرانیوں کو قسم دی انہوں نے قسم کھالی کہ سہمی نے جو مال مرتے وقت ہمارے سپرد کیا تھا ہم نے وہ پورا مال اس کے ورثاء کو

نچا دیا کچھ مدت بعد وہ کٹورا ایک سنار کے پاس ملا سہمی کے ورثاء نے پہچان لیا اور قسم کھائی کہ وہ کٹورا ان کے مورث کا ہے،
نانچہ اس کٹورے کی قیمت سہمی کے ورثاء کو دلوادی گئی۔

اس روایت کو اگر چہ ترمذی نے حسن غریب کہا ہے لیکن ابن جریر کی سند معتبر ہے، اس کے علاوہ یہ روایت علی بن مدینی
کے حوالہ سے صحیح بخاری میں بھی ہے علی بن مدینی نے جو یہ کہا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابن ابی القاسم
معلوم الحال ہے، یہ ابن ابی القاسم محمد بن ابی القاسم ہے جس کو یحییٰ بن معین اور ابو حاتم نے ثقہ کہا ہے جس کی وجہ سے ابن
ابی القاسم کے نامعلوم ہونے کا شبہ رفع ہوگیا۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان حالت سفر وغیرہ میں اپنے ورثاء سے دور ہو اور اس کے پاس کچھ مال ہو تو اس کو
ا ہئے کہ اس مال کو ورثاء تک پہنچانے کیلئے دو مسلمانوں کو وصی اور وصیت کا گواہ بنادے، اگر یہ واقعہ ایسی سرزمین میں پیش آئے
لہ جہاں مسلمان نہ ہوں جن کو وصی بنایا جاسکے تو پھر اسلام کی شرط باقی نہ رہے گی، اگر اوصیاء کے بیان پر ورثاء کو کوئی اعتراض نہ ہو
اوصیاء کے بیان کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اسلئے کہ یہ دونوں حضرات وصی بھی ہیں اور وصیت کے گواہ بھی، اور اگر ورثاء کو
صیاء کے بارے میں کچھ بدظنی ہو تو اوصیاء کو یہ حلف دلایا جائیگا کہ وصیت کے بارے میں ان کا بیان صحیح ہے اس حلف کے بعد بھی
ر ورثاء کی بدظنی باقی ہے تو اگر ورثاء کے پاس اوصیاء کی غلط بیانی کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کرنے کو کہا جائیگا، ورنہ اوصیاء کی غلط بیانی
میت کے ورثاء سے حلف لیا جائیگا، اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائیگا، جن علماء نے مدعی اور گواہوں سے قسم لینے کی ممانعت کی
ہے انہوں نے اوصیاء سے قسم لینے کے بارے میں مختلف قسم کے شبہات کا اظہار کیا ہے لیکن حقیقت میں فریقین کا یہ حلف اسی
رح کا ہے جس طرح لعان کے مسئلہ میں فریقین کو حلف دیا جاتا ہے۔

من بعد الصلوة کی تفسیر بعض علماء نے **صلوة العصر** سے کی ہے یہ تغلیظ اور شدت ظاہر کرنے کے لئے ہے اسلئے کہ عصر
کے بعد کا وقت قبولیت دعاء کے بارے میں خاص اہمیت رکھتا ہے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ
نحضرت ﷺ نے عصر کے بعد جھوٹی قسم کو خوفناک اور رحمت خداوندی سے دور ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔

رثاء کی قسم کی مصلحت:

آگے فرمایا کہ ورثاء کو قسم کا حکم اس لئے ہے کہ جب وصیت کے گواہوں کو یہ خوف رہے گا کہ ورثاء کی قسم کے مقابلہ میں ان کی
م جھوٹی ٹھہرائی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے ان کی رسوائی ہوگی تو وہ گواہی میں دروغ گوئی کی جرأت نہ کریں گے۔

بوموسیٰ اشعری کا واقعہ:

ابوداؤد میں معتبر سند سے ابوموسیٰ اشعری کا واقعہ مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کوفہ کا رہنے والا ایک مسلمان شخص حالت سفر
ں جب مرنے لگا تو اس نے اہل کتاب میں سے دو شخصوں کو اپنی وصیت کا گواہ قرار دیا، ابوموسیٰ اشعری کوفہ کے حاکم تھے اسلئے یہ

مقدمہ ان کی عدالت میں پیش ہوا، انہوں نے اس آیت کے مطابق گواہوں سے قسم لے کر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ العمل قرار نہیں دیا اسلئے کہ نسخ تو آنحضرت ﷺ کی مدتِ حیات ہی میں ممکن تھا۔

(احسن التفاسیر ملخصًا)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ هُوَ يَوْمُ القِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ لهم تَوْبِيْخًا لِقَوْمِهِمْ مَاذَآ اى الذى أُجِبْتُمْ به حين دَعَوْتُمْ الى التَّوْحِيْدِ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۚ بذلك إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ ما غاب عن العِبَادِ ذَهَبَ عنهم عِلْمُهُ لِشِدَّةِ هول يوم القِيٰمةِ وفزعهم ثم يشهدون على اممهم لما يسكنون اذكر إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ بشُكْرِهَا إِذْ أَيَّدْتُّكَ قَوَّيْتُكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ جبرئيل تُكَلِّمُ النَّاسَ حال من الكافِ في اَيَّدْتُكَ فِي الْمَهْدِ اى طِفلاً وَكَهْلًا ۚ يُفِيْدُ نُزُوْلَهُ قَبْلَ السَّاعَةِ لانه رُفِعَ قبلَ الكُهُوْلَةِ كما سَبَقَ في آلِ عمرانَ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ كصورةِ الطَّيْرِ والكافُ اسمٌ بمعنى مِثْلِ مفعولٌ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِإِذْنِيْ بإرادتي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى من قُبُوْرِهم اَحياءً بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ حين هَمُّوْا بقَتْلِكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ المعجزات فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ ما هٰذَآ الذى جئتَ به إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وفي قراءة ساحرٌ اى عيسى وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَمَرْتُهم على لسانه أَنْ اى بأن اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ عيسى عليه الصلاة والسلام قَالُوْٓا اٰمَنَّا بهما وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اذكر إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ اى يَفعلُ رَبُّكَ وفي قراءة بالفوقانية ونَصْبِ ما بعدَهُ اى تَقْدِرُ ان تَسْأَلَهُ أَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۖ قَالَ لهم عيسى اتَّقُوا اللّٰهَ في اقتراحِ الأياتِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ سُؤالَها من اَجلِ أَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ تَسْكُنَ قُلُوْبُنَا بزيادةِ اليَقِيْنِ وَنَعْلَمَ نَزْدَادَ علمًا أَنْ مُخَفَّفَةٌ اى أَنَّكَ قَدْ صَدَقْتَنَا في ادِّعاءِ النُّبُوَّةِ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا اى يومُ نُزُوْلِها عِيْدًا نُعَظِّمُهُ ونُشَرِّفُهُ لِّأَوَّلِنَا بدلٌ من لنا باعادةِ الجارِّ وَاٰخِرِنَا ممَّنْ يَأْتي بَعْدَنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ على قُدرَتِكَ ونُبُوَّتِي وَارْزُقْنَا اِيّاها وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ مُستجيبًا له إِنِّيْ مُنَزِّلُهَا بالتخفيفِ والتَّشديدِ عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ اى بَعْدَ نُزُوْلِها مِنْكُمْ فَإِنِّيْٓ أُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهٗٓ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فنزلتِ الملائكةُ بها من السَّماءِ عَلَيْهَا سَبْعَةُ اَرْغِفَةٍ وَسَبْعَةُ اَحْوَاتٍ فَاكلوا منها حتّٰى شَبِعُوْا قالَهُ ابنُ عَبّاسٍ رضى اللّٰه تعالى عنه وفي حديثٍ أُنزِلَتِ المائِدَةُ من السَّماءِ خُبْزًا ولَحمًا فأُمِرُوا اَنْ لا يخُوْنُوا ولا يَدَّخِرُوا لِغَدٍ فخانوا وادَّخَرُوا فرُفِعَتْ فمُسِخُوا قِرَدَةً وخَنَازِيْرَ.

ترجمہ: یاد کرو اس دن کو جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا وہ قیامت کا دن ہوگا، ان کی امتوں کو سرزنش کرنے
کے لئے ان سے پوچھے گا جب تم نے ان کو توحید کی دعوت دی تھی تو تم کو ان کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟ انبیاء جواب دیں
گے ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں آپ ہی پوشیدہ باتوں کو بخوبی جانتے ہیں (یعنی) ان چیزوں کو جو بندوں سے پوشیدہ ہیں، قیامت
کے دن کی ہول اور خوف کی شدت کی وجہ سے (امتوں کے جواب) کا ذہول ہو جائیگا، اور جب ان کو سکون ہوگا تو اپنی اپنی امتوں
کے خلاف گواہی دیں گے، اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم سے فرمائیگا، اے عیسیٰ ابن مریم شکریہ کے ساتھ ان
احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تمہارے اور تمہاری والدہ کے اوپر کی تھیں، جب میں نے روح القدس جبرائیل کے ذریعہ تمہاری مدد کی
کہ تم گہوارہ یعنی حالت طفولیت میں لوگوں سے بات کرتے تھے (تکلّم النّاس) ایدتكَ کی کاف ضمیر سے حال ہے، اور بڑی
عمر میں بھی، اس سے حضرت عیسیٰ کا قیامت سے پہلے نزول مستفاد ہوتا ہے اسلئے کہ ان کو کہولت کی عمر سے پہلے ہی اٹھالیا گیا تھا،
جیسا کہ آل عمران میں گذر چکا ہے، اور جبکہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل سکھائی تھیں اور جب کہ تم
مٹی سے میری اجازت سے پرندے کی صورت کا پتلا بناتے تھے (کھیئۃِ) میں کاف اسم ہے اور مفعول ہے بہ معنی مثل کے پھر تم
اس میں پھونک مار دیتے تھے وہ میرے ارادہ سے پرند ہو جاتا تھا اور تم مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میری اجازت سے اچھا کر
دیتے تھے اور جبکہ تم مُردوں کو ان کی قبروں سے میری اجازت سے زندہ کرکے نکالتے تھے، اور میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز
رکھا جبکہ انہوں نے تیرے قتل کا ارادہ کرلیا تھا جبکہ تم ان کے پاس معجزات لے کر آئے تھے، تو ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا جو
تم لے کر آئے ہو وہ تو کھلا جادو ہے، اور ایک قراءت میں ساحرٌ ہے یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا
یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ان کو حکم دیا یہ کہ مجھ پر اور میرے رسول عیسیٰ پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم دونوں پر ایمان لائے
اور آپ شاہد رہئے کہ ہم مسلم ہیں وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب ایسا
کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کرے اور ایک قراءت میں تستطیعُ تاء کے ساتھ ہے اور مابعد یعنی (ربُّكَ)
کے نصب کے ساتھ ہے، یعنی کیا آپ اس سے (خوان) کا سوال کرسکتے ہیں، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے کہا تم فرمائشی معجزے
طلب کرنے کے بارے میں اللہ سے ڈرو اگر تم (حقیقت میں) مومن ہو، وہ بولے ہمارا مقصد خوان کا سوال کرنے سے یہ ہے
کہ ہم اس میں سے کھائیں اور یقین کے اضافہ سے ہمارا دل مطمئن ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے دعوائے
نبوت میں ہم سے سچ بولا اَن مخففہ (عن الثقیلہ) ہے ای انّكَ، اور ہم نبوت پر گواہی دینے والوں میں ہو جائیں، عیسیٰ ابن مریمؑ
نے دعاء کی اے اللہ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے لئے آسمان سے خوان نازل فرما تا کہ خوان کے نزول کا دن ہمارے لئے
خوشی کا دن ہو تا کہ ہم اس دن کی تعظیم و توقیر کریں اور ہم سے پہلوں کے لئے لِاَوَّلِنَا، اعادۂ جار کے ساتھ لَنَا سے بدل ہے اور
ہم سے بعد والوں کے لئے (یعنی) جو ہمارے بعد آئیں، اور تیرے لئے تیری قدرت پر اور میری نبوت پر ایک نشانی ہو جائے،
اور اس خوان کو ہمارے لئے رزق بنا اور تو عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی دعاء قبول کرتے ہوئے فرمایا میں اس خوان کو تمہارے اوپر نازل کرنے والا ہوں تخفیف اور تشدید کے ساتھ سو اس کے بعد یعنی اس کے نزول کے بعد جو تم میں سے ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسی سخت سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا چنانچہ آسمان سے فرشتے خوان لیکر نازل ہوئے جس پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں سب نے اس میں سے کھایا، حتیٰ کہ سب سیر ہوگئے، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا، آسمان سے ایک خوان نازل کیا گیا کہ اس پر روٹیاں تھیں اور گوشت تھا، ان کو حکم دیا گیا کہ خیانت نہ کریں اور نہ کل کے لئے ذخیرہ کریں مگر انہوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی کیا چنانچہ خوان اٹھالیا گیا اور ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کردیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تَوْبِیْخًا لِقَوْمِھِمْ، یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تو علّام الغیوب ہے اسے کسی شئ کے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے جواب یہ ہے کہ سوال سرزنش (توبیخ) کے لئے ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ"، میں سوال توبیخی ہے۔

قَوْلُہٗ: ای الَّذِی، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: ذَا، اسم اشارہ محسوس کے لئے ہے یہاں اس کا مشارٌ الیہ جواب ہے، جو کہ غیر محسوس ہے؟

جَوَابٌ: یہ ہے کہ ذَا، بمعنی الذی اسم موصول ہے فلا اعتراض۔

قَوْلُہٗ: ذَھَبَ عَنْھُمْ عِلْمُہٗ، الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: انبیاء کو دنیا میں ان کی دعوتِ توحید کے جواب میں ان کی امتوں نے کیا جواب دیا تھا یہ تو ان کو معلوم ہونا چاہئے، پھر انبیاء کا محشر میں خدا کے روبرو یہ کہنا ہم نہیں جانتے کہ ہماری امتوں نے ہمیں کیا جواب دیا تھا؟ اس سے کذب لازم آتا ہے جو کہ انبیاء کی شایان شان نہیں اور وہ بھی باری تعالیٰ کے حضور میں۔

جَوَابٌ: علم کی نفی کذب کی وجہ سے نہیں بلکہ قیامت کی ہولناکی اور خوف کی وجہ سے ہوگی اسلئے کہ روز محشر ہر نفس پر جلال خداوندی کی اس قدر ہیبت چھائی ہوگی کہ انبیاء کے ذہن سے بھی ذہول ہوجائیگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تذھل کلُّ مرضعۃٍ عَمّا ارضعت"، مگر یہ جواب ضعیف ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے بارے میں فرمایا ہے "لَا یَحْزُنھم الفزع الاکبر" امام فخر الدین رازی نے مذکورہ اعتراض کا یہ جواب دیا ہے، انبیاء کا جواب سے سکوت و انکار ادب و تعظیم کی وجہ سے ہوگا، جیسا کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے سوال کے جواب میں اکثر اللہ اعلم فرمایا کرتے تھے حالانکہ ان کو بعض سوالوں کے جواب معلوم ہوتے تھے۔

قَوْلُہٗ: طِفلًا، فی المھد کی تفسیر طفلًا سے کر کے اشارہ کردیا کہ مہد سے مراد حالتِ طفولیت ہے نہ کہ نفس مہد اسلئے کہ مہد مقابلہ کھلًا، سے لائے ہیں مقصد نقصان عقل اور کمال عقل کا تقابل ہے۔

قِوْلَہٗ: اَکْمَہَ، مادرزاداندھا، کَمْہٌ سے صیغہ صفت مشبہ۔

قِوْلَہٗ: ابرص برص کوڑھی ایک قسم کا مشہور مرض ہے۔

قِوْلَہٗ: اَمَرتھم علی لسانِہٖ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حواری تو نبی نہیں تھے پھر ان کی طرف وحی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ براہ راست وحی مرادنہیں ہے بلکہ مراد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے ان کو حکم دینا ہے، فلا اشکال۔

قِوْلَہٗ: تَسْتَطِیْعُ ربُّک، ای، سوال رَبِّکَ حذف مضاف کے ساتھ اسلئے کہ ذات رب سے سوال کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: مِن اَجَل، اس میں اشارہ ہے کہ اَن ناکل، مفعول لِاجلہٖ ہے۔

تفسیر وتشریح

یوم یجمع اللہ الرسُل، الخ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا برا جو بھی معاملہ کیا، اس کا علم تو یقیناً انھیں ہوگا لیکن وہ اپنے علم کی نفی یا تو محشر کی ہولنا کی اور اللہ جلّ جلالہ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے کریں گے، یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہوگا، علاوہ ازیں باطنی امور کا کلیتاً علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اس لئے انبیاء کہیں گے کہ علام الغیوب تو تو ہی ہے نہ کہ ہم، صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے انس بن مالک اور سہل بن سعد وغیرہ سے روایت مذکور ہے کہ بعض لوگوں کو روز محشر حوض کوثر سے ہٹا دیا جائیگا، آپ ﷺ فرشتوں سے کہیں گے یہ لوگ تو فرمانبرداروں میں سے ہیں تو فرشتے جواب دیں گے کہ آپ کی وفات کے بعد یہ لوگ فرمانبرداری پر قائم نہیں رہے، یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور حدیثیں آیت کی تفسیر ہیں جن سے پوری امت کی حالت کو اللہ کے علم کے حوالہ کرنے کا حال اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، اس سے آپ ﷺ کا عالم الغیب نہ ہونا بھی بخوبی معلوم ہوگیا۔

یُکلّمُ الناسَ فی المھد و کَھْلاً، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گود میں اس وقت کلام کیا تھا جب حضرت مریم اس نومولود کو لیکر اپنی قوم میں آئیں اور انہوں نے اس بچہ کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شیرخوارگی کے عالم میں کلام کیا۔

فَائِدَہ: عالم طفولیت میں کلام کرنے کا معجزہ ہونا تو ظاہر ہے اسلئے کہ کوئی بچہ ماں کی گود میں بڑوں کی طرح بولنے لگے تو یہ اس کا امتیاز اور اعجاز ہوگا، اب رہا ادھیڑ عمر میں کلام کرنا تو یہ نہ کوئی قابل تعجب بات ہے اور نہ قابل ذکر اسلئے کہ بڑے ہوکر ہر آدمی کلام کرتا ہی ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصوصی حال پر غور کریں تو اس کا بھی معجزہ ہونا واضح ہو جائیگا، کیونکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادھیڑ عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی ۳۳ سال کی عمر میں آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا، اب دنیا کے انسانوں سے بات کرنا ادھیڑ عمر کو پہنچنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے جب اس دنیا میں تشریف لائیں گے جیسا کہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے جو قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حالت طفولیت میں کلام کرنا معجزہ تھا اسی طرح عالم

کہولت میں پہنچنے کے بعد کلام کرنا بھی بوجہ اس دنیا میں دوبارہ آنے کے معجزہ ہی ہے۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ الی الحواریین، حَوَاریین، حَوَارِیٌّ کی جمع ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کا خطاب ہے، حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ چونکہ ان کے کپڑے سفید تھے اس واسطے یہ لوگ حواری کہلائے، ابن ابی حاتم نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ حواری نبطی زبان میں دھوبی کو کہتے ہیں، ان کی تعداد بارہ تھی یہاں وحی سے مراد وحی تشریعی نہیں ہے بلکہ یہاں اشارہ اور الہام کے معنی میں ہے۔

اِذ قال الحواریون یعیسیٰ ابن مریم الخ، مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ جب حواریوں کی جانب سے اس آسمانی کھانے کی درخواست پیش ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت ناگوار گذری، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو جس طرح روزی ملتی رہی ہے اسی پر قناعت کرو ایسے دسترخوان کی درخواست نہ کرو، اگر مطلوبہ دسترخوان نازل کر دیا گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائیگی، قوم ثمود کا بھی یہی معاملہ ہوا تھا، اس کے بعد حواریوں نے جب نیک ارادہ کا اظہار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء فرمائی تو یہ دسترخوان اس شان کے ساتھ نازل ہوا کہ اس کا رنگ سرخ تھا اس کے اوپر نیچے بادل تھا وہ نظروں کے سامنے بڑے تیزی سے نیچے اترا جب یہ دسترخوان نیچے اترا تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے اختیار رونے لگے اور دعاء کی کہ اے اللہ ہم کو اس نعمت کا شکر ادا کرنے والا بنا دے اے اللہ تو اسے ہمارے لئے رحمت بنا دے، مگر یہود نے اس نعمت عظمیٰ اور خوان یغمیٰ کی ناشکری کی جس کے نتیجے میں ان کو سخت عذاب سے دوچار کر دیا جس کے صلہ میں ان کو بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کر دیا، (اللّٰهم احفظنا من سخطك والنار).

وَ اذكر اِذْقَالَ اى يَقُولُ اللّٰهُ لعيسى فى القيٰمةِ تَوْبِيْخًا لِقَوْمِه يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ عيسى وقد أُرعِدَ سُبْحٰنَكَ تنزيهًا لك مما لا يَليقُ بك من الشريكِ وغيرِه مَايَكُوْنُ يَنبغِى لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ خبرُ لَيسَ ولى للتبيين اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا اُخفِيه فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اى مَا تُخفِيه من مَعلُوماتِك اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖ وهو اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا رقيبًا اَمنعُهم مِمَّا يَقُولُونَ مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ قَبضْتَنِى بالرَّفعِ الى السماءِ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ الحفيظَ لِاَعمالِهم وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ من قولى لهم وقولِهم بعدى وغيرِ ذلك شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ مُطَّلِعٌ عالمٌ به اِنْ تُعَذِّبْهُمْ اى مَن اَقامَ على الكفرِ منهم فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وانت مالِكُهم تَتَصَرَّفُ فيهم كيف شِئتَ لا اعتراضَ عليك وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ اى لِمَنْ آمَنَ منهم فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الغالبُ على اَمرِه الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ فى صُنعِه قَالَ اللّٰهُ هٰذَا اى يومُ القيٰمةِ يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ فى الدنيا كعيسى صِدْقُهُمْ لانه يومُ الجزاءِ

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بطاعتِه وَرَضُوْا عَنْهُ بثوابه ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ ولا يَنفعُ الكاذِبِينَ في الدنيا صِدقُهُمْ فيه كالكُفّارِ لَمّا يُؤْمِنونَ عند رُؤْيَةِ العَذاب لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خزائنُ المطرِ والنباتِ والرزقِ وغيرِها وَمَا فِیْهِنَّ اتى بما تغليبًا لغيرِ العاقِل وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ومنه اِثابةُ الصادقِ وتعذيبُ الكاذبِ وخصَّ العَقلُ ذاتَهٗ تعالٰى فليس عليها بقادرٍ.

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی قوم کو سرزنش کرنے کے لئے فرمائیگا، کہ اے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کانپتے ہوئے عرض کریں گے آپ تو ہر اس چیز (یعنی) شریک وغیرہ سے پاک ہیں جو آپ کی شایان شان نہیں، اور میرے لئے کسی طرح ایسی بات کہنا لائق نہیں جسکے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں (بحق) لیس کی خبر ہے اور (لی) تبیین کے لئے (زائد) ہے اگر میں نے (یہ بات) کہی ہوگی تو آپ کو اس کا علم ہوگا اسلئے کہ تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات کو نہیں جانتا، یعنی تیری مخفی معلومات کا مجھے علم نہیں، تمام مغیبات کے جاننے والے آپ ہی ہیں میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی جس کو کہنے کا تو نے حکم فرمایا وہ یہ کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو کہ میرا اور تمہارا (سب کا) رب ہے، میں ان کا نگران تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا ان کو ایسی بات کہنے سے روکے رہا اور جب آپ نے مجھے رفع آسمانی کے ذریعہ واپس بلالیا تو آپ ان کے اعمال کے نگہبان تھے اور آپ تو ہر چیز سے واقف ہیں (خواہ) میری بات ہو جو میں نے ان سے کہی یا ان کی بات جو انہوں نے میرے بعد کہی وغیرہ وغیرہ، ان میں سے جو کفر پر قائم رہا اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک ہیں ان میں جس طرح چاہیں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں آپ پر کوئی اعتراض نہیں، اور اگر آپ انھیں معاف کر دیں تو آپ اس پر غالب ہیں اور اپنی صنعت میں باحکمت ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اس دن میں دنیا میں سچائی اختیار کرنے والوں کی سچائی نفع پہنچائیگی جیسا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسلئے کہ یہ صلہ دینے کا دن ہے، ان کو ایسے باغات ملیں گے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ ان سے ان کی اطاعت کی وجہ سے خوش اور وہ اس سے اس کے اجر پر راضی، یہی بڑی کامیابی ہے اور دنیا میں جھوٹوں کو قیامت میں ان کی سچائی کچھ نفع نہ دے گی، جیسا کہ کفار، جبکہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے، زمین اور آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے (یعنی) بارش اور نباتات اور رزق وغیرہ کے خزانے سب اسی کی ملک میں ہیں (بجائے مَن کے) ما، کا استعمال غیر ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ان ہی میں سے سچے کو اجر عطا کرنا اور جھوٹے کو سزا دینا بھی ہے، اور عقل نے باری تعالیٰ کو (تحت القدرۃ) ہونے سے خاص کر دیا چنانچہ وہ اپنی ذات پر قدرت نہیں رکھتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: ای یَقُوْلُ ، قَالَ ماضی کی تفسیر یَقُوْلُ مضارع سے کر کے اس سوال کا جواب دیدیا کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مکالمہ قیامت کے دن ہوگا اور قال سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہو چکا، قال کی تفسیر یقول سے کر کے بتادیا کہ ماضی بمعنی مضارع ہے۔

قِوْلَهُ: تَوْبِیْخاً لِقَوْمِه، اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس سے کوئی شئ مخفی نہیں ہے ان ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی امت سے کہنا یا نہ کہنا بھی ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سوال برائے استفہام نہیں ہے بلکہ توبیخ کے لئے ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: لِقَوْمِه، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ تقصیر اور کوتاہی قوم کی تھی نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔

قِوْلَهُ: اُرْعِدَ لرزید از ترس، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خوف کی وجہ سے لرزہ براندام ہو گئے۔

قِوْلَهُ: ولِیْ، لِلتَّبْیِیْن، اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو، لی، کو حق سے متعلق مانتے ہیں اور وجہ رد یہ ہے کہ جار پر مجرور کے صلہ کی تقدیم ممتنع ہے۔

قِوْلَهُ: بالرَّفْعِ الی السَّمَاءِ، اس عبارت میں اشارہ ہے کہ یہاں توفّی کے معنی موت کے نہیں ہیں اس لئے کہ توفّی کے معنی اخذ الشئی وافیا، کسی چیز کو پورا پورا لینا کے ہیں، موت بھی اس کی ایک نوع ہے نہ کہ عین موت، لہٰذا اب یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تو فَّیْتَنِی سے مراد موت ہو حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال نہیں ہوا ہے۔

قِوْلَهُ: وخصَّ العقلُ ذاته تعالی، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ "علی کل شئ قدیر" میں خود اللہ تعالیٰ بھی شئ میں داخل ہے اسلئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو شئ میں داخل نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ کا لاشئ ہونا لازم آتا ہے جو ظاہر البطلان ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا ایک فرد ماننا ضروری ہے اور کل شئی هالك سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شئ ہلاک ہونے والی ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شئ تو ہے مگر دیگر اشیاء کے مانند نہیں، لہٰذا عقل نے ذات باری تعالیٰ کو اشیاء سے خاص کر لیا یعنی اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے مگر اپنی ذات پر قادر نہیں ہے اسلئے کہ قدرت کا تعلق ممکنات سے ہوتا ہے نہ کہ واجبات اور محالات سے لہٰذا شئ سے مراد کل موجود یمکن ایجادہ ہے۔ (جمل)

تفسیر و تشریح

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ الخ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال روز قیامت میں ہوگا جس کو یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کردیا ہے، خطاب اگرچہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر مقصد ان لوگوں کو زجر و توبیخ کرنا ہے جنہوں نے غیر اللہ کو معبود بنالیا تھا، اسلئے کہ جن کو معبود بنایا گیا ہے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی والدہ مریم کو بھی معبود بنایا تھا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ من دون اللہ میں صرف سونے چاندی یا پتھر لوہے وغیرہ کے بت ہی شامل نہیں ہیں بلکہ اللہ کے وہ نیک بندے بھی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی انداز سے عبادت کی، جیسے حضرت عیسیٰ و مریم اور حضرت عزیر علیہم السلام وغیرہ۔

مسیحیوں کا شرک:

عیسائیوں نے اللہ کے ساتھ صرف مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور روح القدس ہی کو خدا بنانے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی ایک مستقل معبود بنا ڈالا، حضرت مریم کی الوہیت یا قدوسیت کے متعلق کوئی اشارہ تک بائبل میں موجود نہیں ہے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ابتدائی تین سو سالوں تک عیسائی دنیا اس تخیل سے بالکل ناآشنا تھی، تیسری صدی عیسوی کے آخر میں اسکندریہ کے بعض علماء نے پہلی مرتبہ حضرت مریم کے لئے ''ام اللہ'' مادرِ خدا، کے الفاظ استعمال کئے، اس کے بعد بتدریج الوہیت مریم کا عقیدہ اور مریم پرستی کا طریقہ عیسائیوں میں پھیلنا شروع ہوا، لیکن اول اول چرچ اس عقیدہ کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا، بلکہ مریم پرستوں کو فاسد العقیدہ قرار دیتا تھا، پھر جب نسطورلیس کے اس عقیدہ پر کہ مسیح کی واحد ذات میں دو مستقل جداگانہ شخصیتیں جمع تھیں، مسیحی دنیا میں بحث و جدال کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا تصفیہ کرنے کے لئے ۴۳۱ء میں شہر افسوس میں ایک کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل میں پہلی مرتبہ کلیسا کی سرکاری زبان میں حضرت مریم کے لئے مادر خدا، کا لقب استعمال کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریم پرستی کا جو مرض اب تک کلیسا کے باہر پھیل رہا تھا وہ اس کے بعد کلیسا کے اندر بھی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، حتیٰ کہ نزول قرآن کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے حضرت مریم اتنی بڑی دیوی بن گئیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں اس کے سامنے ہیچ ہوگئے، ان کے مجسمے جگہ جگہ کلیساؤں میں نصب کئے ہوئے تھے، ان کے آگے عبادت کے جملہ مراسم ادا کئے جاتے تھے، ان ہی سے دعائیں مانگی جاتی تھیں اور ان ہی کو فریاد رس اور مشکل کشا سمجھا جاتا تھا۔

تَوَفَّيْتَنِي کا مطلب:

توفیتنی کا مطلب یہ ہے کہ جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا، تَوَفَّیْتَنِی کا مادہ وَفیٌّ ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے وہ اسی لئے بولا جاتا ہے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لئے جاتے ہیں اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیئے جاتے ہیں اس لئے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی اور اصلی معنی پورا پورا لینے کے ہیں بعض نے اسکے مجازی معنی مشہور استعمال کے مطابق موت ہی کے کئے ہیں لیکن اس کے ساتھ انہوں نے کہا ہے کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی رَافِعُكَ، کے معنی مقدم ہیں اور مُتَوَفِّيكَ، کے معنی متاخر ہیں، یعنی میں تم کو آسمان پر اٹھالوں گا اور پھر جب دنیا میں نزول ہوگا تو اس وقت موت سے ہمکنار کروں گا، یعنی یہود کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہوگا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر)

اِن تعذبهم فاِنّهُم عبادك

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے اسلئے کہ تو فَعَّالٌ لِمَا يُرِيد بھی ہے، اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں "لَا يُسئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وهم يسئلون" اللہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی، گویا آیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی، پھر ان دونوں باتوں کے حوالہ سے عفو و مغفرت کی التجا بھی سبحان اللہ! کیسی عجیب و بلیغ آیت ہے، اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ پر نوافل میں اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار ہر رکعت میں اسی آیت کو پڑھتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔

(مسند احمد)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَمَا قَدَرُ اللّٰه، الآيات الثلث وِالَّا قُلْ تعالَوْا، الآياتُ الثلث وهى مائة وخمسٌ اوست وستّون اية.

سورۂ انعام مکی ہے مگر وَمَا قدروا اللّٰه سے تین آیتیں اور قُلْ تعالَوْا سے تین آیتیں اوران کی تعداد ١٦٥ یا ١٦٦ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ اَلْحَمْدُ وهو الوصفُ بالجميلِ ثابتٌ لِلّٰهِ وهل المرادُ الإعلامُ بذلك للايمان به او للثناءِ به او هما، احتمالاتٌ اَفيدُها الثالثُ قالَهُ الشيخُ فى سورةِ الْكَهْفِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ خَصَّهُمَا بالذكرِ لانهما اَعْظَمُ المخلوقاتِ للنّاظِرِيْنَ وَجَعَلَ خلقَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اى كُلَّ ظلمة ونورٍ وجَمعُها دُوْنَهُ لِكَثْرَةِ اَسْبَابِها وهذا مِن دلائلِ وَحدانيته ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مع قيامِ هذا الدليلِ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۞١ يُسَوُّوْنَ به غَيْرَهُ فى العِبَادَةِ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ بِخَلْقِ ابيكم ادمَ منه ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا لكم تَمُوْتُوْنَ عند اِنْتهائِهِ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى مَضْرُوْبٌ عِنْدَهٗ لِبَعْثِكُمْ ثُمَّ اَنْتُمْ اَيُّها الكُفّارُ تَمْتَرُوْنَ ۞٢ تَشُكُّوْنَ فى البعثِ بعدَ عِلمِكُمْ انه ابتدأ خلقكم ومن قدَر على الابتداءِ فهو على الاعَادَةِ اَقْدَرُ وَهُوَ اللّٰهُ مُسْتَحِقٌّ للعبادةِ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ مَا تُسِرُّوْنَ وَما تَجْهَرُوْنَ به بينكم وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۞٣ تَعْمَلُوْنَ من خير وشر وَمَا تَاْتِيْهِمْ اى اَهْلَ مكةَ مِّنْ زائدةٌ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ من القراٰن اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۞٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ بالقراٰن لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا عواقبُ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞٥ اَلَمْ يَرَوْا فى اَسفارهم الى الشامِ وغيرها كَمْ خَبَرِيَّةٌ بمعنى كثيرًا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ اُمّةٍ من الاُمَمِ الماضيةِ مَكَّنّٰهُمْ اَعْطَيْنَاهم مكانا فِى الْاَرْضِ بالقوةِ والسَّعةِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ نُعْطِ لَّكُمْ فيه التفاتٌ عن الغيبةِ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ المطرَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا مُتَتَابِعًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ

تحتِ مساكنِهم **فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ** بتكذيبهم الانبياءَ **وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ** ۝٦ **وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا**
مكتوبًا **فِيْ قِرْطَاسٍ** رَقٍّ كما اقترحُوْهُ **فَلَمَسُوْهُ بِأَيْدِيْهِمْ** ابلغُ من عاينُوْهُ لانه انفى للشكِ **لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ** ما
هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ تعنُّتًا وعنادًا **وَقَالُوْا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ** على محمدٍ **مَلَكٌ** يُصَدِّقُهٗ **وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا** كما اقترحُوْهُ فلم
يؤمنوا **لَقُضِيَ الْأَمْرُ** بهلاكِهم **ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ** ۝٨ يُمْهَلُوْنَ لتوبةٍ او مَعْذِرةٍ كعادةِ اللّٰهِ فيمن قبلَهم من
إهلاكِهم عند وجودِ مُقترَحِهم اذا لم يُؤْمِنُوا **وَلَوْ جَعَلْنٰهُ** اى المُنْزَلَ اليهم **مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ** اى
المَلَكَ **رَجُلًا** اى على صورتِه لِيَتَمَكَّنُوا من رؤيتِه اذ لا قُوَّةَ لِلْبَشَرِ على رؤيةِ المَلَكِ **وَ** لو انزلناهُ
وجعلناه رجلًا **لَلَبَسْنَا** شَبَّهْنَا **عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ** ۝٩ على انفسِهم بان يقولوا ما هذا الا بشرٌ مثلُكم
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فيه تسليةٌ للنبيِّ صلى الله عليه وسلم **فَحَاقَ** نَزَلَ **بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا**
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ وهو العذابُ فكذا يَحيقُ بمن استهزأبك.

ترجمہ: ہر تعریف اللہ کے لئے ثابت ہے (اور) یا تو اس جملہ خبریہ سے مراد ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا ہے یا مراد انشاءِ حمد (تعریف کرنا) ہے یا دونوں مراد ہیں (یہ تین) احتمالات ہیں تیسری صورت زیادہ مفید ہے، اس کو شیخ جلال الدین محلّی نے سورۂ کہف میں بیان کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان دونوں کو خاص طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں ناظرین کی نظر میں اعظم مخلوقات ہیں اور جس نے ظلمتوں اور روشنی کو پیدا فرمایا یعنی ہر ظلمت اور نور کو، ظلمات کو جمع لائے ہیں نہ کہ نور کو، ظلمات کے اسباب کثیر ہونے کی وجہ سے، اور یہ اللہ کی وحدانیت کے دلائل میں سے ہے پھر بھی کافر اس دلیل کے قائم ہونے کے باوجود غیر اللہ کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں یعنی غیر اللہ کو عبادت میں اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں، وہ ایسی ذات ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تمہارے دادا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو مٹی سے پیدا کرکے، پھر اس نے تمہارے لئے مدت مقرر کی کہ جس کے پورے ہونے پر تم مر جاؤ گے، اور دوسرا وقت خاص اللہ کے نزدیک معین ہے جو کہ تمہارے بعث کا ہے، پھر بھی تم اے کافرو شک کرتے ہو (یعنی) بعث بعد الموت میں شک کرتے ہو، باوجودیکہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ اس نے تم کو ابتداء پیدا کیا، اور جو ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بطریق اولی قادر ہے، وہی اللہ مستحق عبادت ہے آسمانوں اور زمین میں تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں کو جانتا ہے یعنی جس کو تم آپس میں پوشیدہ رکھتے ہو اور ظاہر کرتے ہو، اور جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے (یعنی) جو خیر و شر تم کرتے ہو اس سے واقف ہے اور اہل مکہ کے پاس قرآن کی جو آیت بھی آئی ہے اس سے اعراض ہی کرتے ہیں، مِن آیۃٍ، میں مِن زائدہ ہے انہوں نے حق یعنی قرآن کو جھٹلا دیا جب ان کے پاس آیا سو جلد ہی ان کو اس کے انجام کی خبر مل جائے گی جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے کیا یہ لوگ اپنے شام وغیرہ کے سفر کے دوران نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے پہلے سابقہ امتوں میں سے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا، کم خبریہ بمعنی کثیر ہے، جن کو ہم نے دنیا میں

ی قوت اور وسعت دی تھی کہ جو تم کو نہیں دی اس میں غیبت سے (خطاب) کی جانب التفات ہے، اور ہم نے ان پر خوب
لسل بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے نہریں بہادیں پھر ہم نے ان کو انبیاء کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ہم
نے ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کر دیں اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ ان کی تجویز کے مطابق نازل کرتے پھر اس کو یہ لوگ
پنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے، (لَمَسُوہ بایدیھم) عاینوہ سے ابلغ ہے اسلئے کہ چھو کر دیکھ لینا شک کی زیادہ نفی کرنے والا
ہے، جب بھی یہ کافر لوگ تعصب اور عناد کی وجہ سے یہی کہتے کہ یہ کچھ نہیں محض کھلا ہوا جادو ہے، اور ان لوگوں کا کہنا ہے کہ محمد
ﷺ پر کوئی فرشتہ کیوں نہ نازل کیا گیا جو ان کی تصدیق کرتا اور اگر ہم ان کی تجویز کے مطابق کوئی فرشتہ نازل کر دیتے (پھر
س) یہ ایمان نہ لاتے تو ان کو ہلاک کر کے ان کا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو توبہ یا معذرت کے لئے مہلت نہ دی جاتی جیسا کہ
ں سے پہلی امتوں میں فرمائشی معجزہ ظاہر کرنے کے بعد جبکہ وہ ایمان نہ لائے ان کو ہلاک کرنے کا اللہ کا دستور رہا ہے اگر ہم ان
ی طرف فرشتہ نازل کرتے تو ظاہری بات ہے کہ وہ فرشتہ انسانی شکل میں ہوتا تا کہ یہ اس کو دیکھ سکیں، اسلئے کہ ان میں فرشتہ کو
یکھنے کی قوت نہیں، اور اگر ہم فرشتہ نازل کر دیتے اور اس کو انسانی شکل میں رکھتے تو ہم ان پر اشتباہ ڈالدیتے جیسا کہ اب ان کو
تباہ ہو رہا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے درحقیقت آپ سے پہلے جو انبیاء ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی
تہزاء کیا گیا اس میں نبی ﷺ کو تسلّی ہے تو ان کو اسی عذاب نے آگھیرا جس کا انہوں نے مذاق اڑایا، اور وہ عذاب تھا، اسی
رح جو آپ کے ساتھ استہزاء کرے گا اس کو بھی عذاب آگھیرے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: هَلِ المُرَادُ الْإِعْلَامُ بذلك، اس سوالیہ جملہ سے شارح علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ الحمد (ثابت) للّٰہ، جملہ
یہ کے ذریعہ جو ثبوت حمد کی خبر دی گئی ہے اس سے تین چیزیں مراد ہو سکتی ہیں، ① یا تو اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
صاف کمالیہ ازلی اور ابدی ہیں اور ہمارا اس پر ایمان ہے، استمرار پر دلالت جملہ کے اسمیہ ہونے کی وجہ سے ہوگی اس صورت میں
لفظاً و معنیً خبریہ ہوگا، ② یا مقصد انشاءِ حمد ہے، اسی کو مفسرِ علام نے او الثناء به، سے تعبیر فرمایا ہے، اس صورت میں جملہ
ا خبریہ اور معنیً انشائیہ ہوگا، ③ دونوں مقصود ہوں اس کی طرف اپنے قول اَوْهُمَا سے اشارہ فرمایا ہے، اس صورت میں
ں معنی میں استعمال حقیقۃً ہوگا، اور پہلی صورت میں خبر میں حقیقت اور انشاء حمد میں مجاز ہوگا اور دوسری صورت میں انشاء حمد میں
قت اور خبر میں مجاز ہوگا، مطلب یہ کہ پہلی دونوں صورتوں میں ایک میں جملہ کا استعمال بالاصل اور دوسری میں بالتبع ہوگا، اور
ری صورت میں دونوں میں جملہ کا استعمال بالاصل ہوگا اسی وجہ سے تیسری صورت پہلی دو صورتوں سے مفید تر ہے اس لئے کہ
ں میں استعمال مقصود بالذات ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے سورۂ کہف جلد چہارم ملاحظہ فرمائیں)۔
لہ: خَلَقَ، جَعَلَ کی تفسیر خَلَقَ سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ جَعَلَ بمعنی خلق و أنشأ ہے نہ کہ بمعنی صَيَّرَ یہی وجہ ہے کہ

ایک مفعول کی جانب متعدی ہے۔
قولہ: لِکَثْرَۃِ اَسْبَابِھَا، ظلمت کے اسباب چونکہ کثیر ہیں اسلئے ظلمات کو جمع لائے ہیں، اور نور کی قسم چونکہ ایک ہی ہے اسلئے اس کو واحد لائے ہیں۔
قولہ: عَوَاقِبُ.
سوال: عواقِبُ مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ ہے؟
جواب: اسلئے کہ نفس انباء تو دنیا ہی میں معلوم ہو جائیں گی، البتہ ان کا انجام اور نتیجہ آخرت میں معلوم ہوگا، اسی فائدہ کے لئے لفظ عواقب، محذوف مانا گیا ہے۔
قولہ: لِاَنَّـهٗ اَنْفٰی لِلشَّكِّ، یعنی معاینہ کے بجائے لمس کا استعمال نفی شک میں زیادہ ہے اسلئے کہ دیکھنے میں تو کبھی سحر یا نظر بندی کا دھوکا بھی ہوسکتا ہے مگر لمس اور ٹٹول کر معلوم کرنے میں دھوکہ اور مغالطہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔
قولہ: لَلَبَسْنَاہ، یہ شرط محذوف کا جواب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، "ای لَوْ جَعَلْنَاہُ رَجُلًا لَلَبَسْنَا".

تفسیر و تشریح

فضائل سورۂ انعام:

مستدرک حاکم نے حضرت جابر سے روایت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سبحان اللہ العظیم فرمایا، اور یہ فرمایا کہ آسمان سے زمین تک ستر ہزار فرشتے اس سورت کے نازل ہونے کے وقت ساتھ تھے، حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

سورت کا نام:

اس سورت کے رکوع ۱۶، ۱۷ میں بعض اَنعام (مویشیوں) کی حرمت اور بعض کی حلت کا ذکر ہے اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "انعام" رکھا گیا ہے، بجز چھ آیات کے یہ پوری سورت مکی ہے۔

سورۂ انعام کے مضامین کا خلاصہ:

خدا کی توحید، پیغمبروں کی رسالت، توحید کے سلسلہ میں چند انبیاء کرام کے واقعات، قرآن کی صداقت، آخرت کی زندگی کا ثبوت، منکرین حق و صداقت کے کردار کی وضاحت اور ان کا انجام، یہ ہے اس سورت کے مضامین کا خلاصہ۔
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ.

یہاں خلق، ایجاد وابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے (قرطبی) پوری کائنات دو قسموں میں منحصر ہے، جوہر اور عرض، السمٰوٰتِ وَالارض، سے جوہر کی طرف اور الظلمٰت والنور سے عرض کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا خالق بلا استثناء وہی ایک خدا ہے الظلمٰت، کو جمع کے صیغہ کے ساتھ اور النور کو صیغہ واحد کے ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں بہت سی ہوسکتی ہیں اور راہ حق صرف ایک ہی ہوتی ہے، دو نقطوں کے درمیان خطوطِ منحنی بے شمار ہوسکتے ہیں مگر خط مستقیم ایک ہی ممکن ہے، اور یہ نقطہ قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں نور، جہاں بھی آیا ہے مفرد ہی آیا ہے، یہاں ثُمَّ، باوجود یا اس پر بھی کے معنی میں ہے۔ (ماجدی)

مذکورہ آیات کا مقصود توحید کی حقیقت اور اس کے واضح دلائل کو بیان فرما کر دنیا کی ان تمام قوموں کو تنبیہ کرنا ہے جو یا تو سرے سے توحید کی قائل ہی نہیں یا قائل ہونے کے باوجود توحید کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔

مجوس دنیا کے دو خالق مانتے ہیں یزدان اور اہرمن، یزدان کو خیر کا خالق اور اہرمن کو شر کا خالق قرار دیتے ہیں اور انہی دونوں کو نور وظلمت سے تعبیر کرتے ہیں، قرآن مجید نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو آسمان وزمین ظلمت ونور کا خالق بتا کر ان سب خیالات کی تردید کردی کہ نور وظلمت اور آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں پھر کسی کو کیسے خدا تعالیٰ کا شریک وسہیم ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

ھُوا الذی خَلَقکم مِنْ طِینٍ ثمّ قضٰی اجلًا، بلا واسطہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، حضرت ابو موسیٰ اشعری، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی کی ایک خاص مقدار سے پیدا فرمایا جس میں پوری زمین کے اجزاء شامل کئے گئے، یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم رنگ وروپ اور اخلاق وعادات میں مختلف ہیں۔

یہ تو انسان کی ابتداء آفرینش کا ذکر تھا، اس کے بعد انتہاء کی دو منزلوں کا ذکر ہے، ایک انسان کی شخصی انتہاء جس کو موت کہا جاتا ہے دوسرے پوری نوع انسانی اور اس کے کائناتی خدام کی انتہاء جس کو قیامت کہا جاتا ہے انسان کی شخصی انتہاء کے لئے فرمایا ثُمَّ قضٰی اَجلًا، اس کے بعد پورے عالم کی انتہا یعنی قیامت کا ذکر فرمایا ہے وَاَجَلٌ مسمًّی عنده، سے فرمایا، یعنی کائنات کی انتہاء کی ایک میعاد مقرر ہے جس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ تمترون، یعنی توحید اور بعث بعد الموت کے ایسے واضح دلائل کے باوجود تم شکوک شبہات نکالتے ہو۔

تیسری آیت میں پہلی دو آیتوں کے مضمون کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین میں لائق عبادت واطاعت ہے اور وہی تمہارے ظاہر وباطن اور ہر قول وفعل سے پورا واقف ہے۔

اَلَمْ یَرَوا کم اَھْلکنا مِن قبلِھِم، یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کرچکے ہیں حالانکہ وہ طاقت وقوت میں بھی تم سے کہیں زیادہ تھیں اور خوشحالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھکر تھیں تو تمہیں ہلاک کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوشحالی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ

بہت کامیاب وکامران ہے، یہ استدراج اور امہال کی دوصورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے لیکن جب یہ مہلت عمل ختم ہوجاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوشحالیاں انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں،

شانِ نزول:

وَلَوْ نزلنا عَلَیْكَ کتاباً فی قرطاسٍ فلمسُوْه الخ، مقاتل بن سلیمان اور کلبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ نضر بن الحارث اور عبداللہ بن امیہ نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم اس صورت میں ایمان لاسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک نوشتہ اس مضمون کا ہمارے پاس آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور چار فرشتے اس نوشتہ کے ساتھ آکر اس کی تصدیق کریں کہ یہ اللہ کی طرف سے نوشتہ ہے اور اس کا مضمون حق ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس کا جواب حق تعالیٰ نے ایک تو یہ دیا کہ یہ غفلت شعار ایسے مطالبات کرکے اپنی ہلاکت کو دعوت دے رہے ہیں اسلئے کہ دستور الٰہی یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی پیغمبر سے کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرے اور اللہ تعالیٰ ان کا فرمائشی معجزہ دکھلادے تو وہ لوگ اگر اسلام لانے میں ذرا تاخیر کریں تو پھر ان کو عام عذاب کے ذریعہ ہلاک کردیا جاتا ہے اور بہت سی سابقہ امتیں اسی دستور الٰہی کے مطابق ہلاک کی جاچکی ہیں، یقین ہے کہ یہ اہل مکہ بھی اپنے جود وعناد کی وجہ سے قرطاسی نوشتۂ آسمانی کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں گے، اور اسے ایک ساحرانہ کرتب قرار دیں گے، جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے، "لَوْ فَتَحْنَا علیهم باباً من السماء فَظلّوا فیه یعرجون لَقالوا اِنّما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مَسحورون" اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس پر چڑھنے بھی لگیں تب بھی کہیں گے ہماری آنکھیں متوالی ہوگئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے۔

قالوا لَوْ لَا انزلَ عَلَیه مَلَكٌ، (الآیة) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے جتنے بھی انبیاء ورسل بھیجے وہ سب انسان ہی تھے، اور یہ اس لئے کیا گیا کہ اس کے بغیر کوئی نبی اور رسول فریضۂ تبلیغ ودعوت ادا ہی نہیں کرسکتا تھا، مثلاً فرشتوں کو اگر اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا ایک تو وہ انسانی زبان میں گفتگو نہ کرپاتے دوسرے وہ انسانی جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے انسان کی مختلف کیفیات وجذبات کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے، ایسی صورت میں وہ ہدایت ورہنمائی کا فریضہ کیسے انجام دے سکتے تھے؟ انسان پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو ہی نبی اور رسول بنا کر بھیجا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، "لَقَدمَنّ اللّٰه علی المؤمنین اِذ بعث فیهم رسولاً من انفسِهم" اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جبکہ ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لئے حیرت اور استعجاب کا باعث رہی وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں فرشتوں میں سے ہونا چاہئے، گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی، جیسا کہ آجکل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں، مشرکین مکہ رسولوں کی بشریت کے تو منکر نہ تھے اسلئے کہ وہ ان کے حسب ونسب اور خاندانوں سے واقف تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کررہے تھے جبکہ آجکل کے بدعتی رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔

لَوْ جَعَلْنٰه مَلَكًا الخ، یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ فرشتے کی اصل شکل میں تو آنہیں سکتا
تھا، کیوں کہ انسان اس سے خوف زدہ ہوتے اور قریب و مانوس ہونے کے بجائے دور بھاگتے اسلئے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل
میں بھیجا جاتا اس میں بھی یہی شبہ ہوتا کہ یہ تو انسان ہی ہیں تو پھر فرشتے کو بھیجنے سے کیا فائدہ ہوتا، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اور
حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جو فرشتے آئے تھے وہ انسان ہی کے شکل میں آئے تھے۔

قُلْ لہم سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ الرُّسُلَ من هلاكِهم بالعذاب لِتَعْتَبِرُوْا
قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ ان لم يقولوهُ لا جوابَ غيرُهُ كَتَبَ قضى عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ فضلًا
منه وفيه تَلَطُّفٌ في دُعائِهم الى الايمان لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ليُجازِيَكُم باعمالِكم لَا رَيْبَ شكَّ فِيْهِ ؕ
اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بتعريضِها لِلْعَذابِ مبتدأٌ خبرُهُ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ تعالى مَا سَكَنَ حَلَّ
فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اى كُلُّ شيءٍ فهو رَبُّهُ وخالقُهُ ومالِكُه وَهُوَ السَّمِيْعُ لما يُقالُ الْعَلِيْمُ ⑬ بما يُفعَلُ قُلْ
لهم اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا اَعبُدُهُ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبدِعِهما وَهُوَ يُطْعِمُ يَرْزُقُ وَلَا يُطْعَمُ يُرْزَقُ
لا قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ لِلّٰهِ تعالى من هذه الامةِ وَ قيل لي لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ به
قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ بعبادةِ غيرِه عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ هو يومُ القيمةِ مَنْ يُّصْرَفْ بالبناءِ للمَفعُولِ اى
العذابُ وللفاعلِ اى اللّٰه والعائدُ محذوفٌ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ تعالى اى أرادَ له الخيرَ
وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯ النَّجاةُ الظاهرةُ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ بلاءٍ كمرضٍ وفقرٍ فَلَا كَاشِفَ رافعَ
لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ كصِحَّةٍ وغِنًى فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ ومنه مسُّك به ولا يَقدِرُ على
رَدِّه عنك غيرُهُ وَهُوَ الْقَاهِرُ القادرُ الذي لا يُعجِزُهُ شيءٌ مستعليًا فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ في خلقِه
الْخَبِيْرُ ⑱ ببواطِنِهم ونَزَلَ لَمَّا قالوا للنبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم إئتِنا بمن يَشْهَدُ لك بالنبوةِ فانَّ اهلَ
الكتٰبِ اَنْكَرُوكَ قُلْ لهم اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ تمييزٌ مُحَوَّلٌ عن المبتدأ قُلِ اللّٰهُ ۙ ان لم يقولوه لا جوابَ
غيرُهُ هو شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ على صِدقِي وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ يا أهلَ مكةَ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ
عطفٌ على ضميرِ أُنذِركم اى بَلَغَهُ القرآنُ من الانسِ والجنِّ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ
استفهامُ انكارٍ قُلْ لهم لَّآ اَشْهَدُ ۚ بذلك قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ معه من الاَصنامِ
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ اى محمدًا بنعتِه في كتابِهم كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ منهم
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ به.

ترجمہ: آپ ان سے کہیے زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، تاکہ تم

عبرت حاصل کرو، آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ اگر وہ اس کا جواب نہ دیں تو کہئے اللہ کا ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی (صحیح) جواب ہی نہیں ہے از راہ کرم اس نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے اس میں ان کو دعوت دینے میں نرمی ہے تم کو اللہ قیامت کے دن جمع کرے گا تا کہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دے اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے خود کو عذاب پر پیش کر کے اپنا نقصان کیا ہے یہ ایمان لانیوالے نہیں ہیں (الـذیـن الـخ) مبتداء ہے (فھـم لا یـؤمـنـون) مبتداء کی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو رات اور دن میں ٹھہری ہے یعنی ہر شئ کا وہی رب اور وہی خالق اور وہی مالک ہے اور جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا سننے والا جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا جاننے والا ہے کیا میں اللہ کے غیر کی بندگی کروں وہ اللہ کہ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا ہے (ہرگز) نہیں، آپ کہئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس امت کے پہلے اسلام لانے والوں میں ہوں اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا آپ کہہ دیجئے میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور وہ قیامت کا دن ہے اگر میں غیر اللہ کی بندگی کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں، اور جو شخص اس روز عذاب سے بچالیا گیا (یُصرف) میں مجہول اور معروف دونوں قراءتیں ہیں (معروف کی صورت میں) فاعل اللہ ہوگا اور عائد محذوف ہوگا، یقیناً اللہ نے اس پر بڑا رحم کیا، یعنی اس کے لئے خیر کا ارادہ کیا، یہی بڑی کامیابی ہے کھلی کامیابی ہے، اور اگر اللہ تجھ کو کسی آزمائش مثلاً مرض اور فقر کے ذریعہ تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کو اللہ کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھ کو کوئی خیر مثلاً صحت پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اسی میں سے وہ بھی ہے جو تجھکو لاحق ہوئی، اور تجھ سے اللہ کے سوا کوئی اس کو دفع کرنے والا نہیں اور وہ اپنے بندوں پر ایسا قادر ہے کہ کوئی چیز اسکے غالب ہونیکی وجہ سے عاجز نہیں کرسکتی اور وہ اپنی مخلوق کے بارے میں باحکمت اور ان کے سرائر سے ان کے ظواہر کے مانند خبر رکھنے والا ہے اور جب (اہل مکہ) نے آپ ﷺ سے کہا کہ اس شخص کو پیش کرو جو تمہاری نبوت کی شہادت دے اسلئے کہ اہل کتاب آپ (کی نبوت) کا انکار کر چکے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے پوچھئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑھکر ہے؟ (شهـادةً) مبتداء سے منقول ہو کر تمیز ہے، اگر وہ یہ جواب نہ دیں تو تم کہو میری صداقت پر میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اسلئے کہ اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں ہے، اور یہ قرآن میرے پاس وحی کے طور پر بھیجا گیا ہے تا کہ اے اہل مکہ میں تم کو اور اس شخص کو اس کے ذریعہ ڈراؤں جس کو قرآن پہنچا ہے (مَنْ بَلَغَ) کا عطف انـذر کـم کی ضمیر پر ہے، یعنی جس کو قرآن پہنچا ہو خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے، کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ خدا کے ساتھ اور معبود بھی ہیں، استفہام انکاری ہے آپ ان سے کہہ دیجئے میں اس کی گواہی نہیں دوں گا آپ کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں ان بتوں سے بری ہوں جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ محمد ﷺ کو ان کی کتاب میں اس کی صفات پائے جانے کی وجہ سے ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ان میں جن لوگوں نے خود کو نقصان میں ڈالا وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَلَّذِیْن خَسِرُوْا اَنْفُسَھُم فَھُمْ لا یؤمنُونَ، الذین خَسِروا انفسھم مبتداء فَھُمْ لَا یُؤمنون خبر۔

سوال: خبر پر فاء کس وجہ سے داخل ہے؟

جواب: اسلئے کہ موصول میں شائبۂ شرط ہے جس کی وجہ سے خبر میں شائبۂ جزاء ہے، اسی وجہ سے فاء داخل ہے۔

قولہ: حَلَّ، سَکَنَ کی تفسیر حَلَّ بمعنی استقرَّ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سکون اگرچہ حرکت کی ضد کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلقا استقرار مراد ہے، یہ عرب کے قول تقیکم الحر کے قبیل سے ہے ای تقیکم الحر و البردَ.

قولہ: العائِدُ مَحْذُوْفٌ، یہ یَصْرِف کو معروف پڑھنے کی صورت میں ہوگا، ظاہر یہ ہے کہ العذابَ محذوف ہوگا اسلئے کہ نحوی قاعدہ ہے غیر موصول کی طرف عائد کا حذف جائز نہیں ہے۔

قولہ: النَجاۃُ الظَّاھِرَۃُ، اسلئے کہ یہ کامیابی بالکل ظاہر اور دائمی ہوگی بخلاف دنیوی کامیابی کے۔

قولہ: مُستَعْلِیًا، اس میں اشارہ ہے کہ فوقَ عبادِہٖ، القاھِرُ کی ضمیر سے حال ہے، اور استعلاءً سے علو فی القدرۃ والشان ہے۔

قولہ: قل اللّٰہ، ای قل اللّٰہ اکبر، لفظ اکبر محذوف ہے اسلئے کہ مقولہ مفرد نہیں ہوا کرتا۔

قولہ: ھو شھیدٌ اس میں اشارہ ہے کہ شھیدٌ، ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

سوال: اَللّٰہ کو مبتداء اور شھید کو خبر ماننے میں کیا قباحت ہے؟ جبکہ اس صورت میں ھُوَ مبتداء محذوف ماننے کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

جواب: اللّٰہ کو مبتداء اور شھیدٌ کو خبر اس لئے قرار دینا درست نہیں ہے کہ اللّٰہ شھیدٌ کا ایُّ شیئٍ اکبر شھادۃً کا جواب واقع ہونا درست نہ ہوگا، اسلئے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَیُّ شیئٍ اکبر شھادۃ اللّٰہ شھید بینی وبینکم، اس میں جواب سوال کے مطابق نہیں ہے۔

قولہ: عَطفٌ عَلٰی ضَمِیْرِ اُنْذِرَکُمْ، یعنی مَنْ بَلَغَ کا عطف انذر کم کی ضمیر مفعول کُمْ پر ہے نہ کہ انذرُ کی ضمیر مستتر فاعل پر۔

قولہ: ای بَلَغَہُ القرآنُ اس میں بَلَغَ کی ضمیر فاعل کی تعین کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

مذکورہ آیات میں قریش کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم بھی سابقہ امتوں کی طرح آپ ﷺ سے استہزاء کرتے رہو گے تو
تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو اس جرم میں سابقہ امتوں کا ہوا، عبرت حاصل کرنے کیلئے ملک شام ویمن وغیرہ کا سفر کرو اور سابقہ
امتوں کی اجڑی ہوئی معذب بستیوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔

قُلْ لَهُمْ سیروا فی الارض ، امام بغوی نے کہا ہے کہ سیر سے مراد سیر بالعقول والافکار بھی ہوسکتی ہے یعنی کائنات اور
قدیم آثار وخرابات میں غور کرو اور اس سے عبرت حاصل کرو، اور سیر بالاقدام بھی مراد ہوسکتی ہے، یعنی دنیا جہان کی سیر کرو اور خدا
کی کائنات اور عبرتناک مقامات سے عبرت حاصل کرو۔

نکتہ: ثُمَّ انظروا . امام رازی کی نکتہ سنجی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فانظروا ہوتا تو اس
کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو یعنی مقصد سفر عبرت پذیری ہونی چاہئے، لیکن ثم انظروا نے سفر کا
دارومدار عبرت پذیری پر نہیں رکھا، بلکہ مزید وسعت پیدا کرتے ہوئے فرمایا سفر کرو اور پھر عبرت آمیز واقعات وحادثات نیز آثار
وخرابات سے عبرت بھی حاصل کرو، یعنی سفر ہر جائز غرض کے لئے مباح ہے مگر دوران سفر عبرت پذیری واجب ہے، اَمَّا قولہ
**سیروا فی الارض ثم انظروا فمعناه اباحة السير فی الارض للتجارة وغیرها من المنافع وایجاب النظر
فی آثار الهالکین.** (کبیر)

وَمَنْ ای لا اَحَدَ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا** بنسبتِهِ الشَّرِيكَ اليه **اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ** القراٰن **اِنَّهٗ** اى الشان
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ٢١ بذلك وَ اذكر **يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا** توبيخًا **اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ**٢٢ انهم شركاءُ الله **ثُمَّ لَمْ تَكُنْ** بالتاءِ والياءِ **فِتْنَتُهُمْ** بالنصبِ والرفع اى مَعْذِرَتُهم **اِلَّآ اَنْ قَالُوْا**
اى قولُهُم **وَاللّٰهِ رَبِّنَا** بالجرِّ نعتٌ والنصبِ نداءٌ **مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ**٢٣ قالَ تعالى **اُنْظُرْ** يا محمد
كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بنفي الشركِ عنهم **وَضَلَّ** غابَ **عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ**٢٤ على اللّٰهِ تعالى من
الشُّرَكاءِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ** اذا قرأتَ **وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً** اَغطيَةً لِ **اَنْ** لا **يَّفْقَهُوْهُ** ان يفهموا
القراٰنَ **وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا** صَمَمًا يسمعُونَهُ سَماعَ قبول **وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ
يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ** القراٰن **اِلَّآ اَسَاطِيْرُ** اكاذيبُ **الْاَوَّلِيْنَ**٢٥ كالاَضاحِيكِ والاعاجيبِ جمع اُسْطُوْرة
بالضمِّ **وَهُمْ يَنْهَوْنَ** النَّاسَ **عَنْهُ** اى عن اتباعِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم **وَيَنْئَوْنَ** يَتباعَدُونَ **عَنْهُ** فا

یُؤمِنُوْنَ به وقیل نَزَلَتْ فی ابی طالب کان یَنْهیٰ عن اَذَاہُ ولا یُؤمِنُ به **وَاِنْ** ما **یُهْلِكُوْنَ** بالنَّأی عنه **اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** لان ضَرَرَہٗ علیهم **وَمَا یَشْعُرُوْنَ**﴿۲۶﴾ بذلك **وَلَوْ تَرٰٓی** یا مُحَمَّدُ **اِذْ وُقِفُوْا** اُعْرِضُوا **عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰا** للتنبیهِ **لَیْتَنَا نُرَدُّ** الی الدُّنیا **وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ**﴿۲۷﴾ برفعِ الفِعْلَیْنِ اِسْتِیْنَافاً ونَصْبِهِمَا فی جوابِ التمنی ورفعِ الاوّلِ ونصبِ الثانی وَجَوابُ لو لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا قَالَ تَعالیٰ **بَلْ** لِلْاِضْرَابِ عن اِرَادَةِ الایمانِ المفهومِ من التمنّی **بَدَا** ظَهَرَ **لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ** یَكْتُمُوْنَ بقولِهم واللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ بشَهَادَةِ جَوَارِحِهم فتَمَنَّوْا ذٰلك **وَلَوْ رُدُّوْا** الی الدنیا فرضًا **لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ** من الشركِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ**﴿۲۸﴾ فی وَعْدِهم بالایمان **وَقَالُوْٓا** ای مُنْكِرُوا البعثِ **اِنْ** ما **هِیَ** ای الحیوٰة **اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ**﴿۲۹﴾ **وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا** عُرِضُوا **عَلٰی رَبِّهِمْ** لَرَاَیْتَ امرًا عَظِیْمًا **قَالَ** لهم علی لسانِ الملٰٓئكةِ توبیخًا **اَلَیْسَ هٰذَا** البَعْثُ والحِسَابُ **بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا** انه لَحَقٌّ **قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ**﴿۳۰﴾ به فی الدنیا.

ترجمہ: اوراس سے بڑھ کرنا انصاف کون ہوگا؟ جواللہ پراس کی طرف شریک کی نسبت کرکے جھوٹا بہتان لگائے؟ کوئی نہیں، یااسکی آیتوں (یعنی) قرآن کو جھٹلائے یقینی بات ہے کہ اس قسم کے ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاسکتے اس دن کو یادکرو کہ جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھران مشرکوں سے سرزنش کے طور پر پوچھیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ کے شریک ہیں پھران کے پاس اس کے سوا کوئی عذر (جواب) باقی نہ رہے گا کہ یہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم مشرک نہیں تھے، (تکن) تاء اور یاء، کے ساتھ ہے، (اور) (فِتْنَتُهم) نصب اور رفع کے ساتھ ہے (اور فتنةٌ) کے معنی معذرةٌ کے ہیں، (رَبَّنا) جر کے ساتھ اللہ کی صفت ہونیکی وجہ سے اور نصب کے ساتھ نداء کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ فرمائیگا، اے محمد ﷺ دیکھوتو انہوں نے اپنے شرک کا انکار کرکے اپنی جانوں پر کس طرح جھوٹ بولا، اور جن شرکاء کولیکر یہ لوگ اللہ پر بہتان تراشا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے، اور ان مشرکوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جوآپ کی (بات کی) طرف جب آپ تلاوت کرتے ہیں کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے کانوں پر پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ اس قرآن کو نہ سمجھیں، اوران کے کانوں میں گرانی ہے یعنی ثقل ہے، جس کی وجہ سے وہ قبولیت کے کان سے نہیں سنتے، خواہ وہ کوئی نشانی دیکھ لیں اس پر ایمان لانیوالے نہیں حتی کہ یہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی جھوٹی داستانوں کے سوا کچھ نہیں ہیں، (اَسَاطیر) بروزن اَضاحیك اور عَاجیب، (اساطیر) اُسْطورَة کی جمع ہے (ہمزہ) کے ضمہ کے ساتھ اور یہ لوگوں کوآپ سے یعنی آپ ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے، اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی کہ (لوگوں کو) آپ کی ایذاء رسانی سے روکتے تھے اور خود ایمان نہیں لاتے تھے، اورآپ

سے دور دور رہنے سے وہ خود کو ہی ہلاکت میں ڈالتے ہیں اس لئے کہ اس کا نقصان ان ہی کو پہنچے گا، مگر ان کو اس کا شعور نہیں اے محمد کاش آپ انکی اس حالت کو دیکھتے کہ جب ان کو دوزخ پر پیش کیا جائیگا تو اس وقت کہیں گے کہ کاش ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوں دونوں فعلوں کے رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے، اور جواب تمنی ہونے کی وجہ سے دونوں نصب کے ساتھ ہیں اور اول کا رفع اور ثانی کا نصب بھی جائز ہے اور لَوْ کا جواب لَـرَأيتَ امرًا عظيمًا (محذوف) ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ جس چیز (شرک) کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ چیز (آج) ان کے سامنے آگئی ہے، یعنی اپنے قول، "واللّٰہ ربنا ماکنا مشرکین" کے ذریعہ چھپایا کرتے تھے، وہ ان کے اعضاء کی شہادت کے ذریعہ ظاہر ہوجائے گی، تو اس وقت اس کی تمنا کریں گے، اور اگر بالفرض ان کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ وہی شرک کرنے لگیں جس سے ان کو منع کیا گیا ہے اور یقیناً یہ لوگ اپنے وعدۂ ایمان میں بالکل جھوٹے ہیں اور منکرین بعث یہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہی ہماری زندگی ہے اور ہم زندہ ہو کر اٹھنے والے نہیں ہیں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب ان کو ان کے رب کے روبرو پیش کیا جائیگا تو آپ ﷺ ایک امر عظیم دیکھیں گے (اللہ تعالیٰ) ان سے فرشتوں کی زبانی سرزنش کے طور پر کہے گا، کیا یہ بعث و حساب حق نہیں ہے؟ تو وہ لوگ کہیں گے بے شک قسم ہے اے ہمارے پروردگار یقیناً حق ہے اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو تم اس عذاب کا مزا چکھو جس کا تم دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسهیل و تفسیری فوائد

قولہ: انهم شُرَكاءُ اللّٰه، اس میں اشارہ ہے کہ تَزعُمُوْنَ کے دونوں مفعول ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہیں۔

قولہ: بالنَّصبِ و الرَّفع، فتنتَهم پر نصب کان کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے ہے اور إلّا أن قالوا اسم مؤخر ہونے کی وجہ سے ورنہ محلاً مرفوع ہے، اور رفع اس کے برعکس ہونیکی وجہ سے ہے۔

قولہ: ای مَعْذِرَتهُم، یہ فتنة کی تفسیر ہے۔

قولہ: ای قَولهم اس میں اشارہ ہے کہ (أن قالوا) میں أن مصدریہ ہے، تاکہ استثناء درست ہوجائے۔

قولہ: بالجرِّ نعتٌ و النَّصبِ نداءٌ، یعنی یا رَبَّنَا میں دو قراءتیں ہیں اگر ربنا لفظِ اللّٰہ کی صفت ہو تو اس پر جر ہوگا اور اگر یا حرف نداء محذوف کا منادیٰ ہو تو نصب ہوگا، ای رَبَّنَا.

قولہ: الاُسطورة، ای ماسطرهُ الاوَّلون مِنَ الاکاذیب.

قولہ: یَنْأَون، مضارع جمع مذکر غائب (ف) نأیًا دور رہنا۔

قولہ: یا، للتنبیه ای مثل، ألا و اما.

قولہ: استینافًا، یعنی لا نکذب الخ سوال مقدر کا جواب ہے، ای مَا ذاتفعلون لو رددتم؟ ای لا نکذبُ ونکونُ مِنَ المومنین، اور واؤ کے بعد اَن کی تقدیر کے ساتھ جواب تمنی واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور ایک قراءت رفع

ـكذبُ اورنصب نـكـونَ کے ساتھ ہے، اول کا رفع تمنّی اور اس کے جواب کے درمیان خبر واقع ہونے کی وجہ سے ہے اور
ثانی یعنی نکونَ، کا نصب جواب تمنّی واقع ہونے کی وجہ سے، لَـو تری کا جواب محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے لَـرَأيتَ
مرًا عظِيمًا کہہ کر ظاہر کردیا ہے۔

قولہ: بَلْ للاضراب ، ای لِابـطالِ مايُفهِمُ من التمنی ،یعنی تمنائے ایمان سے اضراب ہے اسلئے کہ ان کی یہ تمنا عزم
تصدیق کی وجہ سے نہیں ہوگی، بلکہ اعضاء کی شہادت کے سبب زجر اور رسوائی کی وجہ سے ہوگی۔

قولہ: وقالوا، اس کا عطف لَعَادُوا پر ہے، ای لو رُدّوا لَعَادوا لِمانُهُوا عنه وقالوا۔

تفسیر وتشریح

فَـمَـنْ اَظْـلَـمُ، یعنی جس طرح نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنیوالا سب سے بڑا ظالم ہے اسی طرح وہ بھی سب سے بڑا ظالم
ہے جو اللہ کے سچے رسولوں اور اس کی آیتوں کی تکذیب کرے پوری کائنات میں چاروں طرف پھیلی ہوئی نشانیاں ایک ہی
حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور وہ یہ کہ موجودات عالم میں خدا صرف ایک ہی ہے، باقی سب اس کے بندے ہیں،
ظاہر ہے کہ جو شخص اس کائناتی مشاہدے اور تجربے کے بغیر محض قیاس وگمان یا آبائی تقلید کی بنا پر دوسروں کو الوہیت کی
صفات سے متصف اور خداوندی حقوق کا مستحق ٹھہراتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا ایسا شخص حقیقت و
صداقت پر ظلم کرتا ہے، اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور کائنات کی ہر اس چیز پر ظلم کرتا ہے جس کے ساتھ وہ اس غلط نظریہ کی بنا پر
کوئی معاملہ کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں کی فلاح وکامرانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثمّ لم تكن فِتنَتُهُمْ، فتنة کے متعدد معنی آتے ہیں، حجت، معذرت، جواب، مطلب یہ ہے کہ کفار خدا کی پیشی کے
وقت حیل وحجت اور معذرت کے ذریعہ چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے، اور یہ جھوٹ اس
وقت بولیں گے کہ جب ان کے اعضاء خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت وہ لاجواب اور تنگ ہوکر کذب بیانی
اور دروغ گوئی کا سہارا لیں گے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا نے فرمایا کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید جنت
میں جارہے ہیں تو مشرکین آپس میں مشورہ کرکے اپنے شرک سے انکار کردیں گے، تب اللہ ان کے مونہوں پر مہر لگادے
گا، اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

شان نزول:

ومنهم مَنْ يستَمِعُ اِلَيْكَ الخ کلبی اور ابن جریر نے مجاہد کے قول کے مطابق اپنی تفسیر میں اس آیت کا جو شان
نزول بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوسفیان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ بن شیبہ، ایک روز سب نے
قرآن کی چند آیتیں سنیں، نضر بن حارث پچھلے زمانہ کے قصے بہت جانتا تھا اس لئے ان سب نے نضر بن حارث سے

مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے سنا محمد ﷺ نے کیا پڑھا؟ نضر بن حارث نے کہا جس طرح میں تم کو پچھلی کہانیاں سناتا رہتا ہوں اسی طرح یہ بھی ایک کہانی ہے ابوسفیان نے کہا باتیں تو اس کلام کی حق معلوم ہوتی ہیں ابوجہل نے کہا ایسی باتوں کے ماننے سے ہم کو موت بہتر ہے، اس قصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابوجہل کے دل پر پردہ پڑ جانے کے سبب سے جو بات اس نے اپنے منہ سے نکالی تھی کہ ایسی باتوں سے موت بہتر ہے چنانچہ ازلی شقاوت نے اس کے حق میں وہی کیا کہ بدر کی لڑائی میں مارا گیا اور ابوسفیان نے سعادت ازلی کے سبب جو بات منہ سے نکالی تھی آخر کار ان کو اسلام نصیب ہوا مطلب یہ ہے کہ ابوجہل اور نضر بن حارث جیسے لوگوں کی شان میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ہزارہا معجزے دکھلائے جائیں اور قرآن کی تمام آیات سنائی جائیں تب بھی یہ سخت دل اور بہرے بنے رہیں گے نہ کسی معجزے کو دیکھ کر ان کے دل پر سے غفلت کا پردہ اٹھے گا نہ کسی آیتِ قرآن کو کان کھول کر سنیں گے۔

شانِ نزول:

وھم ینھون عنہ الخ، طبرانی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ خواجہ ابوطالب یوں تو آپ ﷺ کی ہمہ وقت حمایت کرتے رہتے تھے کہ قریش میں سے کوئی شخص آپ کو ایذاء نہ پہنچائے، مگر آنحضرت ﷺ جب خواجہ ابوطالب کو کوئی ہدایت کی بات کہتے تو اس سے ابوطالب دور بھاگتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی طبرانی کی سند میں اگرچہ ایک راوی قیس بن ربیع کو بعض علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن شعبہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اسلئے یہ روایت معتبر ہے، صحیح بخاری میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک روز آپ ﷺ کے روبرو خواجہ ابوطالب کا ذکر آیا آپ نے فرمایا شاید ابوطالب کو میری شفاعت کچھ نفع تخفیف عذاب میں پہنچادے، اسی طرح صحیح بخاری میں عروہ سے مرسلاً روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عباس نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ بری حالت میں ہے جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابولہب سے حال پوچھا تو ابولہب نے کہا جب سے میں مرا ہوں ہمیشہ بری حالت میں رہتا ہو لیکن پیر کے دن محمد ﷺ کی پیدائش کی خبر سنکر میں نے اس خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کردیا تھا اس لئے اس روز میرے اس عذاب میں ذرا تخفیف کردی جاتی ہے، اس اختلافی مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے کتب احادیث کی طرف رجوع کریں۔

وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ (الآیۃ) یعنی عالم آخرت میں عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراف کرلیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے لیکن وہاں اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیگا کہ اب تو اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزا چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ بالبعثِ حَتّٰٓی غایةٌ لِلتکذیب اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ القیٰمةُ بَغْتَةً فُجاءَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا هی شدةُ التألُّمِ ونداءُها مجازٌ ای هذا اَوَانُكِ فاحْضُری عَلٰی مَا فَرَّطْنَا قصَّرْنَا فِیْهَا ای الدنیا

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ بان تأتيهم عند البعث فى اَقبح شيءٍ صورةً وانتنِه ريحًا فتركبهم
اَلَاسَآءَ بِئْسَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾ يحملونه حملهم ذلك وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اى الاشتغال فيها اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ واما
الطاعات وما يُعين عليها فمن امور الاخرة وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ وفى قراءة ولَدار الاخرةِ اى الجنة
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الشرك اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٣٢﴾ بالياء والتاء ذلك فيؤمنون قَدْ للتحقيق نَعْلَمُ اِنَّهٗ اى الشان
لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ لك من التكذيب فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ فى السر لعلمهم اَنّك صادقٌ وفى قراءةٍ
بالتخفيف اى لا ينسبونك الى الكذب وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَضعَه موضع المضمر بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اى القراٰن
يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾ يكذبون وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فيه تسليةٌ للنبيّ صلى الله عليه وسلم
فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا باهلاكِ قومِهم فاصبر حتى يأتيك النصرُ باهلاكِ
قومك وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ مواعيده وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ ما يسكن به قلبك
وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَظُم عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ عن الاسلام لحرصك عليهم فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِىَ نَفَقًا سربًا
فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا مصعدًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ مما اقترحوا فافعل المعنى انك لا تستطيع ذلك فاصبر
حتى يحكم الله وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ هدايتهم لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ولكن لم يشأ ذلك فلم يؤمنوا فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾
بذلك اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ دعاءك الى الايمان الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ سماع تفهم واعتبار وَالْمَوْتٰى اى الكفار شبههم
فى عدم السماع يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ فى الاخرة ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾ يُردّون فيجازيهم باعمالهم وَقَالُوْا اى كفار
مكة لَوْلَا هلا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ كالناقة والعصا والمائدة قُلْ لهم اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ بالتشديد
والتخفيف اٰيَةً مما اقترحوا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ اَنّ نزولها بلاءٌ عليهم لوجوب هلاكهم ان جحدوها
وَمَا مِنْ زائدةٌ دَآبَّةٍ تمشى فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ فى الهواء بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ فى تقدير خلقها
ورزقها واحوالها مَا فَرَّطْنَا تركنا فِى الْكِتٰبِ اللوح المحفوظ مِنْ زائدةٌ شَىْءٍ فلم نكتبه
ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ فيقضى بينهم ويقتص للجماء من القرناء ثم يقول لهم كونوا ترابًا
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا القراٰن صُمٌّ عن سماعها سماع قبول وَّبُكْمٌ عن النطق بالحق فِى الظُّلُمٰتِ الكفر
مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ اضلاله يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ هدايته يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ طريق مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ دين الاسلام قُلْ يا محمد
لاهل مكة اَرَءَيْتَكُمْ اخبروني اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ فى الدنيا اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ القيمة المشتملة عليه بغتة
اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ لا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ فى ان الاصنام تنفعكم فادعوها بَلْ اِيَّاهُ لا غيره تَدْعُوْنَ فى الشدائد
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اى يكشفه عنكم من الضر ونحوه اِنْ شَآءَ كشفه وَتَنْسَوْنَ تتركون مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ معه
من الاصنام فلا تدعونه.

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ نقصان میں پڑ گئے جنہوں نے بعث (سے انکار کے ذریعہ) اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی (حَتّٰی) تکذیب کی غایت ہے، یہاں تک کہ جب قیامت ان پر دفعۃً آ پہنچے گی تو یہ لوگ کہیں گے ہائے افسوس دنیا میں ہماری کوتاہی پر یہ شدت الم کا اظہار ہے، اور حسرت کو ندا دینا مجاز ہے، (یعنی) اے حسرت یہ تیری حاضری کا وقت ہے لہٰذا تو حاضر ہو جا، اور حال ان کا یہ ہوگا کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے، بایں صورت کہ ان کے اعمال بعث کے وقت نہایت بری صورت اور بدترین بدبو کے ساتھ آئیں گے اور ان کے اوپر سوار ہو جائیں گے، خوب سن لو بُری ہوگی وہ چیز جس کو وہ لادے ہوئے ہوں گے، یعنی ان کا ان اعمال کو اٹھانا (برا ہوگا) دنیاوی زندگی یعنی اس میں مشغول رہنا لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں رہی طاعات اور اس پر مدد کرنے والی چیزیں تو یہ امور آخرت میں سے ہیں اور دار آخرت شرک سے بچنے والوں کے لئے بہتر ہے، اور ایک قراءت میں وَلَدَارُ الآخرۃِ (اضافت کے ساتھ ہے) یعنی جنت کیا یہ لوگ اس کو سمجھتے نہیں ہیں؟ کہ ایمان لے آئیں (یعقلون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کی تکذیب کی باتیں آپ کو مغموم کرتی ہیں سو یہ لوگ (در حقیقت) آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ کی آیتوں قرآن کی تکذیب کرتے ہیں دل سے یہ بات جاننے کی وجہ سے کہ آپ سچے ہیں، اور ایک قراءت میں (یکذبوك) تخفیف کے ساتھ ہے یعنی کذب کی نسبت آپ کی طرف نہیں کرتے بلکہ درحقیقت اللہ کی طرف کرتے ہیں، اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے اس میں نبی ﷺ کے لئے تسلی ہے، سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا اور ان کو ایذاء پہنچائی گئی یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی ان کی قوم کو ہلاک کر کے، لہٰذا آپ بھی صبر کریں حتی کہ آپ کی قوم کو ہلاک کر کے آپ کی نصرت کی جائے اور اللہ کی باتوں یعنی وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعضے رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں جس سے آپ کے قلب کو تسکین ہوگی، اور اگر ان کا اسلام سے اعراض آپ کے ان پر حریص ہونے کی وجہ سے گراں گذرتا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ بنالو یا آسمانوں میں سیڑھی لگالو اور ان کا فرمائشی معجزہ لا سکتے ہو تو لے آؤ، مطلب یہ کہ یہ آپ سے نہ ہو سکے گا لہٰذا خدا کا حکم آنے تک صبر کرو، اور اگر اللہ کو ان کی ہدایت مقصود ہوتی تو ان سب کو (راہ) ہدایت پر جمع کر دیتا، لیکن اس نے نہ چاہا جس کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لائے، سو آپ اس معاملہ میں نادانوں میں سے نہ ہو جایئے آپ کی دعوت پر وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو عبرت اور سمجھنے کے ارادہ سے سنتے ہیں اور مُردوں یعنی کافروں کو مُردوں سے عدم سماع میں شبیہ دی ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں زندہ کریگا پھر سب اللہ کی طرف لائے جائیں گے اور ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی، اور کفار مکہ نے کہا ان کے اوپر ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی مثلاً اونٹنی اور عصا اور خوان کیوں نازل نہیں کی گئی؟ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بلاشبہ اس کی قدرت حاصل ہے کہ مطلوبہ معجزہ نازل فرمادے (ینزل) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں یقیناً ان کا نزول ان کے لئے آزمائش ہوگا ان معجزوں کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں ان کی ہلاکت کے واجب ہونے کی وجہ سے نہ زمین پر چلنے والے جانوروں کی کوئی قسم مِن زائدہ ہے اور نہ ہواہیں اپنے بازوؤں سے اڑنے والے پرندوں کی کوئی قسم

ایسی کہ جو ان کی تخلیق اور ان کے رزق اور ان کے احوال کی منصوبہ بندی میں تمہارے مانند نہ ہو، ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ لوح محفوظ میں نہ لکھ لی ہو من زائدہ ہے پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے، چنانچہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کردے گا، اور بے سینگ جانور کا بدلہ سینگ والے جانور سے دلوایا جائیگا، پھر ان سے اللہ فرمائیگا مٹی ہو جاؤ، اور جو لوگ ہماری آیتوں قرآن کی تکذیب کرتے ہیں وہ ان کو قبولیت کے کانوں سے سننے سے بہرے ہیں، اور حق بات کہنے سے گونگے ہیں، کفر کی ظلمتوں میں ہیں اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کو گمراہ کر دیتا ہے اور جس کی ہدایت چاہے تو اس کو راہ مستقیم یعنی دین اسلام پر گامزن کر دیتا ہے اے محمد ﷺ آپ اہل مکہ سے پوچھئے کہ مجھے بتاؤ اگر تمہارے اوپر دنیا میں عذاب آجائے یا اچانک قیامت آجائے جو عذاب پر مشتمل ہو تو کیا تم اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے؟ نہیں، اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ بت تم کو نفع دیں گے تو ان کو پکارو، بلکہ خاص اسی کو نہ کہ اس کے غیر کو مصائب میں پکارو گے، اگر وہ اس مصیبت کو ہٹانا چاہے تو جس کے ہٹانے کے لئے اس سے دعا کر رہے ہو ہٹا سکتا ہے اور جن بتوں کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو بھول بھال جاؤ (اور) ان کو نہ پکارو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: حتّٰی غَایَۃٌ للتکذیب، مطلب یہ ہے کہ حتّٰی تکذیب کی غایت ہے نہ کہ خَسِرَ کی اسلئے کہ ان کے خسران کی کوئی غایت نہیں ہے بخلاف تکذیب کے کہ دنیا میں تو تکذیب کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے مگر قیام قیامت کے بعد تکذیب کا سلسلہ موقوف ہو جائیگا۔

قولہ: بَغْتَۃً یہ باغتۃً کے معنی میں ہو کر حال ہے۔

قولہ: نِدَائُھَا مَجَازٌ، اس لئے کہ ندا اس کو دی جاتی ہے جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو، حسرت میں متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی لہٰذا حسرت کو عقلاء کے درجہ میں اتار کر ندا دی ہے۔

قولہ: ای الدنیا یہ فیھا کی ضمیر کے مرجع کا اظہار ہے حالانکہ ماقبل قریب میں کہیں دنیا کا ذکر نہیں مگر چونکہ ذہنی طور پر دنیا معلوم و متعین ہے اسلئے ضمیر اس کی طرف لوٹا دی گئی ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا اعتراض وارد نہ ہوگا۔

قولہ: حَمْلُھُمْ ذلك یہ مخصوص بالذم ہے۔

قولہ: وَلَدَارُ الآخِرَۃِ، اس میں اضافت موصوف الی الصفت ہے جو کہ اضافت الشئ الی نفسہ کے قبیل سے ہے لہٰذا مضاف الیہ محذوف مان کر تقدیر عبارت یہ ہوگی وَلَدَارُ الساعۃِ الآخرۃِ.

قولہ: ذلك یہ یعقلون کا مفعول ہے۔

سوال: فی البرِّ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس کا مقصد تعارض کا دفع کرنا ہے، (تعارض) لا یکذبوك اور یجحدون میں تعارض ہے، اسلئے کہ لا یکذبون کا

مطلب ہے تکذیب نہ کرنا اور یجحدون کا مطلب ہے تکذیب کرنا، (دفع) یعنی تکذیب نہیں کرتے قلب سے اور تکذیب کرتے ہیں زبان سے۔

قولہ: وَضَعَهُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، مطلب یہ ہے کہ لکنّھم کے بجائے لکن الظّلمین استعمال ہوا ہے، حالانکہ ضمیر کافی تھی، مگر چونکہ مقصد کافروں کی صفت ظلم کو بیان کرنا تھا جو ھم ضمیر سے نہیں ہوسکتا تھا، اسی لئے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے ہیں۔

قولہ: یکذبون، یَجْحَدُوْنَ کی تفسیر یکذبون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یجحدون کا تعدیہ بالباء، یکذبون کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

قولہ: فَافْعَلْ یہ استطعت کا جواب ہے، اور یہ جملہ شرطیہ ہو کر وَاِنْ کان کَبُرَ، کا جواب ہے۔

قولہ: فی الظلمٰت یہ مبتداء کی خبر ثالث ہے۔

قولہ: فَادْعُوْھا، یہ اِن کنتم صادقین کا جواب محذوف ہے۔

تفسیر و تشریح

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللّٰہِ (الآیۃ) اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خسارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے اپنی کوتاہیوں پر جس طرح نادم و پشیمان ہوں گے اور بُرے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے اس آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

کل قیامت کے دن آخرت کی بہبودی کے کام کرنے والے جب قسم قسم کے عیش و آرام میں ہوں گے اور اللہ کی ملاقات کے منکر نیز فکر آخرت سے عاری مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہوں گے تو یہ لوگ اپنے قصور پر نادم ہو کر حسرت اور افسوس کریں گے مگر اس حسرت و ندامت سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا، قتادہ کے قول کے مطابق ایسے لوگوں کی پیٹھ پر بوجھ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب بدکار لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے اعمال بد کو ایک بدصورت انسان کی شکل میں تبدیل کر دیا جائیگا اور وہ بدشکل آدمی ان لوگوں پر سوار ہو کر ان کو میدان حشر تک گھیر کر لیجائے گا، ایک روایت میں ہے کہ بد اعمال شخص کے قبر سے نکلتے ہی اس کے بُرے اعمال اس پر سوار ہو جائیں گے اور اسے کہیں گے کہ دنیا میں تو ہمارے اوپر سوار رہا اب ہم تیرے اوپر سوار ہوں گے۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ ایک غیر مادی شئی ہے، غیر مادی شئی پیٹھ پر کیسے لدے گی؟

جواب: بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں محض مجاز اور محاورہ مراد ہے، (قرطبی) لیکن یہ تسلیم کرنے میں بھی کہ آخرت میں مجردات بھی مادیات کی طرح باوزن اور مجسم ہوں گے اہل سنت والجماعت میں سے متعدد حضرات تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔ (روح)

شان نزول:

قد نعلم انّه لیحزنك الّذی یقولون (الآیۃ) ترمذی اور حاکم نے حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت کی ہے، اور ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور حاکم نے اس کو شرط شیخین پر صحیح کہا ہے کہ ایک روز ابوجہل نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ معاملات دنیا میں ہم تم کو سچا اور امانتدار مانتے ہیں، لیکن جس کلام کو تم خدا کی طرف سے نازل کردہ کہتے ہو ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور چونکہ آنحضرت ﷺ مشرکین کے جھٹلانے کی وجہ سے رنجیدہ ہوتے تھے اس آیت سے آپ کو تسلی دینا بھی مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکین کو آپ کی ذات سے کوئی غرض اور بحث نہیں ہے بلکہ وہ تو آپ کو ذاتی طور پر پسندیدہ امانتدار سمجھتے ہیں ان کی تکذیب کا مقصد تو اس کلام کی تکذیب ہے جس کو ہم آپ پر نازل کرتے ہیں، ابوجہل جو آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا اس کے بارے میں حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس نے خود آپ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا اِنا لانکذبك ولکن نکذبُ ما جئت به، ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے مگر جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اسے جھوٹ قرار دیتے ہیں جنگ بدر کے موقع پر اخنس بن شریق نے تنہائی میں ابوجہل سے پوچھا کہ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں ہے سچ بتاؤ کہ تم محمد کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا، اس نے جواب دیا خدا کی قسم محمد ایک سچا آدمی ہے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، مگر جب لواء اور سقایہ اور حجابہ اور نبوت سب کچھ ابن قصی ہی کے حصہ میں آجائے تو بتاؤ باقی تمام قریش کے پاس کیا رہ گیا؟ اسی بناء پر یہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دے رہا ہے کہ تکذیب دراصل تمہاری نہیں بلکہ ہماری کی جارہی ہے اور جب ہم تحمل و بردباری کے ساتھ اسے برداشت کئے جارہے ہیں اور ڈھیل پر ڈھیل دیئے جارہے ہیں تم کیوں مضطرب ہوتے ہو، آگے مزید تسلی کے لئے فرمایا، یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پیغمبروں کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی بہت رسول گذر چکے ہیں جن کی تکذیب کی جاتی رہی، جس طرح انہوں نے صبر و حوصلے سے کام لیا آپ بھی صبر و حوصلے سے کام لیجئے، جس طرح سابق رسولوں کے پاس ہماری مدد آئی آپ کے پاس بھی ہماری مدد آجائے گی۔

وَاِن کان کَبُرَ عَلَیْكَ اِعْراضهم (الآیۃ) مشرکین مکہ کا یہ مطالبہ تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو انکے ساتھ کوئی نشان ہمیشہ رہنا چاہئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے، چونکہ آپ ﷺ تمام انسانوں خصوصاً قریش کی ہدایت پر بہت حریص تھے شاید آپ کے دل میں یہ بات آئی ہو کہ کاش ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے تو شاید ان کا کفر ٹوٹ جائے جس کی وجہ سے قوم کی ہدایت کے راستے کھل جائیں، اسلئے حق تعالیٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ تلوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو تکوین کا مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ تو خدا اس پر بھی قادر ہے کہ پیغمبروں کے توسط اور نشانیوں کے بغیر سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دے، جب خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین میں سرنگ بنا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی معجزہ لا کر دکھادے خدا کے قوانین حکمت و تدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی امید رکھنا نادانوں کا کام ہے، تاہم اگر

لوگوں کے موجودہ جمود اور ان کے انکار کی سختی پر آپ سے صبر نہیں ہوسکتا اور آپ کو گمان ہے کہ اس جمود کو توڑنے کیلئے کسی محسوس نشانی کا مشاہدہ کرنا ہی ضروری ہے تو خود زور لگاؤ اور اگر تمہارا بس چلے تو زمین میں گھس کر یا آسمان پر چڑھ کر کوئی ایسا معجز لانے کی کوشش کرو جسے تم سمجھو کہ یہ بے یقینی کو یقین میں تبدیل کردینے کے لئے کافی ہے مگر ہم سے امید نہ رکھو کہ ہم تمہاری ب خواہش پوری کریں گے، اسلئے کہ تدبیر وحکمت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایّاہ تعبدون ان کنتم صٰدقین، گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم ایک نشانی کا مطالبہ کرتے ہو حالانکہ تمہارے گرد پیش میں ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں بکھری پڑی ہیں، کائناتی نشانیوں کے علاوہ خود منکرین حق کے اپنے نفس میں نشانی موجو ہے، جب انسان پر کوئی بڑی آفت آجاتی ہے یا موت اپنی بھیانک صورت کے ساتھ سامنے آکھڑی ہوتی ہے تو اس ایک خدا ک دامن کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ اسے نظر نہیں آتی، بڑے سے بڑے مشرک ایسے موقع پر اپنے معبودوں کو بھول کر خدائے وحدہٗ شریک لہٗ کو پکارنے لگتے ہیں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو اسی نشانی کے مشاہدہ سے ایمان کی توفیق نصیب ہوئی، جب مکہ معظمہ نبی کری ﷺ کے دست مبارک پر فتح ہوگیا تو عکرمہ گرفتاری کے خوف سے جدہ کی طرف بھاگے اور ایک کشتی پر سوار ہوکر حبشہ کی راہ لی راستہ میں کشتی طوفانی موجوں سے دوچار ہوکر گرداب میں پھنس گئی اول اول تو دیویوں اور دیوتاؤں کو پکارا جاتا رہا مگر جب طوفا کی شدت بڑھتی ہی چلی گئی اور مسافروں کو یقین ہوگیا کہ اب کشتی یقیناً غرق ہوجائیگی تو سب کہنے لگے یہ وقت خدا کے سوا کسی ک پکارنے کا نہیں ہے اگر وہی چاہے تو ہم بچ سکتے ہیں، اس وقت عکرمہ کی چشم عبرت کھلی اور اس کے دل نے آواز دی کہ اگر یہاں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں تو پھر کہیں اور کیوں ہو؟ یہی وہ بات ہے جسکو وہ نیک بندہ ہمیں کئی برس سے سمجھا رہا ہے اور ہم خواہ مخواہ اس سے لڑ رہے ہیں یہ عکرمہ کی زندگی میں فیصلہ کن لمحہ تھا، انہوں نے اسی وقت خدا سے عہد کیا کہ اگر میں اس طوفان سے بچ گیا سیدھا محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا چنانچہ انہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور بہت خوب پورا کیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن زائدة **قَبْلِكَ** رُسُلاً فكذّبوهم **فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ** شدّة الفقر **وَالضَّرَّاءِ** المرض **لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ** (٤٢) يَتذلّلون فيؤمنون **فَلَوْلَا** فهلا **إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا** عذابنا **تَضَرَّعُوا** اى لم يفعلوا ذلك مع قيام المقتضى ل **وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ** فلن تلن للايمان **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** (٤٣) من المعاصى فاصرّوا عليه **فَلَمَّا نَسُوا** تركوا **مَا ذُكِّرُوا** وُعِظوا وخُوّفوا **بِهِ** من البأساء والضرّاء فلم يتّعظوا **فَتَحْنَا** بالتخفيف والتشديد **عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ** من النعم استدراجا لهم **حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا** فرح بطر **أَخَذْنَاهُم** بالعذاب **بَغْتَةً** فجأة **فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ** (٤٤) آئسون من كل خير **فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا** اى آخرهم با استُوصلوا **وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** (٤٥) على نصر الرسل وهلاك الكفرين **قُلْ** لاهل مكة **أَرَأَيْتُم** اخبرونى **إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ** اصمّكم **وَأَبْصَارَكُمْ** اعماكم **وَخَتَمَ** طبع **عَلَىٰ قُلُوبِكُم** فلا تعرفون شي **مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ** بما اخذه منكم بزعمكم **انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ** نبيّن **الْآيَاتِ** الدلالات على وحدانيت

ہُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ عنہا فلا یؤمنون قُلْ لہم اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْ جَہْرَۃً لیلاً او نہارًا
ہَلْ یُہْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ الکافرون ای ما یُہلَکُ الا ہم وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ من اٰمن
بالجنۃِ وَمُنْذِرِیْنَ من کفر بالنار فَمَنْ اٰمَنَ بہم وَاَصْلَحَ عَمَلَہٗ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ فی
الاخرۃِ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّہُمُ الْعَذَابُ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَخرُجُوْنَ عن الطاعۃِ قُلْ لہم
لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ التی منہا یرزُقُ وَلَآ انی اَعْلَمُ الْغَیْبَ ما غابَ عنی ولم یُوْحَ الیَّ
وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ من الملئکۃِ اِنْ ما اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ قُلْ ہَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی الکافرُ وَالْبَصِیْرُ
المؤمنُ لا اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فی ذلک فتؤمِنُون.

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سی) قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے مِــــن زائدہ ہے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی، تو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری میں پکڑا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں (یعنی) عاجزی کریں اور ایمان لے آئیں سو جب ان کو ہمارا عذاب پہنچا تو انہوں نے عاجزی کیوں اختیار نہ کی؟ یعنی انہوں نے عاجزی اختیار نہیں کی حالانکہ اس کا مقتضی موجود تھا، لیکن ان کے قلوب (مزید) سخت ہو گئے جس کی وجہ سے ایمان لانے کے لئے نرم نہیں پڑے اور شیطان ان کے برے اعمال کو انکی نظر میں آراستہ کر کے پیش کرتا رہا اور وہ ان ہی اعمال پر مصر رہے پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی اور جس کے ذریعہ مصائب و آلام سے ڈرایا گیا تھا تو انہوں نے نصیحت حاصل نہ کی تو ہم نے ان کے لئے ڈھیل کے طور پر ہر قسم کی خوشحالی کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ بخششوں میں اترانے کے طور پر مگن مست ہو گئے تو ہم نے ان کو عذاب میں اچانک پکڑ لیا (تو اب صورت حال یہ ہوئی) کہ وہ ہر خیر سے ناامید ہو گئے چنانچہ اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی (یعنی) ان کے آخری فرد کی بھی جڑ کاٹ دی گئی، بایں طور کہ ان کو بالکلیہ جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا اور رسولوں کی نصرت اور کافروں کی ہلاکت پر تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے، (اے محمد) اہل مکہ سے کہو تم مجھے بتاؤ اگر اللہ تمہاری قوت سماعت لے لے (یعنی) تم کو بہرہ کر دے اور تمہاری بینائی سلب کر لے بایں طور کہ تم کو اندھا کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے کہ تم کچھ نہ سمجھ سکو، اللہ کے سوا تمہارے خیال میں کون معبود ہے کہ سلب کردہ تمہاری ان قوتوں کو واپس دلا دے؟ دیکھو ہم اپنی وحدانیت پر کس طرح بار بار دلائل پیش کر رہے ہیں پھر (بھی) وہ اس سے اعراض کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے، آپ ان سے پوچھو کہ کبھی تم نے سوچا کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا علانیہ رات میں یا دن میں آجائے تو ظالموں کافروں کے سوا کون ہلاک ہوگا یعنی کافروں کے سوا کوئی ہلاک نہ ہوگا، ہم رسول صرف اسی لئے بھیجتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو جہنم سے ڈرائیں، سو جوان پر ایمان لایا اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی ان کے لئے آخرت میں کسی خوف و رنج کا موقع نہیں اور جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں تو ان کو اپنے اعمال فاسقہ کی وجہ سے سزا بھگتنی ہی

ہوگی، یعنی ان کے حد طاعت سے نکل جانے کی وجہ سے، (اے محمد) تم ان سے کہدو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جس میں سے وہ رزق دیتا ہے اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں یعنی جو مجھ سے غائب ہے اور حال یہ کہ میری طرف (اس کے بارے میں) وحی نہ بھیجی گئی ہو اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہوں میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، پھر ان سے پوچھو کہ اندھا (یعنی) کافر، اور بینا (یعنی) مومن دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، کیا تم اس میں غور نہیں کرتے؟ کہ ایمان لے آؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مِن زائدۃٌ، مِن قَبْلِکَ میں مِن زائدہ ہے، اس لئے کہ ظرف حرف جر کا متقاضی نہیں ہے۔

قولہ: رُسُلاً، یہ اَرْسَلْنا کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: فکَذَّبُوْھُمْ.

سوال: فکذبوھم محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: تاکہ فاخذناھم، کی تفریع درست ہو جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اممٍ من قبلِکَ رُسُلاً فکذبوھم فاخذنٰھم"، ورنہ تو محض ارسال رسل پر مؤاخذہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قولہ: اخذہٗ منکم.

سوال: اخذہٗ میں ضمیر کو واحد کس لئے لائے ہیں حالانکہ اس کا مرجع جمع ہے؟

جواب: ماخوذ مذکور کی تاویل کی وجہ سے ضمیر واحد لائے ہیں۔

قولہ: بزعمکم، کا تعلق مَن اللّٰہ سے ہے، یعنی وہ اِلٰہ کہ جس کو تم اِلٰہ سمجھتے ہو۔

تفسیر و تشریح

فَلَوْلَا اِذْ جَاءَ ھُم بَاْسُنَا تضرعوا (الآیۃ) قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو زنگ آلود کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کا عذاب بھی انھیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتا ہے پھر اس کے ہاتھ طلب مغفرت کیلئے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے نہ ان کے دل اس بارگاہ میں جھکتے ہیں اور نہ ان کے رخ اصلاح کی طرف مڑتے ہیں بلکہ اپنی بداعمالیوں پر تاویلات اور توجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں، اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لئے خوبصورت بنا دیا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحنا عَلَیْھِم ابوابَ کلِّ شئٍ (الآیۃ) اس آیت میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ

الی فرماتے ہیں کہ ہم بعض دفعہ وقتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں لک کہ جب وہ اس میں خوب مگن مست ہو جاتی ہیں اور مادی خوشحالی وترقی پر اترانے لگتی ہیں تو پھر ہم اچانک انھیں اپنی گرفت ں لے لیتے ہیں، اوران کی جڑ ہی کاٹ کرر کھ دیتے ہیں، حدیث میں بھی وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، کہ جب تم دیکھو کہ لٰہ تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ استدراج (ڈھیل) ہے، پھر آپ نے یہی یت تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد)

قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ دنیوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایسے افراد یا م خدا کے چہیتے اور محبوب ہیں۔

قُلْ لَا اقولُ لکم عندی خزائن اللّٰہ، آپ کہہ دیجئے کہ میں خدائی خزانوں کا مالک نہیں ہوں کہ میں تمہیں خدا کے ن ومشیت کے بغیر تمہارا فرمائشی معجزہ دکھا سکوں میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنیوالے حالات سے تمہیں طلع کرسکوں مجھے فرشتہ ہونیکا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے خرق عادت امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے باہر ہوں میں تو صرف ں وحی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اس میں حدیث بھی شامل ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا، ''اُوتیتُ القرآن ومثله عهٗ'' مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا ہے وہ مثل حدیث رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔

وَاَنْذِرْ خوّف بِهِ بالقراٰن الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اى غيرِه وَلِيٌّ يَنصُرُهم وَّلَا شَفِيْعٌ يَشفَعُ لهم وجملةُ النفى حالٌ من ضميرِ يُحشَرُوْا وهى محلُّ الخوفِ والمرادُ بهم المؤمنون لعاصُوْنَ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ اللّٰهَ باِقْلاعِهم عماهم فيه وعملِ الطاعاتِ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ بعبادتِهم وَجْهَهٗ تعالى لا شيئًا من اَغْراضِ الدنيا وهم الفقراءُ وكان لمشركون طَعَنُوْا فيهم وطَلَبُوْا ان يَطْرُدَهم لِيُجالِسُوْه واَرادَ النبىُّ صلى الله عليه وسلم ذلك طَمَعًا فى سلامِهم مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ زائدة شَيْءٍ ان كان باطنُهم غيرَ مَرضِىٍّ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ جوابُ النَّفْىِ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ان فَعَلْتَ ذلك وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا ابْتَلَيْنَا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ى الشريفَ بالوضيعِ والغنِىَّ بالفقيرِ بان قَدَّمْنَاهُ بالسبقِ الى الايمانِ لِّيَقُوْلُوْٓا اى الشُرفاءُ والاغنياءُ منكرين اَهٰٓؤُلَاۗءِ الفقراءُ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا بالهدايةِ اى لو كان ماهم عليه هدى ماسَبَقُونَا اليه قال تعالى اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ له فيَهدِيهم بلى وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ لهم سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ قضى رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ اى الشانَ وفى قراءةٍ بالفتح بَدَلٌ من الرَّحمةِ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ منه حيثُ اِرتَكَبَهٗ ثُمَّ تَابَ رَجَعَ مِنْۢ بَعْدِهٖ بعدِ عَمَلِه عنه وَاَصْلَحَ عَمَلَهٗ فَاَنَّهٗ اى اللّٰهَ غَفُوْرٌ له رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ به وفى قراءةٍ بالفتح اى فالمغفرةُ له وَكَذٰلِكَ كما بَيَّنَّا ما ذُكِرَ نُفَصِّلُ نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ القراٰنَ ليظهر الحقُّ فيُعمَلَ به

وَلِتَسْتَبِيْنَ تَظْهَرَ سَبِيْلُ طريقُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾ فتُجْتَنَبُ وفي قراءةٍ بالتحتانيةِ وفي أُخرىٰ بالفوقانيةِ ونَصْبِ سبيلِ خطابٌ للنبيِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اور آپ قرآن کے ذریعہ ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے سامنے ایسی حالت میں جائیں گے کہ ان کا اس کے سوانہ کوئی ولی ہوگا جو ان کی مدد کر سکے اور نہ شفیع کہ ان کی شفارش کر سکے، اور جملہ منفیہ یُحشروا کی ضمیر سے حال ہے اور یہی محل خوف ہے اور مراد اس سے عصاۃ المومنین ہیں، توقع ہے کہ وہ اپنے معمولات کو چھوڑ کر اور اعمال طاعت کو اختیار کر کے خدا ترسی کی روش اختیار کرلیں، اور ان لوگوں کو (مجلس سے) نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں ان کا مقصد ان کی عبادت سے محض خدا کی ذات ہے نہ کہ دنیا کی اور کوئی غرض اور وہ فقراء (نادار) تھے اور مشرکین ان کے بارے میں طعنہ زنی کرتے تھے اور اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ ان کو (مجلس سے) نکالدیں تاکہ وہ آپ کی مجلس میں بیٹھیں، اور آپ ﷺ نے ان کے اسلام کی خواہش کے پیش نظر اس کا ارادہ بھی کرلیا تھا۔ اگر ان (فقراء) کا باطن ناپسندیدہ ہوتو ان کا ذرہ برابر حساب آپ کے ذمہ نہیں، مِن زائدہ ہے اور نہ ذرہ برابر آپ کا حساب ان کے ذمہ ہے کہ آپ ان کو (مجلس) سے نکالدیں یہ جواب نفی ہے، اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کا شمار ظالموں میں ہوجائیگا، اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے یعنی شریف کو کمینہ کے ذریعہ اور مالدار کو فقیر کے ذریعہ بایں طور کہ ہم نے اس کو ایمان کی طرف سبقت کرنے میں مقدم کردیا، تاکہ شرفاء اور اغنیاءِ منکرین کہیں کیا یہی فقراء ہیں جن پر ہم میں سے ہدایت کا اللہ نے انعام فرمایا یعنی جس (طریقہ) پر یہ ہیں اگر وہ ہدایت ہوتا تو یہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ اپنے شکر گذاروں کو بخوبی جانتا ہے کہ ان کو ہدایت دے، ہاں کیوں نہیں، اور جب وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاچکے ہیں آپ کے پاس آئیں تو ان سے کہئے تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے ذمہ رحمت کو لازم کرلیا ہے یہ اس کا رحم وکرم ہی تو ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کی وجہ سے کسی برائی کا ارتکاب کربیٹھا (اور) پھر اس ارتکاب کے بعد اس نے اس برائی سے توبہ کرلی اور اپنے عمل کی اصلاح کرلی تو اللہ اسے معاف کردیتا ہے اور ایک قراءت میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے (یعنی) اس کے لئے مغفرت ہے، اور جس طرح ہم نے یہ مذکورہ مضمون بیان کیا ہے اسی طرح ہم قرآن کی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ حق ظاہر ہوجائے اور اس پر عمل کرے، اور تاکہ مجرموں کی راہ بالکل واضح ہوجائے تاکہ اس سے اجتناب کیا جائے، اور ایک قراءت میں (یَسْتَبِیْن) یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں (تاء) فوقانیہ کے ساتھ اور سبیل نصب کے ساتھ ہے (اس صورت میں) خطاب نبی ﷺ کے لئے ہوگا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وجُمْلَةُ النَّفْيِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُحْشَرُوْا، اس میں اشارہ ہے کہ جملہ منفیہ، اَلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ کی صفت نہیں ہے اسلئے کہ الذین معرفہ ہے اور جملہ منفیہ نکرہ اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوتا اور نہ یُحشروا کی ضمیر سے صفت ہے اس لئے

کہ قاعدہ مشہور ہے الضمیر لا یوصف و لا یوصف به، بلکہ یُحشروا کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: وهِیَ مَحَلُّ الْخَوْفِ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: حشر سے ڈرانے سے کیا مقصد ہے؟ جبکہ حشر تو لامحالہ واقع ہونے ہی والا ہے اس سے ڈرانا ممکن نہیں ہے کہ انذار مفید ہو۔

جواب: محل انذار یعنی مخوف بہ ایسی حالت میں حشر ہے کہ ان کا کوئی والی اور ناصر نہ ہو، اور مراد الذین یخافون سے گنہگار مومنین ہیں، اسلئے کہ جو شخص حشر کا یقین وعقیدہ ہی نہ رکھتا ہو تو اس کو ڈرانا بے سود ہے اور جو پہلے ہی سے متقی ہے اس کو ڈرانا تحصیل حاصل ہے، لہٰذا متعین ہو گیا کہ جن کو ڈرانے کا حکم دیا جارہا ہے وہ عصاۃ المومنین ہیں۔

قولہ: جواب النفی، یعنی فَتَطْرُدَهُمْ، مَا عَلَيْكَ مِن حسابهم کا جواب ہے، یہ تطردَ کے نصب کی وجہ کا بیان ہے۔

قولہ: ان کَانَ بَاطِنُهُمْ غَيْرَ مَرْضِیٍّ، یعنی بقول المشرکین.

قولہ: اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ، اس میں اشارہ ہے کہ فتکون شرط محذوف کی جزاء مقدم ہے لہٰذا جواب نفی کی تکرار کا شبہ ختم ہو گیا۔

قولہ: بالسبقِ ای بسبب السبق.

قولہ: لِیقولوا میں لام عاقبت کا ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ابتلاء کی علت قول مذکور کو قرار دینا درست نہیں ہے۔

قولہ: قضیٰ، کتبَ کی تفسیر قضیٰ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مراد وعدۂ موکد ہے نہ کہ فرض اور الزام۔

قولہ: وفی قِرَاءَةٍ بِالْفَتْحِ، فتحہ کی صورت میں رحمة سے بدل ہے اور کسرہ کی صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا، جو کہ سوال مقدر کا جواب ہوتا ہے یعنی رحمت کے بارے میں سوال کیا ''ما ھی'' اور مَن عمل الخ پورا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

قولہ: فالمَغْفِرَةُ له، اس میں اشارہ ہے کہ اَنَّهٗ میں اَنَّ مع اپنے اسم کے مبتداء ہے اور لَهٗ اس کی خبر ہے۔

قولہ: لِیَظْهَرَ الْحَقُّ، اس میں اشارہ ہے کہ لتستبین کا عطف علت مقدرہ پر ہے لہٰذا سابق پر عطف کی عدم صحت کا شبہ ختم ہو گیا آیات کی تفصیل بصیغۂ مضارع کرنے کا مقصد استمرار ہے لہٰذا تخصیص بالمستقبل کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: وفی قِرَاءَةٍ بالتحتانیه، یعنی ایک قراءت میں لِیستبین، یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور السبیل اس کا فاعل ہے اور سبیل چونکہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے لہٰذا عدم مطابقت کا اعتراض بھی نہ ہوگا، اور السبیل کے نصب کی صورت میں تستبین کا مفعول ہوگا، صیغۂ خطاب کی صورت میں مخاطب آپ ﷺ ہوں گے۔

تفسیر وتشریح

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ الخ، اس آیت میں عُصاۃ المومنین کا ذکر ہے نہ کہ منکرین حشر ونشر کا، مطلب یہ ہے کہ انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہوسکتا ہے جو توحید اور حشر ونشر کے عقیدہ کے باوجود عملی کوتاہی کے بھی مرتکب

ہوئے ہوں ورنہ جو شخص بعث بعد الموت اور آخرت میں جوابدہی کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اور وہ اپنے کفر وجحود پر قائم ہو اس کو نہ اند
فائدہ دے سکتا ہے اور نہ کسی کی سفارش کام آسکتی ہے، نبی کا وعظ ونصیحت تو سب کے لئے یکساں ہوتا ہے مگر اپنی اپنی صلاحیت
واستعداد کے مطابق ہی اثر قبول کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں اسی مضمون کی ایک حدیث ابوموسیٰ اشعری رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے قرآن
کی نصیحت کی مثال بارش کی اور امت کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہے یہ حدیث گویا کہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

شانِ نزول:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم الخ، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان وغیرہ کی روایتوں سے اس آیت کا جو شان نزول متعین کیا
گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور مطعم بن عدی اور حارث بن نوفل نے جو قریش کے سرداروں اور
شرفاء میں شمار ہوتے تھے ایک روز آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ بلال، عمار بن یاسر، صہیب، خباب فقراء ومساکین کا
آپ کے اردگرد ہجوم رہتا ہے اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹادیں تو ہم بھی آپ کی مجلس میں بیٹھیں، ہمیں ان کے جبّوں سے بدبو
آتی ہے اور چھوٹے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں ہمیں شرم آتی ہے اور ہم ایسے معمولی لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے
ہیں۔ چونکہ اللہ کے نزدیک ایسی شرافت وامارت سے زیادہ اخلاص مقبول ہے اور یہ فقراء مسلمین اخلاص کے ساتھ آپ کی مجلس
میں حاضر ہوتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اشراف قریش کا مشورہ ماننے سے منع کردیا، اور مذکورہ آیت نازل فرمائی، ابتداء میں اکثر
غریب ونادار قسم کے لوگ مشرف باسلام ہوئے تھے، یہی چیز رؤساء کفار کی آزمائش کا ذریعہ بن گئی اور وہ ان فقراء ومساکین کا
مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا انھیں ایذاء رسانی سے بھی نہ چوکتے اور کہتے کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی کوئی خیر کی چیز
ہوتی تو سب سے پہلے اس کی طرف ہم سبقت کرتے اور ہم نے سبقت نہیں کی تو اس سے ظاہر ہوگیا کہ یہ کوئی خیر وشرف کی چیز
نہیں ایک دوسرے مقام پر فرمایا "لو کان خیرًا ما سَبَقونا". (احقاف)

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، ٹھاٹھ باٹھ اور رئیسانہ کرّ وفر وغیرہ نہیں دیکھتا اور نہ شکل وصورت ورنگ وروپ کو
دیکھتا ہے وہ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے لہٰذا وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گذار اور حق شناس بندے کون ہیں؟ جس میں شکر گذاری
کی خوبی دیکھی انھیں ایمان کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ فی عبادتها قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا
ان اتبعتها وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿٥٦﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ بیان مِّنْ رَّبِّیْ وَ قد كَذَّبْتُمْ بِهٖ بربی حیث اشرکتم
مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ من العذاب اِنِ ما الْحُكْمُ فی ذلك وغیره اِلَّا لِلّٰهِ وحده يَقُصُّ القضاء
الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿٥٧﴾ الحاکمین وفی قراءة يَقُصُّ ای یقول قُلْ لهم لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ بان اعجلهُ لكم واستريحَ ولكنه عند اللهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ متى يُعَاقِبُهم وَعِنْدَهُ تعالى مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خزائنُهُ او الطُّرُقُ الموصلةُ الى علمهِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وهي الخمسةُ التي في قولهِ ان اللّٰهَ عندَهُ علم الساعة الآيةَ كما رَواه البخاري وَيَعْلَمُ ما يَحدُثُ مَا فِي الْبَرِّ القِفار وَالْبَحْرِ القرى التي على الانهار وَمَا تَسْقُطُ مِنْ زائدةٌ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ عطفٌ على ورقةٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾ هو اللوحُ المحفوظُ والاستثناءُ بدلُ اشتمال من الاستثناء قَبلَهُ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ يَقبِضُ ارْوَاحَكُمْ عند النومِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ كَسَبْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ اى النهار بردِ ارْوَاحِكُمْ لِيُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى هو اَجَلُ الحيوةِ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ بالبعثِ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ فيجازيكم به.

ترجمہ: (اے محمد ﷺ ان سے) کہو کہ اللہ کے سوا جن کی تم بندگی کرتے ہو ان کی بندگی کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے، (اور ان سے یہ بھی) کہو کہ ان کی بندگی کرنے میں، میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، اگر میں نے خواہشات کی پیروی کی تو میں گمراہ ہوگیا، اور میں ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہا، کہو کہ میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم نے میرے رب کو چھوڑ دیا ہے اس لئے کہ تم نے شرک کیا، جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ میرے اختیار میں نہیں ہے اس معاملہ میں اور دیگر معاملات میں صرف اللہ وحدہ ہی کا حکم چلتا ہے وہی برحق فیصلہ کرتا ہے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور ایک قراءت میں (یقضِ کے بجائے) یقصُّ ہے بمعنی یقول، کہو اگر وہ چیز جس کی تم جلدی مچا رہے ہو میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا بایں طور کہ میں اس میں تمہارے لئے جلدی کرتا اور راحت حاصل کرتا لیکن وہ اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ ظالموں کو کب سزا دے اسی کے پاس غیب کے خزانوں کی کنجیاں ہیں یا غیب کے علم تک رسائی کے طریقے اسی کے پاس ہیں ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ پانچ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول "اِنّ اللّٰہ عندہ علم الساعۃ" (الآیۃ) میں ہے، کما رواہ البخاری اور بحر و بر میں جو کچھ رونما ہوتا ہے وہ جانتا ہے، (یعنی) چٹیل میدانوں اور ان بستیوں میں جو نہروں کے کنارہ پر واقع ہیں درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں کہ جس کا اسے علم نہ ہو اور نہ کوئی دانہ جو زمین کی تاریکیوں میں ہو اور نہ خشک و تر جو کتاب مبین (یعنی) لوح محفوظ میں نہ ہو اس کا عطف وَرَقَۃٌ پر ہے، اور (دوسرا) استثناء اپنے ماقبل کے استثناء سے بدل الاشتمال ہے وہ وہی ذات ہے جو رات کو نیند میں تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو اس سے وہ بخوبی واقف ہے تمہاری روحوں کو لوٹا کر (دوسرے) دن تم کو زندہ کر دیتا ہے تاکہ تم زندگی کی مدت پوری کرو اور وہ مدت حیات ہے آخر کار بعث کے ذریعہ اسی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے اور اس کی تم کو جزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: قد کَذَّبْتُمْ.

سوال: قد محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: ماضی چونکہ بغیر قد کے حال واقع نہیں ہوسکتی اسلئے یہاں قد مقدر مانا۔

قولہ: القَضَاءَ الحقَّ.

سوال: القضاءَ، کے محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ الحقَّ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے لہٰذا اب یہ احتمال ختم ہوگیا کہ الحقّ لفظ کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قولہ: وفی قراءة یَقُصُّ، ای یقص الحقّ بمعنیٰ یقول الحقّ.

قولہ: المَفَاتِحُ یہ، مفتح بکسر المیم کی جمع ہے بمعنی کنجی، اور کہا گیا ہے کہ مَفتح بفتح المیم کی جمع ہے بمعنی خزانہ

قولہ: القَفْرُ خالی زمین چٹیل میدان، القفار و القفور، قَفر کی جمع ہیں۔

قولہ: الطُرُقُ المُوْصِلہ الی عِلْمِہ، یہ استعارہ بالکنایہ کے طور پر ہے۔

قولہ: بَدَلُ الِاشْتِمَال مِنَ الِاسْتِثْنَاءِ قبلہٗ، یعنی اِلَّا فی کتاب مبین یہ استثناء اول یعنی اِلَّا یعلمھا، سے بدل الاشتمال ہے یہ صاحب کشاف پر رد ہے اسلئے کہ صاحب کشاف نے استثناء ثانی کو اول کی تاکید قرار دیا ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

قُلْ اِنِّی نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (الآیۃ) جیسا کہ "قل یا ایھا الکافرون" کے شان نزول میں احادیث میں وارد ہوا ہے کہ مشرکین مکہ کی یہ فرمائش تھی کہ ایک سال آپ ﷺ اور مسلمان ہمارے بتوں کی بندگی کرلیا کریں اور ایک سال ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرلیا کریں گے تاکہ آپس کا نزاع ختم ہوجائے، اسی پر آنحضرت ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ اے محمد تم ان مشرکوں سے کہدو کہ اگر میں ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر تمہاری خواہش کے مطابق غیر اللہ کی بندگی شروع کردوں تو یقیناً میں بھی گمراہ ہوجاؤں گا، مجھے اللہ کی طرف سے بتوں کی بندگی کرنے سے ممانعت کردی گئی ہے اگر میں ایسا کروں گا تو میں ملتِ ابراہیمی سے تمہاری طرح بھٹک جاؤں گا، اور میں ایسا کر بھی کیسے سکتا ہوں

میرے پاس تو اس بات کی قرآنی شہادت موجود ہے کہ ملت ابراہیمی میں بت پرستی کا کہیں پتہ نہیں ہے تم لوگوں نے بے سند ملت ابراہیمی کو بگاڑ دیا ہے قرآن کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہو اور جب تم کو خدائی عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ بنکر اس عذاب کی جلدی مچاتے ہو، وہ عذاب کچھ میرے اختیار میں نہیں ہے جو تم مجھ سے اس کے جلدی لانیکا مطالبہ کرتے ہو وہ عذاب تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے وقت آنے پر اس کا فیصلہ وہ خود فرمائیگا، دنیا میں اس عذاب کا ظہور بدر کی لڑائی کے وقت ہو چکا ہے، مشرکوں میں سے بڑے بڑے سرکش عذاب الٰہی کی جلدی کرنے والے ستر آدمی بڑی ذلت سے مارے گئے اور ستر قید کر لئے گئے، عقبیٰ کا عذاب بھی اللہ کے وعدے کے مطابق وقت مقررہ پر آجائیگا۔

وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الّا هو، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، غیب کے تمام خزانے اسی کے پاس ہیں، حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ مفاتح الغیب پانچ ہیں، قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا بچہ، آئندہ کل پیش آنیوالے واقعات اور موت کا مقام، کہ موت کہاں آئے گی، مذکورہ پانچوں باتوں کا صحیح علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۂ انعام)

وَهُوَ الْقَاهِرُ مستعليًا **فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً** ملئكةً تُحْصِي اعمالكم **حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ** وفي قراءةٍ تَوَفَّاهُ **رُسُلُنَا** الملئكةُ المُوَكَّلُوْنَ بقَبْضِ الارواحِ **وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ** ﴿۶۱﴾ يُقصِّرُوْنَ فيما يُؤمَرُوْنَ **ثُمَّ رُدُّوْٓا** اي الخلقُ **اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ** مالكِهم **الْحَقِّ** الثابتِ العادلِ لِيُجازِيَهم **اَلَا لَهُ الْحُكْمُ** القضاءُ النافذُ فيهم **وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ** ﴿۶۲﴾ يُحاسِبُ الخلقَ كلَّهم في قدرِ نصفِ نهارٍ من اَيّامِ الدنيا لحديثٍ بذلك **قُلْ** يا محمدُ لاهلِ مكةَ **مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** اَهْوَالِهما في اسفارِكم حينَ **تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا** علانيةً **وَّخُفْيَةً** سِرًّا تقولون **لَئِنْ** لامُ قسمٍ **اَنْجٰنَا** وفي قراءةٍ اَنْجَانَا اي اللّٰهُ **مِنْ هٰذِهٖ** الظلماتِ والشدائدِ **لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ** ﴿۶۳﴾ المؤمنين **قُلِ** لهم **اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ** بالتخفيفِ والتشديدِ **مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ** غَمٍّ سِواها **ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ** ﴿۶۴﴾ به **قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ** من السَّماءِ كالحجارةِ والصَّيحةِ **اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ** كالخسفِ **اَوْ يَلْبِسَكُمْ** يَخْلِطَكم **شِيَعًا** فِرَقًا مختلفةَ الاهواءِ **وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ** بالقتالِ قال صلى اللّٰه عليه وسلم لما نَزَلَتْ هذا اَهْوَنُ واَيْسَرُ ولَمّا نَزَلَ ما قبلَهٗ قالَ اعوذُ بوجهِكَ رواهُ البخاري وروى مسلمٌ حديثَ سَأَلْتُ ربي ان لا يَجْعَلَ بَاْسَ اُمَّتِيْ بينهم فَمَنَعَنِيْها وفي حديثٍ لما نَزَلَتْ قال اما اَنَّها كائنةٌ ولم يَاْتِ تاويلُها بَعْدُ **اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ** نُبَيِّنُ لهم **الْاٰيٰتِ** الدالّاتِ على قُدْرَتِنا **لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ** ﴿۶۵﴾ يعلمون انّ ماهم عليه باطلٌ **وَكَذَّبَ بِهٖ** بالقرانِ **قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ** الصِّدقُ **قُلْ** لهم **لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ** ﴿۶۶﴾ فاُجازِيَكم انّما انا مُنْذِرٌ واَمرُكم الى اللّٰهِ وهذا قبلَ الامرِ بالقتالِ **لِكُلِّ نَبَاٍ** خبرٍ **مُّسْتَقَرٌّ** وقتٌ يَقَعُ فيه ويَسْتَقِرُّ ومنه عذابُكم

وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ تہدیدٌ لہم وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا القراٰنِ بالاستہزاءِ فَاَعْرِضْ عَنْہُمْ ولا تُجالِسْہم حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ وَاِمَّا فیہ ادغامُ نونِ اِنِ الشرطیۃِ فی ما الزائدۃِ یُنْسِیَنَّکَ بسکونِ النونِ والتخفیفِ وفتحِہا والتشدیدِ الشَّیْطٰنُ فقعدتَ معہم فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی ای تذکرۃٍ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ فیہ وضعُ الظاہرِ موضعَ المُضمَرِ و قال المُسلِمُوْنَ ان قُمنَا کلما خَاضُوْا لم نستطعْ اَن نَجلِسَ فی المسجدِ واَن نطُوفَ فنزَلَ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اللّٰہَ مِنْ حِسَابِہِمْ ای الخائضین مِّنْ زائدۃٌ شَیْءٍ اذا جَالَسُوھم وَّلٰکِنْ علیہم ذِکْرٰی تذکرۃٌ لہم وموعظۃٌ لَعَلَّہُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ الخوضَ وَذَرِ اُتْرُکِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَہُمْ الذی کُلِّفُوْہُ لَعِبًا وَّلَہْوًا باستہزائِہم بہ وَّغَرَّتْہُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فلا تَتَعرَّضْ لہم وھذا قبلَ الامرِ بالقتالِ وَذَکِّرْ عِظْ بِہٖٓ بالقراٰنِ الناسَ اَنْ لا تُبْسَلَ نَفْسٌ تُسْلَمَ الی الہلاکِ بِمَا کَسَبَتْ عَمِلَتْ لَیْسَ لَہَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ای غیرِہٖ وَلِیٌّ ناصرٌ وَّلَا شَفِیْعٌ یمنعُ عنہا العذابَ وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ تفدِ کلَّ فِداءٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْہَا ما تُفدِیْ بہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا لَہُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ماءٍ بالغٍ نہایۃَ الحرارۃِ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ مُؤلِمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ بکفرِھم۔

ترجمہ: وہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب ہے اور تم پر نگران فرشتے بھیجتا ہے جو تمہارے اعمال کا حساب رکھتے ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جو روح قبض کرنے پر متعین ہوتے ہیں اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور ایک قراءت میں تَوَفَّاہ ہے جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے، پھر مخلوق کو اپنے مالک برحق کی طرف لایا جائیگا جو کہ باقی رہنے والا عادل ہے، تاکہ ان کو جزاء دے۔ خوب سن لو ان میں اسی کا فیصلہ نافذ ہے اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے اور پوری مخلوق کا حدیث کی رو سے دنیوی دنوں کے اعتبار سے نصف دن میں حساب لے لیگا، اے محمد ﷺ اہل مکہ سے پوچھو کہ صحراء وسمندر کی تاریکیوں کی ہولناکیوں سے تمہارے سفر کے دوران تم کو کون بچاتا ہے؟ (اور کون ہے وہ) جس کو تم عاجزی کے ساتھ زور زور سے اور چپکے چپکے پکارتے ہوئے کہتے ہو قسم ہے لام قسمیہ ہے اگر تو نے ہم کو اس تاریکی اور تکلیف سے بچالیا تو ہم شکر گذار مومن ہو جائیں گے اور ایک قراءت میں ''اَنْجَانَا'' ہے یعنی اگر اللہ نے ہم کو بچالیا، آپ ان سے کہو اللہ تم کو اس مصیبت اور اس کے علاوہ ہر غم سے نجات دے گا پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو (یُنَجِّیْکُم) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، آپ کہئے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر (یعنی) آسمان سے عذاب بھیج دے مثلاً پتھر اور چیخ یا تمہارے قدموں کے نیچے سے مثلاً زمین میں دھنسادے یا تم کو مختلف الخیالات گروہ در گروہ کر کے بھڑادے، اور قتال کے ذریعہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزا چکھادے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ اَھْوَنْ اور آسان ہے'' اور جب اس کا ماقبل نازل ہوا تو آپ نے فرمایا میں تیری ذات کی پناہ چاہتا ہوں، (رواہ البخاری) اور مسلم نے ایک حدیث روایت کی کہ میں نے درخواست کی کہ اے میرے رب تو میری امت کے

درمیان آپسی اختلاف نہ ڈال، تو اللہ نے مجھے منع کردیا، اور ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "یہ (منازعت) بہرحال ہوکر رہے گی، اور ابتک اس کی تاویل نہیں آئی، آپ دیکھئے تو سہی ہم کس کس طرح اپنی قدرت پر دلالت کرنیوالی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ جس پر وہ قائم ہیں وہ باطل ہے اس قرآن کی آپ کی قوم نے تکذیب کی حالانکہ وہ سچ ہے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اوپر مسلط نہیں کیا گیا ہوں کہ میں تم کو اس کی جزادوں، میں تو محض ڈرانے والا ہوں اور تمہارا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، ہر خبر کا وقت مقرر ہے کہ اس میں واقع اور ظہور پذیر ہو اور ان ہی میں سے تمہارا عذاب بھی ہے، اور تم عنقریب (انجام) جان لوگے، یہ ان کے لئے دھمکی ہے، (اور اے محمد) جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیتوں قرآن میں نکتہ چینی کررہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہوجایئے اور ان کے پاس نہ بیٹھئے یہاں تک کہ دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر شیطان آپ کو بھلادے (اِمّا) میں اِن شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہے (یُنْسِیَنَّكَ) نون کے سکون اور تخفیف کے ساتھ اور نون کے فتحہ اور تشدید کے ساتھ (بھی) ہے کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھیں، تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں، اس میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے، مسلمانوں نے کہا جب وہ نکتہ چینی کیا کریں اور ہم اٹھ جایا کریں تو ہم نہ مسجد میں بیٹھ سکتے ہیں اور نہ طواف کرسکتے ہیں، تو (یہ آیت نازل ہوئی) اور جو اللہ سے ڈرتے ہیں تو نکتہ چینی کرنے والوں کے حساب کا ان سے کچھ مواخذہ نہیں ہوگا جب وہ ان کے پاس بیٹھیں، (مِن شئٍ) میں مِن زائدہ ہے، مگر ان کے ذمہ ان کے لئے تذکیر اور نصیحت ہے شاید کہ وہ نکتہ چینی سے باز آجائیں، اور ایسے لوگوں سے آپ کنارہ کش رہیں جنہوں نے اس دین کا جس کا ان کو مکلف بنایا گیا ہے استہزاء کرتے ہوئے کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور ان کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے لہٰذا آپ ان سے کوئی تعارض نہ کریں، یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، اور اس قرآن کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت کرتے رہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت کے حوالہ کردیا جائے کہ اس کے لئے اللہ کے سوا اس کا کوئی نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی کہ جو اس کو عذاب سے بچا سکے اور اگر یہ شخص پوری دنیا کو بھی فدیہ میں دیدے تو بھی وہ قبول نہ کیا جائے، یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں کے سبب پھنس گئے ہیں، ان کو تو نہایت گرم پانی پینے کے لئے ہے اور انکے کفر کے سبب دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وهو القَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ، یہ کلام مستانف ہے، اپنی مخلوق پر قہر و غلبہ کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ھُوَ، مبتداء ہے القاھرُ اس کی خبر ہے، فوقَ ظرف ہے مُستعلیاً محذوف کے متعلق ہے جو کہ حال ہے۔

قَوْلُہٗ: حَتّٰی اِذا جاء الخ یہ حفظ اعمال کی غایت ہے یعنی مدت حیات میں حفاظت کرتے ہیں موت تک۔

قَوْلُہٗ: المَلائِكة اى ملك الموت وَاَعْوَانُهٗ.

قَوْلُهُ: حین لفظ حین مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ تدعونہٗ، یُنجیکم کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔
قَوْلُهُ: الظلمٰت والشدائد، اس اضافہ کا مقصد، ھٰذہ اسم اشارہ مؤنث کے مشارٌ الیہ کی تعیین ہے۔
قَوْلُهُ: ھٰذا مبتداء ہے اور اَھْوَن و اَیْسَرُ، معطوف علیہ یا معطوف مبتداء کی خبر ہے۔
قَوْلُهُ: عَلَیھم ذکریٰ، مبتداء ہونے کی وجہ سے محلًا مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے۔
قَوْلُهُ: بکفرھم اس سے اشارہ کر دیا کہ بما کانوا یکفرون میں ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ لہٰذا عدم عائد کا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

تَفسِیر وتشریح

وَھُوَ الْقَاھِرُ فوقَ عِبَادِہٖ، وہ اپنے بندوں پر پوری قدرت رکھتا ہے، جب تک ان کو زندہ رکھنا منظور ہوتا ہے تو حفاظت کرنے والے فرشتے ان کی حفاظت کے لئے اور نگرانی اعمال کے لئے ساتھ رکھتا ہے جو ہر بندے کی ایک ایک جنبش اور ایک ایک بات پر نگاہ رکھتے ہیں اور ہر ہر حرکت کا ریکارڈ محفوظ کرتے ہیں، وہ اپنے مفوضہ امور میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے۔

ثمر رُدُّوا، اس کا عطف تَوَفَّتہ پر ہے، رُدُّوا، ماضی مجہول جمع مذکر غائب ہے وہ واپس لائے گئے، رُدُّوا کی ضمیر کا مرجع بعض حضرات نے فرشتوں کو قرار دیا ہے یعنی روح قبض کرنے کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ جاتے ہیں، اور بعض حضرات نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو قرار دیا ہے یعنی تمام لوگ حشر کے بعد اللہ رب العٰلمین کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے پھر وہ سب کا فیصلہ فرمائیگا، اور یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ فیصلے کے پورے اختیارات اسی کو ہیں۔

فَائِدَہ: آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو "رُسُل" جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والے فرشتے ایک سے زیادہ ہیں، اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے، "اللّٰہ یتوفی الانفسَ حین موتِھا" (الزمر) اللہ لوگوں کی موت کے وقت روح قبض کر لیتا ہے، اور بعض جگہ اس کی نسبت ایک فرشتہ ملک الموت کی طرف بھی کی گئی ہے "قُل یَتَوفّٰکم مَلَکُ الموتِ الَّذِیْ وکل بکم" (الم سجدہ) کہہ دو وہ فرشتہ موت کے وقت تمہاری روحیں قبض کرتا ہے جو تمہارے لئے مقرر کیا گیا ہے، اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ مقام پر ہے اسی طرح سورہ نساء میں بھی ہے، اللہ کی طرف نسبت تو اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل آمر (حکم دینے والا) ہے اور متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ ملک الموت کے معاونین و مددگار بہت سے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ آخر میں اصل روح قبض کرنے والے اور آسمان کی طرف لیجانے والے وہی ہیں۔ (روح المعانی، ابن کثیر، فتح القدیر شوکانی)

جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے جیسا کہ سورۃ الم سجدہ کی آیت سے اور مسند احمد میں حضرت براء

ن عازب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم میں جہاں جمع کا صیغہ آیا ہے تو وہاں ملک الموت کے اعوان انصار مراد ہوتے ہیں، اور بعض آثار میں ملک الموت کا نام عزرائیل بتایا گیا ہے۔

قُلْ مَنْ یُنَجِّیْکُمْ من الظلمٰتِ (الآیة) یہ حقیقت ہے کہ تنہا وہی قادر مطلق ہے اور وہی تمام اختیارات کا مالک ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام قسمتوں کی باگ ڈور ہے، جب تمام اسباب کے سررشتے ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو اس وقت تم بے اختیار اسی کو پکارتے ہو، اس کھلی دلیل کے ہوتے ہوئے بھی تم بلا دلیل دوسروں کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو۔

قُلْ ھو القادِرُ علی ان یَبْعَثَ علیکم عذابًا، (الآیة) معتبر سند سے مسند امام احمد اور نسائی وغیرہ میں ابی بن کعب وغیرہ سے روایت ہے کہ اوپر کے عذاب سے مراد آسمان سے پتھر برسانا ہے جیسا کہ اصحاب فیل پر برسے تھے، اور نیچے کے عذاب سے مراد زمین کا دھنسنا ہے جیسا کہ قارون دھنس گیا تھا اور اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعاء کی کہ میری امت سے یہ تینوں عذاب جو اس آیت میں مذکور ہیں اٹھ جائیں تو اللہ نے پتھروں کے برسنے اور زمین میں دھنسنے کا (عمومی) عذاب تو اٹھالیا مگر آپس کی خانہ جنگی کا عذاب باقی ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یخوضون فی آیاتنا، (الآیة) اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے جس کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جارہا ہو یا عملاً اس کا استخفاف کیا جارہا ہو، اہل بدعت اور اہل زیغ اپنی تاویلات رکیکہ اور توجیہات نحیفہ کے ذریعہ آیات الٰہی کو توڑ مروڑ کر پیش کررہے ہوں ایسی مجلسوں میں غلط باتوں پر تنقید کرنے ور کلمہ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلاف شرع کوئی بات دیکھ کر ہاتھ سے، زبان سے س طریقہ سے ممکن ہو اس کی اصلاح کریں یہ اسلام کی علامت ہے اگر کسی میں زبان سے اور ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو س خلاف شریعت بات کو دل سے ناپسند کرنا ایمان کا کمتر درجہ ہے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں حذیفہ بن یمان کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپس کی نصیحت کا طریقہ جب لوگوں سے اٹھ جائیگا تو ایسی بستی کے لوگوں پر عذاب آجائیگا اور کسی نیک آدمی کی دعاء عذاب ٹالنے کے باب میں قبول نہ ہوگی، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی نافرمانی سے بچ کر کام کرتے ہیں ان پر نافرمانوں کے کسی عمل کی ذمہ داری نہیں ہے پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اس بات کو اپنے اوپر فرض کرلیں کہ ان نافرمانوں سے بحث ومناظرہ کرکے ضرور انھیں قائل کرکے چھوڑیں گے ان کا فرض بس اتنا ہے کہ بھٹکنے والوں کو نصیحت کریں اور حق بات ان کے سامنے واضح کردیں، اگر وہ نہ مانیں اور بحث ومباحثہ پر اتر آئیں تو اہل حق کا یہ کام نہیں کہ ان کے ساتھ دماغی کشتیاں لڑنے میں اپنا وقت اور قوت ضائع کرتے پھریں۔

وَذَکِّرْ بہٖ اَنْ لا تُبسل نفسٌ، تُبْسَلَ، ای لِئَلَّا تُبْسَلَ، بَسْلٌ کے اصل معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں، اسی سے شجاع باسِلٌ ہے، یہاں اس کے مختلف معنی کئے گئے ہیں تُسَلَّمُ، سونپ دیئے جائیں، حوالہ کردیئے جائیں مفسرّ

علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ انھیں اس قرآن کے ذریعہ نصیحت کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو اس کے کرتوتوں کے بدلے ہلاکت کے سپرد کردیا جائے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا نَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا بعبادته وَلَا يَضُرُّنَا بتركها وهو الاصنام وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا نرجع مُشركين بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ الى الاسلام كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ اضلته الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ متحيرًا لا يدرى اين يذهب حال من لَهٗٓ اَصْحٰبٌ رفقة يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى اى ليهدوه الطريق يقولون له ائْتِنَا فلا يجيبهم فيهلك والاستفهام للانكار وجملة التشبيه حال من ضمير نُرَدُّ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ الذى هو الاسلام هُوَ الْهُدٰى وما عداه ضلال وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ اى بان نُسلم لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اى بان اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ تعالى وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ تجمعون يوم القيمة للحساب وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اى محقا وَ اذكر يَوْمَ يَقُوْلُ للشئ كُنْ فَيَكُوْنُ هو يوم القيمة يوم يقول للخلق قوموا فيقومون قَوْلُهُ الْحَقُّ الصدق الواقع لا محالة وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ القران النفخة الثانية من اسرافيل لاملك فيه لغيره لمن الملك اليوم لله عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ما غاب وما شوهد وَهُوَ الْحَكِيْمُ فى خلقه الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ بباطن الاشياء كظاهرها وَ اذكر اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ هو لقبه واسمه تارخ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً تعبدها استفهام توبيخ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ باتخاذها فِىْ ضَلٰلٍ عن الحق مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ بين وَكَذٰلِكَ كما اريناه اضلال ابيه وقومه نُرِىٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ ملك السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ليستدل به على وحدانيتنا وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ بها وجملة وكذلك وما بعدها اعتراض وعطف على قال فَلَمَّا جَنَّ اظلم عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قيل هو الزهرة قَالَ لقومه وكانوا نجامين هٰذَا رَبِّىْ فى زعمكم فَلَمَّآ اَفَلَ غاب قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ ان اتخذهم اربابا لان الرب لا يجوز عليه التغير والانتقال لانهما من شان الحوادث فلم ينجع فيهم ذلك فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا طالعًا قَالَ لهم هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ يثبتنى على الهدى لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ تعريض لقومه بانهم على ضلال فلم ينجع فيهم ذلك فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا ذكره لتذكير خبره رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ من الكوكب والقمر فَلَمَّآ اَفَلَتْ وقويت عليهم الحجة ولم يرجعوا قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ بالله تعالى من الاصنام والاجرام المحدثة المحتاجة الى محدث فقالوا له ما تعبد قال اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ قصدت بعبادتى لِلَّذِىْ فَطَرَ خلق السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اى لله حَنِيْفًا مائلا الى الدين القيم وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾ به وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ جادلوه فى دينه وهددوه بالاصنام ان تصيبه بسوء ان تركها قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ بتشديد النون وتخفيفها بحذف احدى النونين وهى نون الرفع عند

النُّحاۃِ ونونُ الوقایۃِ عند القُرّاءِ ای اتجادلوننی فِی وحدانیۃِ اللہِ وَقَدْ هَدٰىنِ تعالی الیہا
وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ من الاصنامِ ان تُصیبَنی بسُوْءٍ لعدمِ قُدرتِہا علی شیءٍ اِلَّآ لکن
اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا من المکروہِ یُصیبُنی فیکونُ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ای وَسِعَ علمُہ کلَّ شیءٍ
اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ⑧٠ بہذا فتؤمنون وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ باللہ وھی لا تضرُّ ولا تنفعُ وَلَا تَخَافُوْنَ انتم من
اللہِ تعالی اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ فی العبادۃِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ بعبادتِہ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا حجۃً وبرھانًا وھو القادرُ علی
کلِّ شیءٍ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ انحنُ ام انتم اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑧١ من الاحقُّ بہ ای وھو نحن
فاتَّبِعُوہُ قال تعالی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا یَخلِطُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ای شِرْکٍ کما فسَّرَ بذلک فی حدیثِ
الصحیحین اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ من العذابِ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ⑧٢

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی بندگی کریں کہ جو نہ ان کی بندگی کرنے سے ہم کو نفع پہنچا سکیں اور نہ ترک بندگی سے ہم کو نقصان پہنچا سکیں، اور وہ بت ہیں، اور جبکہ اللہ ہم کو سیدھا اسلام کا راستہ دکھا چکا تو کیا ہم شرک ہو کر الٹے پیر پھر جائیں اس شخص کے مانند کہ جس کو شیطان نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران پھر رہا ہو وہ نہیں جانتا کہ کدھر جائے، حیران اِستهوتهُ کی ضمیر سے حال ہے اور اس کے ساتھی اسے سیدھی راہ کی طرف پکار رہے ہوں، اس سے کہہ رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ، اور وہ ان کا جواب نہ دے جس کے نتیجے میں ہلاک ہو جائے استفہام انکار کے لئے ہے اور جملہ تنبیہ نُرَدُّ کی ضمیر سے حال ہے، کہو کہ حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی ہے اور وہ اسلام ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے، اور اس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ ہم رب العٰلمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور نماز قائم کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور وہ وہی ذات ہے کہ تم قیامت کے دن اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے، اور وہی ذات ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ (بامقصد) پیدا کیا، اور اس دن کو یاد کرو جس دن وہ شئی سے کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی، وہ قیامت کا دن ہے جس دن مخلوق سے کہے گا کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جائیں گے، اس کا فرمان حق ہے یعنی سچ ہے لامحالہ واقع ہونے والا ہے اور جس روز صور میں دوسرا نفخہ اسرافیل کے ذریعہ پھونکا جائیگا بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی، اس روز کسی کی حکومت نہ ہوگی، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے) لِمَنِ الملكُ الیوم للہ، مخفی اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے وہ اپنی مخلوق کے بارے میں حکیم ہے، اور اشیاء کے باطن سے ان کے ظاہر کے مانند واقف ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد آزر سے جو کہ اس کا لقب تھا اور اس کا نام تارخ تھا کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو جن کی تم بندگی کرتے ہو یہ استفہام توبیخی ہے، بے شک میں تم کو اور تمہاری قوم کو ان بتوں کو معبود بنانے کی وجہ سے حق سے دور صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں اور جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کے والد اور ان کی قوم کی گمراہی دکھائی اسی طرح ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت

دکھاتے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعہ ہماری وحدانیت پر استدلال کرے اور تاکہ اس کے ذریعہ (کامل) یقین کرنے والوں میں ہوجائے، اور کذلک اور اس کا مابعد جملہ معترضہ ہے اور قَالَ ابراھیمُ پر عطف ہے چنانچہ جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک تارا دیکھا، کہا گیا ہے کہ وہ زہرہ تھا، اپنی قوم سے جو کہ ستارہ پرست تھی کہا تمہارے خیال میں یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہوگیا تو کہا میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا، کہ ان کو اپنا رب بنالوں اسلئے کہ رب پر تغیر اور انتقال طاری نہیں ہوتا اسلئے کہ یہ تو محدثات کی صفت ہے، لیکن یہ دلیل ان میں موثر ثابت نہیں ہوئی، پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو ان سے کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہا اگر میرا رب میری رہنمائی نہ کرتا (یعنی) ہدایت پر مجھے ثابت قدم نہ رکھتا، تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا ہوتا، (یہ) قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی پر ہیں، اس بات نے بھی ان میں کوئی اثر نہ کیا پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا ھٰذا کو اس کی خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے مذکر لائے ہیں، یہ میرا رب ہے یہ سب تاروں اور چاند سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہوگیا اور حجت ان پر تام ہوگئی مگر وہ رجوع نہ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ اٹھے اے برادران قوم میں ان بتوں اور فنا ہونے والے اجسام سے جو کہ فنا کرنے والے کے محتاج ہیں بری ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، وہ کہنے لگے تم کس کی بندگی کرتے ہو کہا میں نے تو اپنا رخ یکسو ہوکر یعنی دین قیم کی طرف مائل ہوکر اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے یعنی اللہ کی طرف اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں تو ان کی قوم ان سے حجت کرنے لگی یعنی ان سے ان کے دین کے بارے میں جھگڑنے لگی، اور ان کو بتوں سے ڈرایا کہ اگر ان کو چھوڑا تو وہ ان کو تکلیف پہنچائیں گے تو (حضرت ابراہیم) نے فرمایا کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں جھگڑتے ہو (اتحاجونی) نون کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے دونوں میں سے ایک کو حذف کرکے اور وہ نحویوں کی اصطلاح میں نون رفع ہے اور قاریوں کی اصطلاح میں نون وقایہ ہے، اور اللہ نے ہدایت کی طرف میری رہنمائی کی ہے اور میں تمہارے اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہوئے بتوں سے ڈرتا نہیں ہوں کہ وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے، اسلئے کہ ان کو کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں ہے ہاں اگر میرا رب چاہے کہ کچھ تکلیف مجھے پہنچے تو ہوسکتا ہے، میرے رب کا علم ہر شئی پر چھایا ہوا ہے کیا تم اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ ایمان لے آؤ؟ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے اور وہ نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع حالانکہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ تم نے عبادت میں اللہ کا ان کو شریک ٹھہرایا ہے جن کی عبادت کے بارے میں اللہ نے تم پر کوئی دلیل اور حجت قائم نہیں کی وہ ہر شئی پر قادر ہے، سو بتاؤ دونوں فریقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے، ہم یا تم؟ اگر تم جانتے ہو کہ اس کا کون زیادہ مستحق ہے، اور وہ ہم ہیں، لہٰذا تم اس کی اتباع کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا عذاب سے امن کے حق دار تو وہی ہیں کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ظلم کی تفسیر شرک سے کی گئی ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: قُلْ اَنَدْعُوْا، ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے اور نَدْعُوْا کے آخر میں الف مشابہ جمع کی وجہ سے ہے یہ رسم الخط مصحف عثمانی کے مطابق ہے۔

قولہ: نُرَدُّ، مضارع مجہول متکلم اس کا عطف ندعوا پر ہے انکار کے تحت داخل ہے، نحنُ اس کا نائب فاعل مستتر ہے مرجع نُرَدُّ کی تفسیر ہے مشرکین "نُرَدُّ"، کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: استھْوَتْہُ، یہ اِسْتِھْوَاءٌ سے ماضی واحد مؤنث غائب، ہٗ ضمیر مفعولی ہے، اس نے گمراہ کردیا۔

قولہ: حَیْرَان، بمعنی متحیر صیغہ صفت مشبہ اس کی مؤنث حیریٰ۔

قولہ: کالذی استھْوَتْہُ، یہ جملہ نُرد کی ضمیر نائب فاعل سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے، نُرَدُّ مشبّھِیْنَ الذی استھوته الشیٰطین اور حَیْرَانَ استھوتهُ، کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔

قولہ: ذُکّرَ لِتَذْکِیْرِ خَبَرِہٖ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: ھذا کا مرجع الشمس ہے جو کہ مؤنث سماعی ہے لہٰذا اسم اشارہ بھی ھذہ ہونا چاہئے تا کہ اسم اشارہ اور مشارٌ الیہ میں مطابقت ہو جائے۔

جواب: جب اسم اشارہ اور مشارٌ الیہ میں مطابقت نہ ہو تو خبر کی رعایت کی جاتی ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، اسماعیل سُدّی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ بعض مشرکین نے بعض نومسلموں سے مکہ میں کہا کہ تم نے اپنے قدیمی دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اپنے قدیم دین پر آجاؤ، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، حاشیہ جلالین میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اپنے اسلام لانے سے پہلے اپنے والد ابوبکر کو جواب کا ذمہ دار بنانے کے بجائے آنحضرت ﷺ کو جواب کا مکلّف بنایا ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق کی شان کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ آیت میں ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں ان کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جائے جو سیدھے راستہ پر جا رہے ہوں اور بچھڑنے والا جنگلوں میں حیران و پریشان بھٹکتا پھر رہا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو، یا جنّات و شیاطین کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستہ کی طرف اس کے لئے مراجعت ممکن نہ رہی ہو۔

وَاَن اقیموا الصلوۃ الخ، اَن اقیموا کا عطف لِنُسلِمَ پر ہے، یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العلمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں، تسلیم وانقیاد الٰہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقامت صلوۃ کا ہے، اس سے نماز کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور اس کے تقوی کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقویٰ اور خضوع کے بغیر ممکن نہیں۔

یومَ یُنفَخُ فی الصورِ، صور سے مراد نرسنگا یا بگل ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام اسے اپنے منہ سے لگائے اور اپنی پیشانی جھکائے حکم الٰہی کے منتظر کھڑے ہیں کہ جب حکم دیا جائے پھونک دیں، (ابن کثیر، ابوداؤد ترمذی) بعض علماء کے نزدیک تین نفخ ہوں گے، (۱) نفخۂ صعق اس سے تمام انسان بے ہوش ہو جائیں گے، (۲) نفخۂ افناء جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے، (۳) نفخۂ انشاء جس سے تمام لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، اور بعض آخری دو ہی کے قائل ہیں۔

واذ قال ابراهیم لابیه آزر، مورخین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے دو نام ذکر کئے ہیں آزر اور تارخ ممکن ہے کہ تارخ آزر کا لقب ہو۔

ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے نام کی تحقیق:

آزر عبرانی لفظ ہے، عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کا نام ہے تورات، میں آپ کے والد کا نام تارخ بیان کیا گیا ہے اگر تورات کا بیان تحریف سے محفوظ ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ اس صورت میں آزر تارخ کی تعریب ہے جسطرح اسحٰق اضحاق کا معرب ہے اور عیسیٰ یشوع کا معرب ہے امام راغب مفردات غریب القرآن میں رقم طراز ہیں، قیل "کان اسم ابیه تارخ فعرب فجعل آزر،، یعنی کہا گیا ہے کہ ان کے والد کا نام تارخ تھا پھر معرب بنا کر آزر کر لیا گیا، قرآن کریم اور حدیث شریف میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کا نام آزر ہی مذکور ہے، اگر تورات کا بیان صحیح مان لیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ آزر اور تارخ یعقوب و اسرائیل کی طرح ایک ہی شخص کے دو نام ہوں، یا ان میں سے ایک لقب اور دوسرا نام ہو، بعض حضرات کا خیال ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے چچا کا نام ہے مگر یہ لغو ہے اسلئے کہ ابٌ کا لفظ جب مفرد بولا جاتا ہے تو ہمیشہ اس سے باپ ہی مراد ہوتا ہے، البتہ اگر مجاز کا کوئی قرینہ ہو تو دوسری بات ہے، آیت مذکورہ میں کوئی مجاز کا قرینہ موجود نہیں ہے، اس کے علاوہ صحیح بخاری میں ان کا نام آزر ہی بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں بلا قرینۂ مجاز، حقیقی معنی کو چھوڑنا بڑی جسارت کی بات ہے۔

مغالطہ کی اصل وجہ:

اس مغالطہ کی اصل وجہ اس خیال اور عقیدہ پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کو آدم تک مومن اور موحد تسلیم کیا جائے حالانکہ حسب تصریح امام رازی و ابوحیان اندلسی یہ شیعوں کا عقیدہ ہے اسی عقیدہ کے پیش نظر یہ کوشش کی گئی کہ حضرت

ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا والد آزر کے بجا کسی اور کو ثابت کیا جائے اس لئے کہ آزر کے بارے میں قرآنی اور حدیثی شہادت کفر کی موجود ہے۔ (لغات القرآن ملخصًا)

مشرکوں کو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ سنانے کی وجہ:

مشرکین چونکہ خود کو ملت ابراہیمی پر کہتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ سنا کر ان لوگوں کو یوں قائل کیا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام تو بت پرستی سے کس قدر بیزار تھے اس کا حال ان لوگوں کو اس قصہ سے معلوم ہوگا، پھر مشرکین مکہ بت پرستی میں مبتلا ہو کر خود کو کسطرح ملت ابراہیمی پر کہہ سکتے ہیں۔

فَلَمَّا جَنَّ علیه اللیل را کوکبًا قال ھذا ربی ھذا اکبر ، سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلے چمکدار مشتری یا زہرہ اور پھر چاند سورج کو دیکھ کر ھذا ربی ھذا اکبر جو کہا یہ قول ان کا اس وقت کا ہے کہ جب وہ بچے تھے کہ اس وقت تک آپ کو توحید اور احکام شریعت کا علم نہیں تھا، اور اگر بڑی عمر میں یہ کلام کیا تو لوگوں کو قائل کرنے اور الزام دینے کے لئے یہ بات کہی دوسرا قول راجح ہے۔ (احسن التفاسیر)

مشہور ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نمرود نے اپنے ایک خواب کی تعبیر کی وجہ سے نومولود بچوں کو قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام بھی اس سال پیدا ہوئے تھے جس کی وجہ سے انھیں چھپا کر ایک غار میں رکھا تاکہ نمرود کے ہاتھوں قتل سے بچ جائے، غار ہی میں جب کچھ شعور آیا اور آپ کو غار سے باہر نکالا تو تارے چاند سورج وغیرہ دیکھے تو مذکورہ تاثرات ظاہر فرمائے لیکن غار والی بات مستند نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ قوم سے مکالمہ کے وقت آپ نے مذکورہ باتیں کہیں۔

وَتِلْكَ مبتدأ ويُبْدَلُ منهُ حُجَّتُنَآ التی احْتَجَّ بها ابراہیمُ علی وحدانیةِ اللّٰہِ تعالٰی من اُفُوْلِ الکوکبِ وما بعدَہٗ والخبرُ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ اَرْشَدْنَاہُ لها حُجَّةً عَلٰی قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ بالاضافةِ والتنوینِ فی العلمِ والحِکمةِ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ فی صُنعِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾ بخلقِهٖ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ابنَہٗ كُلًّا منهما هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ای قبلَ ابراہیم وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ای نوحٍ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ابنَہٗ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ ابنَ یعقوبَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ کما جَزَیْنٰھم نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى ابنَہٗ وَعِيْسٰى ابنَ مریمَ یُفِیدُ اَنَّ الذریةَ یَتَنَاوَلُ اولادَ البنتِ وَاِلْيَاسَ ابنَ اخی ھارونَ اخی موسٰی كُلٌّ منھم مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ ابنَ ابراہیمَ وَالْيَسَعَ اللامُ زائدةٌ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ابنَ ھارانَ اخی ابراہیمَ وَكُلًّا منھم فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ بالنبوةِ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ عَطفٌ علی كُلًّا اونوحاً ومن للتبعیضِ لاَنَّ بَعْضَھم لم یکن له ولدٌ وبعضَھم کان فی وُلدِهٖ کافرٌ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ اخترْناھم وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الذی ھُدُوْا

الیہ ﴿هُدَى اللهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا﴾ فرضًا ﴿لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٨٨ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ بمعنی الکتب ﴿وَالْحُكْمَ﴾ الحکمۃ ﴿وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا﴾ ای بہذہ الثلثۃ ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ ای اھل مکۃ
﴿فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا﴾ ارصدنا لہا ﴿قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝٨٩﴾ هم المہاجرون والانصار ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى﴾ هم
﴿اللهُ فَبِهُدٰىهُمُ﴾ طریقہم من التوحید والصبر ﴿اقْتَدِهْ ۚ﴾ بہاء السکت وقفاً ووصلاً وفی قراءۃ بحذفہا
وصلاً ﴿قُلْ﴾ لاھل مکۃ ﴿لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ ای القراٰن ﴿اَجْرًا ۭ﴾ تعطونیہ ﴿اِنْ هُوَ﴾ ما القراٰن ﴿اِلَّا ذِكْرٰى﴾ عظۃ
﴿لِلْعٰلَمِيْنَ ۝٩٠﴾ الانس والجن.

ترجمہ: یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو عطا کی (یعنی) ہم نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو حجت کی جانب رہنمائی کی جس سے ابراہیم نے اللہ کی وحدانیت پر تاروں کے غروب ہونے اور مابعد سے استدلال کر کے اپنی قوم پر حجت قائم کی، تلک مبدل منہ اور حجتنا بدل ہے، بدل مبدل منہ سے ملکر مبتداء ہے اور آتینا ابراھیم مبتداء کی خبر ہے اور ہم جس کے چاہتے ہیں علم وحکمت میں درجات بلند کر دیتے ہیں، (ترفع درجات) اضافت (یعنی بغیر تنوین) اور تنوین کے ساتھ ہے، بے شک تیرا رب اپنی صنعت میں باحکمت (اور) اپنی مخلوق کے حالات سے باخبر ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب ابن اسحٰق دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ہدایت دی اور ابراہیم سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت میں سے داؤد کو اور سلیمان بن داؤد کو اور ایوب کو یوسف بن یعقوب کو اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ہارون کو ہدایت دی اور جس طرح ہم نے ان کو جزاء دی ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزاء دیا کرتے ہیں، اور زکریا کو اور ان کے بیٹے یحییٰ کو اور عیسیٰ ابن مریم کو (ہدایت دی) اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ لڑکی کی اولاد بھی ذریت میں شامل ہے اور موسیٰ کے بھائی ہارون کے بھتیجے الیاس کو (ہدایت دی) اور یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے، اور اسماعیل ابن ابراہیم کو اور یسع کو (الیسع) میں لام زائدہ ہے اور یونس کو اور ابراہیم کے بھائی ہاران کے بیٹے لوط کو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اہل عالم پر نبوت کے ذریعہ فضیلت دی نیز ان کے آباء واجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے (بہتوں کو نوازا) عطف یا تو کلاً پر ہے یا نوحاً پر اور مِنْ تبعیض کے لئے ہے، اسلئے کہ ان میں سے بعض کی اولاد نہیں تھی اور ان میں سے بعض کی اولاد میں کافر تھے، اور ہم نے ان کو منتخب کر لیا اور راہ راست کی رہنمائی کی یہ دین جس کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی، اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے اور اگر بالفرض انہوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا دھرا غارت ہو جاتا یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب بمعنی کتب اور حکمت اور نبوت عطا کی، اور اگر یہ اہل مکہ ان تینوں کا انکار کرتے ہیں (تو کریں) ہم نے ان (نعمتوں) کے لئے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو ان کے منکر نہیں ہیں اور وہ مہاجرین اور انصار ہیں (اے محمد) یہی تھے وہ لوگ جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی سو آپ بھی ان کے توحید اور صبر کے طریقہ پر چلئے وقفاً اور وصلاً ہاء کے سکوت کے ساتھ

اور ایک قراءت میں حالت وصل میں ہاء کو حذف کر کے، آپ اہل مکہ سے کہہ دو میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا کہ جو تم مجھے دیتے ہو یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے دنیا والوں کے لئے خواہ انس ہوں یا جن۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَيُبْدَلُ منه، اس میں اشارہ ہے کہ تلك اسم اشارہ ہے حجتنا مشارٌ الیہ، دونوں مل کر مبتداء ہیں اور آتیناها اس کی خبر، (دوسری ترکیب) تلك مبتداء حجتنا خبر اول اور آتیناه جملہ ہو کر خبر ثانی۔

قولہ: التی احتجّ یہ تلك کے مشارٌ الیہ کا بیان ہے۔

قولہ: اَرْشَدْناه لَهَا.

سوال: آتینا کی تفسیر اَرْشَدْنَا سے کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: چونکہ حجت کوئی دینے کی چیز نہیں ہے اسلئے اتینا کی تفسیر اَرْشدنا سے کی ہے۔

قولہ: حُجَّةً عَلٰى قَوْمِهٖ.

سوال: لفظ حجة محذوف کس وجہ سے مانا ہے؟

جواب: اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ علی قومه، حجة محذوف کے متعلق ہے نہ کہ آتینا کے، اسلئے کہ ایتاء کا صلہ علیٰ نہیں آتا۔

قولہ: ای نوح، اس اضافہ کا مقصد ذریته کی ضمیر کا مرجع متعین کرنا ہے اور وہ نوح ہے نہ کہ ابراہیم اسلئے کہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام اور لوط علیہ الصلاۃ والسلام، ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت میں سے نہیں ہیں حالانکہ ان دونوں کا عطف مذکورین پر ہے۔

قولہ: ابن اخی هارون اخی موسٰی.

سوال: الیاس ابن اخی موسیٰ مختصر تعبیر کو چھوڑ کر مذکورہ طویل تعبیر کیوں اختیار کی؟

جواب: اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے حقیقی بھائی نہیں ہیں بلکہ ماں شریک بھائی ہیں، مگر یہ قول ضعیف ہے۔

قولہ: الیسع اللام زائدة، الیسع پر الف لام زائدہ ہے اسلئے کہ علم پر الف لام داخل نہیں ہوتا۔

قولہ: لِاَنَّ بَعْضَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَلَدٌ وَبَعْضَهُمْ كَانَ فِیْ وُلْدِهٖ كَافِرٌ، لِاَنَّ، سے ومن آبائهم میں مِن کے تبعیضیہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے، اسلئے کہ اگر من کو تبعیضیہ نہ مانیں تو آیت میں مذکور تمام لوگوں کی ذریت کا ہدایت یافتہ ہونا لازم آئیگا، حالانکہ بعض کی تو ان میں سے اولاد ہی نہیں مثلاً حضرت یحییٰ کی اور ان میں سے بعض کی بعض اولاد کا کافر ہونا متعین ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا بیٹا کنعان۔

قولہ: اِقْتَدِہْ.

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے تابع تھے آپ کو ان کی اقتداء کا حکم دیا جا رہا ہے۔

جواب: من التوحید والبصر کا اضافہ اسی سوال کا جواب ہے اقتداء اور متابعت، صبر علی الایذاء و توحید میں مراد ہے نہ کہ فروع دین میں۔

قولہ: ھَاءِ السَّکْتِ، اس ھاء کو کہتے ہیں جو کلمہ کے وقف کے وقت زائد کی جاتی ہے جبکہ آخری حرف متحرک ہو کہا گیا ہے کہ اقتدہ میں ہاء مصدر کی ضمیر کی ہے ای اقتداء الاقتداء. (حاشیہ جلالین)

قولہ: وقفاً و وَصْلاً، یعنی وصل کو وقف کے تابع کر کے۔

قولہ: وبِحَذْفِھَا، یہ اصل کے مطابق ہے۔

تفسیر و تشریح

وتلك حجتنا، تلك حجتنا سے کونسی حجتیں مراد ہیں؟ اس سے مراد اوپر کی وہ آیتیں ہیں کہ جن کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو قائل و لاجواب کر دیا تھا، جن کا سلسلہ فَلَمَّا جَنَّ علیه اللیلُ سے شروع ہو کر وَھم مُھْتَدُوْنَ، رکوع کے آخر تک چلا گیا ہے، یہ دلیلیں اللہ تعالیٰ نے الہام کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے دل میں ڈالی تھیں، یعنی توحید الٰہی پر ایسی حجت اور دلیل پیش فرمائی کہ جن کا جواب حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم سے نہ بن پڑا اور لاچار و مجبور ہو کر کٹھ حجتی پر اتر آئی، جس کی وجہ سے آپ کو آتش نمرود میں بھی ڈالا گیا اور بدرجہ مجبوری آپ کو عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

اور بعض مفسرین نے تلكَ حجتنا کا مشارٌ الیہ ''وکیف اخافُ مَا اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللّٰہ مالم ینزل به علیکم سلطانا فایّ الفریقین احق بالاَمْنِ'' کو قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول کی تصدیق فرمائی ارشاد فرمایا، ''اَلَّذِیْنَ آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئك لھم الامن وھم مھتدون''.

وَوَھَبْنَا له اسحٰق ویعقوب، (الآیة) یعنی بڑھاپے میں، جب ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اولاد سے ناامید ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ساتھ پوتے کی بھی بشارت دی جو کہ یعقوب بن اسحٰق ہیں لفظ یعقوب میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے بعد بھی ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا، اسلئے کہ یعقوب عقب سے مشتق ہے جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے۔

ومن ذریتہٖ، ذریتہٖ کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو قرار دیا ہے اسلئے کہ وہی اقرب ہے، یعنی حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت میں سے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کو، اور بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو مرجع قرار دیا ہے اسلئے کہ پوری گفتگو ان ہی کے ضمن میں چل رہی ہے، لیکن اس صورت میں یہ اشکال

ہوگا کہ پھر لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر اس فہرست میں نہیں آنا چاہئے تھا اسلئے کہ وہ ذریت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہیں ہیں وہ تو ان کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھتیجے ہیں اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ تغلیباً عرف عام کے طور پر چچا کو والد سمجھ لیا گیا ہو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی ذریت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ لڑکی کی اولاد بھی ذریت رجال میں شامل ہے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کے صاحبزادے حضرت حسن کو اپنا بیٹا فرمایا، ''اِنَّ ابنی هذا سیدٌ و لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین. (بخاری کتاب الصلح)

مذکورہ آیت میں اٹھارہ انبیاء کا ذکر ہے ان کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے تمام اعمال اکارت ہوجاتے، ایک دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ''لئن اشرکت لیحبطنّ عملك (سورۂ زمر) حالانکہ پیغمبروں سے شرک کا صدور ممکن نہیں (امکان شرعی) مقصد امت کو شرک کی ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا ای الیهودُ **اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ** ای ما عَظَّمُوْهُ حقَّ عَظَمَتِهٖ او ما عَرَفُوْهُ حقَّ معرفتِهٖ **اِذْ قَالُوْا** للنبیّ صلی الله علیه وسلم وقد خاصَمُوْهُ فی القراٰنِ **مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ** لهم **مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ** بالیاءِ والتاءِ فی المواضعِ الثّلٰثةِ **قَرَاطِیْسَ** ای یَكْتُبُوْنَهٗ فی دَفاتِرَ مُقَطَّعةٍ **تُبْدُوْنَهَا** ای ما یُحِبُّوْنَ ابداءَهٗ منها **وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ** مما فیها كنَعْتِ محمدٍ صلی الله علیه وسلم **وَعُلِّمْتُمْ** ایُّها الیهودُ فی القراٰنِ **مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ** من التوراةِ ببیان ما الْتَبَسَ علیكم واخْتَلَفْتُم فیه **قُلِ اللّٰهُ ۙ** اَنْزَلَهٗ ان لم یَقُوْلُوه لا جوابَ غیرُهٗ **ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ** باطِلِهِمْ **یَلْعَبُوْنَ** ﴿٩١﴾ **وَهٰذَا** القراٰنُ **كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ** قَبْلَهٗ من الكُتُبِ **وَلِتُنْذِرَ** بالتاءِ والیاءِ عَطفٌ علی معنی ما قبلَهٗ ای اَنْزَلْناهُ للبركةِ والتَصْدِیْقِ ولِتُنْذِرَ به **اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ** ای اهلَ مكةَ وسائرَ الناسِ **وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ** ﴿٩٢﴾ خوفًا من عِقابِها **وَمَنْ** ای لا اَحدَ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بادّعاءِ النبوة ولم یكن نبیًا **اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ** نَزَلَتْ فی مُسَیْلَمَةَ الكذّابِ **وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ** وهم المُسْتَهْزِءُوْنَ قالُوا لو نَشاءُ لَقُلْنا مثلَ هذا **وَلَوْ تَرٰٓى** یا مُحَمَّدُ **اِذِ الظّٰلِمُوْنَ** المذكُوْرُوْنَ **فِیْ غَمَرٰتِ** سَكَراتِ **الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ** الیهم بالضربِ والتعْذِیْبِ یقولون لهم تَعْنِیْفًا **اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ** الینا لِنَقْبِضَها **اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ** الهَوانِ **بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ** بدعوی النبوةِ والایحاءِ كذبًا **وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ** ﴿٩٣﴾ تتكبرُوْنَ عن الایمانِ بها وجوابُ لو لَرَأَیْتَ امرًا فَظِیْعًا **وَ** یُقالُ لهم اذا بُعِثُوا **لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى** مُنْفَرِدِیْنَ عن الأهلِ والمالِ والولدِ **كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ** ای

حُفاۃً عُراۃً غُرلًا ﴿وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ﴾ اَعْطَیْنَاکُمْ من الاموال ﴿وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ﴾ فی الدنیا بغیر اختیارکم وَ
یقال لہم توبیخاً ﴿مَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ﴾ الاصنام ﴿الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ﴾ ای فی استِحْقاقِ عِبادَتِکم ﴿شُرَكَاءُ﴾ اللہِ
﴿لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ وَصْلُکم ای تَشَتَّتَ جَمْعُکُمْ وفی قراءۃٍ بالنصبِ ظَرفٌ ای وَصْلُکُمْ بینَکم ﴿وَضَلَّ﴾
ذَهَبَ ﴿عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ ﴿٩٤﴾ فی الدنیا من شفاعتِہا.

ترجمہ: یہود نے اللہ کی جیسی قدر کرنی چاہئے تھی یعنی جیسی تعظیم کرنی چاہئے تھی ویسی نہیں کی یا جیسی معرفت کا حق تھا ویسا حق ادا نہیں کیا جبکہ نبی ﷺ سے قرآن میں مخاصمت کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی آپ ان سے پوچھو کہ اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام لے کر آئے تھے اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی، جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے یعنی اس کو اوراق متفرقہ میں لکھ رکھا ہے، (تجعلونہٗ) تینوں مقامات میں یاء اور تاء کے ساتھ ہے جن کو تم ظاہر کرتے ہو یعنی ان میں سے جن باتوں کو تم ظاہر کرنا پسند کرتے ہو ظاہر کرتے ہو اور اس کی بہت سی باتوں کو تم چھپا جاتے ہو مثلاً محمد ﷺ کی صفات (علامات) کو اور اے یہودیو! تم کو قرآن میں بہت کچھ سکھایا گیا اس چیز کو بیان کر کے جو تمہارے لئے مشتبہ ہوگئی اور جس میں تم نے اختلاف کیا جس کا تورات سے نہ تم کو علم ہوا اور نہ تمہارے آبا (واجداد) کو اگر وہ جواب نہ دیں (اقرار نہ کریں) تو تم خود ہی کہدو کہ اس کو اللہ نے نازل کیا ہے، پھر ان کو ان کی خرافات میں کھیلنے کے لئے چھوڑ دو یہ (بھی ویسی ہی) کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، بڑی برکت والی ہے اور اپنے سے سابق کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے (اور اس لئے نازل کی گئی ہے) کہ مکہ والوں اور اس کے اطراف والوں کو یعنی اہل مکہ او تمام لوگوں کو ڈراؤ (یُنذِرَ) تاء اور یاء کے ساتھ ہے، اپنے ماقبل کے معنی پر عطف ہے، یعنی ہم نے اس کو برکت کے لئے او تصدیق کے لئے اور اس کے ذریعہ ڈرانے کے لئے نازل کیا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ آخرت کے عذاب کے خوف سے اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا کو نہیں کہ جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا نبوت کا دعویٰ کر کے حالانکہ وہ نبی نہیں ہے یا کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے حالانکہ اس پر کوئی چیز نازل نہیں کی گئی (یہ آیت) مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے میں بھی ایسا کلام لاسکتا ہوں اور (ایسا کہنے والے) استہزاء کرنے والے ہیں، (اور بعض) کہنے والوں نے کہا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں، کاش اے محمد تم مذکورہ ظالموں کو اس حالت میں دیکھتے کہ جب وہ موت کی سختیوں میں ہو اور فرشتے زدوکوب اور عذاب کے لئے ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے سختی سے کہہ رہے ہوں اپنی جانوں کو ہماری طرف نکالو تاکہ ہم اس پر قبضہ کریں آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں جن کو تم نبوت اور انزال وحی کا ناحق دعویٰ کر کے اللہ پر جھو تہمت لگایا کرتے تھے ذلت آمیز عذاب دیا جائیگا اور اس کی آیات کے مقابلہ میں سرکشی دکھایا کرتے تھے (یعنی) ان پر ایما

لانے سے تکبر کیا کرتے تھے، اور لَوْ کا جواب لَـرأیت امرًا فظیعًا (محذوف) ہے، تو آپ ایک ہولناک منظر دیکھتے، اور جب ان کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا تو ان سے کہا جائیگا کہ تم آگئے نا، تنِ تنہا ہمارے پاس بغیر مال اور اہل وعیال کے جیسا کہ ہم نے تمہیں ابتداء پیدا کیا تھا، برہنہ پا، برہنہ بدن، غیر مختون، اور جو کچھ ہم نے تم کو مال (ومتاع دنیا میں) دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے دنیا میں مجبوراً چھوڑ آئے، اور ان سے توبیخاً کہا جائیگا ہم تمہارے ساتھ تمہارا سفارشی بتوں کو نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمہارا عقیدہ تھا کہ وہ تمہاری عبادت کے استحقاق میں اللہ کے شریک ہیں واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ثابت ہوگیا، یعنی تمہاری جمعیت منتشر ہوگئی، اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ظرف ہے یعنی تمہارے آپسی تعلقات، اور تمہارا وہ دعویٰ ختم ہوا جو کہ تم دنیا میں ان کی سفارش کے بارے میں کیا کرتے تھے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: ای الیَهُوْدُ، مـا قَدَرُوا کا فاعل یہود کو ظاہر کر کے مشرکین کے احتمال کو دفع کر دیا اسلئے کہ تـجـعـلـونـهٗ قَراطیسَ مشرکین کے حال کے مناسب نہیں ہے چونکہ مشرکین اہل کتاب ہی نہیں تھے کہ قراطیس کو متفرق کرتے۔

قِوْلَهُ: فی المَوَاضِعِ الثَلٰثَةِ، ای تجعلونه، یُبْدونها، تَخْفُونَها.

قِوْلَهُ: قَرَاطِیس، قرطاس کی جمع ہے الگ الگ اوراق۔

قِوْلَهُ: ای یَکْتُبُوْنَهٗ فی دَفَاتِرَ.

سُوَالْ: قراطیس کا حمل الکتاب پر درست نہیں ہے اسلئے کہ تجعلونهٗ قراطیس کا کوئی مطلب نہیں ہے؟

جَوَابْ: مفسر علّام نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر اسی اعتراض کا جواب دیا ہے یعنی وہ توارت کو متفرق دفاتر میں لکھتے تھے۔

قِوْلَهُ: اَنـزلَهُ، اس میں اشارہ ہے کہ اللّٰه مبتداء ہے اور انـزلـه، خبر محذوف ہے، قرینہ مَنْ انزل ہے، اَنْزَلَ محذوف مان کر ایک سوال کا جواب بھی مقصود ہے۔

سُوَالْ: اللّٰه، قُلْ فعل امر کا مقولہ ہے اور مقولہ کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے حالانکہ لفظ اللہ مفرد ہے؟

جَوَابْ: لفظ اللہ کے بعد اَنزلَ محذوف ہے اور اللّٰه انزلَ جملہ ہو کر قل کا مقولہ ہے۔

قِوْلَهُ: عَـطْفٌ عَـلـی مَـعْنٰی مَاقَبْلَهٗ، یہ ماقبل کے معنی پر عطف ہے نہ کہ محذوف کی علت، تقدیر عبارت یہ ہے، وانـزلناه لِتنذِرَ الخ، اس لئے کہ حذف عند الضرورت ہوتا ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: وَلَـوْ تَـریٰ یا مُحَمَّدُ، تریٰ کا مفعول الـظلمون کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے، ای تـریٰ الـظـالـمـیـن یا محمد.

قِوْلَہٗ: حُفاةً، عُراةً، غُرلًا، حُفاة، کاواحد حافٍ و حافی ننگے پیر، عُراة، کاواحد عار، ننگے بدن غُرلًا کاواحد اَغرل غیر مختون.

قِوْلَہٗ: بَیْنَکُمْ، اگر بینکُم مرفوع پڑھا جائے تو تقطع کا فاعل ہوگا اور اگر منصوب پڑھا جائے تو ظرف کی بنا پر ہوگا اور فاعل تقطع کے اندر ضمیر ہوگی جو اتصال کی طرف راجع ہے جس پر ماقبل یعنی شرکاء دلالت کر رہا ہے مفسر علام نے اسی کی طرف اپنے قول ای وَصْلُکم بَیْنکم سے اشارہ کیا ہے۔

تَفسِیر وتشریح

مَا قَدَرُوا اللّٰہ حَقَّ قَدْرِہٖ، قدر کے معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کی حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ ارسال رُسل اور انزال کتب کا انکار کرتے ہیں، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انہیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے، اور اسی عدم معرفت الٰہی کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کی معرفت سے بھی قاصر ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام کس طرح نازل ہوسکتا ہے؟!

شان نزول:

بعض مفسرین نے مافدرُوا اللّٰہ کا فاعل مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہی معنی روایت کئے ہیں، بعض مفسرین نے ماقدروا اللّٰہ کا فاعل یہود کو قرار دیا ہے، ایک روز یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا اے محمد کیا اللہ نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے آپ نے فرمایا نعم (ہاں) تو یہود نے کہا واللّٰہ ما انزل اللّٰہ من السماء کتابًا، واللہ آسمان سے اللہ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے سدّی سے نقل کیا ہے فنحاص یہودی نے کہا "ما انزل اللّٰہ علی محمد ﷺ من شیء" تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہا ایک یہودی جس کا نام مالک بن صیف تھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے جھگڑنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو اللہ کو قسم دیتا ہوں، جس نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر تورات نازل فرمائی، کیا تم تورات میں پاتے ہو کہ اللہ حبر سمین کو مبغوض رکھتا ہے؟ اور مالک بن صیف حبر سمین تھا (فربہ عالم تھا) تو مالک بن صیف اس بات سے ناراض ہوا اور کہا کہ "واللّٰہ ما انزل اللّٰہ علی بشر من شیءٍ" تو اس کے ساتھیوں نے کہا "وَیْحَكَ ولا علٰی موسیٰ" قال ما انزل اللّٰہ علی بشرٍ من شیءٍ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

تجعلونہٗ قراطیس، یہود سے خطاب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اوراق میں رکھتے ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو ظاہر کرتے ہو اور جس کو چاہتے ہو چھپا لیتے ہو، مثلاً رجم کا مسئلہ اور آنحضرت ﷺ کی صفات و علامات کا مسئلہ

حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر نے یَجْعلونَهُ اور یُبدونها، غائب کے صیغوں والی قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مکّی آیت ہے اس میں یہود سے خطاب کیسے ہوسکتا ہے؟ اور بعض مفسرین نے پوری آیت ہی کو یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت ورسالت کا انکار ہے اسے یہود کی ہٹ دھرمی اور ضد وعناد پر مبنی قرار دیا ہے، گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں، ایک پوری آیت کو یہود سے دوسرے پوری آیت کو مشرکین سے متعلق قرار دیا جائے اور تیسرے، آیت کے ابتدائی حصہ کو مشرکین سے متعلق اور تجعلونہ کو یہود سے متعلق قرار دیا جائے یہود سے متعلق قرار دینے کی صورت میں اس کی تفسیر ہوگی کہ تورات کے ذریعہ سے تمہیں بتائی گئیں، بصورت دیگر قرآن کے ذریعہ بتائی گئیں۔

تجعلونَهُ قراطیس، کی تقدیر کلام **تجعلونَهُ فی القراطیس** ہے، جیسا کہ مفسرِ علّام نے **تکتبونَهُ فی دفاتر مقطعة** کہہ کر اشارہ کیا ہے ورنہ تو حمل درست نہ ہوگا یعنی تم نے اس کو پارہ پارہ کر دیا تاکہ تم اپنی مصلحت کے مطابق جس حصہ کو چاہو ظاہر کرو اور جس کو چاہو چھپاؤ، اور تمہیں اسی کتاب کے ذریعہ ان حقائق کی تعلیم دی گئی جن سے تم ناواقف تھے اور جن کے بارے میں تم التباس وتذبذب کا شکار تھے تمام بشری کوششوں کے باوجود ان حقائق کا علم نہ تم کو ہوسکا اور نہ تمہارے آباء واجداد کو۔

هذا کتاب انزلنٰهُ مبارکٌ، یہ ایسی کتاب ہے کہ مخلوق اس سے جتنا چاہے اپنی ہمت وظرف کے مطابق فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

امام فخر الدین رازی کی رائے:

اس آیت کے ذیل میں فخر الدین رازی اپنا ذاتی تجربہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف محمد بن عمر رازی کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کئے نقلی بھی اور عقلی بھی لیکن کسی بھی علم سے مجھے دین ودنیا میں وہ خیر وسعادت حاصل نہیں ہوئی جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی۔ (کبیر)

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ شاقُّ **الْحَبِّ** عن النباتِ **وَالنَّوٰی** عن النَّخلِ **یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ** کالانسان والطَّائرِ من النُطفةِ **وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ** النُّطفةِ والبیضةِ **مِنَ الْحَیِّ ذٰلِكُمُ** الفالقُ المُخرجُ **اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ** ﴿٩٥﴾ فکیف تُصرفُونَ عن الایمانِ مع قِیامِ البُرهانِ **فَالِقُ الْاِصْبَاحِ** مصدرٌ بمعنی الصُّبحِ ای شاقُّ عُمُودِ الصبحِ وهو اَوَّلُ ما یَبْدُوْ من نُورِ النهارِ عن ظُلمَةِ اللیلِ **وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا** یَسکُنُ فیه الخلقُ من التَّعبِ **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ** بالنصبِ عطفًا علی محلِّ اللیلِ **حُسْبَانًا** حِسابًا للاوقاتِ اوالباءُ محذُوفَةٌ وهو حالٌ من مقدَّرٍ ای یَجْرِیَانِ بحُسْبَانٍ کما فی سورةِ الرحمٰن **ذٰلِكَ** المذکورُ **تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ** فی مُلْكِهِ **الْعَلِیْمِ** ﴿٩٦﴾ بخلقِهِ **وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** فی الاَسفار **قَدْ فَصَّلْنَا** بَیَّنَّا **الْاٰیٰتِ** الدَّالّاتِ علی قُدرَتِنا **لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ** ﴿٩٧﴾ یَتدبَّرُوْنَ **وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ** خَلَقَكم **مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** هی اٰدمُ **فَمُسْتَقَرٌّ** منكم فی الرَّحِمِ **وَّمُسْتَوْدَعٌ** منكم فی الصُّلبِ

وفي قراءةٍ بفتح القاف اي مكانُ قرارٍ لكم **قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ** ﴿٩٨﴾ ما يقال لهم **وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا** فيه التفاتٌ عن الغَيْبَةِ **بِهٖ** بالماءِ **نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ** يَنْبُتُ **فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ** اي النباتِ شيئًا **خَضِرًا** بمعنى اَخضرَ **نُّخْرِجُ مِنْهُ** من الخَضِرِ **حَبًّا مُّتَرَاكِبًا** يَرْكَبُ بعضُهُ بعضًا كسَنَا بِلِ الحنطةِ ونحوِها **وَمِنَ النَّخْلِ** خبرٌ ويُبْدَلُ منهُ **مِنْ طَلْعِهَا** اوّلِ ما يَخْرُجُ منها في اَكْمامِها والمبتدأ **قِنْوَانٌ** عَراجِيْنُ **دَانِيَةٌ** قريبٌ بعضُها من بعضٍ وَّ اَخرجنا به **جَنّٰتٍ** بَساتِيْنَ **مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا** ورقُهما حالٌ **وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ** ثَمرُهما **اُنْظُرُوْٓا** يا مخاطبين نَظَرَ اِعْتِبارٍ **اِلٰى ثَمَرِهٖٓ** بفتح الثاءِ والميمِ وبضَمِّهِما وهو جمعُ ثَمَرَةٍ كشَجرةٍ وشَجرٍ و خَشَبَةٍ وخُشُبٍ **اِذَآ اَثْمَرَ** اوّلَ ما يَبْدُوْ كيفَ هو وَ الى **يَنْعِهٖ** نُضْجِهٖ اذا اَدْرَكَ كيف يَعُوْدُ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ** دالّاتٍ على قُدرَتِهٖ تعالى على البعثِ وغيرِه **لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿٩٩﴾ خُصُّوْا بالذِّكْرِ لانّهم المُنْتَفِعُوْنَ بها في الايمان بخلافِ الكافِرِيْنَ **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ** مفعولٌ ثانٍ **شُرَكَآءَ** مفعولٌ اوّلُ ويُبْدَلُ منه **الْجِنَّ** حَيْثُ اَطاعُوْهم في عبادةِ الاَوْثانِ وَ قد **خَلَقَهُمْ** فكيف يَكُوْنُوْنَ شركاءَهُ **وَخَرَقُوْا** بالتخفيفِ والتشديدِ اي اخْتَلَقُوْا **لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ** حيث قالُوْا عزيرُ ابنُ اللّٰهِ والملٰئكةُ بناتُ اللّٰهِ **سُبْحٰنَهٗ** تنزيهًا له **وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿١٠٠﴾ بانّ لَهُ ولدًا.

ترجمہ: بے شک بیج کو پھاڑ کر نباتات نکالنے والا اور گٹھلیوں کو چیر کر کھجور کے درخت نکالنے والا اللہ ہی ہے وہ جاندار کو بے جان سے جیسا کہ انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے اور بے جان کو مثلاً نطفہ اور انڈے کو جاندار سے نکالنے والا ہے یہ شق کرنے والا نکالنے والا اللہ ہے تو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو تو تم دلیل کے موجود ہونے کے باوجود کس طرح ایمان سے پھرے جا رہے ہو، وہ (پردۂ شب کو چیر کر) صبح کو نکالنے والا ہے (الاصباح) مصدر بمعنی صبح ہے یعنی وہ ستون صبح (صبح کاذب) کو چاک کرنے والا ہے اور ستون صبح تاریکی شب سے نکلنے والی دن کی اس روشنی کو کہتے ہیں جو ابتداء نمودار ہوتی ہے اور رات کو راحت کی چیز بنایا کہ اس میں مخلوق تعب سے راحت حاصل کرتی ہے اور ضبط اوقات کے لئے سورج اور چاند کا حساب مقرر کیا نصب کے ساتھ اللّیل کے محل پر عطف ہے یا باء محذوف ہے (ای بِحُسْبَان) اس صورت میں مقدر سے حال ہوگا ای یجریان بِحُسْبَان، جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے یہ مذکورہ (حساب) اپنے ملک میں غالب اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر کا مقرر کیا ہوا ہے اور وہ ایسا ہے کہ جس نے تمہارے لئے تاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ بحر و بر کی ظلمت میں سفر کے دوران رہنمائی حاصل کرو بے شک ہم نے ہماری قدرت پر دلالت کرنے والے دلائل کو کھول کھول کر بیان کیا ایسے لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تم کو شخص واحد سے پیدا کیا (اور) وہ آدم ہیں، سو رحم (مادر) تمہارے لئے قرارگاہ ہے اور (صلب پدر) تمہارے لئے امانت گاہ، اور ایک قراءت میں قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی تمہارے لئے جائے

قرار، بے شک ہم نے دلائل کو سمجھدار لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیا وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے آسمان (بادلوں) سے پانی برسایا اس میں غائب سے (تکلم کی جانب) التفات ہے اور اس پانی کے ذریعہ اگنے والی ہر قسم کی نبات اگائی پھر ہم نے اس نبات سے ہری بھری ایک چیز (کھیتی) اگائی، خضرًا بمعنی اخضر ہے ہم نے اس کھیتی سے تہ بر تہ جمے ہوئے دانے پیدا کئے کہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھے رہتے ہیں جیسا کہ گندم وغیرہ کے خوشے، اور کھجور کے شگوفے (من النخل) خبر (مقدم) ہے اور من طلعِها، اس سے بدل ہے، (طلع) اس شئی کو کہتے ہیں جو ابتداء کھجور کے درخت سے اپنے غلافوں سے نکلتی ہے اور قنوان دانیة مبتداء مؤخر ہے، قِنْوَان بمعنی عراجین ہے بمعنی شاخ عَرَاجین عرجون کی جمع ہے جس کے معنی شاخ کے ہیں جو جھکی ہوئی شاخوں میں ہوتے ہیں ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں اور ہم نے پانی سے انگوروں کے اور زیتون کے اور انار کے باغات پیدا کئے کہ ان دونوں کے پتے ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں (مشتبِهاً) حال ہے اور ان کے پھل مشابہ نہیں ہوتے، اے مخاطبو! اس کے پھلوں کو چشم عبرت سے دیکھو (ثمر) میں ثاء، ورمیم کے فتحہ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ ثَمَرَةٌ کی جمع ہے جیسے شَجَرَةٌ کی جمع شَجَرٌ ہے، اور خَشَبَةٌ کی جمع خُشُبٌ ہے کہ جب وہ اول مرتبہ پھل لاتا ہے تو وہ کیسا ہوتا ہے؟ اور اس کے پکنے (کی حالت) کو دیکھو کہ جب وہ قابل استفادہ ہو جائے تو کیسا ہو جاتا ہے؟! بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لئے بعث بعد الموت وغیرہ کے دلائل ہیں، مومنین کا ذکر خاص طور پر اسلئے کیا ہے کہ کافروں کے خلاف مومنین ان دلائل سے ایمان کے بارے میں استفادہ کرتے ہیں اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے، اَللّٰہ جَعَلُوا کا مفعول ثانی ہے اور شُرکاء مفعول اول ہے، اور الجنَّ. شرکاء سے بدل ہے، اس لئے کہ انہوں نے بتوں کی پرستش کرنے میں ان کی اطاعت کی ہے حالانکہ (خود) ان لوگوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو جنات اس کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے بغیر سمجھے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لئے ہیں، (خرقوا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اسلئے کہ انہوں نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اللہ اس سے پاک ہے اور ان اوصاف سے برتر ہے جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یُخرِجُ الحیَّ مِنَ المیّت، یہ جملہ کلام مستانف قائم مقام ماقبل کی علت کے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اِنَّ کی خبر ثانی ہو، اور حیّ سے ہر وہ شئی مراد ہے جس میں نمو ہو خواہ ذی روح ہو یا نہ ہو، اور میت سے ہر وہ شئی مراد ہے جس میں نمو نہ ہو۔

قولہ: مُخرِج، اس کا عطف فالِقُ پر ہے، اسی لئے یخرج کے بجائے مخرج اسم فاعل کا صیغہ لائے ہیں تاکہ عطف درست ہو جائے اور یُخرِجُ الحیَّ مِنَ المیّت، فالق الحبّ والنویٰ کا بیان ہے اسی لئے واؤ کو ترک کر کے

یُخرِجُ کہا ہے۔

سَوال: ومخرج المیتِ مِنَ الحیّ، بیان واقع کیوں نہیں ہوسکتا؟

جَواب: اس لئے کہ فالق الحب والنوىٰ، اِخراجُ الحیّ من المیت کی جنس سے ہے نہ کہ اس کا عکس حالانکہ بیان اور مبیّن کے مفہوم میں مطابقت ضروری ہے۔

قولہ: فکیفَ تصرفون الخ، انّیٰ تؤفکون کی تفسیر کیف تصرفون سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ استفہام انکاری ہے۔

قولہ: مصدرٌ یعنی الاصباح، اِفعال کا مصدر ہے جس کے معنی دخول فی الصبح کے ہیں مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مراد نفس صبح ہے، مصدر بول کر مصدر کا اثر یعنی صبح مراد ہے، اور کوفیین کے نزدیک جاعل کے بجائے جَعَلَ ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک فعل کا عطف اسم پر جائز ہے۔

قولہ: عَلیٰ مَحَلِّ اللَّیْلِ، لیل کا محل جاعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: هو حَالٌ مِنَ المُقَدَّرِ، یعنی حُسبان، یَجْریانِ مقدر سے حال ہے، اگر مفسرّ علاّم مقدر سے حال ہے کے بجائے مقدر سے متعلق ہے، فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

قولہ: قِنْوانٌ، یہ قِنْوٌ کی جمع ہے بمعنی خوشہ۔

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں مشرکین کی ہٹ دھرمی اور حقائق ونتائج سے غفلت کا تذکرہ تھا، اور اب ان کاموں کا تذکرہ ہے جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے وہ ہے خدا تعالیٰ کی بے مثال علم وقدرت سے بے خبری، مذکورہ آیات میں حق تعالیٰ نے غافل انسان کے اس روگ کا علاج اس طرح فرمایا ہے کہ اپنے وسیع اور عظیم قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے انعامات واحسانات کا ایک سلسلہ ذکر فرمایا جن میں ادنیٰ غور کرنے سے ہر سلیم الفطرت انسان خالق کائنات کی عظمت اور بے مثال قدرت کا اور اس بات کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عظیم الشان کارنامے ساری کائنات میں سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کی قدرت میں نہیں۔

اِنَّ اللّٰہ فالق الحب والنوىٰ، اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثال قدرت اور صناعی کے نمونے بیان فرمائے ہیں، دانہ اور گٹھلی جس کو کاشتکار زمین کی تہ میں دبا دیتا ہے اس کو پھاڑ کر اس سے انواع واقسام کے درخت پیدا فرماتا ہے، جبکہ زمین ایک، پانی ایک، کھاد ایک ہوتا ہے مگر جس قسم کے دانے اور گٹھلیاں ہوتی ہیں اس کے مطابق ہی اللہ مختلف قسم کے غلوں، پھلوں کے درخت پیدا فرما دیتا ہے جن کے پھلوں کے رنگ وبو ومزہ میں بیّن تفاوت ہوتا ہے، یہ خدا کی قدرت ہی کا کرشمہ ہے۔

مطلب یہ کہ جمادات، نباتات، حیوانات غرضیکہ تمام موجودات کا نظام تکوینی وتخلیقی کلّیۃً اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے

تے ہوئے کسی دیوی دیوتا یا مزار وآستانہ کی طرف توجہ ہونا کس درجہ کا حمق اور بے دانشی ہے،!!

یہ عظیم الشان کارخانۂ حیات یہ نظام ارضی اور نظام فلکی یوں ہی کیف ما اتفق الل ٹپ نہیں چل رہا، اس کے قانون اور ضابطہ ے مطابق چل رہا ہے جو ہر قادر پر قادر ہے جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے، اور ساتھ ہی وہ ایسا علیم ہے کہ ہر علم وحکمت کا بداء وہی ہے۔

وہ پردۂ شب سے نور صبح کو برآمد کرنے والا ہے، رات کی پرسکون کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش بے انتہاء مصلحتوں ر حکمتوں سے لبریز ہے اور ان کی شرح رفتار ومقدار سب اسی قادر مطلق کے دستِ قدرت میں ہے اس کی موجودگی میں کسی دیوی وتا یا کسی حاجت روا اور مشکل کشا کو فرض کرنا خرافات کی انتہاء ہے۔

وهو الذی انشأکم من نفسٍ واحدةٍ، اس آیت میں وحدت انسانی کو بطور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے اور اس بات بالکل واضح کر دیا ہے کہ نوع انسانی کا مورثِ اعلیٰ ایک ہی ہے اس ایک اصل کو تسلیم کرنے سے جو آج مہذب وغیر مہذب، لی اور گوری، برہمن اور شودر، مشرقی اور مغربی خدا جانے انسانیت کتنے فرقوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ایک بنی آدم کی دت میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

یعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبدِعُهما من غیر مِثالٍ سَبَق اَنّٰی کیف یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ زوجةٌ
خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ من شانِه اَنْ یَخلُقَ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ
عْبُدُوْهُ وَحِّدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿١٠٢﴾ حفیظٌ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ای لا تَراهُ وهذا مخصوصٌ برُؤْیَةِ
مؤمنین لهٗ فی الاٰخرةِ لِقوله تعالٰی وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وحدیثِ الشیخین انکم سَتَرَوْنَ
بکم کما تَرَوْنَ القَمَرَ لَیلَةَ البَدْرِ وقیل المرادُ لا تحیطُ به وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ای یَراها ولا تَراهُ ولا یجوزُ فی
رِهِ ان یُدرِكَ البَصَرَ وهو لا یُدرِکُهُ او یُحیطُ بها علمًا وَهُوَ اللَّطِیْفُ باولیائِه الْخَبِیْرُ ﴿١٠٣﴾ بهم قل یا محمدُ لهم
جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ حُجَجٌ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ ها فاٰمَنَ فَلِنَفْسِهٖ اَبصَرَ لانَّ ثوابَ اِبصارِه له وَمَنْ عَمِیَ عنها
لَّ فَعَلَیْهَا وَبالُ ضَلالِه وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿١٠٤﴾ رقیبٌ لاعمالِكم اِنّما انا نذیرٌ وَكَذٰلِكَ كما بَیَّنَّا ما ذُكِرَ
رِّفُ نُبَیِّنُ الْاٰیٰتِ لِیَعتَبِرُوا وَلِیَقُوْلُوْا ای الکفارُ فی عاقبةِ الامرِ دَرَسْتَ ذَاكَرْتَ اهلَ الکتابِ وفی قراءةٍ
سَتْ ای کُتُبَ الماضین وجئتَ بهذا منها وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ای القراٰنَ
هَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا رقیبًا فنُجازیهم باعمالهم
اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿١٠٧﴾ فتُجبِرُهم علی الایمان وهذا قبل الامرِ بالقتالِ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
الاصنامَ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا اِعتداءً وظلمًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ای جَهلٍ منهم باللّٰه كَذٰلِكَ کما زُیِّنَ لهؤلاء ماهم
ه زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ من الخیرِ والشرِّ فاَتَوْهُ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فی الاٰخرة فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

فَيُجَازِيهِم بِه وَاَقْسَمُوْا اى كُفَّارُ مكة بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اى غَايَةَ اِجْتِهَادِهِم فيها لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ مِمَّا اقْتَرَحُوْا لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ لهم اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ يُنَزِّلُهَا كما يشاءُ وانما انا نذيرٌ وَمَا يُشْعِرُكُمْ يُدْرِيكُمْ بِاِيمانِهِمْ اذا جَاءَ تْ اى اَنْتُمْ لا تَدْرُوْنَ ذلك اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ لِمَا سَبَقَ فِي عِلْمِي وفي قراءةٍ بالتاءِ خطابًا بالكفارِ وفي اُخرى بفتحِ انّ بمعنى لَعَلَّ او معمولةٌ لما قبلها وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ نُحَوِّلُ قُلُوْبَهم عن الحقِ فَلا يَفْهَمُوْنَهُ وَاَبْصَارَهُمْ عنه فَلَا يُبْصِرُوْنَهُ فلا يؤمنون كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِه اى بما اَنْزَلَ من الاياتِ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ نَتْرُكُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ ضَلَالِهم يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَحَيِّرِيْنَ.

ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمینوں کو سابقہ نمونے کے بغیر پیدا کرنے والا ہے، اس کے اولاد کیسے ہوسکتی ہے اس کی بیوی تو ہے نہیں اور اس نے ہر اس شئ کو پیدا کیا جس کی شان مخلوق ہونا ہے اور وہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے لہٰذا تنہا اسی کی بندگی کرو وہ ہر شئ کا محافظ ہے آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں یعنی اس کو نہیں دیکھ سکتیں، اور عدم رویت سے آخرت میں مومنین کی رویت مستثنیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "وجوهٌ يومئذٍ ناضِرَةٌ الى ربّها ناظرة" اور شیخین کی حدیث کی وجہ سے "کہ تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں رات میں چاند کو دیکھتے ہو"، اور کہا گیا ہے کہ احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ سب نگاہوں کا ادراک کرتا ہے یعنی دیکھتا ہے اور وہ نگاہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں، اس کے علاوہ کسی اور کی یہ شان نہیں کہ وہ نگاہوں کو دیکھے اور نگاہیں اس کو نہ دیکھ سکیں یا (لاتدركه کا) مطلب اس کا علمی احاطہ نہ کرنا ہے، وہ اپنے دوستوں پر مہربان ہے اور ان سے باخبر ہے، بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (حق بینی کے) دلائل آچکے ہیں، سو جو ان کو دیکھ کر ایمان لایا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لئے دیکھا، اس لئے کہ اس دیکھنے کا ثواب اسی کو ملے گا، اور جو ان سے اندھا بنا رہا تو وہ گمراہ ہوا، تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں (یعنی) تمہارے اعمال کا نگران نہیں ہوں، میں تو صرف آگاہ کرنے والا ہوں جس طرح ہم نے مذکورہ احکام بیان کئے، اسی طرح ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ عبرت حاصل کریں، اور تاکہ آخرکار کافر کہیں کہ تم نے اہل کتاب سے مذاکرہ کیا ہے اور ایک قراءت میں دَرَسْتَ (بغیر الف کے ہے) یعنی تم نے گذشتہ لوگوں کی کتابیں پڑھی ہیں اور یہ تم نے اسی میں سے بیان کیا ہے اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کردیں آپ اس قرآن کی اتباع کرتے رہیے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں اور آپ مشرکین سے کنارہ کشی کرلیں اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا سو ان کو ان کے اعمال کی جزاء ہم دیں گے، اور آپ ان پر مختار نہیں ہیں، کہ آپ ان کو ایمان پر مجبور کریں، اور یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اور تم ان کے معبودوں کو برا مت کہو جن کی وہ اللہ کے علاوہ بندگی کرتے ہیں یعنی بتوں کی، اسلئے کہ وہ از راہ جہالت

وعناد اور ظلم کی وجہ سے اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے، جس طرح ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا گیا ہے اسی طرح ہر امت کے لئے ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے خواہ عمل خیر ہو یا شر، چنانچہ وہ ان ہی کو کرتے ہیں پھر ان کو ان کے رب کے پاس آخرت میں لوٹ کر جانا ہے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے وہ ان کو بتلا دے گا، یعنی وہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا اور کفار مکہ نے بڑی زوردار قسمیں کھائیں یعنی انہوں نے اپنی قسموں میں انتہائی زور پیدا کر کے کہا کہ اگر ہمارے پاس ہماری تجویز کردہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی آجائے تو ہم ان پر ضرور ایمان لے آئیں گے آپ ان سے کہئے کہ نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو ظاہر فرماتا ہے میں تو صرف آگاہ کرنے والا ہوں (اے مسلمانو!) جب وہ فرمائشی نشانی آجائے تو تمہیں ان کے ایمان کے بارے میں کیا خبر؟ یعنی تمہیں اس کا علم نہیں (کہ وہ ایمان لے ہی آئیں گے) (یعنی) جب وہ (فرمائشی) نشانیاں آجائیں گی تو میرے علم ازلی کے اعتبار سے وہ ایمان نہ لائیں گے اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ (لا تؤمنون) ہے، کفار کو خطاب کرتے ہوئے، اور دوسری قراءت میں اَنَّ کے فتحہ کے ساتھ لَعَلَّ کے معنی میں ہے، یا اپنے ماقبل کا معمول ہے (یعنی) یشعرکم کا مفعول ہے، اور ہم ان کے دلوں کو حق سے پھیر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ سمجھتے نہیں ہیں، اور ان کی آنکھوں کو حق سے پھیر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حق کو دیکھتے نہیں ہیں تو ایمان بھی نہیں لاتے جیسا کہ وہ نازل کردہ آیتوں پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی گمراہی میں حیران رہنے دیں گے یعنی تردد اور حیرانی میں متحیر رہیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلِہ: بَدِیعُ السمٰوات والارض، بدیع السمٰوات، مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھُو بدیع السمٰوات، یا بدیع السمٰوات مبتداء ہے اور اس کی خبر اَنّٰی یکونُ له وَلَدٌ ہے، بدیع بمعنی مُبْدِع بھی مستعمل ہے جیسا کہ سمیعٌ بمعنی مُسمِعٌ بکثرت مستعمل ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بدیع السمٰوات میں صفت مشبہ کی اضافت فاعل کی طرف ہے، اس کی اصل بدیعٌ سمٰواتُه وَاَرْضُهُ ہے۔

قِوْلِہ: من شانہ ان یخلق، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: اللہ تعالیٰ کا قول، وخلقَ کل شئٍ میں خدا کی ذات وصفات بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو خدا کی ذات وصفات کا لاشئ ہونا لازم آئیگا جو کہ محال ہے، اور اگر داخل ہیں تو خدا کی ذات وصفات کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ خَلَقَ کلّ شئٍ میں شئ عام خصّ منه البعض ہے ای ھو خالق کل شئ ماعدا ذاتِهٖ وصفاتِهٖ.

قِوْلِہ: وھذا مَخصُوصٌ برؤیة المُؤْمِنِینَ له فی الآخِرَةِ، اس اضافہ کا مقصد معتزلہ کے امتناع رویت باری کے عقیدہ کورد کرنا ہے، معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں بھی رویت باری نہیں ہوگی، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آخرت میں

مومنین کو رویت باری ہوگی۔

قولہ: وقیل المراد تحیط بِهٖ، اور اگر لاتدرکه الابصار سے عدم احاطہ مراد ہو تو اس صورت میں مخصوص نہ ہوگا، بلکہ عموم اپنے اطلاق پر باقی رہے گا اس لئے کہ باری تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک نہ دنیا میں کسی کو ہوسکتا ہے اور نہ آخرت میں۔

قولہ: اویُحِیْطُ بها علمًا، یہ ادراک کے دوسرے معنی کا بیان ہے۔

قولہ: قل یا محمد.

سوال: یہاں قل یا محمد مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وجہ یہ ہے کہ اس اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ کلام آپ ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوا ورنہ تو یہ اعتراض ہوگا کہ "وَمَا انا علیکم بحفیظ" کے کیا معنی ہیں؟ اسلئے کہ حفظ کی نفی اللہ تعالیٰ سے جائز نہیں ہے۔

قولہ: لِیَعْتَبِرُوْا.

سوال: مفسر علام نے لِیَعْتبروا، مقدر کیوں مانا ہے؟

جواب: تاکہ ولِیقولوا کا عطف صحیح ہوسکے۔

قولہ: نُبَیِّنَهٗ. تبیین (تفعیل) سے مضارع جمع متکلم، ہم بیان کریں ہم کھولدیں، لِنُبَیّنَهٗ، میں لام تعلیل کا ہے اسلئے کہ تصریف سے مقصود تبیین ہی ہے اس کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے اور آیات قرآن کے معنی کی تاویل میں ہے لہٰذا ضمیر کی عدم مطابقت کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قولہ: فاتوہٗ.

سوال: مفسر علام نے فاتوہ، کیوں مقدر مانا؟

جواب: تاکہ اس پر ثُمَّ الی ربهم الخ کا عطف درست ہوسکے، اسلئے کہ معطوف وعدہ اور وعید ہے اور یہ عمل خیر وشر ہی پر مرتب ہوتے ہیں نہ کہ مطلق تزیین پر۔

قولہ: ای اَنْتُمْ لا تَدْرُوْنَ ذلك، یہ مومنین سے خطاب ہے، اس میں مومنوں کو مشرکین کے فرمائشی معجزوں کی تمنا سے منع کیا گیا ہے، مومنین کی یہ تمنا تھی کہ کاش اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزے آپ ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر فرمادیں تو بہت اچھا ہو، تاکہ مشرکین مکہ ایمان لے آئیں، ایسی تمنا کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! تم جو مشرکین کے فرمائشی معجزات کی تمنا کررہے ہو تمہیں کیا معلوم کہ یہ لوگ فرمائشی معجزات دیکھ کر ایمان لے ہی آئیں گے، ہمارے علم ازلی کے اعتبار سے یہ لوگ فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں، ظاہر مفہوم کا تقاضہ یہ تھا کہ یوں کہا جاتا "مَا یُدریکم انّها اذا جاءت یؤمنون" بغیر، لا، کے اسی وجہ سے بعض مفسرین نے 'لا' کو زائدہ کہا ہے مطلب یہ ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ مشرکین مکہ

فرمائشی معجزے دیکھ کر ایمان لے ہی آئیں گے۔

مفسر علّام نے اس کی دو توجیہ کی ہیں ایک یہ ہے کہ ما یشعر کم میں ما استفہام انکاری ہے، ای لا تدرون بأنّها اذا جاء ت الآیات لا یؤمنون، فلذٰلك تتمنّون ونحن نعلم ذلك فلا نتمنّٰی بها، یعنی تم نہیں جانتے کہ اگر (فرمائشی) معجزات بھی آجائیں تب بھی یہ لوگ یقیناً ایمان نہ لائیں گے، جیسا کہ میرے علم ازلی میں ہے۔

دوسری توجیہ بفتح أنَّ بمعنی لَعَلَّ سے بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ یُشعر کم کا مفعول ثانی محذوف ہے ای ما یُشعر کم بایمانِهم اور أنَّ بمعنی لَعَلَّ، ای لَعلّهم اِذَا جاء تهم آیةٌ لا یؤمنون، اور لعلَّ اس وقت اِشفاق (توقع) کے لئے ہوگا اور توقع خدائی کلام میں یقینی الوقوع کے لئے آتا ہے یعنی اگر ان کے فرمائشی معجزے بھی آجائیں تب بھی وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے، مذکورہ دونوں توجیہوں سے کلام ظاہر کے مطابق ہو جائیگا، اور جن مفسرین حضرات نے، لا یؤمنون، میں لا کو زائدہ قرار دیا ہے ان کا مقصد بھی کلام کو ظاہر کے مطابق بنانا ہے، اِنَّ بالکسر کی صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا جو کہ ہمیشہ سوال مقدر کا جواب ہوتا ہے، گویا کہ سوال ہوا ما یُشعر کم ما یکون منهم، اس کا جواب دیا انها اذا جاء ت لا یؤمنون.

قولہ: ونُقَلِّبُ اَفئِدَتَهُم، اس کا عطف لا یؤمنون پر ہے، ای وَمَا یشعر کم اِنّا حینئذٍ نقلب اَفئدتَهم، عن الحق فلا یفهمونَه واَبصارهم فلا یبصرونَهُ فلا یؤمنون بِهَا.

تسہیل المشکل:

وَمَا یُشعِرُکم أنَّهَا اِذا جاء ت لا یؤمنون، اِنّها کو ابو عمر ابن کثیر اور مجاہد نے انها بکسر الہمزہ پڑھا ہے، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے مجاہد اور ابن زید نے کہا ہے کہ اس کے مخاطب مشرکین ہیں، اور فراء وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کے مخاطب مومنین ہیں، اسلئے کہ جب مشرکین نے فرمائشی معجزوں کا مطالبہ کرتے ہوئے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر فلاں قسم کا معجزہ دکھا دو تو ہم ایمان لے آئیں گے تو اس وقت مسلمانوں کی خواہش ہوئی کہ کاش آپ ﷺ مشرکین کا مطلوبہ معجزہ دکھا دیں، اسی خواہش کے پیش نظر صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا ''لو نزلت الآیة لعلهم یؤمنون'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَا یُشعر کم انها اذا جاء ت لا یؤمنون'' اور اہل مدینہ واعمش وحمزہ وکسائی وعاصم وغیرہم نے أنّها فتحہ کے ساتھ پڑھا، اور خلیل نے کہا ہے کہ انّها بمعنی لعلّ ہے، اور عرب بولتے ہیں اِئتِ السوق اَنّكَ تشتری لنا شیئاً، ای لعلك، فراء اور کسائی نے کہا ہے کہ ''لا یؤمنون'' میں لا زائدہ ہے، اور آیت کے معنی ہیں وما یشعر کم انها، ای الآیات، اذا جاء ت یؤمنون'' اور یہ ایسا ہی ہے جیسا ''ما مَنعكَ أن لا تسجد'' میں لا زائدہ ہے، مگر زجاج وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور نحاس نے کہا ہے کلام میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ''أنّها اِذا جاء ت لا یؤمنون او یؤمنون'' پھر اس زائد مقدر کو علم سامع کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

تَفسِیر وتَشریح

بدیع السموٰت والارض، بدیعٌ، موجدٌ، نیا ایجاد کرنے والا، یہ لفظ قرآن میں صرف دو جگہ آیا ہے اول سورۂ بقرہ میں اور دوسرے یہاں، یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے بدیعٌ، بروزن فعیلٌ بمعنی مبدعٌ، بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں یکتا و بے مثال ہے کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں، اسی طرح وہ اس کے لائق ہے کہ وہ معبودیت میں بھی واحد ولاشریک ہو لیکن لوگوں نے ازراہ حمق اس ذات واحد کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرالیا ہے حالانکہ وہ اسی کی پیدا کردہ ہے، اور یہ سب کچھ شیاطین کی اتباع کی وجہ سے ہوا ہے، اسلئے یہ درحقیقت شیطان کی پرستش ہے۔

رؤیت باری کا مسئلہ:

لاتدرکہ الابصار، ابصار، بصر کی جمع ہے، (نگاہ) انسان کی نظر کی رسائی خدا کی حقیقت اور کُنہ تک نہیں ہوسکتی، اس رویت کی نفی سے مراد دنیا میں رویت بصری کی نفی ہے، صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ روز قیامت ایمان والے اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور جنت میں بھی دیدار باری تعالیٰ نصیب ہوا کرے گا، معتزلہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے وہ دیدار باری کے مطلقاً منکر ہیں اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ اس کا تعلق دنیا سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بچشم سر ممکن نہیں ہے، اسی لئے حضرت عائشہ بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی (ﷺ) نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اس نے قطعاً دروغ گوئی کی (صحیح بخاری، سورۂ انعام) البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہوگا، جس کا دوسرے مقام پر قرآن نے اثبات فرمایا ہے "وُجُوہٌ یو مئذ ناضرۃ الی ربِّھا ناظرۃ" کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

بصائر. بصیرۃ کی جمع ہے، روشنی قلب کو کہتے ہیں یہاں مراد دلائل و براہین ہیں جو قرآن میں بار بار اور جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں اور نبی ﷺ نے احادیث میں بھی بیان فرمایا ہے۔

قدجاء کم بَصَائر من ربکم، مطلب یہ ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آچکی ہیں اب جو بینائی سے کام لے گا وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنا رہے گا وہ خود نقصان اٹھائیگا۔

و کذلک نصرف الآیات، یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے لگتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کسی سے پڑھ کر اور سیکھ کر آتا ہے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔

وما انت علیھم بوکیل، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو صرف داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے کوتوال نہیں، آپ کا کا

صرف اتنا ہے کہ لوگوں کے سامنے اظہار حق کردیں اور اظہار حق میں اپنی حد تک کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں، اب اگر کوئی قبول نہیں کرتا تو نہ کرے، اس کا بار آپ کے اوپر نہیں اور نہ آپ کی یہ ذمہ داری، اگر فی الواقع حکمت الٰہی کا تقاضہ یہ ہوتا کہ دنیا میں کوئی باطل پرست نہ رہے تو اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست بنانے کے لئے کافی ہوسکتا تھا مگر حکمت الٰہی کا تو مقصد ہی کچھ اور ہے وہ یہ کہ انسان کو حق و باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور حق کی روشنی ان کے سامنے پیش کرکے اس کی آزمائش کی جائے کہ حق و باطل میں سے وہ کس کو پسند کرتا ہے۔

ولا تسبوا الذین الخ اس آیت میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں وہ اتنے بے قابو نہ ہوجائیں کہ معاملہ بحث و تکرار سے بڑھ کر گالی گلوچ تک پہنچ جائے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب کرنے کے بجائے اور زیادہ دور کردے گی اور ضد میں وہ بھی تمہارے معبود اور پیشواؤں کی تحقیر و تذلیل پر اتر آئیں گے۔

شان نزول:

واقسموا باللّٰہ جهد ایمانهم الخ، تفسیر ابن جریر وغیرہ میں مجاہد کے قول کے مطابق ان آیتوں کا جو شان نزول بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش آنحضرت ﷺ سے مختلف قسم کے معجزوں کا مطالبہ کیا کرتے تھے، اور قسمیں کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ ان معجزوں کے دیکھ لینے کے بعد وہ اسلام کے تابع ہوجائیں گے مشرکوں کی قسموں کو دیکھکر مسلمانوں کی بھی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان معجزوں کا ظہور ہوجائے تو بہت اچھا ہو، تاکہ مشرکین بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائیں، مشرکین کے فرمائشی معجزوں میں کوہ صفا کو سونے کا بنا دینا اور صحراء عرب کو زرخیز بنا دینا شامل تھے اللہ تعالیٰ ان کے حال سے بخوبی واقف ہے جس طرح معجزۂ شق القمر کو دیکھ کر ان کے دل متاثر نہیں ہوئے ان معجزوں کو دیکھ کر بھی متاثر نہ ہوں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى كما اقترحوا **وَحَشَرْنَا** جمعنا **عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا** بضمتين جمعُ قبيلٍ اى فوجًا فوجًا وبكسر القافِ وفتح الباءِ اى مُعاينةً فشهدوا بصدقِك **مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا** لما سَبَقَ في علم اللهِ **اِلَّآ** لكن **اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** ايمانهم فيؤمنون **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ** ﴿١١١﴾ ذلك **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا** كما جعلنا هؤلاءِ اعدائك ويُبدَلُ منه **شَيٰطِيْنَ** مَرَدَةَ **الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ** يُوَسوِسُ **بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ** مُموَّهه من الباطلِ **غُرُوْرًا** اى ليَغُرّوهم **وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ** اى الايحاء المذكورَ **فَذَرْهُمْ** دَعِ الكفارَ **وَمَا يَفْتَرُوْنَ** ﴿١١٢﴾ من الكُفرِ وغيرِه مما زُيِّنَ لهم وهذا قبلَ الامر بالقتال **وَلِتَصْغٰٓى** عطفٌ على غرورٍ اى تَميلُ **اِلَيْهِ** اى الزخرفِ **اَفْـِٕدَةُ** قلوبُ **الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا** يَكتسِبوا **مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ** ﴿١١٣﴾ من الذُنُوب فيُعاقبُوا عليه وَنَزَلَ لَمّا طَلَبُوا من النبيِّ صلى الله عليه وسلم اَنْ يَجعَلَ بينَه وبينَهم حَكَمًا **اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ** اَطلُبُ **حَكَمًا** قاضيًا بيني وبينكم

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ القرانَ مُفَصَّلًا مُبَيَّناً فيه الحقُّ من الباطلِ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ التورٰةَ كعبدِ
اللّٰهِ بنِ سلامٍ واَصحَابِه يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ بالتخفيفِ والتشديدِ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾
الشاكِّينَ فيه والمرادُ بذلك التقريرُ للكفّارِ اَنّهُ حقٌّ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بالاَحكامِ والمَواعِيدِ صِدْقًا وَّعَدْلًا
تَمييزٌ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ بنقصٍ اوخلفٍ وَهُوَ السَّمِیْعُ لما يُقالُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾ بما يُفعَلُ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ
اى الكفارَ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ دينِه اِنْ ما يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ في مُجادلتِهم لك في امرِ المَيْتةِ اِذ قالُوا
ما قتلَ اللّٰهُ اَحقُّ ان تأكُلوه مما قتلتُم وَاِنْ ما هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ يَكذِبُونَ في ذٰلك اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اى
عالمٌ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ فيُجازِيْ كلًّا منهم فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اى ذُبحَ
على اسمِه اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ من الذَّبائحِ وَقَدْ فَصَّلَ بالبناءِ
للمفعولِ ولِلفاعِلِ في الفعلَينِ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ في اٰية حُرّمَتْ عَلَيْكُمُ المَيْتَةُ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ منه
فهو ايضاً حلالٌ لكم المعنى لامانعَ لكم من اَكلِ ما ذُكرَ وقد بَيّنَ لكم المُحرّمَ اَكلُهُ وهذا ليس منه
وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بفتح الياءِ وضمِّها بِاَهْوَآئِهِمْ بما تَهواهُ اَنفُسُهم من تحليلِ المَيْتةِ وغيرها بِغَیْرِ عِلْمٍ
يَعتمِدُونَهٗ في ذٰلك اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ المُتَجاوِزِينَ الحلالَ اِلى الحرامِ وَذَرُوْا اُتْرُكُوا
ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ علانيتَهُ وسِرَّهُ والاثمَ قيل الزنا وقيل كلُّ معصيةٍ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ في
الآخرةِ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ يَكتَسِبُونَ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ بان ماتَ اوذُبحَ على اسمِ غيرِه
والافما ذَبحَهُ المسلمُ ولم يُسَمِّ فيه عمدًا او نسياناً فهو حلالٌ قالَهُ ابنُ عباس رضى اللّٰه تعالٰى عنه وعليه
الشافعيُّ وَاِنَّهٗ اى الاكلَ منه لَفِسْقٌ خُروجٌ عمّا يَحِلُّ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ يُوَسْوِسُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِیٰٓئِهِمْ
الكفارِ لِیُجَادِلُوْكُمْ في تحليلِ المَيْتةِ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ فيه اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: اور اگر ہم ان پر فرشتے نازل کر دیتے اور ان کی تجویز کے مطابق مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ان کی آنکھوں کے سامنے (دنیا بھر کی) ہر قسم کی چیزیں جمع کر دیتے قُبُلًا قاف اور باء کے ضمہ کے ساتھ قبیلٌ کی جمع ہے بمعنی گروہ، اور ایک قراءت میں قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی روبرو (نظروں کے سامنے) اور وہ آپ کی صداقت کی شہادت دیتے تب بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اِلَّا یہ کہ مشیت الٰہی کا تقاضہ یہی ہو تو ایمان لا سکتے ہیں، لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ اس معاملہ میں جہالت کی باتیں کرتے ہیں جس طرح ہم نے ان لوگوں کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے اسی طرح ہم نے انسانی سرکش شیطانوں اور جناتی شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے اور شیطین الانس الخ (عدوّ) سے بدل ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے وسوسے کے ذریعہ چکنی چپڑی باتیں کرتے رہتے ہیں باطل سے ملمع کی

ہوئی باتیں تا کہ ان کو فریب میں مبتلا کر سکیں، اگر تیرے رب کی مشیئت نہ ہوتی تو یہ وسوسہ (مذکورہ) کی جرأت کبھی نہ کر سکتے تو
آپ کفار کو اور ان کی افتراء پردازی (یعنی) کفر وغیرہ کو جس کو انکے لئے آراستہ کر دیا گیا ہے (ان کی حالت پر) چھوڑ دو، اور یہ
حکم جہاد سے پہلے کا حکم ہے، اور تا کہ ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے چکنی چپڑی باتوں کی طرف مائل ہو جائیں،
(ولتصغیٰ) کا عطف غرورًا پر ہے تا کہ وہ جن گناہوں کا ارتکاب کرنا چاہتے ہیں ارتکاب کریں جن کی پاداش میں ان کو سزا
دی جائے، اور جب مشرکین نے آپ ﷺ سے اپنے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حکم طلب کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، تو کیا
میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والے کو طلب کروں حالانکہ وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے
تمہاری طرف ایک مفصل کتاب (قرآن) نازل کی جس میں حق کو باطل سے ممتاز کیا گیا ہے، اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب
تورات دی ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، اس بات کو جانتے ہیں کہ قرآن تمہارے رب کی جانب سے حق کے
ساتھ نازل کیا گیا ہے (منزل) میں تخفیف اور تشدید دونوں جائز ہیں، لہٰذا تم قرآن کے بارے میں شک کرنے والوں میں نہ
ہو اور مراد مذکورہ بیان سے کافروں سے قرآن کے حق ہونے کا اقرار کرانا ہے اور آپ کے رب کا کلام احکام ومواعید کی صداقت
وعدالت کے اعتبار سے کامل ہے (صدقًا اور عدلًا) تمیز ہے اس کے کلام میں نقص یا خلاف واقعہ ثابت کر کے کوئی تبدیلی
کرنے والا نہیں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس کا سننے والا اور جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا جاننے والا ہے اور دنیا میں زیادہ تر لوگ کفار
ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا مانیں تو وہ تم کو اللہ کی راہ یعنی دین سے بے راہ کر دیں یہ لوگ مردار کے بارے میں آپ سے مباحثہ
کرنے میں محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں جبکہ انہوں نے کہا کہ جس کو اللہ نے قتل کیا وہ کھانے کے زیادہ لائق ہے بہ نسبت
اس کے کہ جس کو خود تم نے قتل کیا ہے، یہ لوگ محض قیاسی باتیں کرتے ہیں (یعنی) وہ اس معاملہ میں کذب بیانی کرتے ہیں،
بالیقین آپ کا رب اس شخص کو بخوبی جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھی راہ پر چلنے
والے ہیں چنانچہ ان میں سے ہر ایک کو وہ جزاء دے گا، سو جس جانور پر اس کا نام لیا گیا ہے یعنی اس کے نام پر ذبح کیا گیا ہے تم
کو اس میں سے کھانے کی اجازت ہے اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے مذبوح جانور سے نہ کھاؤ کہ
جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اللہ نے (آیۃ) حُرِّمَت علیکم المیتۃ میں ان سب جانوروں کی تفصیل بیان کر دی ہے جو
تم پر حرام کئے گئے ہیں (فُصِّل و حرمت) میں مجہول اور معروف دونوں قراءتیں ہیں دونوں فعلوں میں، مگر وہ بھی جب کہ تم اس
کے لئے شدید مجبور ہو جاؤ تو تمہارے لئے حلال ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں سے کھانے سے تمہارے لئے کوئی مانع نہیں
ہے، تمہارے لئے ان چیزوں کو بیان کر دیا گیا ہے جن کا کھانا تمہارے لئے حرام کر دیا گیا ہے، اور یہ ان میں سے نہیں ہے، اور یہ
یقینی بات ہے کہ بہت سے لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر کہ جس پر اس بارے میں اعتماد کریں محض اپنی خواہشات کی بنا پر
یعنی اپنے نفس کی خواہش کے مطابق مردار وغیرہ کے حلال ہونے کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں (لَیضلون) یاء کے
فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، بلاشبہ تمہارا رب حد سے تجاوز کرنے والوں سے بخوبی واقف ہے (یعنی) حلال سے حرام کی جانب

تجاوز کرنے والوں کو (بخوبی) جانتا ہے (اے مسلمانو) تم ظاہری گناہ سے بھی بچو اور باطنی گناہ سے بھی بچو (یعنی) علانیہ گناہ سے بھی اور پوشیدہ گناہ سے بھی، اور کہا گیا ہے کہ اثم سے مراد زنا ہے اور کہا ہے کہ (اثم) ہر معصیت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو آخرت میں ان کے کئے کی سزا دی جائے گی اور اس جانور سے نہ کھاؤ جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، بایں طور کہ (ازخود) مر گیا ہو یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، ورنہ تو جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہو اور اس پر قصداً یا نسیاناً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال ہے یہ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے بلاشبہ یہ (یعنی) اس میں سے کھانا فسق ہے (یعنی) حلال سے (حرام کی جانب) تجاوز کرنا ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کافروں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے مردار کے حلال ہونے میں (تم سے) مجادلہ کریں اور اگر تم اس معاملہ میں ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: جَمْعُ قَبِیْلٍ، قُبُلٌ قبیلٌ کی جمع ہے جیسے رُغُفٌ رَغیف کی جمع ہے، بمعنی جماعت گروہ اور بعض کے نزدیک قِبَلٌ کی جمع ہے، بمعنی نظروں کے سامنے قُبُلًا، کُلَّ سے حال ہے۔

قولہ: شیٰطین عَدوًّا سے بدل ہے۔

قولہ: مَـرَدَة، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ شیـاطین کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں اسلئے کہ انسان حقیقی شیطان نہیں ہوتا سرکشی کی وجہ سے انسان کو شیطان کہہ دیا جاتا ہے۔

قولہ: یُوَسْوِسُ، یوحِی کی تفسیر یُوَسْوِسُ سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: وحی کی نسبت شیطان کی طرف کرنا جائز ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

جواب: وحی سے مراد وسوسہ ہے، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: جَعَلْنَا هٰؤلاءِ اَعْدَائَكَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ ہے، جو دو مفعول چاہتا ہے اول مفعول عَدوًّا ہے جو کہ مؤخر ہے اور لکل نبی مفعول ثانی ہے جو مقدم ہے اور شیٰطین الانس والجن، عدوًّا سے بدل ہے، اور بعض حضرات نے عدوًّا کو مفعول ثانی کہا ہے اور شیٰطین مفعول اول ہے اور لکل محذوف سے متعلق ہو کر عدوًّا سے حال ہے۔

قولہ: مَرَدَة، یہ مارِدٌ کی جمع ہے بمعنی سرکش۔

قولہ: لِیَغُرُّوهم اس میں اشارہ ہے کہ غرورًا مفعول لہ ہے۔

قولہ: عَطفٌ علی غرورًا لِتصغی کا عطف غرورًا پر ہے لتصغی چونکہ غرورًا کی علت ہے لہٰذا معطوف اور معطوف

یہ میں عدم مناسبت کا اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔
قولہ: اَلْمُرَادُ بِذٰلِكَ التَّقْرِيْرُ اَنَّهٗ حَقٌّ، اس اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔
شبہ: فَلَاتَكُوْنَنَّ من الْمُمْتَرِيْنَ، میں آنحضرت ﷺ کو قرآن کے من جانب اللہ ہونے میں شک کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، حالانکہ آپ کے شبہ کرنے کا سوال ہی نہیں تھا اس لئے کہ قرآن تو خود آنحضرت ہی پر نازل ہوتا تھا تو پھر اس کا کیا مطلب ہے۔
جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ امتراء کا تعلق حقانیت قرآن کے بارے میں کفار اہل کتاب کے علم سے ہے یعنی کفار سے قرآن کے برحق اور من جانب اللہ ہونے کا اقرار کرانا ہے، اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کلام میں تعریض ہے خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے مگر مراد کفار اہل کتاب ہیں۔
قولہ: تَمَّتْ، ای بلغت الغاية اخبارہ مواعيدہ.
قولہ: صدقًا وعدلًا، صدقًا کا تعلق مواعید سے ہے اور عدلًا کا تعلق احکام سے ہے، یہ لف ونشر غیر مرتب کے طور پر ہے۔
قولہ: ای عالم، مفسر علام نے اعلم کی تفسیر عالم سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔
اعتراض: اسم تفضیل اسم ظاہر کو نصب نہیں دیتا اِلّا فی مسئلة الكحل كما تقرر فی النحو، حالانکہ یہاں اعلم من یضل کو نصب دے رہا ہے اسلئے کہ من یضل محل میں نصب کے ہے۔
جواب: من یضل اعلم کی وجہ سے منصوب نہیں ہے بلکہ اعلم معنی میں عالم کے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الملائكةَ الخ، یہ آیت ماقبل میں مذکور اجمال کی تفصیل ہے ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے جب مخصوص قسم کے معجزے طلب کئے مثلاً یہ کہ کوہِ صفاء سونے کا کر دیا جائے یا عرب کا ریگ زار کشتِ زار بنا دیا جائے یا مکہ کے اطراف کے پہاڑ ہٹا کر ہموار میدان کر دیا جائے تو مومنین المخلصین کی یہ خواہش ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ مشرکین کے فرمائشی معجزوں کو اتمام حجت کے طور پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر فرما دیتے تا کہ حجت تام ہو جاتی اور مشرکوں کیلئے ایمان لانے میں کوئی عذر باقی نہ رہتا نیز اسطرح اسلام کو قوت حاصل ہو جاتی۔
مومنین کی خواہش کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق بلکہ اس سے بھی بڑھکر مثلاً اگر آسمان سے فرشتے اتر کر آپ کی رسالت کی تصدیق کریں اور مردے قبروں سے نکل کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور گذشتہ تمام امتوں کو زندہ کر کے ان کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا جائے تب بھی سوء استعداد اور تعنت وعناد کی وجہ سے لوگ حق کو ماننے والے نہیں، البتہ اگر خدا چاہے تو زبردستی منوا سکتا ہے لیکن ایسا چاہنا اس کی حکمت اور تکوینی نظام کے خلاف ہے جس کو ان میں کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

وکذلک جعلنا لکل نبی الخ یعنی آج اگر شیاطین جن وانس متفق ہوکر آپ کے مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو کہ آپ ہی کے ساتھ پیش آرہی ہے، ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کوئی پیغمبر دنیا کو راہِ راست دکھانے کے لئے اٹھا تو تمام شیطانی قوتیں اس کے مشن کو ناکام کرنے کے لئے کمر بستہ ہوگئیں۔

خدا کو منظور یہی ہے کہ جب تک نظام عالم قائم رکھنا ہے نیکی اور بدی، ہدایت وضلالت کی حریفانہ جنگ جاری رہے، جس طرح آج یہ مشرکین ومعاندین آپ کو بیہودہ فرمائشوں سے دق کرتے ہیں اور مختلف حیلوں سے لوگوں کو جادۂ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں، اسی غرض فاسد کیلئے شیاطین الجن والانس باہم تعاون کرتے ہیں اوران کی یہ عارضی آزادی اسی عام حکمت اور نظام تکوینی کے ماتحت ہے، اسلئے آپ ان کی فریب دہی سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں آپ ان سے اوران کے کذب وافتراء سے قطع نظر کر کے معاملہ کو خدا کے سپرد کردیں۔

شانِ نزول:

اَفَغیر اللّٰه ابتغی حَکَمًا، مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے کہ اہل کتاب میں سے کسی کو ثالث قرار دیا جائے اگر وہ قرآن کو کلام الٰہی کہدے تو ہم لوگ آپ کے نبی برحق اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے قائل ہوجائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان مقدمۂ نبوت ورسالت میں اختلاف ونزاع ہے میں اس کا مدعی ہوں اور تم منکر اور اس نزاع واختلاف کا فیصلہ احکم الحاکمین کی عدالت سے میرے حق میں اس طرح ہوچکا ہے کہ میرے اس دعوے پر کافی ثبوت اور دلائل موجود ہیں خود قرآن کا اعجاز ہے جس نے نہ صرف عالم عرب کو بلکہ اقوام عالم کو چیلنج کیا کہ اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی کو شبہ ہو تو اس کلام کی ایک چھوٹی سی سورت یا آیت کا مقابلہ کر کے دکھادے جس کے جواب میں پورا عرب عاجز رہا، اور وہ لوگ آنحضرت ﷺ کو شکست دینے اور عاجز کرنے کے لئے اپنی جان، مال، اولاد، عزت آبرو سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا کہ قرآن کے مقابلہ کے لئے ایک چھوٹی سے چھوٹی آیت بنا کر پیش کردیتا، یہ کھلا ہوا معجزہ کیا قبول حق کے لئے کافی نہ تھا؟ کہ ایک امی جس نے کہیں تعلیم حاصل نہیں کی اس کے پیش کئے ہوئے کلام کے مقابلہ میں پورا عرب بلکہ پوری دنیا عاجز ہوجائے، یہ درحقیقت احکم الحاکمین کی عدالت سے واضح فیصلہ ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور قرآن اللہ جل شانہ کا کلام ہے۔

کفار کی جانب سے ایک مغالطہ:

کفار نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالنا چاہا کہ اے مسلمانو تم اللہ کے مارے ہوئے جانور کو تو کھاتے نہیں ہو اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبح کئے ہوئے کو کھاتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ ابوداؤد اور حاکم نے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ

بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ شبہ نقل کیا اس پر یہ آیتیں المشرکون تک نازل ہوئیں۔

حاصل یہ کہ تم مسلمان ہو قرآن پر تمہارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال وحرام کی تفصیل بیان فرمادی ہے لہٰذا اس پر چلتے رہو حلال پر حرام ہونے کا اور حرام پر حلال ہونے کا شبہ مت کرو اور مشرکوں کے وسوسوں کی طرف التفات نہ کرو۔

متروک التسمیہ مذبوح کا حکم:

چونکہ آیت پاک لا تاکلوا ممّا لم یُذکر اسم اللّٰه علیه واِنَّهٗ لفسق، میں صاف حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کے چند مسائل تحریر کردیئے جائیں۔

امام احمد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام احمد، امام شعبی اور ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جس جانور کو اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کیا گیا ہو اسے کھانا جائز نہیں، اس سے قطع نظر کہ قصداً ایسا کیا گیا ہو یا بھول کر ایسا ہو گیا، ان حضرات کا متدل مذکورہ آیت ہے۔

امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ اگر نسیاناً بسم اللہ متروک ہوگئی تو ایسے جانور کو کھانا جائز ہے۔

(الف): حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے متروک التسمیہ نسیاناً کا حکم دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا ''ہر مسلمان کی زبان پر اللہ کا نام موجود ہے'' (دارقطنی) ایک روایت میں زبان کے بجائے قلب کا لفظ ہے۔

(ب): حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''کہ مسلمان اگر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تب بھی اس کو اللہ کا نام لے کر کھالے''۔ (دارقطنی)

امام بوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مسلک وہی ہے جو امام مالک سے مروی ہے۔

امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ ذبح کرتے ہوئے اگر بسم اللہ کو قصداً ترک کردیا یا سہواً ترک ہوگئی تو اس جانور کا کھانا درست ہے ان کی دلیل ہے کہ ہر مومن کے قلب میں اللہ کا نام ہوتا ہے، اور امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ متروک التسمیہ سے

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور مراد لیتے ہیں، اسلئے کہ مذکورہ آیت میں نہ کھانے کا سبب فسق بتلایا گیا ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فسق کا مصداق اس جانور کو لیتے ہیں جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

ونَزَلَ فی ابی جهلٍ وغیرِه **اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا** بالكُفرِ **فَاَحْيَيْنٰهُ** بالهدیٰ **وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ** يَبْصُرُ به الحقَّ من غيرِه وهو الايمانُ **كَمَنْ مَّثَلُهٗ** مثل زائدٌ ای كمن هو **فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا** وهو الكافرُ لا **كَذٰلِكَ** كما زُيِّنَ للمؤمنين الايمانُ **زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ من الكُفرِ والمَعاصِیْ **وَكَذٰلِكَ** كما جَعَلْنا فُسَّاقَ مكةَ اكابرَها **جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا** بالصَّدِ عن الايمانِ **وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ** لان وبالَهُ عليهم **وَمَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۱۲۳﴾ بذلك **وَاِذَا جَآءَتْهُمْ** ای اَهلَ مكةَ **اٰيَةٌ** على صِدقِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم **قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ** به **حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ** من الرِّسالةِ ويُوحٰی الينا لانا اكثرُ مالًا واكبرُ سِنًّا قال تعالى **اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ** بالجمعِ والافرادِ وحيث مفعولٌ به لفِعْلٍ دَلَّ عليه اَعْلَمُ ای يَعْلَمُ المَوْضِعَ الصَّالِحَ لو ضعِها فيه وهؤلاءِ لَيْسُوْا اَهْلًا لها **سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا** بقولِهِم ذلك **صَغَارٌ** ذُلٌّ **عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ** ﴿۱۲۴﴾ ای بسَبَبِ مَكرِهِمْ **فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ** بان يَقْذِفَ فی قَلْبِه نورًا فيَنْفَسِحُ له ويَقْبَلُهُ كما وَرَدَ فی حديثٍ **وَمَنْ يُّرِدْ** اللّٰهُ **اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا** بالتخفيفِ والتشديد عن قُبُوْلِه **حَرَجًا** شديدَ الضيقِ بكسرِ الرَّاءِ صفةٌ وفتحِها مصدرٌ وُصِفَ به مبالغةً **كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ** وفی قراءةٍ يَصَّاعَدُ وفيهما ادغامُ التاءِ فی الاصلِ فی الصَّادِ وفی الاخرٰی بسكونِها **فِي السَّمَآءِ** اذا كُلِّفَ الايمانَ لشدتِه عليه **كَذٰلِكَ** الجعلِ **يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ** العذابَ اوالشيطانَ ای يُسلِّطُه **عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۲۵﴾ **وَهٰذَا** الذی انت عليه يا محمدُ **صِرَاطُ** طريقُ **رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا** لا عِوَجَ فيه ونَصْبُهُ على الحالِ المؤكدةِ للجملةِ والعاملُ فيها معنى الاشارةِ **قَدْ فَصَّلْنَا** بَيَّنَّا **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ** ﴿۱۲۶﴾ فيه ادغامُ التاءِ فی الاصلِ فی الذالِ ای يَتَّعِظُوْنَ وخُصُّوْا بالذِّكْرِ لانهم المُنْتَفِعُوْنَ بها **لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ** ای السَّلامةِ وهی الجنةُ **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۷﴾ وَاذْكُرْ **يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ** بالنونِ والياءِ ای اللّٰهُ الخلقَ **جَمِيْعًا** ويُقَالُ لهم **يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ** باغوائِكم **وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ** الذين اَطاعُوهم **مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ** اِنْتَفَعَ الانسُ بتزيينِ الجنِّ لهم الشهواتِ والجنُّ بطاعةِ الانسِ لهم **وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا** وهو يومُ القيمةِ وهذا تَحَسُّرٌ منهم **قَالَ** تعالى لهم على لِسانِ الملئكةِ **النَّارُ مَثْوٰىكُمْ** مَأْوٰكُمْ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ** من الاوقاتِ التی يَخْرُجُوْنَ فيها لشُرْبِ الحَمِيْمِ فانَّها خارجَها كما قال تعالى ثُمَّ ان مَرْجِعَهم لا الی الجحيمِ وعن ابنِ عباسٍ رضی اللّٰه تعالى عنه انه فی مَنْ عَلِمَ اللّٰهُ تعالى انهم يؤمنون فما بمعنى مَنْ **اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ** فی

صُنعِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ بخلقِهٖ وَكَذٰلِكَ كما مَتَّعنا عُصَاةَ الانسِ والجنّ بعضَهم ببعضٍ نُوَلِّيْ من الوَلَايَةِ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا اى على بعضٍ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ مِنَ المَعَاصِي.

ترجمہ: اور (آئندہ آیت) ابوجہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، کیا وہ شخص جو کفر کی وجہ سے مردہ ہو پھر ہم نے اس کو ہدایت کے ذریعہ زندہ کر دیا ہو اور اس کو ایسا نور دیا ہو کہ جس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان چلتا ہو (یعنی) اس نور کے ذریعہ حق و باطل کو دیکھتا ہو، اور وہ (نور) ایمان ہے اس جیسا لفظ (مثل) زائد ہے ہو سکتا ہے کہ جو تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو؟ تاریکیوں سے نکل ہی نہ پاتا ہو اور وہ کافر ہے، نہیں ہو سکتا، جس طرح مومنوں کے لئے ایمان خوشنما بنا دیا گیا ہے اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال یعنی کفر و معاصی خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور جس طرح ہم نے مکہ کے سرغنوں کو فاسق (حد سے تجاوز کرنے والے) بنا دیا اسی طرح ہر بستی میں اس کے بڑے مجرموں کو ایمان سے روک کر فاسق (حد سے تجاوز کرنے والا) بنا دیا تاکہ وہ لوگ وہاں مکر کریں اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ مکر کر رہے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال ان ہی پر پڑنے والا ہے، اور ان کو اس کا احساس تک نہیں، اور جب مکہ والوں کے پاس نبی ﷺ کی صداقت کی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے تا آں کہ ہم کو ایسی ہی رسالت نہ دیدی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے اور تا آں کہ ہم کو اطلاع نہ دی جائے، اس لئے کہ ہم ان سے مال میں زیادہ اور عمر میں بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس بات کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کس کے پاس بھیجے (رسالات) جمع اور افراد کے ساتھ ہے، اور حیثُ اس فعل کا مفعول بہ ہے جس پر اَعْلَمُ دلالت کر رہا ہے یعنی اس مناسب موقع کو خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنا پیغام بھیجے چنانچہ اسی جگہ اپنا پیغام بھیج دیتا ہے، اور یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں، عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے مذکورہ بات کہہ کر جرم کا ارتکاب کیا اللہ کے نزدیک ان کے مکر کے سبب ذلت اور سخت عذاب لاحق ہوگا، سو جس شخص کو اللہ ہدایت پر ڈالنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے، بایں طور کہ اس کے دل میں نور ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے اور اس (اسلام) کو قبول کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور جس کو اللہ بے راہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو قبول اسلام سے نہایت تنگ کر دیتا ہے (ضَيِّقًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، حَرَجًا) راء کے کسرہ کے ساتھ صفت ہے اور اس کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے بطور مبالغہ صفت لائی گئی ہے، (اسے اسلام کے تصور ہی سے) جب اس کو ایمان کا مکلّف بنایا جاتا ہے تو اسلام اس پر بھاری ہونے کی وجہ سے اس کو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ (اس کی روح) آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے، اور ایک قراءت میں (يَصَّعَّدُ) کی بجائے يَصَّاعَدُ ہے اور دونوں صورتوں میں اصل میں تاء کا صاد میں ادغام ہے، اور (ایک) دوسری قراءت میں صاد کے سکون کے ساتھ ہے، فعل مذکور کے مانند اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر عذاب کو یا شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور اے محمد ﷺ جس پر تم ہو یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے اس میں کسی قسم کی کجی نہیں، اس پر نصب جملہ کا حال مؤکدہ ہونے کی وجہ سے ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ ہے اپنے معنی کے

اعتبار سے، اور ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اس میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام ہے یذکرون معنی میں یتعظون کے ہے، اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ آیات سے نفع حاصل کرتے ہیں، اور ان ہی کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر یعنی جنت ہے اور وہی ان کا ولی ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے نون اور یاء کے ساتھ، یعنی اللہ اپنی تمام مخلوق کو جمع کرے گا اور ان سے کہا جائیگا اے جنوں کی جماعت تم نے اغواء کے ذریعہ بہت سے انسانوں کو اپنا پیرو بنالیا، انسانوں میں سے جنوں کے وہ دوست جنہوں نے ان کی اطاعت کی کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا (یعنی) انسانوں نے جنوں سے فائدہ اٹھایا جنوں کے انسانوں کے لئے شہوتوں کو خوشنما بنانے کی وجہ سے اور جنات نے (فائدہ اٹھایا) انسانوں کے ان کے پیروی کرنے کی وجہ سے، اور ہم اپنی اس مقررہ میعاد پر پہنچ چکے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی اور وہ قیامت کا دن ہے اور یہ ان کی جانب سے اظہار حسرت ہے اللہ ان سے فرشتوں کے واسطہ سے فرمائیگا جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے تم اس میں ہمیشہ ہمیش رہو گے مگر اتنی مدت کہ اللہ چاہے کہ وہ اس مدت میں گرم پانی پینے کے لئے نکلیں گے اسلئے کہ گرم پانی جہنم سے باہر ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا "پھر ان کی جہنم کی طرف واپسی ہوگی" اور حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ یہ استثناء ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی جانتا ہے کہ وہ ایمان لائیں گے تو (اس صورت میں) مَا، مَن کے معنی میں ہوگا، یقیناً تیرا رب اپنی صنعت میں حکیم اپنی مخلوق کے بارے میں علیم ہے اور اسی طرح (یعنی) جس طرح نافرمان انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے والا بنایا اسی طرح ہم بعض ظالموں کا بعض کو مددگار بنادیں گے ان کے ان اعمال بد کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مِثْلُ زَائِدَۃٌ، تاکہ تکرار کا شبہ باقی نہ رہے، زائد ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مثل صفت ہے، اگر مثل کو زائد نہ مانیں تو صفت کا ظلمات میں ہونا لازم آتا ہے حالانکہ ظلمات ذات ہے نہ کہ صفت۔

قَوْلُہٗ: ضَیْقًا بالتخفیف، مصدر ہے اس صورت میں حمل مبالغۃً زید عدل کی قبیل سے بطور مجاز ہوگا، اور اگر تشدید کے ساتھ ہو تو صفت مشبہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: حَرِجًا بکسر الراء صفت مشبہ کا صیغہ اختلاف لفظ کی وجہ سے تکرار میں ایک قسم کا حسن پیدا ہوگیا ہے اور باقی حضرات نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں حَرَجۃ کی جمع ہوگا بمعنی شدۃ الضیق، اور اگر مصدر ہو تو حمل مبالغۃً ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یَصَّعَدُ، باب تفعّل سے اور یصّاعد باب تفاعل سے۔

قَوْلُہٗ: من الولَایَۃ بفتح الواء، بمعنی النصرۃ اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو بمعنی سلطان، دوسرے معنی مقام کے

اعتبار سے زیادہ مناسب ہیں، اسی معنی پر مصنف علیہ الرحمۃ کا قول علی البعض دلالت کر رہا ہے۔

تفسیر وتشریح

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو میت اور مومن کو زندہ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ کافر کفر وضلالت کی تاریک وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے جس سے وہ نکل نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہوتا ہے، اور مومن کو اللہ تعالیٰ نور ایمانی کے ذریعہ زندہ رکھتا ہے جس سے زندگانی کی راہیں اس کے لئے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایمان وہدایت کے راستہ پر گامزن رہ کر منزل مقصود پر پہنچتا ہے اور یہی کامیابی وکامرانی ہے، اس مضمون کو قرآن کی بہت سی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

شان نزول:

اگر چہ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت عمر اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت امیر حمزہ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ابتداء اسلام سے لیکر قیامت تک آنے والے ہر مسلمان اور کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں اللہ نے مومن کی مثال زندہ شخص سے اور کافر کی مردہ شخص سے دی ہے۔

کافروں کی مکاری اور حیلہ جوئی کی ایک مثال:

کافر، انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا جب کوئی نشان دیکھتے تو ازراہ مکروعناد کہتے ہم ان دلائل ونشانات کو نہیں مانتے، ہم تو اس وقت یقین کر سکتے ہیں جب ہمارے اوپر فرشتے نازل ہوں، اور پیغمبروں کی طرح ہم کو بھی خدائی پیغام سنائیں یا خود حق تعالیٰ ہی ہمارے سامنے آجائیں، "وقال الذین لایرجون لقاء نا لولا انزل علینا الملائکۃ او نریٰ ربنا لقد استکبروا فی انفسھم وعتو عتوًا کبیرا. (فرقان)

وکذلک جعلنا فی کل قریۃ اکبر مجرمیھا (الآیۃ) اکابر، اکبر کی جمع ہے مراد کافروں، فاسقوں کے سرغنے ہیں اسلئے کہ یہی انبیاء اور داعیان حق کی مخالفت میں پیش پیش رہتے ہیں، عام اور معمولی درجے کے لوگ ان کے پیچھے لگ لیتے ہیں اسی لئے ان کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے اور ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں، اس لئے مخالفت حق میں بھی ممتاز ہوتے ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے پاس بھی فرشتے وحی لےکر آئیں اور ان کے سروں پر تاج نبوت رکھا جائے، حالانکہ یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہ ہر بات کی حکمت مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے مکہ کا کوئی چودھری؟ یا

جناب عبداللہ وحضرت آمنہ کا دریتیم؟

یا معشر الجن قد استکثرتم من الانس (الآیة) اے جنو! تم نے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر کے اپ
پیرو بنالیا ہے، جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں جنوں ک
انسانوں سے فائدہ اٹھانا انکو اپنا پیرو کار بنا کر ان سے تلمذ حاصل کرنا ہے اور انسانوں کے جنوں سے فائدہ اٹھانے کا مطلب یہ ہ
کہ شیطانوں نے ان کے گناہوں کو خوشنما بنا کر پیش کیا جسے انہوں نے قبول کرلیا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان ان غیبی خبروں کی
تصدیق کرتے رہے جو شیطین و جنات کی طرف سے کہانت کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں یہ گویا کہ جنات نے انسانوں کو بے
وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا، اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں او
کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیوی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ای من مَجموعِکم الصادق بالانس او رسلُ الجن
نُذُرهم الذین یَسمَعُونَ کلامَ الرُّسُلِ فیُبَلِّغُونَ قومَهُم **يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ**
يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا ان قد بَلَّغَنا قال تعالی **وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** فلم يُؤمِنُو
وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ١٣٠ ذٰلِكَ ای ارسالُ الرُّسُلِ **اَنْ** اللام مقدرةٌ وهی مخففةٌ ای لانہ
لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي بِظُلْمٍ منها **وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ١٣١** لم یُرسَل الیهم رسولٌ یُبینُ لهم **وَلِكُلٍّ** من العاملین
دَرَجٰتٌ جزاء **مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ** من خیر وشرّ **وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ١٣٢** بالیاء والتاء **وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ** عن
خلقِه وعبادتِهم **ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ** یا اهلَ مكةَ بالاهلاك **وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ** من
الخلقِ **كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ١٣٣** اَذهَبَهم ولکنه تعالی اَبقاکم رحمةً **اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ** من الساعة
والعذاب **لَاٰتٍ ۙ** لا مُحالةَ **وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ١٣٤** فائتِیْنَ عذابَنا **قُلْ** لهم **يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ**
حالَتِکُم **اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ** علی حالَتِیْ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ** موصولة مفعول العلم **تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ** ای
العاقبةُ المحمودةُ فی الدار الآخرةِ انحن ام انتم **اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ** یَسعَدُ **الظّٰلِمُوْنَ ١٣٥** الکافرون **وَجَعَلُوْا** ای
کُفّارُ مکةَ **لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ** خَلَقَ **مِنَ الْحَرْثِ** الزرع **وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا** یَصرِفُونَهُ الی الضِیْفانِ والمساکین
ولشرکائهم نصیبًا یَصرِفُونَهُ الی سَدَنَتِها **فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ** بالفتح والضم
وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فکانوا اذا سَقَطَ فی نصیبِ اللهِ شیءٌ من نصیبِها اَلتَقَطُوْهُ او فی نصیبِها شیءٌ من
نصیبِهٖ تَرَکُوْهُ وقالُوا ان اللهَ غَنِیٌّ عن هذا کما قال تعالی **فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ** ای لجهته
وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰي شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ بِئسَ **مَا يَحْكُمُوْنَ ١٣٦** حکمُها هذا **وَكَذٰلِكَ** کما زُیِّنَ لهم
ما ذُکِرَ **زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ** بالوَأدِ **شُرَكَاۗؤُهُمْ** من الجِنِّ بالرفع فاعلُ زَیَّن

وفی قراءۃٍ ببنائِہ للمفعول ورفعِ قَتْل ونصب الاولادِ وجَرّ شرکائِھم باضافتِہ وفیہ الفَصْلُ بینَ المضافِ
الیہ بالمفعول ولا یَضُرُّ اضافۃُ القتل الی الشرکاءِ لِاَمْرِھِمْ بہ **لِیُرْدُوْھُمْ** یُھْلِکُوھم **وَلِیَلْبِسُوْا** یَخْلِطُوْا
عَلَیْھِمْ دِیْنَھُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰہُ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ١٣٧ وَقَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ حَرامٌ
لَّا یَطْعَمُھَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ من خَدَمَۃِ الاوْثان وغیرھم **بِزَعْمِھِمْ** ای لا حُجَّۃَ لھم فیہ **وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُھُوْرُھَا**
فلا تُرْکَبُ کالسوائب والحَوامِیْ **وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْکُرُوْنَ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا** عندَ ذَبْحِھا بل یَذْکُرُوْنَ اسمَ اَصنامِھم
ونَسَبُوْا ذٰلک الی اللہِ **افْتِرَاۗءً عَلَیْہِ ۭ سَیَجْزِیْھِمْ بِمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ١٣٨** علیہ **وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ** المحرَّمَۃِ
وھو السوائبُ والبحائرُ **خَالِصَۃٌ** حلالٌ **لِّذُکُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا ۚ** ای النساءِ **وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَۃً** بالرفعِ
والنصبِ مع تانیثِ الفعلِ وتذکیرہ **فَھُمْ فِیْہِ شُرَکَاۗءُ ۭ سَیَجْزِیْھِمْ** اللّٰہُ **وَصْفَھُمْ ۭ** ذلک بالتحلیلِ والتحریمِ ای جَزاءَہٗ
اِنَّہٗ حَکِیْمٌ فی صنعِہٖ **عَلِیْمٌ ١٣٩** بخلقِہٖ **قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا** بالتخفیفِ والتشدید **اَوْلَادَھُمْ** بالوأدِ **سَفَھًۢا**
جَھلاً **بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَھُمُ اللّٰہُ** مما ذُکِرَ **افْتِرَاۗءً عَلَی اللّٰہِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ١٤٠**

ترجمہ: اے جن وانس کے گروہو! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے؟ یعنی تمہارے مجموعہ میں سے جو کہ انسانوں پر صادق ہے، یا رسلِ جن سے وہ آگاہ کرنے والے جن مراد ہیں جو (انسانی) رسولوں کا کلام سنتے اور اپنی قوم کو پہنچاتے تھے، جو تم کو میری آیتیں پڑھ کر سناتے اور تم کو اس دن کے پیش آنے سے آگاہ کرتے، وہ کہیں گے (ہاں) ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے پاس پیغام پہنچایا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائیگا ان کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے، اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے یہ رسولوں کو بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو اس حال میں ہلاک کرنا نہیں چاہتا کہ وہ بے خبر ہوں کہ ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو وہ ان کو آگاہ کرنے والا ہو، اور ہر نیک و بد عمل کرنے والے کو (اس کے عمل کی) جزاء ملے گی، اور آپ کا رب ان کے عمل سے بے خبر نہیں ہے (یعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور آپ کا رب اپنی مخلوق اور اس کی عبادت سے مستغنی ہے، رحمت والا ہے اے اہل مکہ اگر وہ چاہے تو تم کو ہلاک کر کے نیست کر دے اور تمہارے بعد جس مخلوق کو چاہے تمہارا خلیفہ بنا دے جیسا کہ تم کو دوسری قوموں کی نسل سے پیدا کیا ہے جن کو اس نے ہلاک کر دیا، لیکن محض اپنے فضل سے تم کو باقی رکھا، یقیناً تم سے جس قیامت اور عذاب کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنیوالی ہے اور تم (ہم کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی تم ہمارے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکتے، (اے محمد) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنے طریقہ پر عمل کرتے رہو میں اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں تم کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ کس کا دار آخرت میں انجام بہتر ہے؟ مَن موصولہ تعلمون کا مفعول ہے یعنی آخرت میں کون انجام کے اعتبار سے بہتر ہے؟ ہم یا تم، یہ یقینی بات ہے کہ ظالم کافر کامیاب نہ ہوں گے اور کفار مکہ نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور

مویشیوں سے ایک حصہ اس کے لئے مقرر کیا ہے جس کو وہ مہمانوں اور مسکینوں کے لئے خرچ کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کیا ہے جس کو وہ کعبہ کے خدام کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور بزعم خویش کہتے ہیں یہ اللہ کے لئے ہے (زعم) زاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے اور یہ ہمارے معبودوں کے لئے ہے اگر اللہ کے حصہ میں بتوں کے حصے سے کچھ گر جاتا تو اٹھا لیتے اور اگر بتوں کے حصہ میں اللہ کے حصے میں سے کچھ گر جاتا تو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اللہ اس سے بے نیاز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، پھر جو ان کے بتوں کا حصہ ہوتا ہے تو وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا حصہ ہوتا ہے وہ ان کے بتوں تک پہنچ جاتا ہے جو فیصلہ یہ لوگ کرتے ہیں کس قدر ناپسندیدہ ہے اور جس طرح مذکورہ چیزیں ان کے لئے خوشنما بنادی گئی ہیں اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لئے زندہ درگور کے ذریعہ انکی اولاد کا قتل کرنا ان کے جنی معبودوں نے خوشنما بنادیا ہے (شرکاء) کے رفع کے ساتھ زَیَّنَ کا فاعل ہونے کی وجہ سے اور ایک قراءت میں (زُیِنَ) مجہول کے صیغہ کے ساتھ اور قتل کے رفع اور (زین کی وجہ سے) الاولادَ کے نصب کے ساتھ اور شرکاء کے جر کے ساتھ، اس کی اضافت کی وجہ سے اور اس میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مفعول کا فصل ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور قتل کی اضافت شرکاء کی جانب ان کے حکم کرنے کی وجہ سے ہے تا کہ وہ انھیں برباد کر دیں، اور تا کہ وہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ بنا دیں، اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے، لہٰذا انھیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ دو اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ جانور اور کھیت ہیں جن کا استعمال ممنوع ہے ان بتوں کے خدام میں سے صرف وہی کھا سکتا ہے جس کو ہم اجازت دیں (یہ پابندی) ان کے اپنے گمان کے اعتبار سے ہے یعنی اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور کچھ جانور ہیں کہ جن پر سواری ممنوع قرار دے لی گئی ہے کہ ان پر سواری نہیں کی جاتی جیسا کہ سوائب اور حوامی، اور کچھ جانور ہیں کہ بوقت ذبح ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ ان پر اپنے بتوں کا نام لیتے ہیں اور اس کی نسبت وہ اللہ کی طرف کرتے ہیں محض اللہ پر افتراء کے طور پر عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اس پر افتراء پردازیوں کی سزا دے گا، اور وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ان حرام کردہ جانوروں کے پیٹ میں ہے اور وہ سوائب اور بحائر ہیں وہ ہمارے مَردوں کے لئے خاص طور پر حلال ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو (میتة) رفع اور نصب کے ساتھ ہے فعل (یکن) کی تذکیر اور تانیث کے ساتھ تو اس میں سب برابر کے شریک ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی اس تحلیل و تحریم کی گھڑی ہوئی باتوں کی سزا دے گا، یقیناً وہ اپنی صنعت میں حکیم (اور) اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے یقیناً وہ لوگ خسارے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو زندہ دفن کر کے جہالت اور بیوقوفی کی وجہ سے قتل کیا (قتلوا) تاء کی تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے، اور اللہ کے دیئے ہوئے مذکورہ رزق کو اللہ پر افتراء پردازی کر کے حرام ٹھہرا لیا، یقیناً وہ گمراہ ہو گئے راہ راست پانے والے نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یقال لھم، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یا معشر الجن کا عامل محذوف ہے اور وہ یقال ہے نہ کہ ماقبل میں مذکور نحشرھم، المعشر بمعنی جماعت اس کی جمع مَعَاشِر ہے جنّ سے مراد شیاطین ہیں۔

قَوْلُهُ: اِسْتَكْثَرْتُمْ، سین، تاء، کثرت کی تاکید کے لئے ہیں۔

قَوْلُهُ: باِغْوَائِكم اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے، ای باغواءِ الانس۔

قَوْلُهُ: من مَجْمُوْعِكُم الصَّادِقِ بالانْسِ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: رسول انسان ہوتا ہے نہ کہ جن حالانکہ رُسُلٌ منكم، سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اس لئے کہ خطاب انس وجن دونوں کو ہے۔

جَوَاب: خطاب میں جب ثقلین جمع ہوں جیسا کہ یہاں جمع ہیں تو منکم کہنا درست ہوتا ہے اگر چہ مراد ایک ہی ہوتا ہے جیسا کہ یخرج منهما اللُّؤْلُؤ والمرجان میں دریائے شور مراد ہے اسلئے کہ دریائے شور سے موتی نکلتے ہیں نہ کہ شیریں سے مگر پھر بھی منهما کہنا درست ہے، منكم ای من مجموعكم الصادق بالانس، مطلب یہ ہے کہ منكم سے مراد مجموعۂ مخاطبین ہے اور مجموعہ میں انس بھی داخل ہیں لہٰذا منکم اس وقت بھی صادق آئیگا جب صرف ایک ہی فریق مراد ہو اور وہ یہاں انس ہے، رسلٌ سے دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہے رُسُلٌ سے رسول اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی بمعنی قاصد مراد ہے اور یہ وہ جنات تھے جنہوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا تھا گویا کہ وہ آپ ﷺ کے ان کی قوم کی طرف قاصد اور نذیر تھے۔

قَوْلُهُ: ذلك، یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الأمر ذلك، مبتداء محذوف کی وجہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے، ان لم یکن سے علت بیان ہو رہی اَنْ اصل میں لِاَنْ ہے اور علت حکم کی ہوا کرتی ہے، اور ذلك حکم نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے ذلك مبتداء محذوف کی خبر ہے ای الأمر ذلك، اور اس میں حکم ہے، لہٰذا علت بیان کرنا صحیح ہو گیا لام مقدر ماننے سے عدم ربط کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قَوْلُهُ: قوم آخرین، سے مراد اہل سفینۂ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

قَوْلُهُ: ولا يَضُرُّ، اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد صاحب کشاف اور ان حضرات پر رد کرنا ہے جو مصدر مضاف الی فاعل کے درمیان فصل مفعول بلاضرورت شعری ناجائز کہتے ہیں۔

تفصیل:

وكذلك زَيَّنَ لكثير من المشركين قَتْلَ اَوْلَادهم شركاؤهم، اس آیت میں متعدد قراءتیں ہیں، مکتوبہ قراءت جمہور کی قراءت ہے، زَيَّنَ معروف اور شركاؤهم اس کا فاعل ہے قَتْلَ، زَيَّنَ کا مفعول ہے اس قراءت پر کوئی اعتراض نہیں ہے ایک دوسری قراءت ابن عامر کی ہے یہ قراءت بھی قراءات سبعہ میں سے ہے، ابن عامر کی قراءت اسطرح ہے، وكذلك زُيِّنَ لكثير من المشركين قَتل اولادهم شركائِهِمْ" زُيِّنَ فعل مجهول قَتْلُ، زُيِّنَ فعل مجهول کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع اور اَوْلادهم مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب اور شركائهم قَتْلُ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اس صورت میں قتلُ مضاف اور شركاء مضاف الیہ کے درمیان اولادهم مفعول کا فصل لازم آتا ہے جو کہ بلاضرورت شعری

کلام منثور میں جائز نہیں ہے اور وہ بھی قرآن میں جو کہ اپنے لفظ و معنی کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اس کے نادرست ہونے کی وجہ نحویین کے نزدیک یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل بلا ضرورت شعری جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مضاف الیہ مضاف کے لئے بمنزلہ جزء کے ہوتا ہے اسلئے کہ مضاف الیہ مضاف کی تنوین کی جگہ واقع ہوتا ہے لہٰذا جس طرح اجزاء اسم کے درمیان فصل جائز نہیں ہے اسی طرح مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل درست نہیں ہے اور یہ بصریین کا قول ہے، البتہ کوفیین کے نزدیک اگر مضاف مصدر اور مضاف الیہ اس کا فاعل ہو اور فصل مفعول کا ہو جیسا کہ ابن عامر کی مذکورہ قراءت میں ہے جائز ہے، **لا یضرہ** کہہ کر مفسر علام نے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، (اعراب القرآن) ابن مالک نے بھی کافیہ کی شرح میں اس فصل کو بلا ضرورت شعری جائز کہا ہے، **قال، اضافة المصدر الی الفاعل مفعولاً بینهما بمفعول المصدر جائزة.**

قولہ: **وَاِضَافَةُ الْقَتْلِ اِلٰی شُرَكَائِهِمْ لِاَمْرِهِمْ بِهٖ**، **اضافةُ القتل** مبتداء ہے اور **لأمرهم به** اس کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ قتل کی اضافت شرکاء کی جانب مجازی ہے، اصل قاتل تو مشرکین ہیں، مگر چونکہ قتل کا حکم دینے والے شرکاء ہیں اس لئے قتل کی اضافت شرکاء کی جانب ان کے آمر ہونے کی وجہ سے کردی گئی ہے اسی کو اسناد مجازی کہتے ہیں، جیسے **بنی الامیرُ المدینۃ** میں بناء کی اضافت امیر کی جانب مجازی ہے، اس کے بناء کا حکم دینے کی وجہ سے۔

قولہ: **بالرَفْعِ و النَصْبِ**، اگر کان تامہ ہو تو **میتة** مرفوع ہوگا اور اگر ناقصہ ہو تو نصب ہوگا۔

تفسیر و تشریح

جنات میں نبی ہوئے ہیں یا نہیں؟ **رُسُلٌ مِنكم** سے ایک بڑی بحث چھڑ گئی ہے کہ آیا جنات میں بھی سلسلہ نبوت قائم رہا ہے یا نہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں اسلاف کی رائے بھی معلوم کرلی جائے کہ کیا جنوں کی ہدایت کیلئے ان ہی میں سے اسی طرح رسول آئے ہیں جس طرح انسانوں کی ہدایت و تبلیغ کے لئے خود انسانوں میں سے رسول آئے اس سلسلہ میں چار قول ملتے ہیں۔

دربارۂ نبوتِ جن، اسلاف کی آراء:

❶ جس طرح انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان رسول آئے ہیں اسی طرح جنوں کی ہدایت کے لئے بھی جن رسول آئے، یہ رائے حضرت ضحاک بن مزاحم سے منقول ہے ان سے کسی نے سوال کیا کہ کیا ہمارے رسول ﷺ سے پہلے جنوں میں بھی رسول گذرے ہیں موصوف نے اثبات میں جواب دیا اور دلیل میں یہی آیت پڑھی اسی کی تائید میں ایک قول اور نقل ہوا ہے کہ جن و انس میں پیغمبران ہی کے ہم جنس آئے ہیں۔ (بیضاوی، وعلیه ظاهر النص، مدارك)

❷ جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے انسان بھی رسول ہوتے تھے اور جن بھی یہ شرف آپ ﷺ کو حاصل ہوا

کہ آپ جن وانس دونوں کے لئے مبعوث کئے گئے۔ (یہ کلبی کا قول ہے)۔

❸ تیسرا قول یہ ہے کہ رسول صرف انسان ہی ہوتے رہے ہیں، البتہ جنوں کی ہدایت کے خصوصی نمائندے جنوں میں سے مقرر ہوتے تھے ان کا یہ کام ہوتا تھا کہ انبیاء کرام کے ارشادات سنیں اور پوری احتیاط سے جنوں کی برادری تک پہنچائیں ان کو مُنذر یا نذر کہا جاتا تھا۔ (یہ مجاہد کا قول ہے)۔

❹ آیت اَلَمْ یاتکم رسُلٌ مِنکم سے یہ بات تو صاف معلوم ہوتی ہے کہ جن وانس دونوں کی ہدایت کے لئے رسول آئے، یہ بھی ہوسکتا ہے انسان ہی رسول بنائے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیکوقت جن اور انس دونوں رسول بنائے گئے ہوں، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جنوں کو بھی شرف نبوت سے نوازا گیا ہو مگر یہ سلسلہ آنحضرت کی بعثت کے بعد موقوف کر دیا گیا ہو اس قول کی بنیاد دو باتوں پر ہے، اول یہ کہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا"لو کان فی الارض ملئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکا رسولا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور مرسل الیہم میں یکجہتی ہونا ضروری ہے، اگر رسول اور مرسل الیہم میں مناسبت نہ ہو تو افادہ اور استفادہ دونوں دشوار ہوں گے اس اصول کے پیش نظر جنی رسولوں کو غالباً شرف نبوت ورسالت حاصل ہوا ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ جنوں کی پیدائش انسانوں سے کہیں پہلے ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ جنات بھی اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں اگر جن اپنے اعمال کے جوابدہ نہ ہوتے تو ارشاد ربانی لا ملئن جهنم من الجنة والناس، نہ ہوتا۔

جمہور کا فیصلہ:

جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیاء صرف انسانوں میں ہوئے ہیں جنات میں صرف ان کے نائب اور نذیر ہوتے رہے ہیں (ابن جریر) البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں ہے اور جن لوگوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے کیف ینعقد الاجماع مع حصول الاختلاف. (کبیر)

وَجَعَلوا لِلّٰہِ مما ذرأ مِن الحرث والانعام نصیبًا اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ وعمل کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے جوانہوں نے اپنے طور پر گھڑ رکھا تھا کہ وہ زمینی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لئے اور کچھ حصہ خود ساختہ معبودوں کے لئے مقرر کر لیتے تھے، اللہ کے حصہ کو مہمانوں محتاجوں اور صلہ رحمی پر خرچ کرتے تھے اور بتوں کے حصہ کو بتوں کے مجاوروں اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے، پھر اگر بتوں کے حصہ میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصہ میں سے نکال کر بتوں کے حصہ میں شامل کر لیتے اور اگر اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بتوں کے حصہ میں سے نہ نکالتے اور کہہ دیتے کہ اللہ تو غنی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَ خلق جَنّٰتٍ بساتين مَّعْرُوْشٰتٍ مبسوطات على الارض كالبطيخ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ بان ارتفعت على ساق كالنخل وَّ انشأ النَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ثمره وحبه في الهيئة والطعم وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا ورقهما وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ طعمهما كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ قبل النضج وَاٰتُوْا حَقَّهٗ زكوته يَوْمَ حَصَادِهٖ بالفتح والكسر من العشر او نصفه وَلَا تُسْرِفُوْا باعطاء كله فلا يبقى لعيالكم شئ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ المتجاوزين ما حُدَّلهم وَ انشأ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً صالحة للحمل عليها كالابل الكبار وَّفَرْشًا لا تصلح له كالابل الصغار الغنم سميت فرشا لانها كالفرش للارض لدنوها منها كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ طرائقه في التحليل والتحريم اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾ بين العداوة ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ اصناف بدلٌ من حمولة وفرشا مِنَ الضَّاْنِ زوجين اثْنَيْنِ ذكرا وانثى وَمِنَ الْمَعْزِ بالفتح والسكون اثْنَيْنِ قُلْ يا محمد لمن حرّم ذكور الانعام تارة واناثها اخرى ونسب ذلك الى الله آٰلذَّكَرَيْنِ من الضأن والمعز حَرَّمَ الله عليكم اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ منهما اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ذكرا كان او انثى نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ عن كيفية تحريم ذلك اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾ فيه المعنى من اين جاء التحريم فان كان من قبل الذكورة فجميع الذكور حرام اوالانوثة فجميع الاناث اواشتمال الرحم فالزوجان فمن اين التخصيص والاستفهام للانكار وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ بل كُنْتُمْ شُهَدَآءَ حضورا اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا التحريم فاعتمدتم ذلك لابل انتم كاذبون فيه فَمَنْ اى لا احد اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بذلك لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے بیلدار زمین پر پھیلنے والے بھی مثلاً خربوزہ (وغیرہ) اور تنے دار بھی جو تنے پر قائم ہوتے ہیں مثلاً کھجور کے درخت (وغیرہ) اور کھجور اور کھیتی پیدا کیں کہ اس کے پھل اور دانے ہیئت (شکل) اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں، اور زیتون اور انار (پیدا کئے) کہ جن کے پتے ملتے جلتے اور ان کا مزہ الگ الگ ہوتا ہے پھل لگنے کے بعد پکنے سے پہلے کھاؤ (اور بعد بھی) اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق زکوۃ ادا کرو (حَصاد) فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، (مراد) عشر یا نصف عشر ہے اور (انفاق میں) اسراف نہ کرو کہ کل پیداوار دے ڈالو، کہ تمہاری عیال کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ متعین کردہ شئی میں تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا کچھ جانور ایسے پیدا کئے جو بار برداری کے لائق ہیں مثلاً بڑے اونٹ اور کچھ چھوٹے نا قابل بار برداری جیسا کہ اونٹوں کے بچے اور بکریاں، ان کو فرش کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کے لئے زمین سے قریب ہونے کی وجہ سے فرش کے مانند ہوتے ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے اس میں سے کھاؤ، (پیو)

اور حلال وحرام کرنے میں شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے، (پیدا کیں) آٹھ قسمیں (ثمانیة ازواج) حمولة وفرشًا سے بدل ہے، بھیڑوں کا نر و مادہ کا جوڑا اور بکریوں کا جوڑا (المعز) عین فتحہ اور سکون کے ساتھ، اے محمد ﷺ آپ ان لوگوں سے پوچھئے جنہوں نے کبھی تو جانوروں کے نروں کو حرام کیا اور کبھی ان کی ماداؤں کو اور اس (حرمت) کی نسبت اللہ کی طرف کردی، یا بھیڑ بکریوں مذکورہ دونوں قسموں کے نروں کو اللہ نے تمہارے لئے حرام کیا ہے یا ان کی ماداؤں کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادائیں پیٹ میں لئے ہوئے ہیں نر ہو یا مادہ تم مجھے ان کی تحریم کی کیفیت کسی دلیل سے بتاؤ اگر تم اس میں سچے ہو، مطلب یہ ہے کہ تحریم کہاں سے آئی؟ اگر نر ہونے کی وجہ سے ہے تو تمام نر حرام ہونے چاہئیں، یا مادہ ہونے کی وجہ سے ہے تو تمام مادائیں حرام ہونی چاہئیں (یا تحریم بچہ کے) رحم میں ہونے کی وجہ سے آئی تو (نر و مادہ) دونوں قسمیں حرام ہونی چاہئیں، مگر یہ تخصیص کہاں سے آئی؟ اور استفہام انکاری ہے، اور اونٹ میں دو قسمیں اور گایوں میں دو قسمیں آپ ان سے پوچھئے کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو؟ یا اس (بچہ) کو جس کو مادائیں پیٹ میں لئے ہوئے ہیں کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس تحریم کا حکم دیا کہ تم نے اس پر یقین کرلیا، ایسا نہیں ہے بلکہ تم اس معاملہ میں دروغ گو ہو تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ کوئی نہیں، جس نے اس معاملہ میں اللہ پر بہتان لگایا تاکہ لوگوں کو بلا دلیل گمراہ کرے اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: مَعْرُوْشَات، اسم مفعول جمع مؤنث، واحد معروشة چھتریوں پر چڑھائی ہوئی بیلیں، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا مطلق بیلوں کو کہتے ہیں چھتریوں پر چڑھائی گئی ہوں یا نہ چڑھائی گئی ہوں، اس میں انگور، تربوز، خربوز، کدو وغیرہ ہر قسم کی بیلیں آگئیں۔

قولہ: اُکُلُه، ضمیر مضاف الیہ ذرعٌ کی طرف راجع ہے نہ کہ نخلٌ کی طرف اسلئے کہ نخل مؤنث سماعی ہے اور اُکُلُهٗ کی ضمیر مذکر ہے، جس کی وجہ سے مطابقت نہ ہوگی، باقی کو ذرع پر قیاس کیا جائیگا۔

قولہ: قَبْلَ النَّضجِ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اِذَا اَثْمَرَ کا بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا اسلئے کہ کھانے کا تعلق پھل آنے کے بعد ہی ہوتا ہے پھل آنے سے پہلے کھانا ممکن ہی نہیں ہے۔

جواب: قبل النضج کا اضافہ اسی سوال کا جواب ہے مطلب یہ ہے کہ عام طور پر یہ وہم ہوتا ہے کہ پھل کھانے کا تعلق پھل پکنے کے بعد ہی ہوتا ہے حالانکہ بعض پھل پکنے سے پہلے بھی کھائے جاتے ہیں۔

قولہ: وَانشَاَ مِنَ الاَنْعَامِ، لفظ اَنشاَ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ مِنَ الانعام کا عطف جنّٰت پر ہے اسلئے کہ قریب

پر عطف کرنے سے معنی فاسد ہوجائیں گے۔

قَوْلُہٗ: بَدَلٌ مِنْ حَمُوْلَۃ، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو ثمانیۃ ازواجٍ کو فعل مقدر کا مفعول قرار دیکر تقدیر عبارت کلوا ثمانیۃ ازواج مانتے ہیں اسلئے کہ تقدیر بلا ضرورت جائز نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: من الضان یہ ثمانیۃ ازواج سے بدل ہے ضان، ضائن کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: زوجین اثنین.

سُوَال: زوجین زوجٌ کا تثنیہ ہے زوج جوڑے کو کہتے ہیں جو کہ دو پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا زوجین کا مطلب ہوگا چار، تو اس صورت میں زوجین کی صفت اثنین لانا درست نہیں ہوگا؟

جَوَاب: زوج کے دو معنی ہیں، ① زوج اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ اسی کی جنس کا دوسرا ہو اس کے لئے دو کا ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ شوہر کو زوج کہہ دیتے ہیں ② دوسرے معنی جوڑا اس وقت زوجین کے معنی ہوں گے چار، اس معنی کے اعتبار سے زوجین کی صفت اثنین لانا درست نہ ہوگا، یہاں اول معنی مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: ءِ الذکرَین، حرّم کا مفعول بہ مقدم ہے اورام حرف عطف ہے الانثیین، ذکرین پر معطوف ہے جملہ ہوکر قل کا مقولہ ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے۔ (لغات القرآن للدرویش)

تفسیر وتشریح

وَھو الذی أنشأ جنّتٍ معروشاتٍ الخ معروشاتٍ کا مادہ عرش ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں، مراد وہ بیلیں ہیں جو ٹٹیوں، چھپروں، منڈیروں وغیرہ پر چڑھائی جاتی ہیں، مثلاً انگور اور بعض سبزی ترکاریوں کی بیلیں اور غیر معروشت سے وہ بیلیں جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائی جاتی بلکہ زمین پر پھیلتی ہیں مثلاً تربوز خربوز وغیرہ یا تنے دار درخت جو بیل کی شکل میں نہیں ہوتے مثلاً کھجور اور کھیتیاں وغیرہ مذکورہ تمام کھیتیاں اور درخت وغیرہ جن کے ذائقہ اور خوشبو رنگ وغیرہ مختلف ہوتے ہیں، ان سب کا پیدا کرنیوالا اللہ ہے لہٰذا ان میں کسی کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وَآتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ یعنی جب کھیتی کاٹ کر غلہ صاف کرلو اور پھل درختوں سے توڑ لو تو اس کا حق ادا کرو جس میں صدقات واجبہ عشر وغیرہ اور صدقات نافلہ عطیہ اور ہبہ وہدیہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

ولا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لا یُحِبُّ المُسْرِفِیْن یعنی صدقہ وخیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، یعنی نفلی صدقات میں اسلئے کہ صدقات واجبہ تو محدود ومتعین ہیں ان میں اسراف کا سوال ہی نہیں ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ بالیاءِ والتاءِ مَیْتَۃً بالنصب وفی قراءۃٍ بالرفع مع التحتانیۃِ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا سائلاً بخلافِ غیرہ کالکبدِ والطّحالِ اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ حرامٌ

اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ اى ذُبحَ على اسمِ غيرِه فَمَنِ اضْطُرَّ الى شئٍ مما ذُكِرَ فاَكلَهُ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ
فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ له ما اَكَلَ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ به ويُلحَقُ بما ذُكِرَ بالسُّنَّةِ كُلُّ ذِىْ نَابٍ من السِّبَاعِ ومِخْلَبٍ من
الطَّيرِ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا اى اليهودِ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ ۚ وهو مالم تُفرَّقْ اصابِعُهُ كالابلِ والنعامِ
وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ الثُّرُوبَ وشَحمَ الكُلى اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اى ما عَلِقَ بهما
منه اَوِ حملته الْحَوَايَآ الامعاء جَمعُ حَاوِيَاء او حاوِيةٍ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ منه وهو شَحمُ الالْيَةِ فانه
اُحِلَ لهم ذٰلِكَ التحريمَ جَزَيْنٰهُمْ به بِبَغْيِهِمْ ۖ بسَبَبِ ظُلمِهم بما سَبَقَ فى سورةِ النِّساءِ
وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فى اَخبارِنا ومواعيدِنا فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فيما جِئتَ به فَقُلْ لهم رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ
حيثُ لهم يُعَاجِلْكم بالعقوبةِ به وفيه تَلَطُّفٌ بدعائِهم الى الايمان وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عذابُهُ اذا جاءَ
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا نحن وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَىْءٍ ؕ فاِشراكُنا
وتحريمُنا بمشيَّتِه فهو رَاضٍ به قال تَعالٰى كَذٰلِكَ كما كَذَّبَ هؤُلاءِ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهم
حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ عذابَنا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ بان الله رَاضٍ بذلك فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اى لا علمَ عندكم
اِنْ ما تَتَّبِعُوْنَ فى ذلك اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ما اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ تكذِبُوْنَ فيه قُلْ ان لم يكن لكم حُجَّةٌ
فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ التامَّةُ فَلَوْ شَآءَ هِدايتَكُمْ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ احضِرُوْا شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ
اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ الذى حَرَّمْتُمُوْهُ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ يُشرِكُوْنَ.

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس لائی گئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا کہ کسی کھانے والے پر حرام ہو اِلّا یہ کہ وہ مردار ہو (یکون) یاء اور تاء کے ساتھ (میتۃ) نصب کے ساتھ ہے اور ایک قراء میں یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے، یا بہایا ہوا خون ہو یعنی دم سائل بخلاف غیر سائل کے مثلاً جگر، اور تلّی، یا خنزیر کا گوشت اسلئے کہ وہ تو ناپاک حرام ہے یا فسق ہو جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، یعنی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، سو جو شخص مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کی طرف مجبور ہوا اور اس نے ان میں سے کھالیا بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ حد ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً اس کھائے ہوئے کے بارے میں تمہارا رب درگذر سے کام لینے والا رحم فرمانے والا ہے اور مذکورہ چیزوں کے ساتھ حدیث کی وجہ سے کچلی والے درندوں اور پنجے والے پرندوں کو شامل کرلیا گیا ہے، اور یہود پر ہم نے ناخن والے تمام جانور حرام کردیئے اور وہ ایسے جانور ہیں کہ ان کی انگلیاں الگ نہ ہوں جیسا کہ اونٹ اور شتر مرغ، اور گائے اور بکری کی اوجھ اور گردے کی چربی ہم نے ان پر حرام کردی مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو، یا آنتوں میں لگی ہو، حوایا بمعنی انتڑی

حاویا یا حاویہ کی جمع ہے یا وہ چربی جو ہڈی سے لگی ہو اور وہ سُرین کی چربی ہے وہ ان کے لئے حلال تھی، تحریم کی یہ سزا ہم نے ان کی سرکشی کی وجہ سے دی جس کا ذکر سورۂ نساء میں گذر چکا ہے اور ہم اپنی خبروں میں اور وعدوں میں سچے ہیں اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اگر یہ اس میں آپ کی تکذیب کریں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اسلئے کہ اس کی سزا میں اس نے تمہارے اوپر جلدی نہیں کی، اور (ربکم) کہنے میں ان کو ایمان کی دعوت دینے میں نرمی ہے اور اس کا عذاب جب آجائیگا تو مجرموں سے نہ ٹلے گا، یہ مشرکین یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے، (معلوم ہوا) ہمارا شرک کرنا اور ہمارا حرام ٹھہرانا اللہ کی مشیئت سے ہے اور وہ اس سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح جس طرح ان لوگوں نے تکذیب کی ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا آپ ان سے پوچھئے کیا ان کے پاس اس بات پر کہ اللہ اس سے راضی ہے کوئی دلیل ہے (اگر ہے) تو اسے ہمارے روبرو ظاہر کرو یعنی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، تم اس معاملہ میں محض خیالی باتوں کی اتباع کرتے ہو اور اس معاملہ میں محض اٹکل سے باتیں کرتے ہو یعنی اس میں دروغ گوئی سے کام لیتے ہو، آپ کہئے اگر تمہارے پاس دلیل نہیں تو اللہ کے پاس حجت تامہ موجود ہے اگر اسے تمہاری ہدایت منظور ہوتی تو وہ تم سب کو ہدایت دیدیتا آپ کہئے کہ اپنے گواہ پیش کرو جو اس بات پر گواہی دیں کہ جس چیز کو تم نے حرام کرلیا ہے اللہ نے اس کو حرام کیا ہے پھر اگر وہ تصدیق کریں تو تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع نہ کیجئے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں (یعنی) شرک کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ما اُوحِیَ اِلَیَّ. شیئًا، مَا موصولہ اُوحِیَ اس کا صلہ عائد محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَلّذی اَوْحَاہُ اللّٰہ اِلَیَّ.

قولہ: شیئًا، اس میں اشارہ ہے کہ محرمًا موصوف محذوف کی صفت ہے ای شیئًا محرمًا.

قولہ: مَیتَۃَ بالنصب، کان اگر ناقصہ مانا جائے تو اس کا اسم ضمیر مستتر ہوگی، اور اس ضمیر کا مرجع شئ محرّم ہوگی، اور مَیْتَۃً کانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اور یکونُ اپنے اسم کے مرجع جو کہ محرّم ہے کی رعایت کی وجہ سے مذکر کا صیغہ ہوگا اس صورت میں خبر، یعنی میتۃ کی رعایت نہ ہوگی، اور تکونُ مؤنث کا صیغہ خبر کی رعایت کی وجہ سے ہوگا، یہ دونوں صورتیں میتۃً کے نصب کی صورت میں ہوں گی، میتۃٌ کے رفع کی صورت میں تکون میں صرف ایک ہی قراء ہوگی، یعنی تاء فوقانیہ، اور تکون اس صورت میں تامہ ہوگا، اور میتۃٌ اس کا فاعل ہوگا جب مذکورہ بات سمجھ لی گئی تو مفسرِ علام کا وفی قراءۃٍ بالرفع مع التحتانیۃ سبقت قلم ہوگی، صحیح الفوقانیہ ہے فقط۔

قولہ: اِلّا اَنْ تکونَ، اگر عموم احوال سے مستثنیٰ مانا جائے تو مستثنیٰ متصل ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ مستثنیٰ منہ محرمًا ہے جو کہ

ذات ہے اور مستثنیٰ میتةً صفت ہے لہٰذا مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ منقطع ہوگا، والاول اقرب. (صاوی)

قولہ: حرام، بہتر ہوتا کہ مفسر علام رجسٌ کی تفسیر حرام کے بجائے نجس سے کرتے اسلئے کہ حرمت تو الّا ان یکون میتة الخ استثناء سے مفہوم ہے۔

قولہ: اوفسقا، اس کا عطف میتةً پر ہے، اس کا مضاف محذوف ہے ای ذافسقٍ یا مبالغہ کے طور پر حمل ہوگا اس صورت میں زید عدلٌ کے قبیل سے ہوگا، لحم خنزیر پر بھی قرب کی وجہ سے عطف درست ہے، اور فاِنّہٗ رجس جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: اُھلَّ لغیر اللّٰہ یہ فسقًا کی صفت ہے۔

قولہ: ویُلحقُ بِمَا ذُکِرَ بالسُّنَّةِ اس اضافہ میں ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: آیت سے مذکورہ چار چیزوں میں حرمت کا حصر مفہوم ہوتا ہے حالانکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں۔

جواب: حصر حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ حدیث کی رو سے اور بہت سی چیزیں بھی حرام ہیں۔

قولہ: الثروب، جمع ثرب، چربی کی اس باریک جھلّی کو کہتے ہیں جو معدہ اور آنتوں وغیرہ پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔

قولہ: کُلی، یہ کُلْیَة کی جمع ہے گردہ کو کہتے ہیں۔

قولہ: شَحْمُ الِالْیَةِ پُٹھ کی چربی جو دم کی ہڈی سے لگی ہوتی ہے۔

قولہ: نحنُ، یہ اشرکنا کے اندر ضمیر مستتر کی تاکید ہے تاکہ مرفوع متصل پر عطف درست ہو سکے، اسلئے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے فصل یا تاکید ضروری ہوتی ہے۔

قولہ: اِن لَمْ یَکُنْ لکُمْ حُجَّةٌ، اس میں اشارہ ہے کہ فللّٰہ الحجة البالغة شرط محذوف کی جزاء ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اب عطف الخبر علی الانشاء کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قولہ: اُحْضُرُوا.

سوال: ھَلُمَّ کی تفسیر احضروا بصیغہ جمع کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: ھَلُمَّ اسماء افعال میں سے ہے اور یہاں لغتِ حجاز کے مطابق استعمال ہوا ہے اسلئے کہ حجازیین کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے بخلاف بنوتمیم کے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ یہاں مناسب ھلمّوا بصیغہ جمع تھا اسلئے کہ اس کے مخاطب کثیر لوگ ہیں۔

تفسیر وتشریح

قُلْ لَا اَجِدُ فِی مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ محرّمًا (الآیة) سابق میں ان چار محرمات کا ذکر تھا جن کو اغوائے شیطانی کی وجہ سے مشرکوں نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اس کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ آیت (١٧٣) میں گذر چکی ہے، اس آیت میں مشرکوں کو قائل

کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے، کہ اے محمد ﷺ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جن جانوروں کو تم نے اپنی طرف سے حرام ٹھہرا رکھا ہے ان کا ذکر میں، میرے اوپر نازل کردہ وحی میں کہیں نہیں پاتا سوائے ان چار چیزوں کے جن کو تم نے حلال ٹھہرا رکھا ہے، ① مردار جانور، ② بہتا ہوا خون ③ خنزیر کا گوشت ④ غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا ہوا جانور، ان مذکورہ حرام چیزوں کو تم نے حلال ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ یہ حرام ہیں۔

نکتہ: یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ مذکورہ چاروں محرمات کا ذکر کلمہ حصر کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ چار جانوروں کے علاوہ تمام جانور حلال ہیں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ اور بہت سے جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ ماقبل سے مشرکوں کے جاہلانہ طریقوں اور عقیدوں کا ذکر چلا آ رہا ہے اسی سلسلہ میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا جن کو مشرکوں نے بطور خود حرام کر رکھا تھا اسی سیاق وسباق کے ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں تو ان محرمات کا ذکر نہیں ہے اگر یہ مذکورہ چاروں چیزیں حرام ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ضرور فرماتا، مذکورہ حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی زندگی میں یہی جانور حرام تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے، پھر ہجرت کے بعد سورۂ مائدہ میں وہ جانور حرام ہوئے جن کی تفصیل اسی جگہ گذر چکی ہے۔

جانوروں کی حلت وحرمت کے اختلافی مسائل:

فقہاء اسلام میں ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں جن چار چیزوں کی حرمت کا یہاں ذکر ہے بس یہی چار چیزیں حرام ہیں یہی مسلک حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُم اور امام مالک کا ہے لیکن جمہور سلف نے اس کو تسلیم نہیں کیا، معتبر سند سے حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے جس کی رو سے مردار میں سے دو مردار مچھلی اور ٹڈی اور خون میں سے دو خون کلیجی اور تلی حلال ہیں، سور تمام علماء کے نزدیک حرام ہے اور اس کا جسم ناپاک ہے۔

خنزیر اور کتے کی کھال کا حکم:

سور اور کتے کے کھال کی دباغت کے بعد پاک ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف سورۂ مائدہ میں گذر چکا ہے ما اُهلَّ به کی تفسیر بھی سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ میں گذر چکی ہے فمن اضطر غیر باغ ولا عادٍ، کی تفسیر بھی سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص بھوک کے سبب ایسا عاجز اور مجبور ہو کہ اس کو اپنی جان کے تلف ہو جانے کا خوف لاحق ہو جائے تو وہ بقدر اپنی جان بچانے کے ان حرام چیزوں کو استعمال کر سکتا ہے، ایسی اضطراری کیفیت میں چونکہ احتیاط باقی نہیں رہتی اسلئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا "فانّ ربك غفور رحیم"۔

وعلی الذین هادوا حرمنا کل ذی ظفر (الآیة) سابق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کو

اللہ نے حرام کیا ہے کسی انسان کو کسی چیز کے حرام یا حلال ٹھہرانیکا اختیار نہیں اس پر مشرکین مکہ نے یہ کہا کہ یہود جن چیزوں کو نہیں کھاتے اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا تھا اسلئے ہم بھی وہ چیزیں نہیں کھاتے، پھر یہ بات کیونکر درست ہوسکتی ہے کہ انسان کو کسی چیز کے حرام یا حلال ٹھہرانیکا اختیار نہیں ہے بلکہ اس وقت کے نبی کی معرفت ان کی سرکشی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اوپر حرام کردی تھیں یہ بات غلط ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے ازخود اپنے اوپر کچھ چیزوں کو حرام کرلیا تھا۔

ذی ظفر سے وہ جانور مراد ہیں جن کی انگلیاں الگ الگ نہ ہوں مثلاً چرند میں اونٹ گائے وغیرہ، اور پرند میں بطخ، مرغ آبی۔

بعض اختلافی مسائل:

پالتو گدھے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی حرام قرار دیتے ہیں، بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ حرام نہیں ہیں بلکہ کسی خاص موقع پر نبی ﷺ نے ان کی کسی خاص وجہ سے ممانعت فرمادی تھی، درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور مردار خور حیوانات کو حنفیہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں، مگر امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں، لیث رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلّی حلال ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ درندے حرام ہیں جو انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں جیسے شیر، چیتا بھیڑیا وغیرہ، عکرمہ کے نزدیک کوّا اور بجّو دونوں حلال ہیں، اسی طرح حنفیہ تمام حشرات الارض کو حرام قرار دیتے ہیں مگر ابن ابی لیلیٰ، امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک سانپ حلال ہے۔ (هداية القرآن)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ اَقْرَأْ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ مُفَسَّرَةٌ اَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّ اَحْسِنُوا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بِالْوَأدِ مِّنْ اَجْلِ اِمْلَاقٍ ؕ فَقْرٍ تَخَافُونَهُ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ الكبائر كالزِّنا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ اى علانيتها وسِرّها وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ كالقَوَدِ وحَدِّ الرِّدَّةِ ورَجمِ المُحصَنِ ذٰلِكُمْ المذكورُ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ اى بالخَصلَةِ التى هِىَ اَحْسَنُ وهى ما فيه صلاحُهُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ بان يَحْتَلِمَ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ بالعَدْلِ وتركِ البَخسِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ طاقتَها فى ذٰلك فان اَخطأَ فى الكيلِ والوزنِ واللّٰهُ يعلمُ صحّةَ نيتِهٖ فلامُؤاخذةَ عليه كما وَرَدَ فى حديثٍ وَاِذَا قُلْتُمْ فى حكمٍ اوغيرِه فَاعْدِلُوْا بالصِّدقِ وَلَوْ كَانَ المقولُ له اوعليه ذَا قُرْبٰى ۚ قرابةٍ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بالتشديدِ تَتَّعِظُوْنَ والسكونِ وَاَنَّ بالفتحِ على تقديرِ اللامِ والكسرِ استينافًا هٰذَا الذى وَصّيتُكم به صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا حالٌ فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ الطُّرُقَ المُخالِفَةَ له فَتَفَرَّقَ فيه حذفُ اِحدى التائَينِ تَمِيْلُ

بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ دینه ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التوراة وثم لترتيب الاخبار تَمَامًا للنعمة عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ بالقيام به وَتَفْصِيْلًا بيانا لِّكُلِّ شَيْءٍ يحتاج اليه فى الدين وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ اى بنى اسرائيل بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ بالبعث يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: (اے محمد) ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں ① یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (أنْ) مفسرہ ہے، ② والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو ③ اور اپنی اولاد کو فقر (فاقہ) کے خوف سے زندہ درگور کرکے قتل نہ کرو ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی (دیں گے) ④ بے شرمی (یعنی) بڑے گناہوں مثلاً زنا کے پاس بھی مت جاؤ خواہ کھلم کھلا ہوں یا مخفی یعنی علی الاعلان ہوں یا چھپ کر، ⑤ اور کسی جان کو جس کو اللہ نے محترم بنایا ہے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ مثلاً قصاص اور مرتد کی سزا کے طور پر اور شادی شدہ کو رجم کے طور پر یہ مذکورہ (وہ باتیں ہیں) جن کی تمہیں تاکید کی ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو غور وفکر سے کام لو، ⑥ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو مستحسن ہے اور وہ طریقہ وہ ہے کہ جس میں (مالِ یتیم کی) اصلاح ہو یہاں تک کہ وہ سن رشد کو پہنچ جائے بایں طور کہ بالغ ہوجائے ⑦ اور ناپ تول میں پورا تول کر انصاف سے کام لو ڈنڈی مارنا چھوڑ دو، ہم کسی پر اس معاملہ میں اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور اگر ناپ تول میں غلطی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ صحت نیت کو خوب جانتے ہیں لہٰذا اس پر مؤاخذہ نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، ⑧ اور جب تم کسی فیصلے وغیرہ میں بات کرو تو انصاف کی کرو اگرچہ وہ شخص جس کی موافقت یا مخالفت میں یہ بات ہے قرابتدار ہی کیوں نہ ہو، ⑨ اور اللہ سے جو عہد کرو اس کو پورا کرو، ان باتوں کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو (تذکرون) ذال کی تشدید کے ساتھ اور سکون کے ساتھ، (تاکہ تم یاد رکھو) اور یہ باتیں جن کا میں نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے میرا سیدھا راستہ ہے مستقیمًا حال ہے، (اَنَّ) فتحہ کے ساتھ ہے لام کی تقدیر کی صورت میں اور کسرہ کے ساتھ ہے استیناف کی صورت میں، لہٰذا اسی راستہ پر چلو اور اس کے خلاف راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کے دین کے راستہ سے بھٹکا دیں گی (فتفرق) میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے (یعنی راہ حق سے) پھیر دیں گی، یہ ہے وہ راہ مستقیم جس کی تم کو اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم کجروی سے بچو، اور پھر ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب تورات دی تھی ثم ترتیب اخبار کے لئے ہے اس شخص پر نعمت کی تکمیل کیلئے ہو جس نے اس پر بہتر طریقہ پر عمل کیا، اور احکام کی تفصیل ہو جن کی دین میں ضرورت ہوتی ہے، اور ہدایت ورحمت ہو، تاکہ بنی اسرائیل بعث کے ذریعہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: مُفَسِّرَۃٌ، اَلَّا، میں اَنْ فعلِ تلاوت کے لئے مفسرہ ہے اردو کے لفظ (یعنی) کے مترادف ہے، نہ کہ ناصبہ، اس لئے کہ ناصبہ ہونے کی صورت میں عطفِ طلب علی الخبر لازم آنے کی وجہ سے عطف درست نہ ہوگا، مذکورہ 'اَنْ' میں متعدد وجوہ ہیں

ان میں دو وجہ مختار ہیں، ① اَن مفسرہ ہو اسلئے کہ ما قبل میں اَتـلُ، قول کے معنی میں ہے اس لئے کہ اَن مفسرہ کے لئے قول یا قول کے ہم معنی ہونا ضروری ہے، لا، ناہیہ ہے اور تشرکوا فعل مضارع مجزوم ہے، ② اَن مصدریہ ہو اس صورت میں اَن اور جو اس کے تحت ہے ما حَرَّمَ، سے بدل ہوگا۔

قَوْلُہٗ: اِملاق، کے معنی مفلسی، فقر و فاقہ، تنگدستی کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بالخَصْلَةِ، اس سے اَلتی کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ثم لِتَرْتِیْبِ الاَخْبَارِ، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: ثم آتینا، کا عطف وَصّٰکم پر ہے جو اعطاء کتاب لموسیٰ کے مؤخر ہونے پر دلالت کرتا ہے حالانکہ ایتاءِ کتاب وصیت پر مقدم ہے۔

جَوَاب: یہاں ثُمَّ ترتیب اِخباری کے لئے ہے نہ کہ ترتیب وجودی کے لئے۔

قَوْلُہٗ: لِلنِّعْمَةِ، اس میں اشارہ ہے کہ تماماً مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تماماً سے لام اسلئے حذف کردیا کہ تماماً معنی میں اتماماً کے ہے۔

قَوْلُہٗ: بلِقَاءِ رَبِّهِمْ یہ یؤمنون کے متعلق ہے، فواصل کی رعایت کے لئے مقدم کردیا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

قل تعالَوْا (الآیة) اس آیت میں خطاب یہود و مشرکین بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ حرام وہ نہیں ہے کہ جن کو تم نے بلا دلیل محض اپنے اوہام باطلہ کی بنیاد پر حرام کرلیا ہے، بلکہ حرام وہ چیزیں ہیں جن کو تمہارے رب نے حرام کیا ہے، اَلَّا تشرکوا، سے پہلے اوصاکم محذوف ہے، یعنی اللہ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، شرک سب سے بڑا گناہ ہے، جس کے لئے معافی نہیں ہے، مشرک پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے، قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف انداز سے بار بار بیان کیا گیا ہے، نبی ﷺ نے بھی اس مضمون کو بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے، اس کے باوجود لوگ شیطانی بہکاوے میں آکر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

وبالوالدین احسانا، اللہ تعالیٰ نے توحید و اطاعت کے بعد یہاں بھی اور دیگر مقامات پر بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اطاعتِ رب کے بعد اطاعت والدین کی بڑی اہمیت ہے، جس نے اس ربوبیت صغریٰ (والدین کی پرورش) کے تقاضے پورے نہیں کئے تو وہ ربوبیتِ کبریٰ کے تقاضے پورا کرنے میں بھی ناکام رہے گا۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق، زمانہ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آجکل ضبط تولید یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور و شور سے جاری ہے اور اس کو معاشی مسئلہ سے جوڑ دیا گیا ہے جو کہ ایک غلط نظریہ ہے، معاشیات کے صحیح قوانین دوسرے ہیں جن کو اسلامی نظام اقتصادیات سے متعلق کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے، آیت میں (املاق) افلاس کا ذکر اسلئے فرمایا

ہے کہ فلاسفہ مادئیین اور مفکرینِ جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں، چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ قتل اولاد کی تحریکیں اور نئے نئے طریقے سے جاری ہیں اس کا محرک بھی یہی خوف افلاس ہے، مالتھس نامی ایک ماہر اقتصادیات ومعاشیات انیسویں صدی کے شروع میں ہوا ہے اور یہ منع حمل اور قتل اولاد کی تحریک اصلاً اسی کی برپا کردہ ہے، مذکورہ آیت میں اسی ذہنی افلاس اور دیوالیہ پن کے علاج کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، عرب میں قتل اولاد کی دامادی شرم وعار کے علاوہ ایک وجہ اقتصادی بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ کھانا کھلانے اور رزق فراہم کرنے کے اصلی ذمہ دار ہم ہیں تم نہیں، یہ کام براہ راست اللہ کا ہے تم خود اپنے رزق میں اللہ کے محتاج ہو تم اولاد کو کیا کھلا سکتے ہو؟ وہ تم کو رزق دیتا ہے تو تم بچوں کو کھلاتے ہو اگر وہ تمہیں نہ دے تو تمہاری کیا مجال کہ تم ایک دانۂ گندم خود پیدا کرسکو۔

قتل نفس کی بڑی شدت سے ممانعت فرمائی گئی ہے، البتہ عالم میں اَمن وامان قائم رکھنے کے لئے حق شرع کے طور پر قتل نفس نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے اِلّا یہ کہ مقتول کے وارث معاف کردیں، اسلئے کہ قصاص میں سب کی زندگی ہے، بحق شرع قتل کے صرف پانچ مواقع ہیں، ① قتل عمد کے مجرم ② قیام دین حق کے مزاحم کو جبکہ کوئی چارا نہ رہا ہو، ③ دارالاسلام میں بدامنی پھیلانیوالا اور نظام اسلامی کو الٹنے کی سعی کرنے والے کو، ④ شادی شدہ ہونیکے باوجود زنا کا مرتکب ہونا، ⑤ ارتداد کا مرتکب ہونا، مذکورہ پانچ صورتوں کے علاوہ اسلام میں کسی انسان کا قتل جائز نہیں خواہ مومن ہو یا ذمی یا عام کافر ہو۔

وَلا تقربوا مال اليتيم، جس یتیم کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے، ہر طرح اس کی خیر خواہی کرنا تمہارا فرض ہے اسی خیر خواہی کا تقاضہ ہے کہ یتیم کے مال سے خواہ وہ نقدی کی شکل میں ہو یا زمین جائداد اور اثاثہ کی صورت میں اور یتیم ابھی اس کی حفاظت کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کے مال کی اس وقت تک حفاظت کرنا ولی پر فرض ہے کہ وہ سن بلوغ وشعور کو پہنچ جائے۔

وَاَوفوا الكيل والميزان، ناپ تول میں کمی کرنا نہایت ذلیل اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے قوم شعیب میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کے منجملہ اسباب میں سے ایک تھی، سورۂ مطففین میں اس کو اسباب ہلاکت وبربادی میں شمار کرایا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو ناپ تول میں بے انصافی کرتے ہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ کام ہے کہ جس کی وجہ سے تم سے پہلے امتیں عذاب الٰہی کے ذریعہ ہلاک ہوچکی ہیں تم اس میں پورے احتیاط سے کام لو۔ (ابن کثیر ملخصًا)

وَاَنَّ هذا صراطي مستقيمًا، صراط مستقیم کو واحد کے صیغہ سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی اور قرآن اور رسول کی اور صحابہ کی راہ ایک ہی ہے یہی ملت اسلامیہ کی وحدت واجتماع کی بنیاد ہے، اگر امت مسلمہ اس واحد صراط مستقیم سے ہٹی تو مختلف گروہوں میں بٹ جائیگی اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا "اَن اقيموا الدين ولا تتفرقوا" (شوریٰ) دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو گویا اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں، اسی مفہوم کو حدیث پاک میں آپ نے اس طرح واضح فرمایا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے اور چند خطوط اس کے دائیں بائیں کھینچے اور

فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

(مسند احمد)

وَهٰذَا القرانُ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ یا اهلَ مکةَ بالعَمَلِ بمافیه وَاتَّقُوْا الكُفرَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
اَنزَلْنَاهُ لِ اَنْ لا تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ اليهودِ والنَّصارٰى مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ مخففةٌ واسمُها
محذوفٌ ای اِنَّا كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ قراءتِهم لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ لعدمِ مَعرفتِنا لها اذ لیسَتْ بلُغَتِنا
اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ لِجَودةِ اَذهانِنا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ بیانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِمَن اتَّبعَهٗ فَمَنْ ای لا احدَ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ اَعرَضَ عَنْهَا سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ
عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ ای اَشدَّهٗ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ ما ینتظِرُ المُكذِّبُونَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ بالتاءِ
والیاءِ الْمَلٰٓئِكَةُ لِقَبضِ اَرواحِهم اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ ای اَمرُهٗ بمعنی عَذابِه اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ای عَلاماتِه
الدَّالَّةِ علی الساعةِ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ وهو طلوعُ الشَّمسِ من مَغرِبِها كما فی حدیثِ الصحیحَینِ
لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ الجملةُ صفةُ نفسٍ اَوْ نفسًا لم تکن كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا طاعةً ای
لا تَنفعُها توبتُها كما فی الحدیثِ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اَحدَ هذهِ الاشیاءِ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ ذلك اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ
باختلافِهم فیه فاَخذُوا بعضَهٗ وَترَکُوا بعضَهٗ وَكَانُوْا شِيَعًا فِرَقًا فی ذٰلك وفی قراءةٍ فَارَقُوْا ای ترَکُوا دینَهم
الذی اُمِرُوا به وهم الیهودُ والنصٰری لَسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ فلا تَتَعرَّضْ لهم اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ یتولّاه
ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ فی الاٰخرةِ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ فیُجازِیهم به وهذا منسوخٌ باٰیةِ السَّیفِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ ای لا
اِلٰهَ الا اللّٰه فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ای جزاءُ عشرِ حسناتٍ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ای جزاؤهٗ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ یُنقَصُونَ من جزائِهم شیئًا قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ویُبدَلُ من مَحلِّه دِيْنًا قِيَمًا
مستقیمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ عبادَتی من حجٍّ وغیرِه وَمَحْيَاىَ حَیاتی
وَمَمَاتِىْ مَوتی لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فی ذلك وَبِذٰلِكَ ای التوحیدِ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ من هذه الامةِ
قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا اِلٰهًا لا اَطلُبُ غیرَه وَّهُوَ رَبُّ مالكُ كُلِّ شَىْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ذنبًا اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ تَحمِلُ
نفسٌ وَازِرَةٌ اٰثمةٌ وِّزْرَ نفسٍ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ
جمعُ خلیفةٍ ای یخلفُ بعضُکم بعضًا فیها وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ بالمالِ والجاهِ وغیرِ ذلك لِّيَبْلُوَكُمْ
لیختبرَکُم فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ اَعطاکُم لیظهَرَ المطیعُ منکم والعاصی اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ لمن عصاه وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ
للمؤمنین رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ بهم.

ترجمہ: اور یہ قرآن ایک بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، اے مکہ والو! جو کچھ اس میں

ہے اس پر عمل کر کے اس کی اتباع کرو، اور کفر سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اس کو نازل کیا تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو فرقوں یہود و نصاریٰ پر نازل کی گئی تھی اور ہم اُن کے پڑھنے پڑھانے سے ناواقف تھے ہماری زبان میں ان کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان کی معرفت حاصل نہ تھی (اِنْ) مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اِنّــا، یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم اپنی تیزی ذہانت کی وجہ سے زیادہ راہ راست پر ہوتے، سواب تمہارے پاس رب کی جانب سے اس شخص کے لئے جو اس کی اتباع کرلے ایک (واضح) بیان اور ہدایت اور رحمت آچکی، اب اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا؟ اور ان سے اعراض کیا، کوئی نہیں، ہم جلدی ہی ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے اعراض کرتے ہیں بدترین یعنی سخت ترین عذاب دیں گے ان کے اعراض کرنے کی وجہ سے ان جھٹلانے والوں کو صرف اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس ان کی روحیں قبض کرنے کیلئے فرشتے آجائیں، (تــاتیھم) یاء اور تاء کے ساتھ، یا ان کے پاس تیرا رب آجائے یعنی اس کا حکم بشکل عذاب آجائے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آجائے، جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے گی اور وہ مغرب کی جانب سے سورج کا نکلنا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے، کسی شخص کو کسی ایسے شخص کا ایمان کام نہ آئیگا جو پہلے (دنیا میں) ایمان نہ لایا ہوگا (جملہ لم تکن) نفساً کی صفت ہے یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو یعنی اس کی توبہ اس کے کوئی کام نہ آئے گی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، ان سے کہہ دو ان اشیاء میں سے کسی ایک کا انتظار کرو، ہم بھی اس کے منتظر ہیں بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو اس میں اختلاف کر کے جدا جدا کرلیا بایں طور کہ بعض کو لیا اور بعض کو ترک کردیا، اور اس میں گروہ گروہ ہوگئے، اور ایک قراءت میں فـارقـوا ہے یعنی اپنے اس دین کو ترک کردیا جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا آپ ان سے تعرض نہ کریں (بس) ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ دیکھ لے گا، پھر ان کو آخرت میں ان کے سب کرتوت بتادے گا کہ ان کو انکے اعمال کی سزادے گا یہ حکم آیت سیف (یعنی) حکم جہاد سے منسوخ ہے، جو شخص نیک کام کرے گا یعنی لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے گا تو اس کو دس گنا یعنی دس نیکیوں کے برابر اجر ملے گا اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا یعنی ان کے اجر میں کچھ بھی کم نہ کیا جائیگا، آپ کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتادیا ہے بالکل ٹھیک دین اور دیــنــاً قیــمــاً (صراط) کے محل سے بدل ہے، جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راستہ ہے جو اللہ کی طرف یکسو تھے اور وہ شرک کرنیوالوں میں نہ تھے کہہ دو میری نماز اور میرے تمام مراسم عبادت حج وغیرہ اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العلمین کے لئے ہے، اس میں جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی توحید کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اس امت میں سب سے پہلا ماننے والا ہوں آپ کہہ دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنانے کے لئے تلاش کروں یعنی اس کے غیر کو تلاش نہ کروں گا، حالانکہ وہ ہر شئ کا مالک ہے ہر شخص جو بھی بدی کرتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، اور کوئی گنہگار نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہ اٹھائیگا پھر تم سب کو تمہارے رب کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو اس چیز کی حقیقت بتلادے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا خــلائف، خلیفہ کی جمع ہے اور ایک کو دوسرے پر مال و جاہ وغیرہ کے درجات میں فوقیت دی تاکہ تم کو عطا کردہ چیزوں

میں آزمائے تاکہ فرمانبردار کو نافرمان سے ممتاز کرے یقیناً تیرا رب اپنی نافرمانی کرنے والوں کو بہت جلد سزا دینے والا ہے اور یقیناً وہ مومنین کی مغفرت کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: لِاَنْ لَا تَقُوْلُوْا، لام اور لا مقدر ماننے کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اَنْ تَقُوْلُوْا، انزلناہ کا مفعول لہ واقع ہونا معنًی درست نہیں ہے بلکہ عدمِ قول مفعول لہ ہے اسی سوال کے جواب کے لئے مفسرؒ علام نے لام جارہ محذوف مان کر انزلناہ کی علت کے بیان کی جانب اشارہ کردیا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ ان مصدریہ ہے یہی وجہ ہے کہ تقولوا سے نون حذف ہوگیا، کسائی اور فرّاء نے کہا ہے کہ ان تقولوا کی اصل لِان لاتقولوا ہے، حرف جار اور حرف نفی کو حذف کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول یُبَیِّنُ اللّٰہ لکم اَن تضلوا، اس کی اصل لِئَلا تضلوا تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول ''رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بکم کی اصل لِئَلا تمیدَ بکم تھی، شارح علیہ الرحمۃ نے اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے اور بصریین نے حذف مضاف کی توجیہ اختیار کی ہے تقدیر عبارت یہ ہے انزلناہ کراھیۃَ اَنْ تقولوا بصریین کہتے ہیں کہ 'لا' کا حذف جائز نہیں ہے اسلئے کہ جئتُ اَنْ اکرمَكَ کہنا درست نہیں ہے بمعنی ان لا اکرمك.

قِوْلَہٗ: او تقولوا اس کا عطف سابق اَنْ تقولوا پر ہے لہٰذا یہاں بھی لام اور لا مقدر ہوں گے۔

قِوْلَہٗ: اَلْجُمْلَةُ صِفَةُ نفسًا، اس میں اشارہ ہے کہ جملہ لم تکن آمنتْ لکم من قبل، نفسًا کی صفت ہے نہ کہ ایمان کی جیسا کہ قرب سے بظاہر شبہ ہوتا ہے، اسلئے کہ ایمان کے لئے ایمان لازم آئیگا جو کہ محال ہے۔ (ترویح الارواح)

قِوْلَہٗ: او نفسًا لَمْ تکُنْ، اس میں اشارہ ہے کہ او کَسَبَتْ کا عطف آمَنَتْ پر ہے نہ کہ اِیمانُھَا پر ہے۔

قِوْلَہٗ: ای لا تَنْفَعُھَا تَوْبَتُھا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالؔ: یہ آیت معتزلہ کے مذہب کی حقانیت پر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک ایمان مجرد عن الاعمال الصالحہ نافع نہ ہوگا۔

جَوَابؔ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیت لف تقدیری کے قبیل سے ہے، ای لا ینفع نفسًا ایمانُھا ولا کَسبُھَا فی الایمان لم تکن آمنت من قبل او کسبت فیه خیرًا.

قِوْلَہٗ: جَزَاءُ عَشْرِ حَسَنَاتٍ اس عبارت میں مفسرؒ علام نے فَلَهٗ عَشْرُ اَمثالھا '' میں عشر میں ترکِ تاء کی وجہ کی جانب اشارہ کیا ہے اسلئے کہ بظاہر عشرۃ امثالھا ہونا چاہئے اسلئے کہ مثل مذکر ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ امثال معنًی مؤنث ہے۔

قِوْلَہٗ: ویُبْدَلُ مِنْ مَحَلِّهٖ، ھدانی کا مفعول اول ھدانی کی یاء ہے اور مفعول ثانی الی صراط مستقیم ہے اور دینًا قیمًا،

صراط کے محل سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول ثانی جیسا کہ بعض حضرات کو یہ مغالطہ لاحق ہوا ہے۔

قِوْلُہٗ: اعطاکم اس میں اشارہ ہے کہ آتاکم ایتاء سے ہے نہ کہ اتیان سے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

وَھٰذَا کتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ، (الآیۃ) گذشتہ آیات میں مشرکین کی بدعقیدگی اور خودساختہ حلال وحرام کی پوری شدت کے ساتھ تردید کی گئی تھی، اسی سلسلہ میں بالواسطہ طور پر نبوت ورسالت کا ذکر آگیا تھا، ان آیات میں سمجھایا جارہا ہے کہ انسان کی رہبری اور دارین کی سعادت وکامرانی کے لئے نبوت کا تاج کسی نہ کسی انسان کے سر پر رکھا جانا ضروری ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، پہلے بہت سے انبیاء گذر چکے ہیں جو سب کے سب انسان ہی تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بہت معروف ومشہور ہیں آخر میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں آخر ان کا انکار کس بناء پر کیا جاتا ہے؟ آپ ﷺ کو جو کتاب ہدایت عطا کی گئی ہے وہ بڑی خیر وبرکت والی ہے اور تمہاری زبان میں ہے لہٰذا اس کا اتباع کر کے رحمت خداوندی کے مستحق بنو، قرآن کے نزول کے بعد اب تمہارے پاس یہ عذر بھی باقی نہیں رہا کہ تم یہ کہہ سکو کہ کتابیں تو پہلے دوفرقوں یہود ونصاریٰ پر نازل ہوئی تھیں وہ چونکہ ہماری زبان میں نہیں تھیں اسلئے ہمیں کیا معلوم کہ اس میں کیا تھا، تمہاری زبان میں کتاب نازل کر کے حجت پوری کردی گئی اب روز قیامت تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا، آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے اور رہبر اعظم کے آجانے کے بعد کیا اب ان لوگوں کو صرف ملائکہ موت ہی کا انتظار ہے خوب یاد رکھو موت کے وقت عالم غیب مشاہد ہوجانے کے بعد ایمان معتبر نہیں ہے۔

لَا تزرُ وَازِرۃ وِزر اخریٰ، یعنی قیامت کے روز کوئی شخص دوسرے کا بارِ گناہ نہیں اٹھائیگا، اس آیت میں ایک عام ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے معاملہ کو دنیا پر قیاس نہ کرو یہاں ایک شخص جرم کر کے دوسرے کے سر ڈال سکتا ہے خصوصاً جبکہ دوسرا شخص خود رضامند ہو، مگر عدالت الٰہیہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں وہاں ایک کے جرم میں دوسرا ہرگز نہیں پکڑا جاسکتا ایک میت کے جنازہ پر حضرت عبداللہ بن عمر نے کسی کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا زندوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ قول حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص کا یہ قول نقل کر رہے ہو جو کبھی نہ جھوٹ بولتا ہے نہ اس کی ثقاہت میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے، مگر کبھی سننے میں بھی غلطی ہوجاتی ہے، اس معاملہ

میں تو قرآن کا ناطق فیصلہ موجود ہے لا تزرُ وازرۃ وزرَ اخریٰ یعنی ایک کا گناہ دوسرے کے سر نہیں رکھا جا سکتا تو کسی زندہ کے رونے سے مردہ بے قصور کس طرح معذب ہو سکتا ہے۔ (درمنثور، معارف)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفارہ محض باطل اور لغو ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سولی پر چڑھ کر تمام مسیحیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا، اب کوئی مسیحی کسی گناہ میں ماخوذ نہیں ہوگا اسی طرح مسیحیوں کا یہ عقیدہ بھی مہمل اور باطل ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ پوری اولاد آدم کو ملتی رہے گی نیز مشرکوں کا یہ عقیدہ بھی باطل قرار پایا کہ خدا کسی کو بھی کسی کے بدلے سزا دے سکتا ہے۔ (ماجدی)

بحمداللہ تم

سُوْرَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ آيَاتٍ وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سُوْرَةُ الاعراف مكية اِلا واسئَلْهُمْ عن القريةِ الثمان او الخمس آيات مِائَتَانِ وَخَمْسُ اَوْسِتُّ آياتٍ.

سورۂ اعراف مکی ہے مگر واسئلهم عن القرية سے آٹھ یا پانچ آیتیں مدنی ہیں کل ۲۰۵ یا ۲۰۶ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **الٓمٓصٓ** ① اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرادِهٖ بذٰلك هذا
كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ خِطَابٌ للنبيِّ صلى الله عليه وسلم **فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ** ضيقٌ **مِّنْهُ** ان تُبَلِّغَهٗ مخافةَ ان
تُكَذَّبَ **لِتُنْذِرَ** متعلق بأُنْزِلَ اى للاِنْذار **بِهٖ وَذِكْرٰى** تذكرةٌ **لِلْمُؤْمِنِيْنَ** ② به قل لهم **اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ**
اى القرانَ **وَلَا تَتَّبِعُوْا** تَتَّخِذُوا **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اى اللّٰهِ اى غيرِهٖ **اَوْلِيَآءَ** تُطِيْعُوْنَهم فى معصيتِهٖ تعالٰى
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ بالتاءِ والياء تَتَّعِظُوْنَ وفيه اِدْغامُ التاء فى الاصلِ فى الذالِ وفى قراءةٍ بسكونها و ما زائدةٌ
لتاكيدِ القِلَّةِ **وَكَمْ** خبريةٌ مفعولٌ **مِّنْ قَرْيَةٍ** اُرِيْدَ اَهلُها **اَهْلَكْنٰهَا** اَرَدْنا اِهلاكَها **فَجَآءَهَا بَاْسُنَا** عذابُنا **بَيَاتًا** ليلاً
اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ نائمون بالظهيرةِ وَالقَيْلُوْلَةُ استراحةُ نصفِ النهار وان لم يكن معها نومٌ اى مرةً جاءَها ليلاً
ومرةً نهارًا **فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ** قولُهم **اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** ⑤ **فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ**
اى الاُمَمَ عن اِجابَتِهِمُ الرُّسُلَ وَعَمَلِهِم فيما بَلَّغهم **وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ** ⑥ عن الاِبلاغ **فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ**
لَنُخْبِرَنَّهُمْ عن علمٍ بما فعلُوْهُ **وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ** ⑦ عن اِبلاغِ الرُّسُلِ والاُمَمِ الخاليةِ فيما عَمِلُوْا **وَالْوَزْنُ**
للاَعْمالِ اولِصَحائِفِها بِمِيْزانٍ لَهٗ لِسانٌ و كِفَّتَان كما وَرَدَ فى حديثٍ كائنٌ **يَوْمَئِذِ** اى يومَ السُّؤالِ المذكورِ
وهو يومُ القيمة **اِلْحَقُّ** العدلُ صفةُ الوزنِ **فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ** بالحسناتِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** ⑧ الفائِزُوْنَ
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ بالسَّيِّاتِ **فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بتَصْيِيرِها الى النَّارِ **بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ** ⑨

يَجْحَدُوْنَ **وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ** يَبَنِيْ آدَمَ **فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ** بالياءِ اسبابًا تَعِيْشُوْنَ بها جمعُ مَعِيْشَةٍ **قَلِيْلًا مَّا** لتاكيدِ القِلّةِ **تَشْكُرُوْنَ**﴿۱۰﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (الٓمّٓصٓ) اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اس میں آپ کو خطاب ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں (لِتُنْذِرَ) اُنْزِلَ کے متعلق ہے، ای اُنْزِلَ لِلْاِنْذار، لہٰذا اس کی تبلیغ سے اس خوف سے کہ آپ کی تکذیب کی جائے گی آپ کو کوئی جھجک نہ ہونی چاہئے، اور (تاکہ) اس کے ذریعہ مومنوں کو نصیحت ہو، ان سے کہو، جو قرآن تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے اتارا گیا ہے اس کی اتباع کرو، اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو سرپرست نہ بناؤ کہ اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت کرو، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو (یذکرون) تاء اور یاء کے ساتھ بمعنی یَتَّعِظُوْنَ، اور اس میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام ہے اور ایک قراءت میں ذال کے سکون کے ساتھ ہے اور مَا قلّت کی تاکید کے لئے زائدہ ہے، اور بہت سی بستیوں کو کم خبریہ مفعول ہے، اور بستی سے مراد اہل بستی ہیں ہم نے تباہ کر دیا، (یعنی) جن بستیوں کو ہم نے برباد کرنے کا ارادہ کیا ان کو برباد کر دیا، اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آپہنچا، یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے، قیلولہ، دوپہر کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں، اگرچہ اس میں سونا نہ ہو، مطلب یہ کہ (عذاب) کبھی دن میں اور کبھی رات میں آیا، جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کے منہ سے بجز اس بات کے کوئی بات نہ نکلی کہ واقعی ہم ظالم تھے، پھر ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے یعنی ہم امتیوں سے (ان کے) رسولوں کی دعوت قبول کرنے اور جو انہوں نے ان کو تبلیغ کی، اس پر عمل کرنے کے بارے میں (ضرور باز پرس کریں گے) اور پیغام پہنچانے کے بارے میں رسولوں سے (بھی) ضرور سوال کریں گے پھر ہم پورے علم کے ساتھ ان کی عملی سرگرمیوں کی ان کو خبر دیں گے، (ہمارے) ان کے اعمال سے باخبر ہونے کی وجہ سے ان کو پوری تفصیل بتا دیں گے، (آخر) ہم کہیں رسولوں کی تبلیغ اور گذشتہ امتوں کے کارناموں سے بے خبر تو نہیں تھے، اور اعمال کا یا اعمال ناموں کا ایسی ترازو سے کہ جس کا (ایک) کانٹا اور دو پلڑے ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، ایسے دن میں یعنی سوال مذکور کے دن میں کہ وہ قیامت کا دن ہوگا عدل کے ساتھ (اعمال) کا وزن ہوگا، العدل، الوزن کی صفت ہے، سو جن لوگوں کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے اور جن لوگوں کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کی وجہ سے ہلکا ہوگا یہی ہیں وہ لوگ جو خود کو جہنم رسید کرنے کی وجہ سے اپنا نقصان کرنے والے ہوں گے، اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کی تکذیب کرکے ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے، اے بنی آدم ہم نے تم کو زمین میں بااختیار سکونت دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں اسباب معیشت پیدا کئے جن کے ذریعہ تم زندگی گذارتے ہو، مَعَائش مَعِیْشَة کی جمع ہے، تم لوگ بہت ہی کم شکر گذار ہو، مَا، تاکید قلت کے لئے ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: للانذار، اس میں اشارہ ہے کہ لِتُنْذِرَ میں لام کے بعد اَن مصدر یہ مقدر ہے لہٰذا یہ شبہ بھی ختم ہو گیا کہ لِتُنْذِرَ میں فعل پر حرفِ جر داخل ہے، فلا یکن فی صَدْرِكَ حرج مِنه، علت اور معلول کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: وذِکریٰ یہ کتابٌ پر معطوف ہونے کی وجہ سے تقدیراً مرفوع، یہ اسم مصدر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، ھذا کتابٌ وتذکرة للمؤمنین.

قولہ: قُل لھم، یہ ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ ماسبق میں خطاب آپ ﷺ کو ہے پھر اچانک روئے خطاب دیگر مخاطبین کی طرف ہو گیا اس کی بظاہر نہ کوئی وجہ ہے اور نہ قرینہ، اسی کے جواب کیلئے قل لھم، محذوف مان کر التفات کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

قولہ: خَبَرِيَّةٌ مفعولٌ، یعنی کم خبر یہ فعل محذوف کا مفعول واقع ہے اور علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہے تقدیر عبارت یہ ہے، اَوْ اَھْلَکنا کم من قریةٍ اَھْلکناھا.

قولہ: اَرَدْنَا.

سوال: اَھْلکنا سے پہلے اَرَدْنا محذوف ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: مفسر علام نے اَرَدْنا محذوف مان کر ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کم من قریة اَھْلکناھا سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلاک مقدم ہے اور فجاء ھنا باسنا مؤخر ہے، یعنی اہلاک جو کہ مسبب ہے وہ مقدم ہے اور مجیٔ بأس جو کہ سبب ہے وہ مؤخر ہے حالانکہ سبب مسبب سے مقدم ہوتا ہے یعنی عذاب کی آمد مقدم ہوتی ہے اور ہلاکت بعد میں ہوتی ہے، آیت سے اس کا عکس مفہوم ہوتا ہے، علماء مفسرین نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں، ان ہی میں سے ایک جواب مفسر علام نے اردنا محذوف مان کر دیا ہے یعنی ہم نے ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہمارا ان پر عذاب آیا، تقدیر عبارت یہ ہے اَرَدْنا اِھلاکھا فجائھا باسُنا، مگر یہاں اب بھی یہ سوال باقی ہے کہ فجاء ھنا میں فاء تعقیبیہ ہے جو عذاب کے ہلاکت سے بعد میں آنے پر دلالت کرتی ہے لہٰذا سابق سوال علیٰ حالہ باقی ہے۔

جواب: فاء کبھی تفسیر کے لئے بھی آتی ہے اسلئے کہ ہلاکت کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً کبھی موت طبعی اسباب سے ہوتی ہے کبھی آگ میں جل کر ہوتی ہے تو کبھی پانی غرق ہو کر ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ، فَجَاءَ ھا باسنا کہہ کر سبب موت کی تفسیر کر دی کہ موت ہمارے عذاب کی وجہ سے ہوئی۔

قولہ: مَرَّةً جَاءَ ھا لَیلًا ومَرَّةً نھارًا، اس میں اشارہ ہے کہ اَوْ تنویع کے لئے ہے نہ کہ شک کے لئے اسلئے کہ اللہ کی ذات شک وتردد سے پاک ہے۔

سُوَال: ایک حال کا جب دوسرے حال پر عطف کیا جاتا ہے تو واؤ عاطفہ لانا ضروری ہوتا ہے یہاں او ھم قائلون کا بَیَاناً پر عطف ہے لہٰذا درمیان میں واؤ عاطفہ کا ہونا ضروری ہے۔

جَوَاب: اَوْ تنویع کے لئے ہے جو کہ درحقیقت حرف عطف ہی ہے اگر واؤ عاطفہ بھی لایا جاتا تو تقدیر عبارت یہ ہوتی اَوْ ھم قائلون، واؤ کو حذف کردیا اسلئے کہ دو حروف عطف کا اجتماع ثقیل ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: اَوْ لِصحائفِھا، اعمال کے بعد صحائف اعمال کا اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعمال چونکہ اعراض ہیں لہٰذا ان کا وزن ممکن نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت صحائف اعمال ہے، اور صحائف اعمال کے وزن میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: لِسَانُ المِیْزَانِ، لسان المیزان سے غالباً وہ سوئی یا کانٹا مراد ہے جو دونوں پلڑوں کی برابری کو بتاتا ہے جب دونوں پلڑے بالکل مساوی ہو جاتے ہیں تو وہ لسان (کانٹا) بالکل ٹھیک وسط میں آجاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب).

قَوْلُهُ: کائن، اس کی تقدیر میں اشارہ ہے کہ الوزن مبتداء ہے اور یومئذٍ، کائنٌ کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُهُ: صِفَةُ الْوَزْنِ اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو، الحقُّ، کو اَلْوَزْنُ مبتداء کی خبر قرار دیتے ہیں اسلئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وزن اسی دن حق ہے نہ کہ اس کے علاوہ میں اور یہ غلط ہے۔

تفسیر وتشریح

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام سورۂ اعراف ہے اور یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کی آیات نمبر ۴۶۔۴۷ میں اعراف اور اصحاب اعراف کا ذکر آیا ہے۔

مرکزی مضمون:

پوری سورت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مضامین معاد یعنی آخرت اور نبوت و رسالت سے متعلق ہیں اور یہی اس سورت کا مرکزی مضمون ہے اس کے علاوہ بعض انبیاء سابقین کے حالات اور ان کی امتوں کے واقعات اور ان کی جزاء و سزا کا بھی قدرے تفصیل سے ذکر ہے۔

الٓمٓصٓ، کی مراد کے بارے میں اگرچہ مختلف اقوال منقول ہیں مگر مفسر علام نے **اللہ اعلم بمرادہ بذلك** کہہ کر حروف مقطعات کے بارے میں احوط اور اسلم طریقہ کی طرف خود اشارہ کردیا ہے لہٰذا اس کی حقیقی مراد کو اللہ کے علم کے

حوالہ کرنا ہی محتاط اور اسلاف کا طریقہ ہے۔

فلا یکن فی صدرك حرج، پہلی آیت میں آپ ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، لہٰذا آپ کو کسی قسم کی دل تنگی نہ ہونی چاہئے، دل تنگی سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم اور اس کے احکام کی تبلیغ میں آپ کو کسی قسم کا خوف اور جھجک نہیں ہونی چاہئے اور اس سے انکار و تکذیب کی صورت میں آپ کو کوفت اور کڑھن نہ ہونی چاہئے (ای یضیق صدرك الّا یؤمنوا به) قرطبی (یعنی) قیامت کے روز عوام الناس سے سوال کیا جائیگا کہ ہم نے تمہارے پاس اپنے رسول اور کتابیں بھیجی تھیں تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اور رسولوں سے پوچھا جائیگا کہ جو پیغام رسالت اور احکام شریعت دیکر ہم نے تم کو بھیجا تھا وہ آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیئے یا نہیں؟۔ (معارف، اخرجه بیهقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں حاضرین سے سوال فرمایا ''کہ جب قیامت کے روز تم لوگوں سے میرے بارے میں سوال کیا جائیگا کہ میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچایا یا نہیں؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا، اور امانت خداوندی کا حق ادا کر دیا، اور امت کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ فرمایا، یہ سنکر آپ ﷺ نے فرمایا اللّٰھم اشھد، یا اللہ آپ گواہ ہیں۔

وَالوزن یومَئِذِ نِ الحق، (الآیة) یعنی روز قیامت وزن اعمال برحق ہے اس میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ وزن تو اجسام کا ہوتا ہے اور اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے از قبیلۂ اعراض ہیں جن کا کوئی جرم وجسم نہیں ہوتا، پھر اعمال کے وزن کی کیا صورت ہوگی؟ اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العلمین قادر مطلق ہے اور ہر شئی پر قادر ہے اس کی قدرت سے کوئی شئی خارج نہیں ہے یہ کیا ضروری ہے کہ جس چیز کو ہم نہ تول سکیں حق تعالیٰ بھی نہ تول سکیں، اس کے علاوہ جدید دور کی جدید ایجادات نے تو اس مسئلہ کو بالکل واضح اور صاف کر دیا ہے اب کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی، اب نئے آلات کے ذریعہ وہ چیزیں بھی تولی جاتی ہیں جو پہلے نہیں تولی جاتی تھیں، اب ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن میں نہ ترازو کی ضرورت نہ اس کے پلّوں کی اور نہ ڈنڈی اور کانٹے کی، آج تو ان آلات کے ذریعہ ہوا تولی جاتی ہے برقی رو تولی جاتی ہے گرمی سردی تولی جاتی ہے ان کا میٹر ہی ان کی ترازو ہے، اگر حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اعمال کا وزن کرلیں تو اس میں کیا استبعاد ہے؟

اعراض کے متعلق ''بارکلے'' کا نظریہ:

برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کئے گئے ہیں ان کی اصل تو محسوسیت ہی ہے اگر سرے سے محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں (ماجدی) اعمال کی صفتِ وزن آج ہمارے موجودہ قویٰ کے لئے غیر محسوس ہے، روز قیامت ہمارے ترقی یافتہ قویٰ کے لئے محسوس ومدرک ہو جائیگی۔

عرض کو جوہر میں تبدیل کر دینا اللہ کی قدرت میں ہے:

خالق کائنات کو اس پر بھی قدرت حاصل ہے کہ ہمارے اعمال کو کسی وقت جوہر میں تبدیل کر کے کوئی شکل وصورت عطا فرما دیں، آپ ﷺ سے منقول بہت سی روایات اس پر شاہد ہیں کہ برزخ اور محشر میں انسانی اعمال خاص خاص شکلوں وصورتوں میں آئیں گے، قبر میں انسان کے اعمال صالحہ حسین صورت میں اس کے مونس بنیں گے اور برے اعمال سانپ بچھو بن کر اس کو لپٹیں گے حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مال کی زکوۃ نہ دی ہوگی وہ مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں اس کی قبر میں پہنچ کر اس کو ڈسے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ (معارف)

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ اى اباكم ادم ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ اى صَوَّرْنَاهُ وانتم في ظَهْرِه ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بالانْحِنَاءِ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ابالجنّ كان بينَ الملئكةِ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ تعالى مَا مَنَعَكَ اَلَّا زائدة تَسْجُدَ اِذْ حين اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا اى من الجنّةِ وقيل من السموتِ فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ يَنْبَغِي منها اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ الذليلين قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اَخِّرْنِي اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ اى الناسُ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ وفي ايةٍ اُخْرى الى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ اى وقتِ النَّفْخَةِ الأولى قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ اى باغْوَائِكَ لي والباءُ للقسمِ وجوابُهُ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ اى لبني ادم صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ اى على الطريقِ المُوْصِلِ اليك ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ اى من كلِّ جهةٍ فَامْنَعُهم عن سُلُوْكِه قال ابنُ عباسٍ رضي الله تعالى عنه ولا يَسْتَطِيْعُ ان يَأْتِيَ من فوقِهم لئلّا يَحُوْلَ بين العبدِ وبين رحمةِ اللّٰهِ تعالى وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ مؤمنين قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا بالهمزةِ معيبًا مَمْقُوْتًا مَّدْحُوْرًا مُبْعَدًا عن الرحمةِ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ من الناسِ واللامُ للابتداءِ وموطئةٌ للقسمِ وهو لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ اى منك بذريّتك ومن الناسِ وفيه تغليبُ الحاضرِ على الغائبِ وفي الجملةِ مَعْنَى جَزَاءِ مَنِ الشَّرْطِيَةِ اى من اتَّبعَكَ اُعَذِّبُهُ وَ قال يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ تاكيدٌ للضمير في اُسْكُنْ ليُعْطَفَ عليه وَزَوْجُكَ حواءُ بالمدِ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ بالاكلِ منها وهي الحِنْطَةُ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ابليسُ لِيُبْدِيَ يُظْهِرَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ فُوْعِلَ من المواراةِ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ كراهةَ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ وقُرِئَ بكسرِ اللامِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ اى وذلك لازم عن الاكلِ منها كما في ايةٍ اُخْرى هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلٰى وَقَاسَمَهُمَآ اى اَقْسَمَ لهما باللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ في ذلك فَدَلّٰىهُمَا حَطَّهما عن مَنْزِلَتِهما بِغُرُوْرٍ منه فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ اى اكلا منها بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا اى ظَهَرَ لكلٍّ منهما قُبُلُهُ وقُبُلُ الاخرِ ودُبُرُهُ

وَسُمِّیَ کُلٌّ مِنْهُمَا سَوْأَةً لِاَنَّ انْكِشَافَهُ يَسُوْءُ صَاحِبَهُ ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ﴾ اَخَذَا يَلْزِقَانِ ﴿عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ لِيَسْتَتِرَا بِهِ ﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (۲۲) بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ بِمَعْصِيَتِنَا ﴿وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (۲۳) ﴿قَالَ اهْبِطُوْا﴾ اَيْ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا ﴿بَعْضُكُمْ﴾ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ ﴿لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا ﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ مَكَانُ اسْتِقْرَارٍ ﴿وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ (۲۴) تَنْقَضِيْ فِيْهِ اٰجَالُكُمْ ﴿قَالَ فِيْهَا﴾ اَيِ الْاَرْضِ ﴿تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾ (۲۵) بِالْبَعْثِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ.

ترجمہ: اور ہم نے تم کو یعنی تمہارے دادا آدم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں یعنی تمہاری صورتیں اس حال میں بنائیں کہ تم آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت میں تھے، پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، جھک کر سجدۂ تعظیمی، تو سب نے سجدہ کیا بجز ابوالجن ابلیس کے اور وہ فرشتوں کے درمیان بود و باش رکھتا تھا، اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے تجھکو سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں تجھکو حکم دے چکا، لا، زائدہ ہے، (تو) کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں (اسلئے کہ) تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا، حق تعالیٰ نے فرمایا تو جنت سے اتر اور کہا گیا ہے کہ آسمانوں سے اتر، تجھکو کوئی حق نہیں کہ تو آسمانوں (یا جنت) میں رہ کر تکبر کرے، لہٰذا تو اس سے نکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے، (ابلیس) نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں حق تعالیٰ نے فرمایا تجھے مہلت ہے، اور دوسری آیت میں ہے وقت مقرر تک یعنی نفخۂ اولیٰ تک، تو (ابلیس) نے کہا قسم ہے مجھے تیرے اغوا کرنے کی باء قسم کے لئے ہے میں ان کے یعنی بنی آدم کے لئے تیری سیدھی راہ پر (یعنی) اس راہ پر جو تجھ تک پہنچانے والی ہے بیٹھوں گا، اور اس کا جواب لَاَقْعُدَنَّ ہے، پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے یعنی ہر جہت سے ان کو راہ راست پر چلنے سے روکوں گا ابن عباس نے فرمایا لوگوں کے اوپر سے آنیکی استطاعت نہیں رکھتا تاکہ وہ بندے اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل نہ ہو جائے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار (یعنی) مومن نہ پائیں گے اللہ نے فرمایا تو یہاں سے معیوب مغضوب مردود ہو کر نکل جا، انسانوں میں سے جو تیری پیروی کرے گا اور لام ابتداء ہے یا قسم کی تمہید کے لئے ہے (یعنی قسم محذوف پر دلالت کرنے کے لئے) وہ لَاَمْلَئَنَّ ہے، میں تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا، یعنی تجھ سے مع تیری ذریت کے اور انسانوں سے (جہنم کو بھر دوں گا) اس میں حاضر کو غائب پر غلبہ دیا گیا ہے، اور جملہ (لَاَمْلَئَنَّ) میں مَنْ شرطیہ کی جزاء کے معنی ہیں، یعنی جو تیری اتباع کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا، اور (اللہ نے) فرمایا اے آدم تم اور تمہاری بیوی حواء مد کے ساتھ (انت) اُسکن کے اندر ضمیر مستتر کی تاکید ہے تاکہ اس پر عطف کیا جا سکے، جنت میں رہو، جہاں سے جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ اور کھانے کی نیت سے اس درخت کے قریب بھی مت جانا اور وہ شجر گندم ہے ورنہ تو تمہارا شمار ظالموں میں ہو جائیگا، پھر

شیطان ابلیس نے ان دونوں کو بہکایا تا کہ ان دونوں کی شرم گاہوں کو جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ظاہر کر دے (وُوْرِی) الموا راۃ سے فُوعِلَ کے وزن پر ماضی مجہول ہے اور کہا تم دونوں کو اس درخت سے دور کرنے کی بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو تمہارا فرشتہ ہو جانا ناپسند ہے اور (مَلِکین) کو لام کے کسرہ کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے یا یہ کہ تم دونوں ہمیشہ کے لئے جنتی ہو جاؤ اسلئے کہ یہ (خلود) اس کے کھانے کے لئے لازم ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے (هَلْ اَدُلُّكَ علی شجرۃ الخلد وَمُلكٍ لا یبلٰی) اور ان دونوں کے روبرو اللہ کی قسم کھائی کہ میں اس معاملہ میں یقیناً تم دونوں کا خیر خواہ ہوں سو ان دونوں کو ان کے مقام سے فریب کے ذریعہ نیچے لے آیا، ان دونوں نے جب درخت کو چکھا یعنی اس کا پھل کھایا تو دونوں کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں، یعنی ان میں ہر ایک کی قُبل اور دوسرے کی قبل اور اس کی دبر ظاہر ہوگئی، اور دونوں کی شرمگاہوں کا سوأۃ نام رکھا اسلئے کہ شرمگاہ کا کھل جانا صاحب شرمگاہ کو رنجیدہ کرتا ہے، اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتوں کو چپکانے لگے، یعنی دونوں نے اپنی شرمگاہوں پر پتوں کو چپکانا شروع کر دیا، تا کہ ان کے ذریعہ ستر پوشی کریں، اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور کیا یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے کھلی عداوت والا ہے، یہ استفہام تقریری ہے دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے معصیت کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہمارے اوپر رحم نہ کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اللہ نے حکم دیا اے آدم وحوا تم مع اپنی اس ذریت کے جس پر تم مشتمل ہو نیچے اترو تمہاری ذریت میں سے بعض بعض کی دشمن ہوگی بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے، اور تمہارے لئے زمین جائے سکونت ہے اور ایک مدت تک (اس میں) نفع حاصل کرنا ہے تم مدت العمر وہیں رہو گے، فرمایا تمہیں زمین ہی پر زندگی بسر کرنی ہے اور وہیں مرنا ہے اور زندہ کر کے تمہیں وہیں سے نکالا جائیگا (تخرجون) میں معروف و مجہول دونوں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای اَباکم آدم.

سوال: خلقنکم میں خطاب بنی آدم کو ہے جس سے معلوم ہوتا ہے خلق و تصویر کا تعلق بنی آدم سے ہے حالانکہ خلقنکم کی تفسیر اَیْ اَباکم آدم سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق و تصویر کا تعلق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔

جواب: یہ ہے کہ چونکہ آگے ملائکہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آدم کو سجدہ کریں اگر خلقنکم میں کُمْ سے مراد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ ہوں تو تخلیق اور امر بالسجدہ میں مطابقت باقی نہیں نہ رہے گی یعنی تخلیق بیان ہو رہی ہے ذریۃً کی اور اس کا انعام دیا جا رہا ہے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے مضاف محذوف ماننے کی ضرورت پیش آئی۔

قولہ: کَانَ بَیْنَ المَلائِکَۃِ.

سوال: اس عبارت کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جواب: مذکورہ اضافہ کا مقصد اِلَّا ابلیس کے استثناء کو درست قرار دینا ہے۔
سوال: اِلَّا ابلیس ہی سے ابلیس کا سجدہ نہ کرنا مفہوم ہو رہا ہے پھر لم یکن من الساجدین کہنے سے کیا فائدہ ہے؟
جواب: اِلَّا ابلیس سے مطلق سجدہ کی نفی مفہوم نہیں ہوتی بلکہ صرف بوقت حکم سجدہ کی نفی مفہوم ہو رہی ہے ممکن ہے کہ اس وقت سجدہ نہ کیا ہو مگر بعد میں کر لیا ہو، جب لم یکن من الساجدین کا اضافہ ہو گیا تو اس سے مطلق سجدہ کی نفی ہو گئی یعنی ابلیس نے نہ بوقت حکم سجدہ کیا اور نہ بعد میں۔
قولہ: زائدۃ، یعنی اَلَّا میں لا زائدہ ہے ورنہ تو مطلب ہوگا سجدہ کرنے سے منع کیا۔ اسلئے کہ نفی النفی اثبات ہوتا ہے حالانکہ یہ مقصد نہیں۔
قولہ: أَخِّرْنِی، انظرنی کی تفسیر اَخِّرنی سے کر کے اشارہ کر دیا کہ، انظرنی بمعنی انتظار ہے نہ کہ بمعنی رؤیت ورنہ تو معنی فاسد ہو جائیں گے۔
قولہ: وفی آیۃٍ اخریٰ اس اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے۔
شبہ: شبہ یہ ہے کہ ابلیس نے انظرنی اِلی یوم یُبْعَثُوْنَ کہہ کر نفخۂ ثانیہ تک زندہ رہنے کی اجازت طلب کی اور اس کے بعد موت نہیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ مِنَ المُنظرین کہہ کر ابلیس کی درخواست منظور فرمالی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابلیس موت سے محفوظ ہو گیا اس پر موت طاری نہیں ہوگی اسلئے کہ نفخۂ اولیٰ سے پوری کائنات پر فنا طاری ہوگی اور نفخۂ ثانیہ سے پوری کائنات زندہ ہو جائے گی چونکہ ابلیس نے نفخۂ ثانیہ تک زندہ رہنے کی اجازت طلب کی تھی جو کہ منظور بھی ہو گئی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنک مِنَ المنظرین سے یہی مفہوم ہے۔
جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اِنَّکَ مِنَ المنظرین سے اگرچہ مطلقاً ابلیس کی درخواست کو قبول کرنا معلوم ہوتا ہے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد نفخہ اولیٰ ہے جو کہ نفخۂ فنا ہے لہٰذا معلوم ہو گیا کہ ابلیس بھی فنا ہونے والوں میں شامل ہوگا۔
قولہ: مَذْؤمًا بالھمزۃ بمعنی معیوباً ایک قراءت میں مذمومًا بھی ہے۔
قولہ: وَاللام للابتداء لَمَنْ تبعکَ میں لام ابتدائیہ تاکید کے لئے ہے۔
قولہ: وفِی الْجُمْلَۃِ مَعْنَی الْجَزَاءِ یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ لَمَنْ تبعکَ شرط بغیر جزاء کے ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جملہ لَاَملئنَّ قائم مقام جزاء ہے لہٰذا شرط بدون الجزاء کا اعتراض ختم ہو گیا۔
سوال: مذکورہ جملہ کو قائم مقام جملہ جزاء قرار دینے کے بجائے جزاء قرار کیوں نہیں دیا؟
جواب: جملہ فعلیہ جب جزاء واقع ہوتا ہے تو اس پر لام داخل نہیں ہوتا اور یہاں لام داخل ہے اسی لئے اس جملہ کو جزاء قرار دینے کے بجائے قائم مقام جزاء قرار دیا ہے۔ (ترویح الارواح)
قولہ: اَوْ موطئۃً للقسم یعنی لام قسم محذوف پر دلالت کرنے کے لئے ہے اور وہ لا ملئنَّ الخ ہے ای اقسم لا ملئنَّ الخ.

قولہ: وُوْرِیَ (بروزن) فُوْعِلَ مِنَ الموارۃ، اس میں ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: جب اول کلمہ میں دو واؤ جمع ہو جاتے ہیں اور ان میں اول مضموم ہو تو اول کو ہمزہ سے بدلنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ وُوَیْصِلٌ میں جو کہ واصِلٌ کی تصغیر ہے پہلے واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اُوَیْصِلٌ کر دیا۔

جواب: یہ قاعدہ ان دو واؤ میں ہے جو متحرک ہوں تا کہ ثقل کو کم کیا جا سکے، اور یہاں ثانی واؤ ساکنہ ہے لہذا یہاں یہ قاعدہ جاری نہ ہوگا۔

قولہ: حطّهما، یہ تفسیر لازم معنی کو بیان کرنے کے لئے ہے اسلئے کہ تدلیہ ارسال الشئ من اعلی الی اسفل کو کہتے ہیں۔

قولہ: ای آدَمُ وحَوَّاءُ بما اشتملتُمَا الخ، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اهبطوا جمع کا صیغہ ہے حالانکہ اس کے مخاطب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وحواء صرف دو فرد ہیں لہٰذا اِهْبِطَا ہونا چاہئے تھا، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مراد حضرت آدم وحواء مع ان کی ذریت ہیں لہٰذا کوئی شبہ نہیں۔

تفسیر وتشریح

ولقد خلقنکم، خلقنکم میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے مگر مراد اس سے ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں حضرت آدم چونکہ اپنی پوری ذریت پر مشتمل ہیں اور ابوالبشر ہیں اسی وجہ سے جمع کی ضمیر سے خطاب فرمایا، اخفش نے کہا ہے کہ ثمَّ صورنا کم میں ثم بمعنی واوَ ہے، اَلَّا تسجدَ میں لا زائدہ ہے ای اَنْ تسجدَ، (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا، یا عبارت محذوف ہے یعنی تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے (ابن کثیر، فتح القدیر) اور کہا گیا ہے کہ مَنَعَ بمعنی قال ہے الی من قال لك ان لا تسجد اور کہا گیا ہے کہ مَنَعَ بمعنی دعا ہے ای ما دَعَاكَ اِلٰی اَن لاتسجد، شیطان فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ خود قرآن کی صراحت کے مطابق جنات میں سے تھا (الکہف) لیکن آسمان پر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سجدہ کے حکم میں شامل تھا جو اللہ نے فرشتوں کو دیا تھا اسی لئے اس سے سجدہ نہ کرنے پر باز پرس ہوئی، اگر وہ اس حکم میں شامل نہ ہوتا تو اس سے باز پرس نہ ہوتی اور نہ وہ راندۂ درگاہ ہوتا۔

انسانی تخلیق کا قرآنی نظریہ:

مذکورہ آیت سے تخلیق ابوالبشر کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے پہلے ابوالبشر کی تخلیق کا منصوبہ بنایا، اور مادۂ آفرینش تیار کیا، پھر اس مادہ کو انسانی صورت بخشی، پھر جب ایک زندہ ہستی کی حیثیت سے انسان وجود میں آ گیا تو اسکو سجدہ کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا، اس آیت کی یہ تشریح خود قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بیان کی گئی ہے، مثلاً سورۂ ص میں ہے، اِذ قالَ رَبُّكَ للملئكة اِنی خالق بشرًا من طين فاِذا سَوَّيتُهٗ و نفخت فيه من روحی فقعوا له سٰجدين'' اس

آیت میں وہی تین مراتب ایک دوسرے انداز میں بیان کئے گئے ہیں، یعنی پہلے مٹی سے ایک بشر کی تخلیق پھر اسکی شکل وصورت اوراعضاء میں تسویہ واعتدال قائم کرنا پھراس کے اندراپنی روح پھونکنا اگرچہ تخلیق انسانی کے اس آغاز کواس کی تفصیلی کیفیت کے ساتھ کماحقہ ہمارے لئے سمجھنا مشکل ہے، اور نہ ہم اس حقیقت کا پوری طرح ادراک کر سکتے ہیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید انسانیت کے آغاز کی کیفیت ان نظریات کے خلاف بیان کرتا ہے جوموجودہ زمانہ میں ڈارون کے متبعین نظریۂ ارتقاء کو سائنس کے نام پر پیش کرتے ہیں، ان نظریات کی رو سے انسان غیر انسانی یانیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا مرتبہ انسانیت تک پہنچا ہے، اوراس ارتقاء کے طویل خط میں کہیں کوئی نقطۂ خاص نظرنہیں آتا کہ جہاں سے غیر انسانی حالت کوختم قرار دیکرنوع انسانی کانقطۂ آغازتسلیم کیا جائے، اس کے برخلاف قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت سے ہوا، اس کی تاریخ قطعاً کسی غیر انسانی تاریخ سے کوئی رشتہ نہیں رکھتی وہ اول روز سے انسان بنایا گیا تھااور خدانے کامل انسانی شعور کے ساتھ اس کی ارضی زندگی کی ابتداء کی تھی۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی حقیقت:

اگرکوئی یہ اعتراض کرے کہ قرآنی تصورِانسان چاہے اخلاقی حیثیت سے کتنا ہی بلند ہومگر محض اس تخیل کی خاطر ایسے نظریہ کو کس طرح رد کیا جاسکتا ہے کہ جوسائنٹفک دلائل سے ثابت ہے، لیکن جولوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیافی الواقع ڈارونی نظریۂ ارتقاء سائنٹفک دلائل سے ثابت ہو چکا ہے؟ سائنس سے محض سرسری واقفیت رکھنے والا تو بے شک اس غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ ڈارونی نظریہ ایک ثابت شدہ حقیقت بن چکا ہے، لیکن محققین اس بات کوبخوبی جانتے ہیں کہ الفاظ کے لمبے چوڑے دعوؤں اور ہڈیوں کے عجیب وغریب ڈھانچوں کے باوجود ابھی تک یہ صرف ایک نظریہ ہی ہے، اوراس کے جن دلائل کوغلطی سے دلائل ثبوت کہا جاتا ہے وہ دراصل محض دلائلِ امکان ہیں۔

قال فاهبط منها، منها کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کوقرار دیا ہےاور بعض نے اس مرتبہ کو جوملکوت اعلی میں سے حاصل تھا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا احترام وتعظیم کانہیں ذلت وخواری کا مستحق ہے۔

قال انظرني الى يوم يبعثون، اى امهلني الى يوم البعث، یوم بعث تک مہلت طلب کرنے کا مطلب تھا کہ مجھے موت نہ آئے اس لئے کہ یوم بعث کے بعد موت نہیں ہوگی اللہ تعالی نے ابلیس کی یہ درخواست یہ کہتے ہوئے منظور فرمالی ''اِنَّکَ مِنَ المنظرین'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالی نے ابلیس کی یہ دعاء بعینہ قبول فرمالی، مگر دوسری آیت ''الی یوم الوقت المعلوم'' سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخۂ اولی تک مہلت قبول فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح پوری کائنات پر موت طاری ہوگی ابلیس پر بھی موت طاری ہوگی۔

قالا ربنا ظلمنا انفسنا (الآية) توبہ واستغفار کے یہ وہی کلمات ہیں جوحضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالی

سے سیکھے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۳۷ میں صراحت ہے، شیطان نے نافرمانی کا ارتکاب کیا مگر نہ صرف یہ کہ اس پر شرمندہ نہیں ہوا بلکہ اڑ گیا اور اس کے جواز پر عقلی وقیاسی دلائل دینے لگا نتیجتًا وہ راندۂ درگاہ اور ہمیشہ کے لئے ملعون قرار پایا، اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا اور بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کا اہتمام کیا تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے، گناہ کر کے اس پر اصرار کرنا اور صحیح ثابت کرنے کیلئے دلائل پیش کرنا شیطانی راستہ ہے اور گناہ کے بعد احساس ندامت سے مغلوب ہو کر بارگاہ الٰہی میں جھک جانا اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا بندگانِ الٰہی کا راستہ ہے (اللّٰھم اجعلنا منھم).

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا اى خَلَقْنَاه لكم يُّوَارِيْ يَسْتُرُ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ هو ما يُجَمَّلُ به من الثياب وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ العملُ الصالحُ اوالسَمْتُ الحسنُ بالنصبِ عطفاً على لباسًا والرفع مبتدأ خبرُهُ جملة ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ دلائلِ قدرتِهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ فيؤمنون فيه التفاتٌ عن الخطاب یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ يُضِلَّنَّكُمْ الشَّیْطٰنُ اى لَا تَتَّبِعُوْهُ فتَفْتَتِنُوْا کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ بفِتْنَتِهِ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ حالٌ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ اى الشيطنَ یَرٰىکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ وجنودُهُ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ لِلَطَافَةِ أجسادهم وعدمِ الوانهم اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ اعوانًا وقُرَنَاءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً كالشِرْكِ وطَوَافِهِم بالبيتِ عُرَاةً قائلين لانَطُوفُ في ثياب عَصَيْنَا اللّٰهَ فيها فنُهُوْا عنها قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا فاقتدَيْنَا بهم وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ ايضًا قُلْ لهم اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ انه قالهُ استفهامُ انكارٍ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ العدل وَاَقِیْمُوْا مَعْطُوفٌ على معنى بالقسطِ اى قال اقْسِطُوْا اَقِيْمُوْا او قَبْلَهُ فاقبلوا مُقَدَّرًا وُجُوْهَکُمْ للهِ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ اى اَخْلِصُوْا له سجودَكم وَّادْعُوْهُ اُعْبُدُوْه مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ من الشِرْكِ کَمَا بَدَاَکُمْ خَلَقَكُمْ ولم تكونوا شيئاً تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ اى يُعِيدُكم احياءً يومَ القيٰمةِ فَرِیْقًا منكم هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ ما يَسْتُرُ عَوْرَتَكُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ عند الصَّلٰوةِ والطوافِ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا ما شِئْتُمْ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اے آدم کی اولاد ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور سبب زینت بھی ہے، (ریش) وہ کپڑا کہ جس سے زینت حاصل کی جائے اور بہترین لباس تقوے کا لباس ہے یعنی عمل صالح کا، یا اچھی ہیئت، لِبَاسَ، لباسًا پر عطف کرتے ہوئے نصب کے ساتھ ہے اور مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اس کی خبر جملہ ذٰلِکَ خَیْرٌ ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یعنی اللہ کے دلائل قدرت میں سے ایک دلیل ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت

حاصل کریں اور ایمان لے آئیں اس میں خطاب سے (غیبت کی جانب) التفات ہے اے بنی آدم کہیں تمہیں شیطان گمراہ نہ کردے جس طرح تمہارے والدین کو اس نے اپنے فتنہ کے ذریعہ ان دونوں کو جنت سے نکلوادیا تھا یعنی اس کی پیروی نہ کرو ورنہ تم فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ گے اس حال میں کہ ان کے لباس ان پر سے اتروادیئے (ینزع) ابویکم سے حال ہے، تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کو دکھادے (اور) یقیناً شیطان اور اس کا لشکر تم کو اس طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو ان کے جسموں کے لطیف اور بے رنگ ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے، ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا سرپرست معاون اور رفیق بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں مثلاً شرک، بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا یہ کہتے ہوئے کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور جب ان کو اس سے منع کیا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو اسی طریقہ پر پایا ہے اسی وجہ سے ہم ان کی اقتداء کرتے ہیں، اور اللہ نے بھی ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے ان سے کہو اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ پر ایسی باتوں کا بہتان لگاتے ہو جن باتوں کا تم علم نہیں رکھتے کہ اس نے وہ بات کہی ہے (یہ) استفہام انکاری ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو راستی وانصاف کا حکم دیا ہے ہر سجدہ کے وقت اللہ ہی کی طرف رخ رکھو یعنی سجدہ خالص اسی کے لئے کرو اقیموا کا عطف بالقسط کے معنی پر ہے، ای قال اقسطوا واقیموا (یعنی اللہ نے حکم فرمایا کہ انصاف سے کام لو اور اس پر قائم رہو) یا اس سے پہلے فاقبلوا مقدر ہے، اور اسی کی بندگی کرو شرک سے اس کیلئے دین کو خالص کرکے جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا ہے حالانکہ تم کچھ نہیں تھے وہ اسی طرح تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا تم میں سے ایک فریق کو ہدایت بخشی اور ایک فریق پر گمراہی چسپاں ہوگئی کیونکہ انہوں نے خدا کے بجائے شیطان کو اپنا ولی بنالیا اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت یعنی نماز وطواف کے وقت اپنا لباس جو تمہارے ستر کو چھپائے پہن لیا کرو اور جو چاہو کھاؤ پیو (مگر) حد سے تجاوز نہ کرو اسلئے کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: خَبَرُہٗ جُمْلَۃٌ، اس میں اشارہ ہے کہ تنہا خیرٌ خبر نہیں ہے بلکہ جملہ ہو کر خبر ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ لباس التقوی، مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای ھو لباس التقویٰ، ای ستر العورۃ لباس التقویٰ، اس کے بعد فرمایا ذلک خیرٌ۔

قَوْلُہٗ: فِیْہِ اِلْتِفَاتٌ، یعنی ظاہر کا تقاضہ لعلکم تذکرون تھا، مگر کلام میں دفع ثقل کے لئے حاضر سے غیبت کی جانب التفات کیا۔

قَوْلُہٗ: یُنزع حال یہ حال حکائی ہے، جو تمہارے والدین کی حالت سابقہ کو بیان کررہا ہے، اسلئے کہ نزع لباس اخراج سے پہلے تھا، مطلب یہ ہے کہ ینزع ابویکم سے حال ہے نہ کہ صفت، کیونکہ ینزع جملہ نکرہ ہونے کی وجہ سے ابویکم کی صفت

واقع نہیں ہوسکتا اسلئے ابویکم سے حال قرار دیا گیا۔

قولہ: عَلٰی مَعْنَی الْقِسْطِ اسی قسط کے محل پر عطف ہے لہٰذا عطف جملہ علی المفرد کا اعتراض واقع نہ ہوگا۔

قولہ: ما یَسْتُرُ عَوْرَتَکُم یعنی حال بول کر محل مراد ہے لہٰذا اب یہ شبہ نہیں ہوگا کہ اخذ زینت ممکن نہیں ہے۔

قولہ: عِنْدَ الصَّلوٰۃِ، اس میں اشارہ ہے کہ مسجد بول کر مایفعل فی المسجد مراد ہے یعنی حال بول کر محل مراد ہے۔

تفسیر وتشریح

یابنی آدم قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکم لباسًا یُوَارِی سَوْاٰتِکم وَرِیشًا و لباسُ التقویٰ.

ربط آیات:

اس سے پہلے رکوع میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور شیطان رجیم کا واقعہ بیان فرمایا گیا تھا، جس میں اغواء شیطانی کا پہلا اثر یہ بیان فرمایا کہ آدم وحواء کا جنتی لباس اتر گیا اور وہ ننگے رہ گئے، اور پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے زیر تفسیر آیات میں حق تعالی شانہ نے تمام اولاد آدم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لباس قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرو، اس میں اشارہ ہے کہ ستر پوشی انسان کی فطری ضرورت ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے تین قسموں کے لباس کا ذکر فرمایا ہے، لباس ضرورت، لباس زینت، لباس آخرت، (یعنی لباس تقوی) لباس ضرورت کے بارے میں فرمایا "لِبَاسًا یُوَارِی سَوْاٰتِکم" سَوْآت سَوْءَۃٌ کی جمع ہے ان اعضاء انسانی کو کہا جاتا ہے جن کو انسان فطرۃً چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور ظاہر ہونے پر برا اور قابل شرم سمجھتا ہے دوسرے قسم کے لباس یعنی لباس زینت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وریشًا، ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جس کو انسان زیب وزینت اور تجمیل کے طور پر استعمال کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ صرف ستر پوشی کے لئے تو مختصر سا لباس کافی ہوتا ہے مگر ہم نے تمہیں اس سے زیادہ لباس اسلئے عطا کیا کہ تم اس کے ذریعہ زینت وتجمل حاصل کرو ساتھ ہی ساتھ سردی وگرمی سے بچاؤ اور حفاظت کا ذریعہ بھی ہو، اور ہیئت بھی شائستہ اور پروقار بنا سکو، یہاں انزلنا کا لفظ استعمال ہوا ہے مراد عطا کرنا ہے اور لباس تیار کرنے کی سمجھ عطا کرنا ہے، یا اس لئے انزلنا فرمایا کہ لباس کا خام مادہ آسمان سے نازل ہونے والی بارش ہی سے تیار ہوتا ہے اس میں سبب بول کر مسبب مراد ہے اول قسم کے لباس کو مقدم بیان کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے۔

اغواءِ شیطانی کے بیان کے بعد لباس کا ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے لئے ننگا ہونا اور اعضاء مستورہ کا دوسروں کے سامنے کھلنا انتہائی ذلت ورسوائی اور بے حیائی کی علامت اور قسم قسم کے شر وفساد کا مقدمہ ہے۔

انسان پر شیطان کا پہلا حملہ اس کو ننگا کرنے کی صورت میں ہوا:

یہی وجہ ہے کہ شیطان کا انسان پر سب سے پہلا حملہ اسی راہ سے ہوا کہ اس کا لباس اتر گیا، اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعہ جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب وشائستگی کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کرکے سڑکوں اور گلیوں میں کھڑا کر دیتا ہے، اور شیطان نے جس کا نام ترقی رکھ دیا ہے وہ تو عورت کو شرم وحیاء سے محروم کرکے منظر عام پر برہنہ یا نیم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتا۔ (معارف)

لباس کی تیسری قسم:

جس کو قرآن حکیم نے لباسُ التقویٰ سے تعبیر کیا ہے بعض قراءتوں میں لباس کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس صورت میں انزلنا کے تحت داخل ہو کر منصوب ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ایک تیسرا لباس تقویٰ کا اتارا ہے لباسُ کے ضمہ کے ساتھ جو مشہور قراءت ہے اس قراءت کی رو سے معنی یہ ہوں گے کہ دو لباسوں کو تو سب جانتے ہیں ایک تیسرا لباس تقویٰ ہے اور یہ سب لباسوں سے بہتر لباس ہے، لباس تقویٰ سے مراد حضرت ابن عباس رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی تفسیر کے مطابق عمل صالح اور خوف خدا ہے۔ (روح)

لباس التقویٰ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ظاہری لباس کے ذریعہ ستر پوشی اور زینت وتجمل سب کا اصل مقصد تقویٰ اور خوف خدا ہے جس کا ظہور اس کے لباس میں بھی اس طرح ہونا چاہئے کہ اس میں پوری ستر پوشی ہو اور لباس بدن پر ایسا چست بھی نہ ہو کہ جس میں اعضاء کی ساخت مثل ننگے کے صاف نظر آئے، نیز اس لباس پر فخر وغرور کا انداز بھی نہ ہو کہ لوگ انگشت نمائی کریں، بلکہ تواضع کے آثار نمایاں ہوں نیز اسراف بے جا بھی نہ ہو، عورتوں کو مردانہ اور مردوں کو زنانہ کپڑا پہننا بھی مبغوض ہے، لباس میں کسی قسم کے مخصوص لباس کی نقالی بھی نہ ہو کہ جس میں تشبہ لازم آئے اسلئے کہ یہ ملت سے اعراض اور غداری کی علامت ہے۔

وَاِذا فعلوا فاحشة (الآیة) اسلام سے پہلے بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت کو اختیار کرکے طواف کرتے ہیں جو اس وقت تھی جب ہمیں ہماری ماؤں نے جنا تھا اور یہ بھی کہتے تھے کہ جس لباس میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اس میں طواف کرنا مناسب نہیں سمجھتے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی طرح طواف کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دے۔

قُلْ انکارًا علیهم **مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ** من اللباسِ **وَالطَّيِّبٰتِ** المُستلذاتِ **مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** بالاستحقاقِ وان شَارَكهم فیها غیرُهم **خَالِصَةً** خاصّةً بهم بالرفع والنصبِ

حالٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ نُبَيِّنُها مثلَ ذلك التفصيل لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ يتدبَّرُوْنَ فانهم المُنتفِعُوْنَ بها قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ الكبائرَ كالزنا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اى جَهرَها وسِرَّها وَالْاِثْمَ المعصية وَالْبَغْيَ على الناسِ بِغَيْرِ الْحَقِّ هو الظلمُ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ باِشراكِهٖ سُلْطٰنًا حُجَّةً وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ من تحريمِ مالم يُحرَّم وغيرِهٖ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ مدّةٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ عنه سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ عليه يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا فيه ادغامُ نونِ اِن الشرطيةِ في ما المزيدةِ يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى الشِرك وَاَصْلَحَ عَمَلَهٗ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ في الاخرةِ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ فلم يؤمنوا بها اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اى لا احدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بنسبةِ الشريكِ والولدِ اليه اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ القراٰن اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ حظُّهم مِّنَ الْكِتٰبِ مما كُتِبَ لهم فِي اللَّوحِ المحفُوظِ من الرزقِ والاَجلِ وغيرِ ذٰلك حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا الملئكةُ يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا لهم تبكيتًا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ تَعبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا غابُوْا عَنَّا فلم نَرهُم وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ عِندَ الموتِ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ تعالٰى لهم يومَ القيٰمةِ ادْخُلُوْا فِيْٓ جُملةِ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ متعلقٌ باُدخُلُوا كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ النارَ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا التي قبلَها لِضَلالِها بها حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا تلاحَقُوا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ وهم الاتباعُ لِاُوْلٰىهُمْ اى لِاَجلِهم وهم المتبُوعُوْن رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مُضعَّفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ تعالٰى لِكُلٍّ منكم ومنهم ضِعْفٌ عذابٌ مضعفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ بالتاءِ والياءِ ما لِكلِّ فريقٍ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ لانكم لم تكفرُوا بسببنا فنحن وانتم سواءٌ قال تعالٰى لهم فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸ ۱۱

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) بطور انکار ان سے کہو کہ اللہ کی زینت لباس کو جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمایا اور رزق میں سے پاکیزہ لذیذ اشیاء کو کس نے حرام کیا ہے؟ آپ کہئے یہ اشیاء استحقاقی طور پر تو دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اگرچہ غیر مومن بھی اس میں شریک ہو جائیں، حال یہ ہے کہ یہ اشیاء قیامت کے دن مومنوں کے لئے خاص ہوں گی (خالصةً) رفع کے ساتھ ہے اور حال ہونے کی وجہ سے نصب بھی ہے، ہم اسی طرح آیات کو غور و فکر کرنے والوں کیلئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اسلئے کہ یہی لوگ ان سے مستفید ہوتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو صرف فواحش بڑے گناہوں مثلاً زنا کو حرام کیا ہے، خواہ ان کو ظاہری طور پر کیا ہو یا پوشیدہ طور پر اور ہر گناہ کو اور لوگوں پر ناحق ظلم کو (حرام کیا ہے) (اور بغی سے مراد) ظلم ہے، اور اس بات کو (حرام کیا ہے) اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ کہ جس کے شرک کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، اور یہ کہ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرو کہ جس کو تم نہیں جانتے ایسی چیز کو حرام کرنا کہ جس کو

اس نے حرام نہیں کیا، وغیرہ وغیرہ اور ہر قوم کے لئے (مہلت کی) ایک مدت مقرر ہے پھر جب ان کی مدت آپہنچتی ہے تو ایک گھڑی بھر بھی نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (یعنی ایک لمحہ کی بھی تقدیم و تاخیر نہ ہوگی) اے اولاد آدم! (یادرکھو) (اِمّا) میں نون شرطیہ کا مازائدہ میں ادغام ہے اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تم کو میری آیتیں پڑھکر سنائیں تو جو شخص شرک سے بچے گا اور اپنے عمل کی اصلاح کرے گا تو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں تکبر کریں گے کہ ان پر ایمان نہ لائیں گے یہی اہل دوزخ ہوں گے اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے کہ جو اللہ کی طرف شریک اور ولد کی نسبت کرکے اللہ پر بہتان لگائے یا اس کی آیات قرآن کو جھٹلائے، کوئی نہیں ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ کتاب (لوح محفوظ) میں ہے وہ ان کو مل جائیگا (یعنی) لوح محفوظ میں ان کے لئے جو کچھ رزق وعمر وغیرہ سے لکھا ہے وہ ان کو مل جائیگا، یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو ان کو لاجواب کرنے کے لئے ان سے کہیں گے وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے تھے؟ وہ کہیں گے وہ سب ہم کو چھوڑ کر غائب ہو گئے کہ ہم ان کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور موت کے وقت اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن فرمائیں گے من جملہ جنوں اور انسانوں کی ان امتوں سے جو سابق میں گذر چکی ہے دوزخ میں داخل ہو جاؤ (فی النار) ادخلوا کے متعلق ہے جس وقت کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی اپنی جیسی سابق جماعت پر لعنت کرے گی ان کے ان کو گمراہ کرنے کی وجہ سے، یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد والے (یعنی) اتباع کرنے والے پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے اور وہ متبوعین ہوں گے اے ہمارے پروردگار ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا دوگنا عذاب دے، اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم کو اور ان سب کو دوگنا عذاب ہے لیکن تم کو خبر نہیں کہ ہر فریق کو کتنا عذاب ہے؟ (تعلمون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں اس لئے کہ تم نے ہماری وجہ سے کفر نہیں کیا لہٰذا ہم اور تم برابر ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے سو تم بھی اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: انکارًا علیھم، اس میں اشارہ ہے کہ مَنْ حَرَّمَ میں استفہام انکاری ہے۔

قولہ: مِنَ اللِّبَاسِ اس سے اشارہ کر دیا کہ 'زینة' سے ذریعۂ زینت مراد ہے۔

قولہ: بالرَّفع، خالصة میں دو قراءتیں ہیں رفع اور نصب، رفع کی صورت میں ھِیَ مبتداء کی خبر ثانی ہوگی تقدیر عبارت یہ ہوگی ھی ثابتة للذین آمنوا فی الحیوٰةِ الدنیا خالصةٌ یوم القیامَة اور نصب حال ہونے کی وجہ سے ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی انھا ثابتة للذین آمنوا حال کو نھا خالصة لھم یوم القیامة، ثابتة ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: بِغَیْرِ الحَقِّ یہ البغی کی تاکید ہے ورنہ ظلم تو ہوتا ہی ناحق ہے۔
قَوْلُہٗ: جملة، اس میں اشارہ ہے کہ فی امم، جار مجرور، ادخلوا کے متعلق نہیں ہیں بلکہ کائنین محذوف کے متعلق ہوکر ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے۔
قَوْلُہٗ: لِضَلَالِهَا بها ضلالها کی ضمیر اُمّة کی طرف اور بها کی ضمیر اخت کی طرف راجع ہے۔
قَوْلُہٗ: تلاحقوا اس میں اشارہ ہے کہ اِدّارَکُوا باب تفاعل سے ہے، تاء کو دال سے بدل کر تسکین کے بعد دال کو دال میں ادغام کیا گیا ہے اس کے شروع میں ہمزہ وصل داخل کر دیا۔
قَوْلُہٗ: لَاجلهم اس میں اشارہ ہے کہ لِاُوْلٰهم کا لام اجل کے لئے ہے نہ کہ قالت کا صلہ اس لئے کہ خطاب اللہ تعالی کے ساتھ ہے نہ کہ ان کے ساتھ، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ لام جب قول کا صلہ واقع ہوتا ہے تو اس کا مدخول قول کا مخاطب ہوتا ہے حالانکہ هٰؤلاء اور اَضلونا دونوں غائب کے صیغے اس کی نفی کرتے ہیں۔
قَوْلُہٗ: ما لِکُلِّ فَرِیْقٍ الخ یہ یعلمون کا مفعول ہے۔
قَوْلُہٗ: فذُوْقُوْا الْعَذَابَ، یا تو یہ رؤساء کا کلام ہے یا پھر اللہ تعالی کا کلام ہے۔

تَفسِیر و تَشرِیح

قُلْ مَنْ حرّم زینة اللّٰہ التی اخرج لعبادہٖ، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی جائز اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام و ناجائز کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ظاہر ہے وہ گناہ عظیم میں مبتلا ہیں۔

مشرکین مکہ نے طواف کے وقت لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا اسی طرح بعض حلال چیزوں کو بھی تقرب الی اللہ کے طور پر حرام قرار دے رکھا تھا، نیز بعض حلال چیزوں کو اپنے بتوں کے نام پر وقف کر کے چھوڑ دیتے تھے ان کو استعمال میں لانا حرام سمجھتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ حلال چیزیں کسی کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو جاتیں، یہ حلال اور طیب اور زینت کی چیزیں اصلاً اللہ تعالی نے اہل ایمان ہی کے لئے حلال کی ہیں گو تبعًا ان سے کفار بھی فیضیاب اور متمتع ہوتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں کفار مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ بالتبع اور عارضی ہے جس میں اللہ نے تکوینی مصلحت اور حکمت رکھی ہے، تاہم آخرت کی نعمتیں صرف اہل ایمان کے لئے ہوں گی، اسلئے کہ کافروں پر جسطرح جنت حرام ہوگی اسی طرح ماکولات و مشروبات اور دیگر نعمتیں بھی حرام ہوں گی۔

زینة اللّٰہ سے کیا مراد ہے:

لباس فاخرہ کا مراد ہونا تو ظاہر اور مسلم ہی ہے، لیکن اکثر مفسرین نے اس میں وسعت دیکر جملہ سامان آرائش کو اس میں شامل کیا ہے ای من الثیاب و کل الملبس یُتجمل به. (کشاف، بیضاوی)

امام المفسرین امام رازی نے مزید دقت نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور، وغیرہ تمام مرغوبات کو داخل کیا ہے، بجز ان کے جو کسی نص سے حرام ہوں۔ (کبیر)

امام راغب نے زینت کی تین قسمیں کی ہیں نفسی، بدنی، خارجی، خارجی میں جاہ و مال کو بھی شامل کیا ہے، فقہاء مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش پوشی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ (قرطبی)

وَالبغی بغیر حق، کے معنی اپنی حد سے تجاوز کر کے ایسی حدود میں قدم رکھنا جس کے اندر داخل ہونیکا آدمی کو حق نہ ہو، اس تعریف کی رو سے وہ لوگ بھی باغی قرار پائیں گے جو بندگی کی حدود سے نکل کر خدا کے ملک میں خود مختارانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور وہ بھی جو خدا کی خدائی میں اپنی بڑائی کے ڈنکے بجاتے ہیں، اور وہ بھی جو بندگانِ خدا کے حقوق پر دست درازی کرتے ہیں۔

وَلِکلّ امة اَجلٌ، ہر قوم کے لئے مہلت کی مدت مقرر ہے، یہ مہلت ہر فرد و قوم کو ملتی ہے اور یہ مہلت آزمائش کے طور پر عطا کی جاتی ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت و سرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے یہ مہلت بعض کو پوری زندگی کے لئے ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ پوری زندگی میں اس کی گرفت نہیں فرماتے، بلکہ آخرت ہی میں مواخذہ فرماتے ہیں اس کی اجل مسمّٰی قیامت کا دن ہے اور جس کو وہ دنیا ہی میں عذاب سے دوچار کر دیتا ہے ان کی اجل مسمّٰی وہ ہے جب ان کا مؤاخذہ فرماتا ہے۔

قوم کی مدت مہلت مقرر کئے جانے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ہر قوم کے لئے برسوں اور مہینوں اور دنوں کے لحاظ سے ایک عمر مقرر کی جاتی ہو اور اس عمر کے تمام ہوتے ہی اس قوم کو لازماً ختم کر دیا جاتا ہو، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم کو دنیا میں کام کرنے کا جو موقع دیا جاتا ہے اس کی ایک اخلاقی حد مقرر کر دی جاتی ہے بایں معنی کہ اس کے اعمال میں خیر و شر کا کم سے کم کتنا تناسب برداشت کیا جا سکتا ہے جب تک قوم کی بُری صفات اس کی اچھی صفات کے مقابلہ میں تناسب کی اس آخری حد سے فروتر رہتی ہیں اس وقت تک اس کی تمام برائیوں کے باوجود مہلت دی جاتی رہتی ہے اور جب وہ اس حد سے گذر جاتی ہیں تو پھر اس بدکار اور بدصفات قوم کو مزید مہلت نہیں دی جاتی۔

حتی اذا اداركوا فيها جميعا، (الآیة) یعنی اب ایک دوسرے کو طعنہ دینے اور الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی اپنی جگہ بڑے مجرم ہو اور تم سب ہی دو گنے عذاب کے مستحق ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا تَكَبَّرُوْا **عَنْهَا** فلم يُؤْمِنُوْا بِهَا **لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ** اذا عُرِجَ بِاَرْوَاحِهِمْ اليها بَعْدَ المَوْتِ فَيُهْبَطُ بِهَا الى سِجِّيْنٍ بخلافِ المُؤْمِنِ فيُفْتَحُ له ويُصْعَدُ بروحِهِ الى السماءِ السابعةِ كما وَرَدَ في حديثٍ **وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ** يَدْخُلَ **الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ** ثَقْبِ الابرةِ وهو غيرُ مُمكِنٍ فكذا دُخُوْلُهم **وَكَذٰلِكَ** الجزاءِ **نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ**﴿۴۰﴾ بالكُفر **لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ** فِراشٌ **وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ** اَغْطِيَةٌ من النارِ جَمْعُ غاشيةٍ وتنوينُهُ عوضٌ من الياءِ المَحْذُوفَةِ **وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ**﴿۴۱﴾ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا**

الصّٰلِحٰتِ مبتدأ وقوله لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ طاقتها من العمل اعتراض بينه وبين خبره وهو
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ حقدٍ كان بينهم في الدنيا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ
تحت قصورهم الْاَنْهٰرُ وَقَالُوْا عند الاستقرار في منازلهم الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا العمل هذا جزاؤه
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ حذف جواب لولا لدلالة ما قبله عليه لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ مخففة
اي انه او مفسرة في المواضع الخمسة تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ
تقريرًا وتبكيتاً اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا من الثواب حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ كم رَبُّكُمْ من العذاب
حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ نادى منادٍ بَيْنَهُمْ بين الفريقين اسمعهم اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ
الناس عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دينه وَيَبْغُوْنَهَا اي يطلبون السبيل عِوَجًا معوجة وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا اي
اصحب الجنة والنار حِجَابٌ حاجز قيل هو سور الاعراف وَعَلَى الْاَعْرَافِ وهو سور الجنة رِجَالٌ استوت
حسناتهم وسيئاتهم كما في الحديث يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا من اهل الجنة والنار بِسِيْمٰهُمْ بعلامتهم وهي بياض
الوجوه للمؤمنين وسوادها للكفرين لرؤيتهم لهم اذ موضعهم عالٍ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ قال
تعالى لَمْ يَدْخُلُوْهَا اي اصحب الاعراف الجنة وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ في دخولها قال الحسن لم يطمعهم الا
لكرامة يريدها بهم روى الحاكم عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال بينما هم كذلك اذ طلع عليهم
ربك فقال قوموا ادخلوا الجنة فقد غفرت لكم وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ اي اصحب الاعراف تِلْقَآءَ جهة
اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا في النار مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: یقین مانو، جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی کہ ان پر ایمان نہ لائے، اور جب مرنے کے بعد ان کی ارواح کو آسمان کی طرف لیجایا جائیگا تو ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، بلکہ ان کو سجین میں اتارا جائیگا بخلاف مومنین کے کہ ان کے لئے دروازے کھولے جائیں گے، اور ان کی روحوں کو ساتویں آسمان کی طرف چڑھایا جائیگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور وہ لوگ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے، اور یہ ناممکن ہے اسی طرح ان کا (جنت میں) دخول بھی ناممکن ہے، کفر کے مجرموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا اور اوڑھنا ہوگا (غواش) بمعنی آگ کا بچھونا، (غواش) غاشیۃٌ کی جمع ہے اس کی تنوین یاء محذوفہ کے عوض میں ہے، ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے (الصلحت) مبتداء ہے اور لا نکلف نفسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس کی خبر ہے اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت یعنی قوت عمل سے زیادہ مکلف نہیں بناتے یہ جملہ مبتداء اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور وہ خبر اولئك اصحب الجنة الخ ہے، یہی لوگ جنتی ہیں اور اس

میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف دنیا میں جو کدورت ہوگی یعنی ان کے درمیان جو کینہ رہا ہوگا، ہم اسے دور کردیں گے ان کے یعنی ان کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اپنے مکانوں میں سکونت پذیر ہونے کے بعد وہ کہیں گے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس عمل کی توفیق عطا فرمائی یہ اسی کی جزاء ہے اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا ماقبل کی دلالت کی وجہ سے لَوْلَا کا جواب حذف کردیا گیا، واقعی ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے تھے، اور ان سے پکار کر کہا جائیگا اَن مخففہ ہے اَنَّہٗ یا پانچوں جگہ اَنْ مفسرہ ہے یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کے بدلے میں ہے اہل جنت دوزخیوں سے اقرار کرنے اور لاجواب کرنے کے طور پر پکار کر کہیں گے ہم سے ہمارے رب نے ثواب کا جو وعدہ کیا تھا ہم نے تو اس کو حق پایا، تم سے تمہارے رب نے عذاب کا جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے واقعہ کے مطابق پایا؟ تو وہ جواب دیں گے، ہاں پھر ایک پکارنے والا دونوں فریقوں کے درمیان پکار کر کہے گا، (یعنی) ان کو سنائے گا، کہ لعنت ہو ان ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کے دین سے روکتے تھے اور دین میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے، اور اہل جنت اور اہل نار دونوں کے درمیان آڑ ہوگی کہا گیا ہے کہ وہ اعراف کی دیوار ہوگی اور اعراف پر کہ وہ جنت کی دیوار ہے بہت سے لوگ ہوں گے کہ جن کی نیکی اور بدی برابر ہوگی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، وہ ہر جنتی اور دوزخی کو ان کی علامت سے پہچانیں گے اور وہ علامت مومنین کے لئے چہروں کی سفیدی ہوگی اور کافروں کے لئے چہروں کی سیاہی ہوگی، اہل اعراف کے ان کو دیکھنے کی وجہ سے اس لئے کہ وہ اونچی جگہ ہوں گے اور اہل جنت کو اہل اعراف پکار کر کہیں گے تمہارے اوپر سلام ہو اللہ تعالیٰ فرمائیگا، ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخلے کے امیدوار ہوں گے حسن نے کہا ہے ان کے دلوں میں امید صرف اس وجہ سے آئے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کرامت (احسان) کا معاملہ کرنے کا ارادہ کرے گا، اور حاکم نے حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے، فرمایا وہ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک ان پر تیرا رب تجلی فرمائیگا اور فرمائیگا کہ کھڑے ہو اور جنت میں داخل ہو جاؤ، میں نے تم سب کو معاف کردیا، اور جب اصحاب اعراف کی نظریں اصحاب نار کی طرف اٹھیں گی تو عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ فرما۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تنوینہٗ عِوَضٌ عن الیاء یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: غَوَاشٍ غیر منصرف ہے اس پر تنوین داخل نہیں ہوتی حالانکہ یہاں تنوین داخل ہے۔

جواب: یہ سیبویہ کے نزدیک ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، دلیل دفع یہ ہے کہ غیر منصرف پر تنوین تمکن داخل ہونا منع ہے نہ کہ تنوین عوض۔

سوال: غواشٍ فی الحال جمع منتہی الجموع کا صیغہ نہیں ہے لہذا یہ غیر منصرف نہیں ہوسکتا۔

جَوَابْ: غواش اگرچہ فی الحال جمع منتہی الجموع کا صیغہ نہیں ہے مگر اصل میں تعلیل سے پہلے جمع منتہی الجموع کا صیغہ تھا اور غیر منصرف ہونا تعلیل پر مقدم ہے لہٰذا تعلیل سے قبل کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا۔

قِوْلَہٗ: حُذف جَوَابُ لو لا تقدیر عبارت یہ ہوگی، لو لا هداية الله تعالى لنا موجودة لَشَقِيْنَا وما كنا مهتدين.

قِوْلَہٗ: او مُفَسِّرَةٌ.

سَوَالْ: اَن مفسرہ کے لئے ماقبل میں قول کا ہونا ضروری ہے جو یہاں موجود نہیں ہے۔

جَوَابْ: قول یا قول کے ہم معنی کا ہونا ضروری ہے، اور یہاں نودُوْا، قول کے ہم معنی موجود ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلَہٗ: فی المَوَاضِعِ الخَمْسَةِ، ان میں پہلا اَنْ تلكم الجنة ہے اور آخری اَنْ اَفيضوا ہے۔

قِوْلَہٗ: لم يَدْخُلُوْهَا یہ نادَوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ الذین کذّبوا بایتنا، خدائی عام ضابطہ یہ ہے کہ جو جیسا کرے گا ویسا ہی بھگتے گا، ظاہر ہے کہ اللہ کو کسی بندے سے بندہ ہونیکی کی حیثیت سے کوئی کدتو ہے نہیں۔

قِوْلَہٗ: لا تفتح لهم ابواب السماء براء بن عازب رَضِحَالله تَعَالیٰ عَنْهُ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد از وفات کافر کی روح جب آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہے تو اس سے ایسی سخت بد بو نکلتی ہے جیسی دنیا میں مردار کی ہوتی ہے اس پر آسمان کے فرشتے اسے راستہ دینے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں (کبیر) آسمانوں کے دروازوں کا کھلنا اور بند ہونا بھی قرآنی متشابہات میں سے ہے، اس کی کیفیت جو بھی ہو مومن کے لئے اس پر اجمالی ایمان ضروری ہے۔

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکذبین و منکرین کے اعمال برکت و مقبولیت سے محروم رہیں گے جس کو آسمان کی طرف نہ چڑھنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (کشاف)

حَتّٰی یَلِجَ الجَمَلُ فی سَمِّ الخیاط، محاورہ میں اس سے مراد مطلق امر محال کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے یعنی نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل سکے گا نہ فلاں فعل ہوگا، اصطلاح میں اس کو تعلیق بالمحال کہتے ہیں یعنی امر کے وجود کو کسی امر محال پر معلق کر دینا۔

وَنَزَعْنَا ما فی صدورهم من غلٍّ، غِلّ اس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو اللہ اہل جنت پر یہ انعام فرمائیگا کہ دنیا کی زندگی میں نیک لوگوں کے درمیان اگر کچھ رنجشیں اور کدورتیں اور غلط فہمیاں رہی ہوں گی تو آخرت میں وہ سب دور کر دی جائیں گی ان کے قلوب ایک دوسرے سے صاف اور بے غبار ہو جائیں گے، اور وہ مخلص دوستوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجات و منازل کا جو تفاوت ہوگا اس پر وہ ایک

دوسرے سے حسد نہ کریں گے پہلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائیگا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوئی ہوں گی ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دلا دیا جائیگا حتی کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی۔ (صحیح بخاری کتاب المظالم)

مثلاً صحابۂ کرام کی باہمی رنجشیں جو خطاء اجتہادی پر مبنی تھیں ان کو بھی ایک دوسرے کے دل سے پاک کر دیا جائیگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، مجھے امید ہے کہ میں، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ''ونزعنا مافی صدورھم من غلٍّ''۔ (ابن کثیر)

وقالوا الحمد لِلّٰہ الذی ھدانا، یعنی یہ ہدایت کہ جس کی وجہ سے ہمیں ایمان و عمل کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انھیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا، یہ اللہ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے اگر یہ رحمت اور فضل الٰہی نہ ہوتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے تھے اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لیجائیگا جب تک کہ اللہ کی رحمت نہ ہوگی، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہ جاؤں گا جب تک کہ رحمت الٰہی مجھے اپنے دامن میں نہ سمیٹ لے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق)

وَنادیٰ اصحٰب الجنۃ اصحٰب النار ..... الی ..... علی الظالمین، یہی بات نبی ﷺ نے جنگ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنویں میں ڈالدی گئی تھیں انھیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا تھا، آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو ہلاک ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی قسم میں انھیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں لیکن اب وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے''۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ)

وعلی الاعراف رجال (الآیۃ) یہ کون لوگ ہوں گے جن کو جنت و دوزخ کے باڈر پر روک لیا جائیگا؟ ان کے بارے میں مفسرین کا خاصا اختلاف ہے اکثر مفسرین کے نزدیک اہل اعراف سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی زندگی کا نہ تو مثبت پہلو ہی اتنا قوی ہوگا کہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ منفی پہلو اتنا خراب ہوگا کہ جہنم میں ڈالدیئے جائیں اسلئے وہ دوزخ و جنت کے درمیان ایک سرحد پر رہیں گے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا مِن اصحٰبِ النّارِ يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ من النار جَمْعُكُمْ المالَ او كثرتكم وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ ای واستکبارکم عن الایمان ویقولون لھم مشیرین الی ضعفاءِ المسلمینَ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ قد قیل لھم اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

وَقُرِئَ أُدْخِلُوْا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَدَخَلُوْا فَجُمْلَةُ النَّفْيِ حَالٌ اي مَقُوْلاً لَهُمْ ذٰلِكَ
وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ مِنَ الطَّعَامِ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا
مَنَعَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ نَتْرُكُهُمْ فِي النَّارِ
كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا بِتَرْكِهِمُ الْعَمَلَ لَهُ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ اي وَكَمَا جَحَدُوْا وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ اي اَهْلَ
مَكَّةَ بِكِتٰبٍ قُرْاٰنٍ فَصَّلْنٰهُ بَيَّنَّاهُ بِالْاَخْبَارِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِيْدِ عَلٰى عِلْمٍ حَالٌ اي عَالِمِيْنَ بِمَا فُصِّلَ فِيْهِ هُدًى
حَالٌ مِنَ الْهَاءِ وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ بِهٖ هَلْ يَنْظُرُوْنَ مَا يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ عَاقِبَةَ مَا فِيْهِ
يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ تَرَكُوا الْاِيْمَانَ بِهٖ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ
فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ هَلْ نُرَدُّ اِلَى الدُّنْيَا فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ نُوَحِّدُ اللّٰهَ وَنَتْرُكُ الشِّرْكَ
فَيُقَالُ لَهُمْ لَا، قَالَ تَعَالٰى قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اِذْ صَارُوْا اِلَى الْهَلَاكِ وَضَلَّ ذَهَبَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾
مِنْ دَعْوَى الشَّرِيْكِ

ترجمہ: اور اہل اعراف جہنمیوں میں سے بڑے بڑے لوگوں سے جن کو وہ ان کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے پکار کر کہیں گے (سوال کریں گے) کہ تمہارا مال کو جمع کرنا یا تمہاری اکثریت اور تمہارا ایمان سے تکبر کرنا آگ سے بچانے میں کیا کام آیا؟ اور (اہل اعراف) ضعفاء مسلمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوزخیوں سے کہیں گے، کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ ان کو خدا کی رحمت کا کچھ بھی حصہ نہ ملے گا؟ ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اس حال میں کہ تمہارے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم اُدْخِلُوا، مجہول کے صیغہ کے ساتھ اور دَخَلُوا (ماضی معروف) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور (دونوں) منفیہ جملہ مقولاً کی تقدیر کے ساتھ حال ہیں، حال یہ ہے کہ یہ بات ان سے کہہ دی گئی، اور دوزخی جنتیوں سے پکار کر کہیں گے کچھ تھوڑے پانی سے ہمارے اوپر بھی کرم کر دو یا جو رزق کھانے کے لئے اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ ہماری طرف بھی ڈال دو تو وہ جواب دیں گے یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں کے لئے حرام (ممنوع) کر دی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنا لیا تھا اور جنہیں دنیوی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج ہم بھی انھیں بھلا دیں گے (یعنی) ہم ان کو دوزخ میں داخل کر کے چھوڑ دیں گے، جیسا کہ انہوں نے ملاقات کے لئے عمل کو ترک کر کے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور جیسا کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے، یعنی جیسا کہ انہوں نے انکار کیا، اور ہم نے اہل مکہ کے پاس ایسی کتاب (یعنی) قرآن پہنچا دیا کہ جس میں اخبار اور وعدوں اور وعیدوں کو ہم نے کھول کھول کر بیان کیا حال یہ ہے کہ جو اس میں کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے ہم اس کے جاننے والے ہیں حال یہ کہ وہ کتاب ہدایت ہے، ھُدًی فَصَّلْنٰهُ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے، اور وہ اس (قرآن) پر ایمان لانیوالوں کے لئے رحمت ہے، ان لوگوں کو کسی چیز کا انتظار

نہیں صرف قرآن میں بیان کردہ کے انجام کا انتظار ہے، جس دن اس کا آخری نتیجہ آجائیگا وہ قیامت کا دن ہوگا، جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یعنی اس پر ایمان کو ترک کئے ہوئے تھے اس روز یوں کہیں گے واقعی ہمارے رب کے رسول سچی باتیں لائے تھے، سو اب کیا ہمارا کوئی سفارشی ہے کہ جو ہماری سفارش کردے، یا کیا ہم پھر دنیا میں واپس بھیجے جاسکتے ہیں تاکہ ہم ان اعمال کے برخلاف جنہیں ہم کیا کرتے تھے، دوسرے (نیک) اعمال کریں (یعنی) اللہ کی توحید کے قائل ہوجائیں اور شرک کو ترک کردیں، تو ان سے کہا جائیگا نہیں، بے شک ان لوگوں نے اپنے آپکو نقصان میں ڈال لیا جبکہ وہ ہلاکت کی طرف چلے دعوائے شرک کی جو باتیں ان لوگوں نے تصنیف کر رکھی تھیں ان سے غائب ہوگئیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ، ای الذین کانوا عُظماء فی الدنیا فینادونھم، یا ابا جھل بن ھشام ویا ولید بن مغیرۃ ویا فلان ویا فلان وھم فی النار، اصحاب عراف ان لوگوں کو نام بنام پکار کر کہیں گے کہ تم دنیا میں رؤساء قوم کہلاتے تھے تمہاری جمعیتیں اور مال ودولت اور وہ جاہ وحشمت کیا ہوئے؟ جن پر تم کو بڑا فخر وغرور تھا، آج ان میں سے تمہارے کچھ بھی کام نہیں آیا۔

قِوْلَہٗ: اغنیٰ عنکم. ما استفہام توبیخی ہے ای ایُّ شئٍ اغنیٰ، اور ما نافیہ بھی ہوسکتا ہے، یعنی ان میں سے تمہارے کچھ کام نہیں آیا۔

قِوْلَہٗ: استکبارًا، اس میں اشارہ ہے کہ 'ما کنتم' میں ما مصدریہ ہے لہٰذا عدم عائد کا شبہ ختم ہوگیا اور بعض حضرات نے استکبارًا کا مطلب بڑا سمجھنا، لیا ہے اور بعض نے اعراض کرنا علامہ سیوطی نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔

قِوْلَہٗ: یَقُوْلُوْنَ لھم، اس سے اشارہ کردیا کہ اھٰؤلاء الذین الخ یہ بھی اہل اعراف کا مقولہ ہے۔

قِوْلَہٗ: بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ، یعنی باب افعال سے ماضی مجہول اور دَخلوا (ن) سے ماضی معروف ہے یہ دونوں قراءتیں شاذ ہیں جس کی طرف قُرِئَ کہہ کر اشارہ کردیا ہے، ان دونوں قراءتوں کی صحت میں قول کی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ بغیر تاویل کے خبر واقع ہوجائیگا۔ (فیہ مافیہ)

قِوْلَہٗ: مَنَعَھما، حَرَّمَھُما، کی تفسیر مَنَعَھما سے کرکے اشارہ کردیا کہ حرّم بمعنی مَنَعَ ہے اسلئے کہ حرام وحلال کا محل دنیا ہے نہ کہ آخرت۔

قِوْلَہٗ: نَتْرُکُھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ نسیان سے اس کے لازم معنی یعنی ترک مراد ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے نسیان محال ہے۔

قِوْلَہٗ: ای وکما جَحَدوا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: وما کانوا باٰیٰتِنَا یجحدون، کا عطف کما نَسُوْا لِقاءَ، پر درست نہیں ہے اسلئے کہ معطوف علیہ ماضی اور معطوف مضارع ہے۔

جواب: مضارع پر جب کان داخل ہو جاتا ہے تو ماضی بن جاتا ہے، لہٰذا عطف درست ہے۔

قولہ: عَاقِبَۃَ مَافِیہ، فیہ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے یعنی اب ان کو صرف قرآن میں مذکور وعدوں اور وعیدوں کے انجام کی صداقت ہی کا انتظار ہے۔

تفسیر وتشریح

نادیٰ اصحٰبُ الاعراف رجالاً، اہل اعراف اہل نار میں سے بڑے بڑے لوگوں کو جن کو وہ ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے کہیں گے، دیکھ لیا تم نے، آج نہ تمہارے جتھے کچھ کام آئے اور نہ ساز وسامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے، اور کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ بھی نہ دے گا، آج انہی سے کہا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، پھر اہل اعراف سے کہا جائیگا، تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ تم کو کچھ خوف وغم نہیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ خدا تعالی کافروں سے فرمائیگا کہ جن غریبوں کو تم دنیا میں محروم بتاتے تھے لو اب یہی لوگ جنت میں پہنچ گئے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے بحوالہ مسلم، کہ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کے بڑے بڑے نافرمان مالدار لوگ قیامت کے دن جب دوزخ میں ڈالے جاویں گے تو دوزخ میں پڑتے ہی فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ دنیا کی جس مالداری نے تم کو آخرت سے غافل رکھا دوزخ کے عذاب کے مقابلہ میں تم کو دنیا کی وہ مالداری کچھ یاد ہے تو وہ لوگ قسم کھا کر کہیں گے کہ اس عذاب کے مقابلہ میں ہمیں دنیا کی وہ مالداری ذرا بھی یاد نہیں اسی طرح اہل جنت کو جنت کی نعمتوں کے آگے دنیا کی تنگدستی کچھ یاد نہ آئے گی۔

ونادیٰ اصحٰب النار اصحٰب الجنۃ الخ دوزخی جنتیوں سے بھیک مانگنے والوں کی طرح گڑ گڑا کر تھوڑے سے پانی اور کھانے کا سوال کریں گے مگر ان کو کچھ نہ دیا جائیگا، بلکہ جنتی صاف صاف کہدیں گے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حرام کردی ہیں۔

الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا الخ اہل جنت اور اہل دوزخ اور اصحاب اعراف کی اس گفتگو سے کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالم آخرت میں انسانی قوتوں کا پیمانہ کس قدر وسیع ہو جائیگا وہاں آنکھوں کی بینائی اتنے بڑے پیمانے پر ہوگی کہ دوزخ وجنت اور اعراف کے لوگ جب چاہیں گے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے، اور وہاں آواز اور سماعت بھی اس قدر بڑھ جائے گی کہ مختلف دنیاؤں کے لوگ بآسانی گفت وشنید کر سکیں گے، یہ اور ایسے ہی بیانات جو ہمیں قرآن میں ملتے ہیں اس بات کا تصور دلانے کے لئے کافی ہیں کہ وہاں زندگی کے قوانین ہماری موجودہ دنیا کے قوانینِ طبعی سے بالکل مختلف ہوں گے، اگرچہ

ہماری شخصیتیں یہی رہیں گی، جن لوگوں کے دماغ اس عالم طبعی کی حدود میں موجودہ زندگی اور اس کے مختصر پیمانوں سے وسیع تر کسی چیز کا تصور ان میں نہیں سما سکتا وہ قرآن وحدیث کے ان بیانات کو بڑی حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور بسا اوقات ان کا مذاق اڑا کر اپنی خفیف العقلی کا مزید ثبوت بھی دینے لگتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان بیچاروں کا دماغ جتنا تنگ ہے زندگی کے امکانات اتنے تنگ نہیں ہیں، آجکل کی نئی نئی ایجادات نے تو اس مسئلہ کو حل ہی کردیا ہے، اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہزاروں میل دور سے اس طرح باتیں کرسکتے ہیں گویا کہ آپ کا مخاطب آپ کے روبرو موجود ہے جس سے آپ بالمشافہ گفتگو کر رہے ہیں، نیز ایسی ایجادات نے کہ جن کے ذریعہ موٹی موٹی دیواروں کے آر پار تاریک رات میں اس طرح دیکھ سکتے ہیں گویا کہ رائی اور مرئی کے درمیان کوئی شئی حائل نہیں ہے، ان نئی ایجادات اور مشاہدات کے بعد بھی قرآنی معلومات کے سلسلہ میں انکار وعناد کا رویہ اختیار کرنا حمق اور بےعقلی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

هل ینظرون الا تاویلهٗ یوم یاتی تاویله، الخ یعنی یہ جس انجام کے منتظر تھے اس کے سامنے آجانے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی وہ معبودان باطل بھی گم ہو جائیں گے جن کی یہ بندگی کیا کرتے تھے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ من اَیّام الدنیا ای فی قدرِها لانه لم یکن ثَمَّ شَمسٌ ولوشاءَ خَلَقَهُنَّ فی لَمحَةٍ والعُدُولُ عنه لِتَعلِیم خَلقِه التَثَبُّت **ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ** هو فی اللُّغةِ سریرُ المَلِكِ استواءً یَلِیقُ به **یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ** مُخَفَّفًا ومُشَدَّدًا ای یُغَطِّی کلًّا منهما بالاخرِ **یَطْلُبُهٗ** یَطلُبُ کلٌّ منهما الاخرَ طلبًا **حَثِیْثًا** سریعًا **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ** بالنصب عطفًا علی السمٰواتِ والرفع مبتدأ خبرُهٗ **مُسَخَّرٰتٍ** مُذلَّلاتٌ **بِاَمْرِهٖ** بقدرتِه **اَلَا لَهُ الْخَلْقُ** جمیعًا **وَالْاَمْرُ** کُلُّهٗ **تَبٰرَكَ** تعاظَمَ **اللّٰهُ رَبُّ** مالكُ **الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۵۴﴾ **اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا** حالٌ تذلُّلًا **وَّخُفْیَةً** سِرًّا **اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ** ﴿۵۵﴾ فی الدُّعاءِ بالتَّشدُّقِ ورفعِ الصَّوتِ **وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ** بالشِّركِ والمَعاصِی **بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** بِبعثِ الرُّسُلِ **وَادْعُوْهُ خَوْفًا** من عِقابِه **وَّطَمَعًا** فی رحمتِه **اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۵۶﴾ المُطِیعِینَ وتَذکِیرُ قَرِیبٍ المُخبَرِ به عن رَحمَةٍ لِاضافتِها الی اللهِ تَعالٰی **وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ** ای مُتفرِّقَةً قُدّامَ المَطرِ وفی قراءةٍ بسکونِ الشینِ تخفیفا وفی اخرٰی بسکونِها وفتحِ النُّونِ مصدرًا فی اُخرٰی بسکونِها وضمِّ الموحدةِ بدلَ النُّونِ ای مُبَشِّرًا ومفردُ الاُولٰی نَشُورٌ کرسولٍ والاخیرةِ بشیرٌ **حَتّٰی اِذَا اَقَلَّتْ** حَمَلَتِ الرِّیحُ **سَحَابًا ثِقَالًا** بالمَطرِ **سُقْنٰهُ** ای السَّحابَ وفیه التفاتٌ عن الغیبةِ **لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ** لا نباتَ به ای لِاحیائِه **فَاَنْزَلْنَا بِهِ** بالبَلدِ **الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ** بالماءِ **مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ** الاخراج **نُخْرِجُ الْمَوْتٰی** من قُبُورِهم بالاحیاءِ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۵۷﴾ فتؤمِنُونَ **وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ** العَذبُ التُّرابِ **یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ** حسنًا **بِاِذْنِ رَبِّهٖ** هذا مثلٌ

لِلْمُؤْمِنِ يَسْمَعُ الموعظةَ فَيَنْتَفِعُ بها **وَالَّذِي خَبُثَ** ترابُهُ **لَا يَخْرُجُ** نَبَاتُهُ **إِلَّا نَكِدًا** عُسْرًا بِمَشَقَّةٍ وهذا مثلٌ للكافر **كَذٰلِكَ** كما بَيَّنَّا ما ذُكِرَ **نُصَرِّفُ** نُبَيِّنُ **الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ** ﴿۵۸﴾ اللّٰهَ فيؤمنون.

ترجمہ: درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو دنیا کے دنوں کی مقدار کے اعتبار سے چھ دنوں میں پیدا فرمایا، اسلئے کہ اس وقت سورج نہیں تھا، اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں پیدا کر دیتا، اور ایک لمحہ میں پیدا نہ کرنا لوگوں کو عجلت نہ کرنے کی تعلیم دینے کے لئے ہے، پھر (اپنے) تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوا (عرش) لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں، تخت پر جلوہ فرمائی سے مراد اس کی شایان شان جلوہ فرمائی ہے، وہ شب و روز کو ایک دوسرے سے اس طرح چھپا دیتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کئے جو اس کے حکم کے تابع ہیں (تینوں پر) نصب ہے سمٰوات پر عطف کرتے ہوئے، اور رفع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے خبر اس کی مسخرات ہے خبردار رہو! تمام مخلوق اسی کی ہے اور بالکلیہ اسی کا امر ہے اللہ بڑی برکت والا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، تم اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے چپکے چپکے پکارو بے شک اللہ تعالیٰ بے احتیاطی کے ساتھ زور زور سے دعاء میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا شرک و معاصی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، رسول کی بعثت کے ذریعہ اس کی اصلاح کرنے کے بعد، اس کی سزا اور رحمت کی امید و بیم کے ساتھ اس کو پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کردار فرماں بردار لوگوں کے قریب ہے اور (لفظ) قریب کو جو کہ رحمت کا مخبر بہ ہے اللہ کی طرف رحمت کی اضافت کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لئے ہوئے بھیجتا ہے یعنی بارش کے آگے آگے پھیلتی ہوئی، اور ایک قراءت میں شین کے سکون کے ساتھ بطور تخفیف کے اور دوسری قراءت میں شین کے سکون اور نون کے فتحہ کے ساتھ بطور مصدر کے اور تیسری قراءت میں شین کے سکون اور بجائے نون کے باء کے ضمہ کے ساتھ یعنی خوشخبری دینے والی، اور پہلے کا مفرد نَشُوْرٌ بروزنِ رسول ہے اور دوسرے کا بشیرٌ ہے، پھر جب ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تم ہم اس بادل کو کسی مردہ (خشک) زمین کی طرف ہانک لیجاتے ہیں اس میں غیبت سے التفات ہے جس میں کوئی گھاس پھونس نہیں ہوتی، اس کو زندہ (سبز) کرنے کے لئے، پھر ہم اس زمین میں پانی برساتے ہیں پھر ہم اس پانی کے ذریعہ ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو ان کی قبروں سے زندہ کر کے نکالیں گے، تاکہ تم سبق لو اور ایمان لے آؤ اور جو زمین اچھی ہوتی ہے (شور نہیں ہوتی) تو اس سے اپنے رب کے حکم سے خوب پیداوار ہوتی ہے یہ مومن کی مثال ہے کہ وہ نصیحت سنتا ہے پھر اس سے نفع اٹھاتا ہے اور جس زمین کی مٹی خراب ہوتی ہے اس سے خراب پیداوار کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا (اور وہ بھی) بڑی مشقت کے ساتھ، اور یہ کافر کی مثال ہے، اسی طرح جیسا کہ ہم نے مذکورہ مثال بیان کی اللہ کا شکر ادا کرنے والی قوموں کے لئے مثال بیان کرتے ہیں تو وہ ایمان لے آتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اِسْتِوَاءً یَلِیْقُ بہ ، اس میں اشارہ ہے کہ استوٰی علی العرش متشابہات میں سے ہے اس کی حقیقی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یُغشی، ای یغطّی، چھاجانا، چھپالینا، اسی سے ہے غَشِیَتْہُ الحُمّٰی، اس کو بخار آ گیا۔

قولہ: حثیثًا، یہ حثٌّ سے مشتق ہے اور یہ طلبًا مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قولہ: بالتَشَدُّقِ، ای اظہار الفصاحة بالتکلف، تَشَدَّق، تکلف فصاحت ظاہر کرنے کے لئے باچھیں کھولنا، تشدَّق بالکلام و فیہ، بغیر احتیاط کے ہر قسم کی باتیں کرنا۔

قولہ: وتذکیرُ قَرِیْبِ المُخبَرِ بہ عَنْ رَحْمَہٖ لِاضَافَتِھا الی اللّٰہِ، مذکورہ عبارت کا اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: رحمة اللّٰہ، اِنَّ کا اسم ہے اور قریبٌ اس کی خبر ہے، اسم مؤنث ہے اور خبر مذکر ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے قریبة ہونا چاہئے؟

جواب: رحمة اللّٰہ، میں مضاف الیہ یعنی لفظ اللہ کی رعایت کی وجہ سے مذکر لائے ہیں، یعنی مضاف کو مضاف الیہ کا حکم دیدیا ہے، دیگر ائمہ لغت والاعراب نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) زجاج نے کہا کہ رحمة عفو وغفران کے معنی میں ہونے کی وجہ سے رحم کے معنی میں ہے، نحاس نے اس تاویل کو پسند کیا ہے، (۲) نضر بن شمیل نے کہا ہے کہ رحمة مصدر بمعنی ترحم ہے، (۳) اخفش سعید نے کہا ہے کہ رحمة سے مطر مراد ہے، (۴) بعض حضرات نے کہا ہے کہ رحمة چونکہ مؤنث غیر حقیقی ہے لہٰذا مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوسکتا ہے۔
(فتح القدیر شوکانی)

قولہ: اَقَلَّت ای حملت ورفعت اس کا ماخذ اشتقاق اقلال ہے۔

قولہ: نکدًا، ای الذی لا خیر فیہ، او الذی اشتدَّ وعَسُرَ.

قولہ: ثقالا.

سوال: ثقالًا کو جمع لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اسلئے کہ سحابًا معنًی سحابة کی جمع ہے اسلئے کہ معنی میں سحائب کے ہیں۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ ربکمُ اللّٰہ الّذِی خَلَقَ السمٰوٰتِ والارض فی ستة ایام (الآیة) یہ چھ دن، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں، جمعہ ہی کے دن حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق ہوئی، کہتے ہیں کہ ہفتہ کے روز کوئی تخلیق نہیں ہوئی، اسی لئے اسے یوم السبت کہا جاتا ہے، اسلئے کہ سبت کے معنی قطع کے ہیں یعنی اس روز تخلیق کا کام قطع ہوگیا۔

قرآن میں بیان کردہ دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن جس کی ابتداء طلوع شمس اور انتہاء غروب شمس سے ہوتی ہے یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے جیسا کہ روز قیامت ہوگا، بظاہر دوسری صورت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو اس وقت نظام شمسی موجود نہیں تھا آسمان وزمین کی تخلیق کے بعد یہ نظام قائم ہوا، دوسری بات یہ کہ عالم بالا کا واقعہ ہے اسکو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اسلئے اس دن کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے اس بارے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ لفظ ''کن'' سے آن واحد میں سب کچھ پیدا کرسکتا ہے اس کے باوجود اس نے ہر چیز کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا اس کی بھی اصل حکمت اللہ ہی بہتر جانتا ہے تاہم علماء نے اس کی ایک حکمت لوگوں کو وقار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے اور حدیث پاک میں بھی عجلت کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی گئی ہے۔

استواء کے معنی علو اور استقرار کے ہیں سلف نے بلاکیف وبلاتشبیہ یہی معنی مراد لئے ہیں لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے، حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے کسی نے استواء کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا، استواء کے معنی معلوم ہیں مگر کیفیت نامعلوم ہے۔

ولا تُفسِدُوا فی الارض (الآیۃ) ممانعت کا مطلب ہے فساد فی الارض سے ممانعت۔ انسان کا خدا کی بندگی سے نکل کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی معاشرت تمدن واخلاق کو ایسے اصول وقوانین پر قائم کرنا جو خدا کے سوا کسی اور کی رہنمائی سے ماخوذ ہوں، یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے زمین کے نظام میں خرابی کی بے شمار صورتیں رونما ہوتی ہیں، اور اسی فساد کو روکنا قرآن کا مقصد ہے قانون اسلام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے عالم کی اصلاح ہوتی ہے اور مکمل دستور العمل سے انکار وانحراف ہی سے پہلے فساد عقائد اور فساد اعمال واخلاق پیدا ہوتے ہیں جو جرائم، معاصی، قتل وغارت گری غرضیکہ ہر قسم کے فساد کا باعث ہے جس کی وجہ سے عالم میں فساد برپا ہوتا ہے۔

آداب دعاء:

دعاء میں آداب دعاء وعبودیت کا لحاظ رکھنا بھی آداب دعاء سے ہے دعاء کے آداب کا لحاظ نہ رکھنا بھی دعاء میں حد سے تجاوز کرنا ہے، آداب دعاء میں یہ بھی داخل ہے کہ دعاء محالات عقلیہ وعادیہ کی نہ مانگی جائے، مثلاً یہ کہ اے اللہ تو مجھے دنیا میں خلود نصیب فرمایا میری جوانی لوٹا دے اور نہ معاصی کی طلب وتمنا کی جائے مطلب یہ ہے کہ دعاء اپنی حیثیت اور مرتبہ سے بڑھ کر نہ کی جائے، بلکہ شان عبودیت کے ساتھ لجاجت کے لہجہ میں خشوع قلب کے ساتھ دعاء مانگی جائے، دعاء چلا چلا کر بھی نہ مانگنی چاہئے (نعوذ باللہ) تمہارا پروردگار نہ گراں گوش ہے اور نہ دور، چلا چلا کر دعاء کرنے سے حدیث شریف میں بھی ممانعت آئی ہے صحیح بخاری اور مسلم میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک موقعہ پر لوگ چلا چلا کر زور زور سے دعاء مانگ رہے تھے اس پر آپ نے فرمایا ''جسے تم پکار رہے ہو وہ نہ اونچا سنتا ہے اور نہ وہ دور ہے وہ تو قریب ہے اور خوب سنتا ہے'' حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز

میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی چونکہ دعاء ہے لہٰذا آمین آہستہ کہنی چاہئے (جصاص) دعاء کرتے وقت امید وبیم کی کیفیت ہونی چاہئے، اس کے عذاب کا خوف بھی ہو اور اسکی رحمت کی امید بھی اس طرح دعاء کرنے والے کا شمار محسنین میں ہوتا ہے، یقیناً اللہ کی رحمت ایسے لوگوں کے قریب ہے۔

فانزلنا به الماء، جس طرح ہم پانی کے ذریعہ مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کردیتے ہیں اور وہ انواع واقسام کے غلّے اور پھل پھول پیدا کرتی ہے اسی طرح قیامت کے دن تمام انسانوں کو جو مٹی میں شامل ہو کر مٹی ہو چکے ہوں گے ہم دوبارہ زندہ کردیں گے اور ان کا حساب لیں گے۔

والبلد الطيب يخرج نباته، اس کے حقیقی معنی مراد ہونے کے علاوہ یہ ایک تمثیل بھی ہوسکتی ہے البلد الطیب سے مراد سریع الفهم اور البلد الخبیث سے بطئ الفهم یا وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل، اور اس کے برعکس دل، یا قلب مومن اور قلب منافق، نصیحت قبول کرنے والا دل بارش قبول کرنے والی زمین کی طرح ہے اور دوسرا دل اس کے برعکس زمین شور کی طرح ہے جو بارش کے پانی کو قبول ہی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی نکمی اور برائے نام ہوتی ہے، اسکو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم وہدایت دے کر بھیجا ہے اسکی مثال اس موسلادھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی، زمین کے جو حصے زرخیز تھے انہوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چارہ اور گھاس خوب اگایا، اور اس کے بعض حصے سخت تھے انہوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب نہیں کیا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود بھی پیا، کھیتوں کو بھی سیراب کیا، اور زمین کا کچھ حصہ بالکل سنگلاخ تھا جس نے پانی روکا اور نہ کچھ اگایا، پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا ہے اس نے اس سے استفادہ کیا خود بھی علم حاصل کیا دوسروں کو بھی سکھایا، اور اس شخص کی بھی مثال ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کو دیکر مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحیح بخاری)

لَقَدْ جوابُ قسمٍ محذوفٍ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ بالجرّ صفةٌ لِاِلٰه والرّفع بَدلٌ من محلّهِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ ان عبدتُم غيرَهُ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ وهو يومُ القيمةِ قَالَ الْمَلَاُ الاشرافُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ بيِّنٍ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ هي اعمُّ من الضلالِ فنفيُها ابلغ من نفيه وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ بالتخفيفِ والتشديدِ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ أُريدُ الخيرَ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَكذبتُم اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ موعظةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى لسان رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ العذابَ ان لن تؤمنوا وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ بها فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ من الغرق فِي الْفُلْكِ السفينةِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا بالطوفان اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ عن الحقّ.

ترجمہ: قسمیہ بات ہے ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم، تم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (لَقَدْ) قسمِ محذوف کا جواب ہے (غیرہ) کے جر کے ساتھ اِلٰہ کی صفت ہے اور رفع، (اِلٰـہ) کے محل سے بدل ہونے کی وجہ سے ہے اگر تم اس کے علاوہ کسی اور کی بندگی کرو گے تو مجھے تمہارے حق میں بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے اور وہ بڑا دن قیامت کا دن ہے، ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تم کو صریح غلطی پر دیکھتے ہیں انہوں نے جواب دیا میں کسی گمراہی میں نہیں ہوں ضلالت ضلال سے عام ہے، ضلالت کی نفی ضلال کی نفی سے ابلغ ہے، بلکہ میں رب العٰلمین کا رسول ہوں، تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں (اُبَلِّغُ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں یعنی تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تم کو معلوم نہیں، کیا تم تکذیب کرتے ہو اور کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے ہی ایک آدمی کے ذریعہ نصیحت آ گئی تاکہ تم کو عذاب سے ڈرائے اگر تم ایمان نہ لائے اور تاکہ اللہ (کے عذاب) سے ڈر جاؤ اور تاکہ تقوے کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے مگر وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ڈوبنے سے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم نے ان کو طوفان کے ذریعہ غرق کر دیا یقیناً وہ لوگ حق سے اندھے تھے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: جوابُ قسمٍ محذوفٍ، اس اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ لَقَدْ میں لام جوابِ قسم پر داخل ہے۔

قِوْلُہٗ: والرَّفع بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّہٖ تقدیر عبارت یہ ہے، مالکم اللّٰہُ من زائدہ ہے اِلٰہٌ مبتداء ہے اور لکم خبر مقدم ہے۔

قِوْلُہٗ: هِیَ اَعَمُّ مِنَ الضَّلَالِ فنفیُها اَبْلَغُ مِنْ نَفْیِهٖ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے اِنَّا لنراكَ فی ضللٍ مبین، کہہ کر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب ہر قسم کی ضلالت کی نسبت کی، اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیس بی ضلالۃ، کہہ کر ہر قسم کی گمراہی کی نفی کر دی اور نہ صرف یہ کہ ہر قسم کی گمراہی کی نفی کی بلکہ ولکنّی رسول من رب العٰلمین، کہہ کر یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ میں اللہ رب العٰلمین کی جانب سے عز وشرف کے سب سے بڑے مرتبہ پر جو کہ مرتبۂ رسالت ہے فائز ہوں۔

اَلضَّلَالَۃُ اَعَمُّ مِنَ الضَّلَالِ، اسلئے کہ ضلالۃ وحدت غیر معینہ پر دلالت کرتی ہے اور فرد غیر معین کی نفی عام ہے بخلاف ضلال کے کہ یہ مصدر ہے جو واحد تثنیہ جمع کو شامل ہے، مصدر کی نفی سے یہ ضروری نہیں کہ بالیقین عام کی نفی ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ ضلالۃ کی نفی ضلال کی نفی کو مستلزم ہے ولا بالعکس اسلئے کہ عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے نہ کہ اس کا عکس اور لیس بی ضلالۃ، نکرہ تحت النفی کی وجہ سے عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔

قِوْلُہٗ: بھا، ای بالتقوی.

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سورۂ اعراف کے شروع سے یہاں تک اصول اسلام، توحید، رسالت، آخرت کا مختلف عنوانات سے اثبات اور لوگوں کو اتباع کی ترغیب اور اس کی مخالفت پر وعید وترہیب اور اس کے ضمن میں شیطان کے مکروفریب کا بیان تھا، اب یہاں سے آخر سورت تک چند انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کی امتوں کا ذکر ہے، اس رکوع میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امت کے حالات ومقالات مذکور ہیں۔

سلسلۂ انبیا میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن ان کے زمانہ میں کفروضلالت کا مقابلہ نہ تھا نیز ان کی شریعت میں زیادہ تر زمین کی آبادکاری اور انسانی ضروریات کے احکام تھے، کفروشرک کا مقابلہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوا اور رسالت وشریعت کے اعتبار سے وہ سب سے پہلے رسول ہیں، اس وقت دنیا میں جو انسانی آبادی ہے یہ سب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے رفقاء سفینہ کی ذریت میں سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قصص الانبیاء کا آغاز بھی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے کیا گیا ہے، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اور ان کی قوم کی غرق آبی اور کشتی والوں کی نجات کی پوری تفصیل سورۂ نوح اور سورۂ ہود میں بیان ہوئی ہے، اختصار کے ساتھ اس کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مختصر قصہ:

قرآن کریم کے اشارات اور بائبل کی تصریحات سے یہ بات متحقق ہوجاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم جس سرزمین پر رہتی تھی جس کو آج عراق کے نام سے جانا جاتا ہے بابل کے آثار قدیمہ میں بائبل سے قدیم تر کتبات ملے ہیں، ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں بتائی گئی ہے، اس کے علاوہ جو روایات کردستان اور آرمینیہ میں قدیم ترین زمانہ سے نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی اسی علاقہ میں کسی جگہ ٹھہری تھی، موصل کے شمال میں جزیرۂ ابن عمر کے آس پاس آرمینیہ کی سرحد پر کوہ ارارط کے نواح میں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف آثار کی نشاندہی اب بھی کیجاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ:

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام بن لامک قدیم ترین انبیاء میں سے ہیں صحیح صحیح زمانہ کی تعیین تو دشوار ہے بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۲۹۴۸ ق م تا ۱۹۵۸ ق م سمجھئے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم عراق میں آباد تھی تورات کی کتاب پیدائش

میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آیا ہے، حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک حسب روایت توریت کل نو پشتوں کا فاصلہ ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور محمد ﷺ کے درمیان مشابہت:

قرآن نے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی قوم کے درمیان جس معاملہ اور مکالمہ کا ذکر کیا ہے، بعینہ ایسا ہی معاملہ مکہ میں محمد ﷺ اور آپ کی قوم کے درمیان پیش آرہا تھا، جو پیغام حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا تھا وہی حضرت محمد ﷺ کا تھا، ان کے علاوہ دیگر انبیاء کے جو قصے بیان ہوئے ہیں ان میں بھی یہی دکھایا گیا ہے کہ ہر نبی کی قوم کا رویہ اہل مکہ کے رویّہ سے اور ہر نبی کی تقریر محمد ﷺ کی تقریر سے ہو بہو مشابہ ہے، اس سے قرآن یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ انسانی گمراہی ہر زمانہ میں بنیادی طور پر ایک ہی طرح کی رہی ہے اور خدا کے بھیجے ہوئے معلموں کی دعوت بھی ہر عہد اور ہر سرزمین میں یکساں رہی ہے، اور لوگوں کا انجام بھی ٹھیک ایک جیسا ہوا ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آرہے تھے، سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم کے صالح افراد فوت ہوگئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں قائم کردیں اور ان کی تصویریں بھی آویزاں کرلیں ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح ان صالحین کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الٰہی میں ان کے طریقہ پر چلیں گے، وقت گذرنے پر ان تصویروں کے مجسمے بنالئے اس کے کچھ عرصہ کے بعد ان تصویروں نے بتوں کی شکل اختیار کرلی اور لوگوں نے ان کی پوجا پاٹ شروع کردی، اور قوم کے یہ صالحین وَدّ، سواع، یعوق، یغوث اور نسر معبود بن گئے، ان حالات میں نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو معبوث فرمایا جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہ کیا، آخر اہل ایمان کے سوا سب کو غرق کردیا گیا۔

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰی عَادٍ الاولى اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾
تَخَافُونَهُ فتؤمنون قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ جهالة وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ في رسالتك قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ بالوجهين
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ مامونٌ على الرسالةِ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی لسان
رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۗ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ في الارض مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ قوةً
وطُولًا كان طويلُهم مائةَ ذِراع وقصيرُهم ستين فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ نِعَمَهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ تفوزون
قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ نترك مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ به من العذاب
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ في قولك قَالَ قَدْ وَقَعَ وجب عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ عذابٌ

وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ ای سَمَّیْتُم بِھا اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ اصناماً تَعْبُدُوْنَہا مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا ای بعبادتِہا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ حجةٍ وبُرھانٍ فَانْتَظِرُوْٓا العذابَ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ ذلک بتکذیبکم لی فَاُرسِلَتْ علیہم الریحُ العقیمُ فَاَنْجَيْنٰهُ ای ھوداً وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ من المؤمنین بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ای استاصلنٰہم وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ عطفٌ علی کذبوا.

ترجمہ: اور ہم نے عادِ اولیٰ کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو (یعنی) اس کی توحید کا اقرار کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، سو کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ، ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تو تم کو حماقت جہالت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تم کو دعوائے رسالت میں جھوٹا سمجھتے ہیں انہوں نے جواب دیا اے میری قوم میں ذرا بھی حماقت میں مبتلا نہیں، میں تو رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں میں تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں، (اُبلغکم) میں تخفیف وتشدید دونوں قراءتیں ہیں، اور تمہارا سچا خیر خواہ ہوں رسالت کے بارے میں امین ہوں، کیا تمہیں اس بات میں تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت تمہارے پاس تم ہی میں کے ایک شخص کے ذریعہ آئی ہے تاکہ تم کو آگاہ کرے اور اس بات کو یاد رکھو کہ دنیا میں قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تم کو (انکا) جانشین بنایا ہے اور ڈیل ڈول میں تمہیں جسامت بھی زیادہ دی یعنی قد آور بنایا اور قوت بخشی ان میں کا دراز ترین شخص سو ہاتھ کا اور پست قد ساٹھ ہاتھ کا تھا، اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں، سو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو، اس نے کہا اچھا تو اب تمہارے اوپر رب کا عذاب اور غضب آہی پڑا کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے گھڑ لئے ہیں یعنی وہ بت جن کی تم بندگی کرتے ہو، جن کے بارے میں اللہ نے نہ کوئی سند اتاری نہ دلیل، سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں شامل ہوں، تمہارے مجھے جھٹلانے کی وجہ سے سو ان کے اوپر بے فیض ہوا (آندھی) چلائی گئی چنانچہ ہم نے ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور ان مومنین کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ہم نے ان لوگوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اس کا عطف کذبوا پر ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَرْسَلْنَا، اس میں اشارہ ہے کہ وَاِلٰی عَادٍ کا عطف نوحًا الی قومہ پر ہے اور یہ عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے۔

قولہ: اَلْاُوْلٰی، عاد کی صفت الاولیٰ، لا کر اشارہ کر دیا کہ عاد ثانیہ مراد نہیں ہے اسلئے کہ عاد ثانیہ حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا نام ہے۔

قولہ: اخاهم هُودًا ، هودًا، اخاهم سے بدل ہے، جن لوگوں نے عاد کو محلہ (حی) کا نام قرار دیا ہے وہ اس کو منصرف کہتے ہیں اور جو قبیلہ کا نام قرار دیتے ہیں وہ اس کو تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف کہتے ہیں، عاد دراصل قوم عاد کے جدا کبر کا نام ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔

سوال: حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ میں فقال یا قوم، فاء کے ساتھ کہا اور یہاں قال بغیر فاء کے کہا، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جواب: حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اپنی قوم کو دعوت الی اللہ دینے میں بغیر سستی اور توقف کے مسلسل لگے ہوئے تھے جیسا کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے قول "قالَ ربّ انی دعوت قومی لیلاً و نهارًا" سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے فاء تعقیبیہ لانا مناسب ہے حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ صورت حال نہیں تھی اسلئے یہاں فاء کو ترک کر دیا۔

قولہ: من العَذابِ یہ عائد محذوف کا بیان اور تعِدُنا جملہ ہو کر صلہ ہے، اور صلہ جب جملہ ہوتا ہے تو عائد ہونا ضروری ہوتا ہے مفسر علام نے بِه کہہ کر عائد کو ظاہر کر دیا، من العذاب اسی ضمیر کا بیان ہے۔

قولہ: وَجَبَ.

سوال: وَقَعَ کی تفسیر وجَبَ سے کس مصلحت کے پیش نظر کی ہے؟

جواب: تاکہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب لازم نہ آئے، اسلئے کہ اس وقت تک عذاب واقع نہیں ہوا تھا۔

قولہ: سَمَّیْتُم بها.

سوال: سَمَّیْتُمُوها، کی تفسیر سَمَّیْتُم بها سے کس مقصد کے پیش نظر کی ہے۔

جواب: سَمَّیتموها میں اسماء کے لئے اسماء ہونا لازم آ رہا ہے اسلئے کہ ھا ضمیر اسماء کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ناموں کا نام رکھ لیا ہے حالانکہ یہ بے معنی بات ہے، اور جب ھاء پر باء داخل کر دیں گے تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا، اس لئے کہ ھا ضمیر اسماء کی طرف راجع ہوگی اور سَمَّیْتُم کا مفعول مقدر ہوگا ای سَمَّیْتُم مسمیات تلك الاسماء بها.

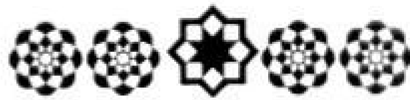
تفسیر و تشریح

قوم عاد کی مختصر تاریخ:

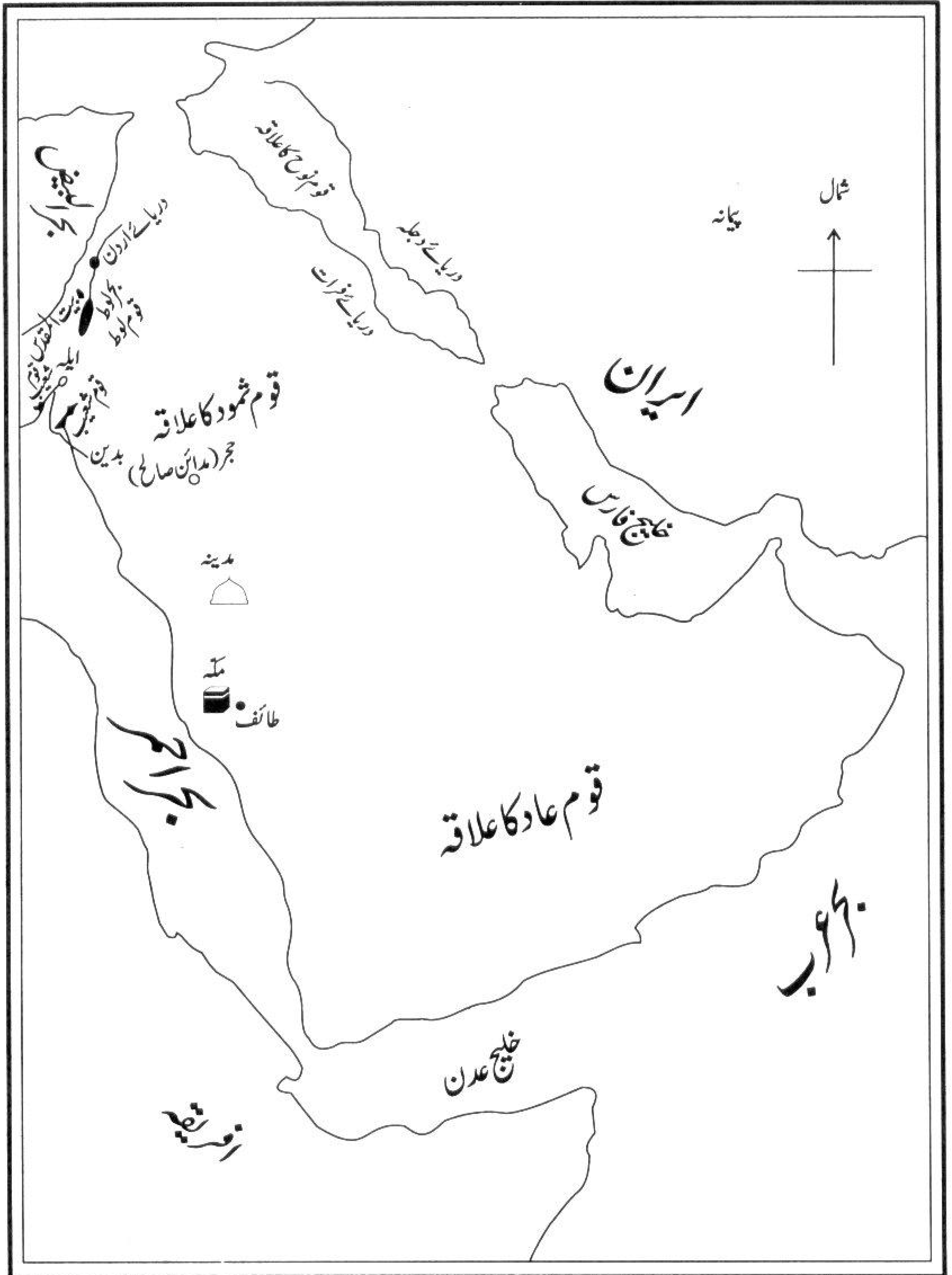
والی عادٍ اخاهم هودًا ، یہ عرب کی قدیم ترین قوم تھی جس کے قصے اہل عرب میں زبان زد عام وخاص تھے، ان کی شوکت وحشمت ضرب المثل تھی، پھر دنیا سے ان کا نام ونشان مٹ جانا بھی ضرب المثل ہو کر رہ گیا، قرآن کی رو سے اس قوم کا اصل مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو حجاز یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے مغرب میں واقع ہے یہیں سے پھیل کر ان لوگوں نے یمن کے مغربی سواحل اور عمان و حضرموت سے عراق تک اپنی طاقت کا سکہ رواں کر دیا تھا، تاریخی حیثیت سے اس قوم کے آثار تقریباً

ناپید ہو چکے ہیں، لیکن جنوبی یمن میں کہیں کچھ پرانے کھنڈرات موجود ہیں جنہیں، عاد کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، حضر موت میں ایک مقام پر حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر بھی مشہور ہے ۱۸۳۷ء میں ایک انگریز بحری افسر (James.R.wellsted) کو حصن عرب میں ایک پرانا کتبہ ملا تھا جس میں حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر موجود ہے اور عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی تحریر ہے جو شریعت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کے پیرو تھے۔

حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے وہ عاد اولی کے نام سے معروف ہے حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام اسی قوم کے ایک فرد تھے، یہ قوم اپنی طاقت وقوت میں بے مثال تھی، اس کے افراد غیر معمولی تن وتوش کے ہوتے تھے، ان کے بارے میں قرآن نے ایک جگہ فرمایا "لمر یخلق مثلها فی البلاد" اپنی اسی غیر معمولی قوت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کہ انہوں نے کہا تھا "مَنْ اشدُّ منا قوة" ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے انھیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے (حم سجدہ) واقعہ کی مزید تفصیل کے لئے سورۂ احقاف کا مطالعہ کیجئے۔



ان قوموں کے علاقے جن کا ذکر سُورۃ الأعراف میں آیا ہے



وَ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ بترك الصَّرفِ مرادًا به القبيلة اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ معجزة مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ على صدقي هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً حال عاملها معنى الاشارة وكانوا سَالُوْهُ ان يُخرجها لهم من صخرةٍ عيّنُوها فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ بعقر او ضرب فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ في الارض مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ اسكنكم فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا تسكنُونها في الصَّيفِ وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ تسكنُونها في الشتاءِ ونَصْبُهٗ على الحالِ المُقَدَّرَةِ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ تكبَّرُوا عن الايمان به لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اى من قومِهٖ بَدَلٌ مما قبلَهٗ باعادةِ الجارِّ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اليكم قَالُوْۤا نعم اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ وكانتِ الناقة لها يومٌ في الماء ولهم يوم فمَلُّوا ذلك فَعَقَرُوا النَّاقَةَ عَقَرَها قُدارٌ بامرهم بان قتلها بسيفٍ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ به من العذاب على قتلها اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزلزلةُ الشديدةُ من الارضِ والصيحةُ من السماءِ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ باركين على الركب ميّتين فَتَوَلّٰى اعرضَ صالحٌ عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ اذكر لُوْطًا ويُبدَلُ منه اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ اى ادبارَ الرِّجالِ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ الانسِ والجنِّ اِنَّكُمْ بتحقيقِ الهمزتين وتسهيل الثانية وادخالِ الفٍ بينهما على الوجهين لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ مُتَجاوِزُونَ الحلالَ الى الحرامِ وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ اى لوطًا واتباعَهٗ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ من ادبارِ الرِّجالِ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ الباقينَ في العذابِ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ هو حجارةُ السجّيلِ فاهلكتهم فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، اگر قبیلہ کا نام ہو تو غیر منصرف ہے، انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، میری صداقت پر تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل، معجزہ، آچکی ہے، یہ اونٹنی ہے اللہ کی (آیۃً) حال ہے اس کا عامل اسم اشارہ کا معنی (اشیر) ہے انہوں نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خاص پتھر (چٹان) سے جس کو انہوں نے متعین کیا تھا (اونٹنی) نکالنے کا مطالبہ کیا تھا، سو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے بری نیت قتل وضرب کے ارادہ سے اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا، ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہیں دردناک عذاب

آ پکڑے اور تم اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم کو عاد کے بعد زمین کا مالک بنایا تھا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانہ دیا تھا تو اس کی ہموار زمین میں تم شاندار محل بناتے تھے گرمی کے موسم میں تم ان میں رہائش پذیر ہوتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے تھے کہ موسم سرما میں تم ان میں سکونت اختیار کرتے تھے، (بیوتًا) حال مقدرہ کے طور پر منصوب ہے سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اس کی زمین میں فساد برپا مت کرو، ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے جنہوں نے صالح علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان کے مقابلہ میں تکبر کیا کمزور طبقے کے ان لوگوں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے (آمَنَ منهم) اعادۂ جار کے ساتھ، ماقبل یعنی لِلَّذِيْنَ استضعفوا سے بدل ہے کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح علیہ الصلاۃ والسلام تمہاری طرف اپنے رب کا پیغمبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا بے شک جس پیغام کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں، تکبر کرنے والوں نے کہا جس کو تم نے مانا ہے ہم تو اس کے منکر ہیں، اور یہ اس لیے کہ ایک دن اونٹنی کے پانی کی باری تھی اور ایک دن ان کے (جانوروں) کے لئے تھا وہ اس سے تنگ آ گئے، تو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا، قوم کے کہنے سے قدار نامی شخص نے اس کو مار ڈالا، یعنی اس کو تلوار سے قتل کر دیا، اور پوری سرکشی کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور صالح علیہ الصلاۃ والسلام سے کہہ دیا کہ اے صالح اس کے قتل پر تم جس عذاب کی دھمکی دیتے ہوا سے لے آؤ، اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو، آخر کار ان کو ایک دہلا دینے والے زمینی شدید زلزلے اور آسمانی چیخ نے انہیں آدبوچا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے یعنی گھٹنوں کے بل مردہ ہو کر، اور صالح علیہ الصلاۃ والسلام ان کی بستیوں سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ اے میری قوم، میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بہت خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے، اور لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر کرو کہ ہم نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا اذکر لوطا سے اِذقال، بدل ہے اور اس بات کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے بے حیائی کے کام کرتے ہو یعنی مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو، کہ جو دنیا میں تم سے پہلے جن و انس میں سے کسی نے نہیں کیا کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو (ءِ انّکم) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے، حقیقت یہ ہے کہ تم حلال سے حرام کی طرف تجاوز کر کے حد سے گذرنے والے لوگ ہو، ان کی قوم کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا کہ انہوں نے کہہ دیا کہ ان کو (یعنی) لوط کو اور اس کی اتباع کرنے والوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ مردوں سے ہم جنسی کے بارے میں بڑے پاکباز بنتے ہیں، بالآخر ہم نے لوط علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ان کے گھروں کو بجز اس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی، بچا کر نکال دیا (یعنی) وہ عذاب میں پھنسنے والوں میں تھی، پھر ہم نے ان کے اوپر ایک خاص قسم کی بارش برسائی کہ وہ کنکر ملے پتھر تھے چنانچہ ان کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا سو غور کرو کہ ان مجرموں کا کیسا انجام ہوا!!

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: والی ثمودَ اخاهم صالحًا، اس کا عطف ماقبل پر عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے، ثمود ایک قبیلہ کا نام جو ان کے جدا کبر کے نام پر ہے اسی وجہ سے ثمود غیر منصرف ہے، ان کا نسب اس طرح ہے، ثمود بن عاد بن ارم بن شالخ بن اَرفخشذ بن

سام بن نوح، صالح، اخاھم کا عطف بیان ہے حضرت صالح کا شجرہ نسب اس طرح ہے صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حاذر بن ثمود، جن لوگوں نے ثمود قبیلہ کا نام قرار دیا ہے انہوں نے اس کو علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا ہے اور جن لوگوں نے شخص کا نام کہا ہے وہ اس کو منصرف کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ، جملہ مستانفہ ہے مقصد معجزہ کی کیفیت کو بیان کرنا ہے، گویا کہ کہا گیا ما ھذہ البینۃ، جواب دیا ھذہ ناقۃ اللّٰہ.

قِوْلَہٗ: حالٌ عَامِلُھا معنیٰ الاشارۃ آیۃً، ناقۃ، سے حال ہے اس کا عامل ھذہ اشیرُ کے معنی میں ہو کر ہے۔

قِوْلَہٗ: سُھولھا، سھول سَھْلٌ کی جمع ہے نرم زمین کو کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: نَصْبُہٗ عَلَی الحالِ المُقَدَّرَۃِ، بیوتًا. تنحتون سے حال مقدرہ ہے، یعنی تم پہاڑوں کو اسلئے تراشتے ہو کہ تمہارے لئے ان میں رہنا مقدر ہو چکا ہے، اسلئے تراشنا سکونت اختیار کرنے پر مقدم ہے، حالانکہ حال و ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔

قِوْلَہٗ: تعثَوْا، (س) عِثِیٌّ اور عُثُیٌّ، سے جمع مذکر حاضر تم فساد کرو۔

قِوْلَہٗ: المَلأ، اسم جمع معرف باللام (ج) املاءٌ سردار، بڑے لوگ۔

قِوْلَہٗ: بِاَمْرِھِمْ، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ قتل کرنے اولا قدار نامی ایک شخص تھا اور عقروا میں قتل کی نسبت پوری قوم کی طرف ہے جواب یہ ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے قدار کے قتل سے چونکہ پوری قوم متفق تھی اسلئے پوری قوم کیطرف قتل کی نسبت کر دی گئی ہے۔

قِوْلَہٗ: ھو حِجَارَۃُ السِّجِّیل، وہ پتھر جس میں قدرے مٹی کو آمیزش ہو، جس کو کنکر کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ سنگِ گل کا معرب ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا، قوم ثمود حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہائش پذیر تھی ۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا اس وادی سے گذر ہوا تھا جس پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا، معذب قوموں کے علاقہ سے جب گذرو تو روتے ہوئے گذرو (بخاری) قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا، اس قوم کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے دراصل قوم عاد ثانیہ اور اولیٰ ارم ہی کی دو شاخیں ہیں یہ قوم بھی عرب کی قدیم ترین قوموں میں سے ہے جو عاد کے بعد سب سے زیادہ مشہور ہے، زمانۂ جاہلیت کے اشعار اور خطبوں میں اس قوم کا نام ملتا ہے ایسریا کے کتبات اور یونان، اسکندریہ، اور روم کے قدیم مؤرخین اور جغرافیہ نویس بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔

اس قوم کا مسکن شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی الحجر کے نام سے معلوم ہے موجودہ زمانہ میں مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے پر ایک اسٹیشن پڑتا ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانہ میں حجر

کہا جاتا تھا، اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ رقبے میں وہ سنگین (پتھر کی) کی عمارتیں موجود ہیں جن کو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں تراش تراش کر بنایا تھا، اب بھی اس شہر خموشاں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس شہر خموشاں کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی، نزول قرآن کے زمانہ میں حجاز کے تجارتی قافلے ان آثار قدیمہ کے درمیان سے گذرا کرتے تھے، آپ ﷺ بھی جب اس شہر خموشاں سے گذرے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ آثار عبرت دکھائے، ایک جگہ آپ نے ایک کنویں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی وہ کنواں ہے کہ جہاں حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی، ایک پہاڑی درّے کو دکھا کر آپ نے فرمایا کہ اسی درّے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی چنانچہ وہ مقام آج بھی فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے، جو لوگ ان کھنڈروں میں سیر کرتے پھر رہے تھے آپ نے ان کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہ اس قوم کا علاقہ ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا، لہٰذا یہاں سے جلدی گذر جاؤ یہ سیر گاہ نہیں ہے بلکہ رونے کا مقام ہے۔

قوم لوط کی مختصر تاریخ:

ولوطا اذ قال لقومه (الآیۃ) یہ قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جسے آجکل شرق اردن کہا جاتا ہے، اور عراق و فلسطین کے درمیان واقع ہے بائبل میں اس قوم کا صدر مقام سدوم بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرۂ مردار (بحر میت) کے قریب کہیں واقع تھا یا بحر میت میں غرق ہو چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم کے بھائی، ہاران کے بیٹے تھے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عراق سے نکلے کچھ مدت تک شام و فلسطین و مصر میں گشت لگا کر دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف رہے، اس کے بعد مستقل منصب رسالت پر فائز ہو کر اسی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح پر مامور ہوئے۔

یہودیوں کی تحریف کردہ بائبل میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر جہاں اور بہت سے دھبے لگائے گئے ہیں ان میں سے ایک دھبہ یہ بھی ہے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لڑ کر علاقہ سدوم میں چلے گئے تھے مگر قرآن اس غلط بیانی کی تردید کرتا ہے، قرآن کا کہنا ہے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی علاقہ کے باشندوں کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا تھا، اہل سدوم کو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم، غالباً اس لئے کہا کہ ان کے ساتھ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ازدواجی رشتہ قائم ہو گیا ہو۔

دوسرے مقامات پر اس قوم کے بعض اور اخلاقی جرائم کا بھی ذکر آتا ہے مگر یہاں اس کے سب سے بڑے جرم کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا، اور وہ ہم جنسی کا فعل تھا، یہ قابل نفرت فعل جس کی وجہ سے ان کو مذمت میں شہرت دوام حاصل ہوئی، اس کے ارتکاب سے تو بدکردار انسان کسی زمانہ میں باز نہیں آئے، لیکن یہ فخر یونان کو حاصل ہے کہ اس کے فلاسفہ نے اس گھناؤنے جرم کو اخلاقی خوبی کے مرتبہ تک اٹھانے کی کوشش کی، اور اس کے بعد جو کسر باقی رہ گئی تھی اسے

جدید مغربی تہذیب نے پورا کر دیا یہاں تک کہ بعض مغربی ملکوں کی مجالس قانون ساز نے اسے نہ صرف یہ کہ با قاعدہ جائز قرار دیدیا بلکہ آپس میں شادی کو بھی قانونی حیثیت دیدی، جبکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہم جنسی قطعی طور پر وضع فطری کے خلاف ہے اور یہ خلافِ وضع عمل کرنے والا اپنی اور اپنے معمول کی طبعی ساخت اور نفسیاتی ترکیب کے خلاف جنگ کرتا ہے، اور ایسے مہلک ولا علاج ''ایڈز'' جیسے امراض میں مبتلا کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے جس کا کوئی علاج ہی نہیں ہے، فطرت صحیحہ سے انحراف اور حدود الٰہی سے تجاوز کو مغرب کی مہذب قوموں نے انسانوں کا بنیادی حق قرار دیدیا ہے جس کی رو سے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہے چنانچہ اب مغرب میں لواطت کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے اب یہ سرے سے کوئی جرم نہیں رہا۔

لواطت کی سزا:

یہاں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ عمل قوم لوط ایک بدترین گناہ ہے جس کی وجہ سے ایک قوم اللہ کے غضب میں گرفتار ہو چکی ہے، اس کے بعد یہ بات ہمیں نبی ﷺ کی رہنمائی سے معلوم ہوئی کہ یہ ایک ایسا جرم ہے جس سے معاشرہ کو پاک رکھنے کی کوشش کرنا حکومت اسلامی کے فرائض میں ہے اور یہ کہ اس جرم کے مرتکبین کو سخت سے سخت سزا دی جانی چاہئے، حدیث میں جو مختلف روایات حضور ﷺ سے مروی ہیں ان میں سے کسی میں یہ الفاظ ملتے ہیں، '' **اقتلوا الفاعل و المفعول به**'' فاعل اور مفعول کو قتل کردو۔ کسی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے، **احصنا او لم یحصنا**'' شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں اور کسی میں یہ الفاظ ہیں، **فارجمو الاعلی والاسفل**، اوپر والا اور نیچے والا دونوں سنگسار کئے جائیں، لیکن چونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا، اسلئے قطعی طور پر یہ بات متعین نہ ہو سکی کہ اس کی سزا کس طرح دی جائے صحابۂ کرام میں سے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی رائے یہ ہے کہ مجرم تلوار سے قتل کیا جائے اور دفن کرنے کے بجائے اس کی لاش جلا دی جائے اسی رائے سے حضرت ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اتفاق فرمایا ہے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی رائے یہ ہے کہ کسی بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کر کے وہ عمارت اس پر گرا دی جائے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا فتویٰ یہ ہے کہ بستی کی سب سے اونچی عمارت سے اُسے سر کے بل پھینک دیا جائے اور اوپر سے پتھر برسائے جائیں، فقہاء میں سے امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ فاعل اور مفعول واجب القتل ہیں خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، زہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، اور امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں ان کی سزا رجم ہے سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، عطاء۔ حسن بصری، رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ابراہیم نخعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سفیان ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور اوزاعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رائے یہ ہے کہ اس جرم میں وہی سزا دی جائے جو زنا کی سزا ہے یعنی شادی شدہ کو رجم اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں، اور جلا وطن کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رائے میں اس پر کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ فعل تعزیر کا مستحق ہے۔

جیسے حالات اور ضروریات ہوں ان کے لحاظ سے اس کو عبرت ناک سزا دی جائے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بھی

ایک قول اسی کی تائید میں منقول ہے۔

یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ شوہر کے لئے یہ قطعی حرام ہے کہ خود اپنی بیوی کے ساتھ عمل لوط کرے، ابوداؤد میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے "ملعون من اتی المرأة فی دبرھا" عورت سے عمل لوط کرنے والا ملعون ہے، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ منقول ہیں، لا ینظر اللہ الی رجل جامع امرأة فی دبرھا، اللہ اس مرد کی طرف ہرگز رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا جو عورت سے اس فعل کا ارتکاب کرے۔

وَ اَرسَلنَا اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مُعجِزَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ علی صِدقِی فَاَوْفُوا اَتِمُّوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا تَنقُصُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بالکفرِ والمَعَاصِی بَعْدَ اِصْلَاحِهَا بِبَعثِ الرُّسُلِ ذٰلِكُمْ المذکورُ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ مُرِیدِی الایمان فَبَادِرُوا الیه وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ طریقٍ تُوْعِدُوْنَ تُخَوِّفُونَ الناسَ باخذِ ثِیَابِھِمْ اوالمکسِ منهم وَتَصُدُّوْنَ تَصرِفُونَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِینِهٖ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ بوَعدِکُم اِیَّاہُ بالقَتلِ وَتَبْغُوْنَهَا تَطلُبُونَ الطَّرِیقَ عِوَجًا مُعَوَّجَةً وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ قَبلَکُم بِتَکذِیبِھِم رُسُلَھم ای اٰخِرُ امرِھم مِنَ الھلاکِ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بهٖ فَاصْبِرُوْا انتَظِرُوا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وبینکم بانجاءِ المُحِقِّ واھلاکِ المُبطِلِ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ اَعدَلُھُم۔

ترجمہ: اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم، تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے پاس میری صداقت کی تمہارے پروردگار کی طرف سے معجزہ کی شکل میں واضح دلیل آچکی ہے تم ناپ تول پوری پوری کیا کرو لوگوں کو چیزیں کم مت دیا کرو، اور رسولوں کو بھیج کر زمین کی اصلاح کے بعد کفر و معاصی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا نہ کرو اسی مذکور میں تمہارے لئے خیر ہے اگر تمہارا ایمان کا ارادہ ہے تو اس کی طرف جلدی کرو اور تم راستوں پر اسلئے نہ بیٹھا کرو کہ لوگوں کو ان کے کپڑے چھین کر یا ان سے ٹیکس وصول کر کے خوف زدہ کرو اور اللہ کے دین پر یقین رکھنے والوں کو قتل کی دھمکی دے کر اللہ کے دین سے روکو اور اس راستہ میں کجی تلاش کرو، وہ زمانہ یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اللہ نے تمہیں بہت کر دیا، اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ تم سے پہلے رسولوں کی تکذیب کر کے فساد برپا کرنے والوں کا کیا حشر ہوا یعنی ان کا انجام ہلاکت ہوا، اور اگر ایک گروہ تم میں کا اس پر جس کو میں دیکر بھیجا گیا ہوں ایمان لایا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حق پرستوں کو نجات دے کر اور باطل پرستوں کو ہلاک کر کے

ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے، وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مدین، یامدیان حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی تیسری بیوی قطورا سے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے صاحبزادے ہیں یہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں اسلئے کہ بنی اسرائیل کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پوتے یعقوب بن اسحٰق سے ہے، حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک نام اسرائیل بھی تھا اس لئے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی، مدین ایک بستی کا نام ہے اور مدیان کی اولاد بھی بنی مدین کہلائی حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کا تعلق بھی اسی قوم سے ہے حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے خسر تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے مصر سے ہجرت کرکے مدین پہنچ کر حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے یہاں قیام کیا اور دس سال کا عرصہ یہیں گذارا، اسی دوران حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی شادی ہوئی۔

قولہ: مُرِیْدِی الِایْمَان، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے مخاطب مومن نہیں تھے تو ان کو ان کنتم مومنین ماضی کے صیغہ سے کیوں خطاب کیا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے چونکہ حرف شرط بھی صیغۂ ماضی کو ماضی سے نہیں نکال سکتا اسلئے مریدی، کا لفظ مقدر ماننا پڑا تاکہ معنی درست ہوجائیں، مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان لانے کا ارادہ ہے تو مذکورہ کاموں سے باز آجاؤ۔

قولہ: فَبَادِرُوْا الیه اس میں اشارہ ہے کہ ان کنتم مؤمنین شرط کی جزاء، محذوف ہے نہ کہ ماقبل کا جملہ جزاء ہے۔

(ترویح الارواح)

قولہ: المکس، خراج، ٹیکس، عشر، المکّاس، العشار، عشر وصول کرنے اولا۔

تفسیر و تشریح

مدین کی مختصر تاریخ:

انبیاء علیہم السلام کے قصص کا سلسلہ سابقہ آیات سے چل رہا ہے یہ پانچواں قصہ ہے، یہ قصہ حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی قوم کا ہے۔

مدین کا اصل علاقہ حجاز سے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا، اہل مدین کا تعلق سلسلۂ بنی اسرائیل سے نہیں ہے اہل مدین دراصل حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے صاحبزادے مدین کی اولاد میں سے ہیں،

عرب کے دستور کے مطابق جو لوگ کسی بڑے شخص کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتے وہ اسی کی طرف منسوب ہو کر بنی فلاں کہلاتے تھے، اس دستور کے مطابق عرب کا بڑا حصہ بنی اسماعیل کہلایا، اور اولادِ یعقوب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونے والے لوگ بنی اسرائیل کہلائے، اسی طرح ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے صاحبزادے مدین کے زیر اثر آنیوالے لوگ بنی مدین کہلائے۔

حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت:

حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام جس قوم کی جانب مبعوث کئے گئے تھے قرآن کریم نے کہیں ان کو ''اہل مدین'' اور کہیں ''اصحاب مدین'' کے نام سے ذکر کیا ہے، اور کہیں ''اصحاب ایکہ'' کے نام سے، ایکہ کے معنی جنگل اور بن کے آتے ہیں، بعض مفسرین حضرات نے فرمایا کہ یہ دونوں قومیں الگ الگ تھیں اور دونوں کی بستیاں بھی الگ الگ تھیں حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام پہلے ایک بستی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس قوم کی ہلاکت کے بعد دوسری قوم کی طرف مبعوث ہوئے، دونوں قوموں پر جو عذاب آیا اس کے الفاظ بھی مختلف ہیں اصحاب مدین پر کہیں ''صیحۃ'' اور کہیں ''رجفۃ'' کا عذاب مذکور ہے اور اصحاب ایکہ پر ''ظلہ'' کے عذاب کا ذکر ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے نام ہیں مذکورہ تینوں قسم کے عذاب اس قوم میں جمع ہو گئے تھے، پہلے بادل سے آگ برسی پھر اس کے ساتھ سخت آواز چنگھاڑ کی شکل میں آئی پھر زمین میں زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر، معارف)

قوم شعیب اور ان کی بدکرداری:

قوم شعیب کی ایک بری خصلت یہ تھی کہ راستوں پر چوراہوں پر جمع ہو کر بیٹھ جاتے اور مسافروں کو لوٹتے اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کر حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جانے سے روکتے، راستوں پر بیٹھکر لوٹ کھسوٹ کرتے بعض مفسرین نے خلافِ شرع چنگی اور ٹیکس وغیرہ وصول کرنے کو بھی داخل کیا ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا جو لوگ راستوں پر بیٹھ کر ناجائز چنگی وصول کرتے ہیں وہ بھی قوم شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح مجرم ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ عن الايمانِ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ تَرْجِعُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ دِينِنَا وغَلَّبُوْا فى الخطابِ الجمعَ على الواحدِ لان شُعَيْبًا لم يكن فى مِلَّتِهِم قطُّ وعلى نَحْوِه اَجَابَ قَالَ اَ نَعُوْدُ فيها وَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۚ۸۸ لها استفهامُ انكار قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ يَنْبَغِي لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ ذلك فيَخْذُلُنا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ

شَیْءٍ عِلْمًا اى وَسِعَ علمُهٗ كلَّ شيءٍ ومنه حَالِيْ وحَالُكم عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ احْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا
بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ الحَاكِمِين وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ اى قَالَ بَعْضُهم لبعض لَئِنِ لامُ
قسمٍ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزَّلزَلَةُ الشديدةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ بَارِكِيْنَ
على الركبِ مَيِّتِيْنَ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا مبتدأٌ، خَبَرُهٗ كَاَنْ مخفّفةٌ واسمُها محذوفٌ اى كانهم لَّمْ يَغْنَوْا
يُقِيْمُوْا فِيْهَا فى دِيَارِهم اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ التاكيدُ بِاِعَادَةِ الموصولِ وغيرِه للردِّ
عليهم فى قولِهم السابق فَتَوَلّٰى اَعْرَضَ عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فلم تُؤمِنُوْا
فَكَيْفَ اٰسٰى اَحْزَنُ عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ استفهام بمعنى النفيِ.

ترجمہ: حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے ایمان کے مقابلہ میں تکبر کیا، کہا اے شعیب ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے اِلّا یہ کہ تم ہمارے دین (دھرم) میں واپس آجاؤ، خطاب میں جمع کو واحد پر غلبہ دیا ہے، اسلئے کہ شعیب علیہ الصلاۃ والسلام ان کے دین پر ہرگز نہ تھے اور اسی (تغليب الجمع على الواحد) کے طور پر شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی جواب میں فرمایا، کیا ہم اس دین میں لوٹ آئیں اگرچہ ہم اس کو ناپسند کرتے ہوں (یہ) استفہام انکاری ہے واللہ اگر تمہارے دین میں واپس آگئے تو ہم نے اللہ پر جھوٹی تہمت لگائی بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی، ہرگز ہمارے لئے روا نہیں کہ ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں اِلا یہ کہ ہمارے پروردگار اللہ ہی کو یہ منظور ہو کہ وہ ہم کو رسوا کرے ہمارے رب کا علم ہر شئی کو محیط ہے اسی میں میرا اور تمہارا حال بھی شامل ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کہا قسم ہے اگر تم نے شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی بات مان لی تو تم بڑا نقصان اٹھاؤ گے، تو ان کو ایک شدید زلزلہ نے آپکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یعنی) گھٹنوں کے بل مردہ پڑے رہ گئے، جنہوں نے شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہوئی کہ گویا وہ ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے (اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا) مبتداء ہے اور كَانَ الخ اس کی خبر ہے، كَاَنْ مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، اى كَاَنَّهُمْ، جنہوں نے شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی تھی وہ خسارے میں پڑ گئے موصول وغیرہ کا اعادہ کرکے تاکید ہے ان کے قول سابق کی تردید کے لئے، اس وقت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام منہ موڑ کر چل دیئے، اور آپ نے فرمایا اے میری قوم میں اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا چکا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر بھی تم ایمان نہیں لائے، اب میں کافر لوگوں پر کیسے افسوس کروں جو (قبول حق سے) منکر ہیں، استفہام بمعنی نفی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَغَلَّبُوْا فی الخِطَابِ الجمعُ علی الوَاحِدِ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ قوم شعیب کے سرداروں کے قول، اَوْ لتعودُنَّ، سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوائے نبوت سے پہلے اپنے قومی مذہب پر تھے، اسلئے کہ عَوْد حالت سابقہ کی طرف لوٹنے کو کہتے ہیں حالانکہ نبی سے کفر کا صدور محال ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو لوگ ایمان لائے تھے وہ چونکہ ایمان لانے سے پہلے اپنے قومی مذہب بت پرستی پر تھے اس لئے ان کے اعتبار سے قوم کے سرداروں نے تغلیباً حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان کے ساتھ شریک کرکے لَتعودُن، جمع کا صیغہ استعمال کیا، ورنہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کفر کا صدور نہیں ہوا۔

قولہ: وعَلٰی نَحْوِہٖ اَجَابَ، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان عدنا فرما کر خود اقرار کرلیا کہ وہ خود بھی قوم کے مذہب پر تھے، اس کا جواب مفسر علاّم نے وعلی نحوہٖ اجاب کہہ کر دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تغلیباً قوم میں شامل کرکے لَتعودُن، کہا تھا، اسی طرح حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تغلیباً اِنْ عُدنا، فرمایا۔

قولہ: فیَخْذُلُنا، اس میں اشارہ ہے کہ یَشَاءَ کا مفعول محذوف ہے اور وہ خذلان ہے نہ کہ مطلق شئی۔

قولہ: ای وَسِعَ علمہٗ، اس میں اشارہ ہے کہ علمًا فاعل سے منقول ہوکر تمیز ہے۔

قولہ: التاکِیْدُ باِعادَۃِ المَوْصُوْلِ اس عبارت میں اس شبہ کو دور کردیا کہ الذین کذبوا شعیبًا کہنے کے بجائے، اَنّھم کانوا ھم الخسرون کہتے تو زیادہ بہتر رہتا اعادۂ موصول کی ضرورت نہیں تھی ضمیر کافی تھی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان کی صفت کفر کی تاکید کے لئے موصول کا اعادہ کیا گیا ہے، ضمیر میں یہ بات نہ ہوتی۔

قولہ: وَغَیْرِہٖ لِلرَّدِّ عَلَیْھِم فی قَوْلِھِم السَّابِقِ، یعنی موصول کے اعادہ سے ان کی صفت کفر کی تاکید ہوئی ہے اسی طرح جملہ سابقہ کی طرح اس جملہ کو بھی مستقل اور اسمیہ لاکر سابق جملہ کے مضمون کی مزید تاکید ہوگئی۔

تفسیر و تشریح

قَالَ المَلَأُ الَّذِیْنَ استکبروا، ان سرداروں کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف ایمان وتوحید کی دعوت ہی کو رد نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کرکے اللہ کے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب میں واپس آجاؤ نہیں تو ہم تمہیں یہاں سے نکالدیں گے، اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے کیونکہ انہوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا، لیکن حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ملت آبائی کی طرف لوٹنے کی

دعوت اس لحاظ سے دی تھی کہ وہ انہیں بھی دعوت وتبلیغ سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے گو حقیقتاً ایسا نہ تھا، یا بطور تغلیب کے ان کو بھی شامل کرلیا ہو، اسلئے کہ پیغمبر بعثت سے پہلے اپنی قوم کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا سکوت اختیار کرتا ہے اس لئے قوم قدرۃً اس کو بھی اسی مذہب میں شامل سمجھتی ہے۔

فَاخذتهم الرجفةُ فاصبحوا فی دارهم جٰثمین، قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی امت کے عذاب کا تذکرہ تین مقامات پر آیا ہے، ایک یہاں یعنی سورۂ اعراف میں زلزلہ کا ذکر ہے ایک سورۂ ہود میں آسمانی چیخ کا ذکر ہے، اور ایک سورۂ شعراء میں عذاب کے بادل کا ذکر ہے جس میں سے آگ برسی تھی، یہ تینوں عذاب ایک ساتھ اس طرح آئے کہ وہ لوگ اپنے گھروں میں تھے تو زلزلہ آیا جب گھروں سے باہر نکلے تو سخت گرمی معلوم ہوئی تو بادل کی شکل کا آسمان پر ایک ٹکڑا نظر آیا جس کا گھنا سایہ تھا پہلے ایک شخص اس سایہ میں گیا اس نے آکر سایہ کی ٹھنڈک کی تعریف کی، لوگ اس کی تعریف سنکر اس بادل کے سایہ میں چلے گئے اسی دوران آسمان سے ایک سخت چیخ کی آواز آئی اور پھر اسی بادل سے آگ برسی جس سے سب لوگ ہلاک ہوگئے۔

مدین کی تباہی مدتہائے دراز تک آس پاس کی قوموں میں ضرب المثل رہی ہے چنانچہ زبور میں ایک جگہ آیا ہے کہ "اے خدا، فلاں فلاں قوموں نے تیرے خلاف عہد کیا ہے لہٰذا تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کر جو تو نے مدیان کے ساتھ کیا تھا"۔ (۸۳۔۔۵تا۹)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ فَكَذَّبُوْهُ **اِلَّآ اَخَذْنَآ** عَاقَبْنَا **اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ** شدةِ الفقر **وَالضَّرَّآءِ** المَرَض **لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾** يتذلَّلُوْنَ فيُؤْمِنُوْنَ **ثُمَّ بَدَّلْنَا** اعطيْنَا هم **مَكَانَ السَّيِّئَةِ** العذاب **الْحَسَنَةَ** الغنٰى والصحّة **حَتّٰى عَفَوْا** كثُرُوْا **وَّقَالُوْا** كفرًا لِلنِّعمةِ **قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ** كما مَسَّنا و هذه عادة الدّهر وليست بعقوبةٍ من اللهِ فكُوْنُوا على ماانتم عليه قالَ تعالىٰ **فَاَخَذْنٰهُمْ** بالعذاب **بَغْتَةً** فُجاءَةً **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾** بوقتِ مَجِيْئِه قبلَهٗ **وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى** المُكَذِّبِيْنَ **اٰمَنُوْا** باللّٰهِ ورُسُلِهم **وَاتَّقَوْا** الكُفرَ والمَعَاصِيَ **لَفَتَحْنَا** بالتخفيف والتشديد **عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ** بالمطرِ **وَالْاَرْضِ** بالنباتِ **وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا** الرُّسُلَ **فَاَخَذْنٰهُمْ** عاقبْناهم **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى** المُكَذِّبُوْنَ **اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا** عذابُنا **بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾** ليلاً غَافِلُوْنَ عنه **اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى** نهارًا **وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ** استدراجه اياهم بالنعمةِ واَخذهم بَغْتَةً **فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾**

ترجمہ: اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور انہوں نے اس کی تکذیب ہو مگر یہ کہ ہم نے اس بستی کے رہنے والوں کو فقر کی سختی اور مرض کی تکلیف میں نہ پکڑا ہو تا کہ وہ عاجزی کرنے لگیں اور ایمان لے آئیں، پھر ہم نے ان کی بدحالی عذاب کو خوشحالی غنٰی اور صحت سے بدل دیا یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی (یعنی ان کی جان ومال میں کثرت ہوئی) اور نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے کہنے لگے جس طرح ہم پر آئے ہیں ہمارے اسلاف پر بھی اچھے برے دن آتے ہی

رہے ہیں زمانہ کا یہی دستور ہے، یہ اللہ کی جانب سے سزا نہیں ہے لہٰذا جس مذہب پر تم ہو اسی پر قائم رہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا ان کو پہلے سے اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی اور اگر تکذیب کرنے والے بستی کے لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آتے اور کفر و معاصی سے اجتناب کرتے تو ہم ان پر آسمان کے بارش کی صورت میں اور زمین کے نباتات (روئیدگی) کی شکل میں برکتوں کے دروازے کھول دیتے (لفتحنا) تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے، مگر انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا، کیا پھر بھی ان بستیوں کے تکذیب کرنے والے باشندے اس بات سے مامون ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات میں آجائے کہ وہ سوئے ہوں (یعنی) غافل ہوں اور کیا ان بستیوں کے باشندے اس بات سے بےفکر ہو گئے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جبکہ وہ کھیلوں میں مشغول ہوں کیا یہ لوگ اللہ کی چال (یعنی) نعمت کے ذریعہ بتدریج پکڑ اور اچانک پکڑ سے بےخوف ہو گئے ہیں، سو اللہ کی چال سے بجز اس کے کوئی بےخوف نہیں ہوا کہ جس کی شامت آگئی ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ، یہ جملہ مستانفہ ہے، مخصوص امتوں کے واقعات بیان کرنے کے بعد یہاں سے اللہ کی عام عادت اور عام دستور کو بیان کیا جا رہا ہے۔

قولہ: یضّرّعون، یہ اصل میں تاء کو ضاد سے بدل کر ضاد کو ضاد میں ادغام کر دیا، یضّرّعون ہو گیا۔

قولہ: اِسْتِدْرَاجَہٗ ایاھم استدراج کسی کام کو بتدریج کرنا، مکر کے معنی دھوکا، فریب کے ہیں اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں ہے، یہاں مکر سے استدراج بالاستعارہ مراد ہے یعنی بتدریج نعمت وصحت کے ذریعہ ڈھیل دیکر گرفت میں لینا کہ گرفتہ کو احساس نہ ہو۔

قولہ: عَفَوْا، (ن) سے عَفُوٌّ، بڑھنا ماضی جمع مذکر غائب، اس کے معنی کم ہونے کے بھی آتے ہیں یہ اضداد میں سے ہے عَفَوْا، کثروا نموا فی انفسھم واموالھم، یقال عفا النبات، وعفا الشحم والوبر اذا کثرت ویقال، عفا، کثر، وعفا: درسَ ھومن اسماء الاضداد. (اعراب القرآن للدرویش)

قولہ: الباس اور بؤسٌ فقر وفاقہ، ضرٌّ اور ضرّاء، جسمانی تکلیف، مرض، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہی معنی منقول ہیں۔

تفسیر و تشریح

سابقہ آیات میں پانچ حضرات انبیاء کے واقعات کا بیان ہوا ہے، قرآن کریم کا مقصد واقعات بیان کرنے سے کچھ قصہ خوانی نہیں ہوتا بلکہ واقعہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس کو عبرت ونصیحت کے لئے بیان کرنا ہوتا ہے، سابق میں ایک ایک

نبی کا الگ الگ واقعہ اور اس کا نتیجہ بیان کرنے کے بعد اب وہ جامع ضابطہ بیان کیا جارہا ہے جو ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے موقع پر اختیار فرمایا ہے وہ یہ کہ جب کسی قوم میں کوئی نبی بھیجا گیا تو پہلے اس قوم کے خارجی ماحول کو قبول دعوت کے لئے سازگار بنانے کیلئے تنبیہات وترغیبات سے کام لیا گیا یعنی ان کو فقر وفاقہ نیز مصائب وآفات میں مبتلا کیا گیا، تاکہ ان کا دل نرم پڑے اور شیخی وتکبر سے اکڑی ہوئی گردنیں کچھ نرم پڑیں، ان کا غرور طاقت اور نشۂ دولت دور ہو، جب اس سازگار ماحول میں بھی ان کا دل قبول حق کی طرف مائل نہیں ہوتا، تو ان کو خوشحالی کے فتنہ میں گرفتار کیا جاتا ہے یہیں سے ان کی بربادی کی تمہید شروع ہوتی ہے، ان کی تنگدستی کو فراخ دستی سے بدحالی کو خوشحالی سے بیماری کو صحت وعافیت سے بدل دیا جاتا ہے، تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، مگر جب وہ نعمتوں سے مالا مال ہونے لگتی ہے تو اپنے برے دن بھول جاتی ہے اور ان کے کج فہم رہنما تاریخ کا یہ احمقانہ تصور ذہن میں بٹھا دیتے ہیں کہ حالات کا اتار چڑھاؤ اور قسمت کا بناؤ بگاڑ کسی قادر وحکیم کے انتظام میں اخلاقی بنیادوں پر نہیں ہے بلکہ خارجی اور داخلی اسباب سے کبھی اچھے اور کبھی برے دن آتے ہی رہتے ہیں، لہٰذا مصائب وآفات کے نزول سے کوئی اخلاقی سبق لینا اور کسی ناصح کی نصیحت قبول کرکے خدا کے آگے زاری وتضرع کرنے لگنا بجز ایک طرح کی نفسیاتی کمزوری کے کچھ نہیں یہی وہ احمقانہ ذہنیت ہے جس کا نقشہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں کھینچا ہے، لا یزال البلاء بالمؤمن حتی یخرج نقیاً من ذنوبه، والمنافق مَثَلُهُ کمثل الحمار لایدری فیما رَبَطَهُ اهله ولافیمَ اَرْسلوهُ، (ترمذی کتاب الزهد ماجاء فی الصبر علی البلاء المستدرك للحاکم ۴۹۷)، یعنی مصیبت مومن کی تو اصلاح کرتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس بھٹی سے نکلتا ہے تو ساری کھوٹ صاف ہوکر نکلتا ہے لیکن منافق کی حالت بالکل گدھے کی سی ہوتی ہے جو کچھ نہیں سمجھتا کہ اس کے مالک نے کیوں اسے باندھا تھا اور کیوں اسے کھول دیا، پس جب کسی قوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ مصائب سے اس کا دل خدا کے آگے جھکتا ہے اور نہ نعمتوں پر وہ شکر گذار ہوتی ہے تو ایسی قوم کسی حال میں اصلاح قبول نہیں کرتی ہے۔

آپ کے زمانہ کے حالات اور سورۂ اعراف:

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جس ضابطہ کا ذکر فرمایا ہے ٹھیک یہی ضابطہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے موقع پر بھی برتا گیا، اور شامت زدہ قوموں کے جس طرز عمل کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ٹھیک وہی طرز عمل سورۂ اعراف کے نزول کے زمانہ میں اہل مکہ سے ظاہر ہورہا تھا، حدیث میں عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں کی متفقہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد جب قریش کے لوگوں نے آپ کی دعوت کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنا شروع کیا تو آپ ﷺ نے دعاء کی کہ خدایا، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جیسا ہفت سالہ قحط پڑا تھا ویسے ہی قحط سے ان لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سخت قحط میں مبتلا کردیا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ مردار کھانے لگے چمڑے ہڈیاں تک کھا گئے آخر کار مکہ کے لوگوں نے جن میں ابوسفیان پیش پیش تھا حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے خدا سے

دعاء کیجئے، آپ نے دعاء فرمائی اور آپ کی دعاء کی برکت سے اللہ نے وہ برا وقت ٹال دیا اور بھلے دن آئے تو ان لوگوں کی گردنیں پہلے سے زیادہ اکڑ گئیں، اور جن کے دل کچھ پسیج گئے تھے ان کو بھی اشرار قوم نے یہ کہہ کر ایمان سے روکنا شروع کر دیا کہ میاں یہ تو زمانہ کا اتار چڑھاؤ ہے پہلے بھی آخر قحط آتے ہی تھے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس مرتبہ ذرا لمبا قحط پڑ گیا لہٰذا ان چیزوں سے دھوکا کھا کر محمد ﷺ کے پھندے میں نہ پھنس جانا یہ باتیں اس زمانہ میں ہو رہی تھیں جب سورۂ اعراف نازل ہو رہی تھی، اس لئے قرآن مجید کی یہ آیات ٹھیک اپنے موقع پر چسپاں ہیں۔

اَوَلَمْ یَهْدِ یَتَبَیَّنُ **لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ** بالسُّکْنٰی **مِنْۢ بَعْدِ** ھَلَاکِ **اَھْلِھَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰھُمْ** فاعلٌ مخففة واسمُها محذوفٌ ای اَنَّهٗ بالعذابِ **بِذُنُوْبِھِمْ** کما اَصَبْنٰهم مَنْ قبلهم والهمزةُ فی المواضعِ الاَربعةِ للتوبیخِ والفاءُ والواو الدَّاخِلَةُ علیها لِلعَطفِ وفی قراءةٍ بسکون الواو فی الموضع الاوَّلِ عَطفًا باَوْ **وَ** نحن **نَطْبَعُ** نَختِمُ **عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ المَوْعِظَةَ سَماعَ تدبُّرٍ **تِلْكَ الْقُرٰی** التی مرَّ ذِکرُها **نَقُصُّ عَلَیْكَ** یا محمدُ **مِنْ اَنْۢبَآئِھَا** اَخبارِ اَهلِها **وَلَقَدْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ** المُعجِزاتِ الظَّاهِراتِ **فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا** عند مَجیئِهم **بِمَا کَذَّبُوْا** کفَرُوا به **مِنْ قَبْلُ** قبلَ مَجیئِهم بَل استَمَرُّوا علی الکفرِ **کَذٰلِكَ** الطبعِ **یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ** ﴿۱۰۱﴾ **وَمَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِھِمْ** ای الناسِ **مِّنْ عَھْدٍ** ای وَفاءٍ بعهدِهم یومَ اَخذِ المیثاقِ **وَاِنْ** مخففةٌ **وَّجَدْنَآ اَکْثَرَھُمْ لَفٰسِقِیْنَ** ﴿۱۰۲﴾ **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِھِمْ** ای الرُّسُلِ المذکورین **مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ** التِسعِ **اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ** قومِهٖ **فَظَلَمُوْا** کفَرُوا **بِھَا فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ** ﴿۱۰۳﴾ بالکفرِ من اهلاکِهم **وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۱۰۴﴾ الیك فکَذَّبَهٗ فقالَ انا **حَقِیْقٌ** جدیرٌ **عَلٰٓی اَنْ** ای بان **لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ** وفی قراءةٍ بتشدیدِ الیاءِ فحَقِیْقٌ مبتدأٌ خبرُهٗ ان وما بعدَهٗ **قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ** الی الشام **بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** ﴿۱۰۵﴾ وکان استَعْبَدَهم **قَالَ** فرعونُ له **اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ** علی دَعْوَاكَ **فَاْتِ بِھَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ** ﴿۱۰۶﴾ فیها **فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ** ﴿۱۰۷﴾ حَیَّةٌ عظیمةٌ **وَّنَزَعَ یَدَهٗ**
ع ۱۳ ۴ اَخرَجَها من جَیبِهٖ **فَاِذَا ھِیَ بَیْضَآءُ** ذاتُ شُعاعٍ **لِلنّٰظِرِیْنَ** ﴿۱۰۸﴾ خلافَ ما کانت علیه من الاُدْمَةِ.

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں پر کہ جو زمین کے سابق مالکان کی ہلاکت کے بعد سکونت کے اعتبار سے زمین کے وارث بنے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب میں پکڑ لیں أن مع اپنے مابعد (لو نشاءُ) کے یَھْدِ کا فاعل ہے اور أن مخففہ عن الثقیلہ ہے اور (أنْ) کا اسم محذوف ہے تقدیر عبارت أنَّهٗ ہے، جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو پکڑ لیا، ہمزہ چاروں جگہ توبیخ کے لئے ہے اور جو فاء اور واؤ اس پر داخل ہیں عطف کے لئے ہیں ایک قرأت میں واؤ کے سکون کے ساتھ ہے، پہلی جگہ اَوْ کے ذریعہ عطف کرتے ہوئے، اور ان کے دلوں پر مہر (بند) لگا دیں کہ وہ نصیحت کو غور و فکر کے

خیال سے نہ سن سکیں اے محمد مذکورہ بستیوں کے باشندوں کے کچھ واقعات ہم آپ کو سنا رہے ہیں ان کے رسول ان کے پاس کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے مگر جس چیز کا پہلے انہوں نے انکار کر دیا پھر وہ اس چیز کے پیش آنے کے بعد اس چیز کو ماننے والے نہیں تھے بلکہ وہ اس کا انکار ہی کرتے رہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا (پاس) نہ پایا یعنی یوم میثاق کے عہد کی وفا نہ پائی، اور ہم نے اکثر لوگوں کو حد سے تجاوز کرنے والا ہی پایا اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے، مذکورہ رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری نو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے ان کا انکار کیا تو دیکھئے، کفر کی وجہ سے ان مفسدوں کا کیسا انجام ہوا (یعنی) ان کی ہلاکت، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے فرعون میں رب العٰلمین کی طرف سے تیری طرف بھیجا ہوا ہوں مگر فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا، میرے لئے یہی مناسب ہے کہ بجز سچ کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں اور ایک قراءت میں عَلیٰ کے بجائے عَلَیَّ تشدید کے ساتھ ہے، اس صورت میں حقیق مبتداء ہوگا اور أن اور اس کا مابعد اس کی خبر، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل لے کر آیا ہوں سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ شام بھیج دے اور (فرعون) نے ان کو غلام بنا رکھا تھا، فرعون نے کہا اگر تم اپنے دعوے پر کوئی دلیل لے کر آئے ہو تو پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا عصاء ڈال دیا تو وہ دفعۃً ایک بڑا اژدھا بن گیا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (گریبان میں اپنا ہاتھ داخل کر کے) نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کی نظر میں اپنے گندم گونی رنگ کے برخلاف روشن چمکدار تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یَتَبَیَّنَ.

سوال: یَهْدِ کا صلہ لام نہیں آتا یہاں، لِلَّذِیْنَ، میں یهد کا صلہ لام استعمال ہوا ہے۔

جواب: مفسر علام نے یَهْدِ کی تفسیر یَتَبَیَّنَ، سے کر کے اسی شبہ کا جواب دیا ہے، یعنی یَهْدِ یتبیَّنَ کے معنی میں ہے اور یتبیَّنَ کا صلہ لام آتا ہے۔

قولہ: بالسکنیٰ.

سوال: لفظ سکنیٰ کا اضافہ کس مقصد سے کیا ہے؟

جواب: چونکہ ملک کا تحقق محض سابق قوم کی ہلاکت سے نہیں ہوتا اس کیلئے سکونت اور قبضہ ضروری ہے، اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے لفظ سکنیٰ کا اضافہ کیا ہے۔

قولہ: أن فَاعِلٌ، أن اپنے مابعد سے مل کر یَهْدِ کا فاعل ہے، نَهْدِ نون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، نون کی قراءت کی صورت میں اللہ فاعل ہوگا، اور نهد کا مفعول أنْ لو نشاءُ اَصَبْنَاهم بذنوبِهِمْ ہوگا، ای أنَّ الشان هو هذا، اور یَهْدِ، یاء کی قراءت

کی صورت میں فاعل، أن لو نشاءُ اَصَبْنَاهم بذنوبهم ہے، (تسہیل) أنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے ای أنّهٗ، اور جملہ لَوْ نشاءُ اس کی خبر، أنّ اور اس کا مابعد یَهْدِ کا فاعل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یَهْدِ کا فاعل اس میں ضمیر مستتر ہو اور اس ضمیر کا مرجع وہ ہوگا جو سیاق کلام سے مفہوم ہے، ای اَوَلم یَهْدِ ماجری للامم السابقة، اس صورت میں أن اور اس کا مابعد بتاویل مصدر ہو کر محل میں مفعول کے ہوگا، پہلی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَوَلم یَهدِ اللّٰه ویبین للوارثین مآلهم وعاقبة امرهم اصابتنا اِیّاهم بذنوبهم ویکون المفعول به محذوفًا کما قدرناه، اور ثانی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَوَلم یُبین فی وضح اللّٰه ماجریٰ لِلامم اَصابتنا اِیّاهم لو نشاء ذلك.

قولہ: فی مَوَاضِعِ الاَرْبَعَةِ ان میں پہلا اَفَاَمِنَ اهل القریٰ ہے اور آخری اَوَلم یَهْدِ ہے، دو فاء کے ساتھ ہیں اور دو واؤ کے ساتھ۔

قولہ: الوَاوُ الدَاخِلَةُ عَلَیها لِلعَطْفِ.

سوال: ہمزہ استفہام کا حرف عطف پر داخل ہونا منع ہے۔

جواب: ممانعت عطفِ مفرد علی المفرد میں ہے نہ کہ عطفِ جملہ علی الجملہ میں اسلئے کہ جملہ بعد الجملہ کلام مستانف ہوتا ہے۔

تفسیر وتشریح

اَوَلَمْ یَهْدِ للذِیْنَ یرثون الارضَ (الآیة) یہاں ایک بات تو یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جس طرح گذشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا، ہم چاہیں تو تمہیں بھی تمہاری بداعمالیوں کے صلہ میں ہلاک کر دیں، دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز سننے کے لئے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے نصیحت اور انذار ان کیلئے سب بیکار و بے اثر ہوتے ہیں۔

قوموں کی تاریخ سے سبق:

ہلاک و برباد ہونے والی قوم کی جگہ جو دوسری قوم آتی ہے اس کے لئے اپنی پیش رو قوم کے زوال میں کافی رہنمائی موجود ہوتی ہے اور اگر عقل سے کام لے تو سمجھ سکتی ہے کہ کچھ مدت پہلے جو لوگ اس جگہ داد عیش دے رہے تھے اور جن کی عظمت کا جھنڈا یہاں لہرا رہا تھا انھیں فکر و عمل کی کن غلطیوں نے برباد کیا؟ اور یہ بھی محسوس کر سکتا ہے کہ جس بالا اقتدار نے کل انھیں ان کی غلطیوں پر پکڑا تھا اور ان سے یہ جگہ خالی کرائی تھی وہ آج کہیں چلا نہیں گیا، اور نہ اس سے کسی نے یہ مقدرت چھین لی ہے کہ اس جگہ کے موجودہ ساکنین اگر وہی غلطی کریں جو سابق ساکنین کر رہے تھے تو وہ ان سے بھی اسی طرح جگہ خالی نہ کرا سکے گا جس طرح ان سے خالی کرائی تھی۔

ونطبعُ علی قلوبهم فهم لا یسمعون، جب کوئی قوم تاریخ اور عبرتناک سبق آموز آثار و مشاہدات سے سبق نہیں لیتی

اور اپنے آپ کو خودفریبی میں مبتلا رکھتی ہے تو پھر خدا کی طرف سے بھی انھیں سوچنے سمجھنے اور کسی ناصح کی نصیحت سننے کی توفیق نہیں ملتی خدا کا قانون فطرت یہی ہے کہ جو اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس کی بینائی تک آفتاب کی روشن کرنیں نہیں پہنچ سکتیں اور جو خود سننا نہ چاہے بھلا اسے کوئی سنا سکتا ہے؟

وَلَقَدْ جاءَ تهم رُسُلُهم بالبینٰتِ (الآیة) اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جب پیغمبر خدا کا پیغام لے کر اسکے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے، یہی جرم ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا، اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو آئندہ جملے میں مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لا کثرهم مِن عهد وان وجدنا اکثرهم لفٰسِقین، اس عہد سے بعض نے عہد الست مراد لیا ہے، جو عالم ارواح میں لیا گیا تھا، اور بعض نے ہر قسم کا عہد مراد لیا ہے، یعنی ان لوگوں نے کسی قسم کے عہد کا پاس لحاظ نہیں کیا، نہ اس فطری عہد کا جس میں پیدائشی طور پر ہر انسان خدا کا بندہ اور پروردہ ہونے کی حیثیت سے بندھا ہوا ہے، نہ اس اجتماعی عہد کا پاس جس میں ہر فرد و بشر انسانی برادری کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے بندھا ہوا ہے، اور نہ اس ذاتی عہد کا پاس جو آدمی مصیبت اور پریشانی کے لمحوں میں یا کسی جذبۂ خیر کے موقع پر خدا سے بطور خود باندھا کرتا ہے ان ہی تینوں عہدوں کو توڑنے کو یہاں فسق کہا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا عہد سے مراد عہد ایمان و طاعت ہے۔

یہاں تک پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کے پانچ واقعات بیان کر کے موجودہ لوگوں کو ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے تنبیہات فرمائی گئی ہیں، اس کے بعد چھٹا قصہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس میں واقعات کے ضمن میں سینکڑوں احکام و مسائل اور عبرت و نصیحت کے بے شمار مواقع ہیں اور اسی لئے قرآن کریم میں اس واقعہ کے اجزاء بار بار دہرائے گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ:

ثم بَعَثْنَا مِن بعدهم موسیٰ باٰیٰتِنا الی فرعون وَمَلَائِهٖ، یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے، جو مذکورہ انبیاء کے بعد آئے اور بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں جنہیں فرعونِ مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دیکر بھیجا گیا تھا، بنی اسرائیل اصالۃً ملک شام کے علاقہ فلسطین میں کنعان کے رہنے والے تھے، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے مصری وزارت مالیات کے زمانہ میں اپنے خاندان کو مصر بلا لیا تھا، یہ لوگ مصر آ کر آباد ہو گئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، اسی خاندان بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے آپ کو معجزے دیکر بھیجا گیا۔

فرعون موسیٰ کون تھا:

فرعون شاہان مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے، لفظ فرعون کے معنی ہیں سورج دیوتا کی اولاد، قدیم اہل مصر سورج کو جوان کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھا، رَع کہتے تھے اور لفظ فرعون اسی کی طرف منسوب تھا، مصر کا حاکم اور فرمانروا خود کو اسی کا جسمانی مظہر اور نمائندہ ہونے کا دعویدار ہوتا تھا، اسی لئے مصر میں جو خاندان برسر اقتدار آتا تھا وہ اپنے آپ کو سورج ونسی بنا کر پیش کرتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں بھی بہت سے خاندان خود کو سورج ونسی اور چندرونسی بتاتے ہیں۔

تین ہزار قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک فراعنہ کے اکتیس (۳۱) خاندان مصر پر حکمراں رہے ہیں اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا فرعون کون ہے؟ عام مؤرخین عرب اور مفسرین اس کو عمالقہ کے خاندان کا فرد بتاتے ہیں، کسی نے اس کا نام ولید بن ریان بتایا ہے اور کوئی مصعب بن ریان بتاتا ہے ارباب تحقیق کی رائے ہے کہ اس کا نام ریان تھا، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کی کنیت ابومرہ تھی یہ سب اقوال قدیم مؤرخین کی تحقیقی روایات پر مبنی ہیں، مگر اب جدید مصری اثری تحقیقات اور حجری کتبات کے پیش نظر اس سلسلہ میں دوسری رائے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا فرعون ریمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے جس کا دور حکومت ۱۲۹۲ اق م سے شروع ہو کر ۱۲۲۵ اق م پر ختم ہوتا ہے۔ (قصص القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کے سلسلہ میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے تھے اور جو بالآخر غرق ہوا موجودہ زمانہ کے محققین کا عام خیال یہ ہے کہ پہلا فرعون ریمسیس (رعمسیس) دوم تھا اور جس فرعون کا زیر تفسیر آیتوں میں ذکر ہے وہ ریمسیس دوم کا بیٹا منفتاح تھا، اسی بادشاہ نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا ان پر طرح طرح کے مظالم کرتا تھا جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

فرعون اور اس کے درباری امراء نے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کے سامنے یہ دوسرا مطالبہ رکھا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کردے تاکہ وہ اپنے آبائی وطن جا کر عزت واحترام کی زندگی بسر کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نو معجزے عطا کئے تھے ان میں سے دو عظیم معجزے، معجزۂ عصاء اور ید بیضاء، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب فرعون کے سامنے دلیل صداقت کے طور پیش کئے تو یہ معجزے دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے فرعون اور اس کے درباریوں نے معجزوں کو جادو قرار دیکر کہہ دیا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے جس سے اس کا مقصد تمہاری حکومت کو ختم کرنا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۹﴾ فائقٌ في علم السِّحْرِ وفي الشعراءِ انه من قول فرعونَ نفسِه فكأنَّهم قالوا معه على سبيل التشاوُرِ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ أخِّرْ أمْرَهُما وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۱۱۱﴾ جامعين يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ وفي قراءةٍ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿۱۱۲﴾ يَفْضُلُ موسٰى في علمِ السحرِ فَجَمَعُوا وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا أَئِنَّ بتحقيقِ الهَمْزَتَيْنِ وتسهيلِ الثانيةِ وإدْخالِ الف بينهما

على الوجهين لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ عصاك
وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ما معنا قَالَ اَلْقُوْا ۚ امرٌ للاذن بتقديم القائهم توسلًا به الى اظهار الحق
فَلَمَّآ اَلْقَوْا حبالهم وعصيهم سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وصرفوها عن حقيقة ادراكها وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ خوّفوهم
حيث خيّلوها حيّات تسعى وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ بحذف
احدى التائين من الاصل تبتلع مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يقلبون بتمويههم فَوَقَعَ الْحَقُّ ثبت وظهر
وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ من السحر فَغُلِبُوْا اى فرعون وقومه هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ صاروا ذليلين
وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ لعلمهم بان ما شاهدوه من العصا
لا يتأتّى بالسحر قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية الفا بِهٖ بموسى قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ انا
لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا الذى صنعتموه لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ما ينالكم منى
لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ اى يد كل واحد اليمنى ورجله اليسرى ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا بعد موتنا باى وجه كان مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ راجعون فى الاخرة وَمَا تَنْقِمُ تنكر مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا ۱۴ ع ۱۸ ۴
بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا عند فعل ما توعّده بنا لئلا نرجع كفارًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: قوم فرعون میں جو لوگ سردار تھے انہوں نے کہا واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے یعنی علم سحر میں ماہر ہے اور سورۂ الشعراء میں یہ قول فرعون کی طرف منسوب ہے، تو ہوسکتا ہے کہ لوگوں نے فرعون کے ساتھ مشورہ کے طور پر کہا ہو، اس کا مقصد تو یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیدیجئے یعنی (فی الحال) ان کے معاملہ کو ملتوی رکھئے، اور شہروں میں جمع کرنے والے ہرکاروں کو بھیجدیجئے کہ وہ آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لاکر حاضر کریں اور ایک قراءت میں سحّار ہے، کہ علم سحر میں جو فوقیت رکھتے ہوں، چنانچہ وہ جمع ہوگئے، وہ جادوگر فرعون کے پاس آئے اور عرض کیا اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا اصلہ (انعام) ملے گا (فرعون نے) کہا، ہاں، اور تم مقربین میں شامل ہوجاؤ گے، (جادوگروں نے) موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا اے موسیٰ (عصاء) تم (پہلے) ڈالتے ہو یا جو ہمارے پاس ہے ہم ڈالیں، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا تم ہی ڈالو (اَلْقُوْا) امر ان کو پہلے ڈالنے کی اجازت کے لئے ہے تاکہ پہلے ڈالنا اظہار حق کا وسیلہ بنے، (یہ امر حکم کے لئے نہیں ہے) جب انہوں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی یعنی آنکھوں کو حقیقت کے ادراک سے روکدیا، اور ان پر خوف طاری کردیا یعنی ان کو ایسا خوف زدہ کردیا کہ وہ (ان لکڑیوں اور رسیوں کو) دوڑتے ہوئے سانپ سمجھنے لگے، (اس طرح) انہوں نے ایک بڑا جادو پیش کیا، اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا کہ تم بھی اپنا عصاء ڈالو، تو اچانک اس نے ان کے بنائے ہوئے گورک دھندے کو نگلنا شروع کردیا (تلقفُ) اصل میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے معنی میں نگلنے کے ہے، (ما یأفکون) مراد جو وہ ہاتھ کی صفائی سے پیش کر

رہے تھے، حق ثابت اور ظاہر ہوگیا اور جو جادو انہوں نے پیش کیا تھا وہ جاتا رہا چنانچہ فرعون اور اس کی قوم موقع ہی پر ہار گئی، اور (خوب) ذلیل ہو کر واپس ہوئے یعنی خوب ذلیل و (خوار) ہوئے، اور جادوگر سجدہ میں گر گئے (جادوگر) کہنے لگے ہم رب العلمین پر ایمان لائے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و ہارون کا بھی رب ہے ان کو اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے کہ جو کچھ انہوں نے عصاءِ (موسیٰ) سے مشاہدہ کیا وہ جادو کے ذریعہ ممکن نہ تھا، فرعون کہنے لگا کہ کیا تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہو، بے شک یہ ایک خفیہ سازش تھی جس کو تم نے اس شہر میں عملی جامہ پہنایا تاکہ تم شہر کے باشندوں کو اس سے بے دخل کردو، اچھا تو اب تم کو عنقریب وہ نتیجہ معلوم ہو جائیگا، جو میری طرف سے ظاہر ہونے والا ہے، میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کٹوادوں گا یعنی ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر، پھر تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا انہوں نے جواب دیا بہر حال ہم کو مرنے کے بعد جس حالت میں بھی ہو اپنے رب کی طرف آخرت میں پلٹنا ہے اور تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آئیں (واضح ہوگئیں) تو ہم نے انکو مان لیا، اے ہمارے رب تو ہمارے اوپر صبر کا فیضان کر جب (فرعون) اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے تاکہ ہم حالتِ کفر کی طرف نہ پلٹ جائیں، اور ہم کو (دنیا سے) اس حال میں اٹھا کہ ہم فرمانبردار ہوں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: عَلٰی سَبِیْلِ التَشَاوُرِ، اس اضافہ کا مقصد سورۂ شعراء اور یہاں کے مضمون میں تطبیق دیکر تعارض کو دور کرنا ہے، اَخّر امرھا، ای لا تعجل فی قتلہٖ.

قولہ: مَا مَعَنَا، اس میں اشارہ ہے کہ الملقین کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: تَوَسُّلًا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ سحر جو کہ ایک ممنوع اور ناپسندیدہ چیز ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا کیوں حکم دیا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ امر نہ بطور ادب ہے اور نہ بطور حکم ہے بلکہ یہ امر برائے اجازت ہے اور اس اجازت کا مقصد بھی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ باطل کا ابطال اور حق کا اظہار ہو، یا فکون، یہ اِفك (ض) سے جمع مذکر غائب ہے یعنی پلٹنا، الافك صرف الشئ عن وجهه.

قولہ: اَرْجِہْ یہ ارجاء سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، اس کو ڈھیل دے اس میں ہ ضمیر مفعولی ہے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راجع ہے۔

تفسیر وتشریح

قال الملأ من قوم فرعونَ اِنَّ ھذا لَسٰحِرٌ علیم، لفظ مَلأ، کسی قوم کے بااثر سرداروں کے لئے بولا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ قوم کے سردار معجزات دیکھ کر کہنے لگے یہ تو بڑا ماہر جادوگر معلوم ہوتا ہے۔

سحراور معجزہ میں فرق:

اہل بصیرت اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جادو سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں وہ اسباب طبعیہ کے تحت ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتے اسلئے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام بغیر کسی سبب ظاہری کے ہوگیا، بخلاف معجزہ کے کہ اس میں اسباب طبعیہ کا مطلق کوئی دخل نہیں ہوتا وہ براہِ راست قدرت حق کا فعل ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں اس کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، "وَلٰکن اللّٰہ رمیٰ".

اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ اور سحر کی حقیقتیں بالکل مختلف ہیں حقیقت شناس کیلئے تو کوئی التباس کی وجہ نہیں عوام الناس کو التباس ہوسکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس التباس کو دور کرنے کیلئے بھی ایسے امتیازات رکھ دیئے ہیں کہ جس کی وجہ سے لوگ دھوکہ سے بچ جائیں۔ (معارف)

یرید اَن یُخرجکم مِن اَرْضکم، فرعون کے درباریوں اور قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ شخص عجیب وغریب ساحرانہ کرشمے دکھا کر عوام کو اپنی طرف مائل کر کے اور انجام کار ملک میں اثر ورسوخ کے ذریعہ ملک میں اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے، اور بنی اسرائیل کی آزادی اور حمایت کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصل باشندے ہیں ان کے ملک وطن مصر سے بے دخل کر کے خود قابض ہونا چاہتا ہے، اِن سب حالات کو پیش نظر رکھکر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہئے؟ باہمی مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ فرعون سے یہ درخواست کی جائے کہ ان دونوں (موسیٰ وہارون علیہما السلام) کے معاملہ میں جلدی نہ کی جائے، ان کا بہترین توڑ اور مؤثر جواب یوں ہوسکتا ہے کہ پورے ملک سے فن سحر کے ماہرین کو بلا کر جمع کیا جائے، ان سے ان کا مقابلہ کرایا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ساحرانِ فرعون نے "اِنَّ لنا لا جرًا" کہہ کر پہلے ہی قدم پر جتلا دیا اور زبان حال سے کہدیا کہ ہم تو طالب دنیا ہیں اور فن سحر ہم نے سیکھا ہی دنیا کمانے کے لئے ہے لہٰذا آپ بتائیں اگر ہم غالب آگئے جیسا کہ ہم کو یقین ہے تو ہمیں کچھ انعام واکرام بھی ملے گا؟ اس کے جواب میں فرعون نے کہا، انعام اکرام ہی نہیں بلکہ تم میرے مقربین خاص میں شامل ہوجاؤ گے۔

وَاُلقیَ السَّحرَۃ سٰجدین، عصاء موسیٰ جب سانپ بن کر ان کی تمام رسیوں کو نگل گیا اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کردیا جس سے جادوگروں کو تنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے، آخر کار فرعون کے لوگ اور خود فرعون بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل وخوار ہوکر میدان مقابلہ سے لوٹے، اور جادوگر خدا کی نشانی دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے کہتے ہیں کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام نے سجدۂ شکرادا کیا اسی وقت جادوگر بھی سربسجود ہوگئے، اُلقی السحرۃ، کا لفظ بتلا رہا ہے کہ کوئی قوی حال جادوگروں پر ایسا طاری ہوا جس کے بعد بجز خشوع خضوع اور استسلام کے کوئی چارہ نہیں رہا، رحمت الٰہیہ کا کیا کہنا جو لوگ ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کررہے تھے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی اولیاء اللہ اور عارف باللہ بن گئے۔

جو کچھ ہوا، فرعون کے لئے بڑا حیران کن اور غیر متوقع اور تعجب خیز تھا اس لئے اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا اس نے یہی کہہ دیا، کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو، تم نے ہمارے خلاف خفیہ سازش کی ہے تمہارا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے، اچھا

اس کا انجام عنقریب معلوم ہو جائیگا، یعنی جانب مخالف سے ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ کر اور پھر سولی پر چڑھا کر تمہیں نشانِ عبرت بنا دیا جائیگا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ له أَتَذَرُ تَتْرُكُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بالدُّعَاءِ الى مُخالَفَتِكَ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ وكان صَنَعَ لهم اَصْنامًا صِغارًا يَعْبُدُونَها وقال انا رَبُّكُم وربُّها ولذا قال انا رَبُّكم الاَعْلى قَالَ سَنُقَتِّلُ بالتَّشْدِيدِ والتَّخفِيفِ أَبْنَاءَهُمْ المَولُودِينَ وَنَسْتَحْيِي نَستَبقِي نِسَاءَهُمْ كفِعْلِنا بِهِم من قَبلُ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قادرون ففعلو بهم ذلك فشكى بَنُو اِسْرائِيلَ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا على اَذاهم إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا يُعطِيها مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ المَحْمُودَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾ اللّٰهَ قَالُوا قومُ مُوسى أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾ فيها.

ترجمہ: فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رکھے گا کہ تیری مخالفت کی دعوت دے کر ملک میں فساد پھیلائیں، اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں ان کے لئے چھوٹے بت بنا رکھے تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اور فرعون اس بات کا مدعی تھا کہ میں تمہارا بھی رب ہوں اور ان بتوں کا بھی، اور اسی وجہ سے اس نے کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں، فرعون نے کہا میں ان کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا (سَنُقَتِّلُ) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھوں گا، جیسا کہ ہم ان کے ساتھ ایسا پہلے بھی کر چکے ہیں اور یقیناً ہم ان کے اوپر قدرت رکھتے ہیں، فرعون نے ان کے ساتھ یہی معاملہ کیا چنانچہ بنی اسرائیل نے شکایت کی موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور ان کی ایذاء رسائی پر صبر کرو زمین اللہ کی ملک ہے وہ اس کو اپنے بندوں میں جس کو چاہے وارث بنائے، عطا فرمائے، اور بہتر انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے لوگوں نے کہا تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے پھر وہ دیکھے کہ تم زمین میں کیسا عمل کرتے ہو؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَيَذَرَكَ اس کا عطف يُفْسِدُوا پر ہے، أتَذَرُ موسىٰ میں استفہام انکاری ہے، مقصد فرعون کو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور اس کی قوم کے خلاف بھڑکانا ہے، اور وَيَذَرَكَ میں واؤ معیت کے لئے ہے اور يَذَرَكَ واؤ کے بعد ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے جواب استفہام ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: یَذَرُكَ، یَذَرُ، وَذَرٌ سے مضارع واحد مذکر غائب یہ اصل میں یَوْذِرُ تھا (ض) مضارع کا عمومی تلفظ (س) سے کیا جاتا ہے بمعنی چھوڑے۔

تفسیر و تشریح

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بقیہ قصہ مذکور ہے جس کی تفصیل اس سے پہلے رکوع میں گذر چکی ہے، فرعون حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ دیکھ کر متحیر رہ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا، سارا غصہ جادوگروں پر اتارا، اس پر قوم کے سرداروں کو کہنا پڑا، أَتَذَرُ موسیٰ وقومَهُ الخ، کیا آپ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہیں گے کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر ملک میں فساد برپا کرتے پھریں، اس پر مجبور ہو کر فرعون نے کہا سَنُقَتِّلُ ابنائهم الخ یعنی ان کے معاملہ میں ہمیں کچھ زیادہ فکر نہیں، ہم ان کے لئے یہ کام کریں گے کہ ان میں جو لڑکا پیدا ہوگا اس کو قتل کر دیں گے، صرف لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی قوم کچھ عرصہ بعد مردوں سے خالی ہو جائیگی، صرف عورتیں رہ جائیگی، جو ہماری خدمتگار باندیاں بن کر رہیں گی، قوم کے سرداروں کے متنبہ اور آگاہ کرنے کے بعد فرعون نے یہ تو کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے، لیکن حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بارے میں اس وقت بھی ایک لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلا وجہ یہ تھی کہ اس معجزہ اور واقعہ نے فرعون کے دل و دماغ پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخت ہیبت طاری کر دی تھی۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ فرعون جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتا تو پیشاب خطا ہو جاتا۔ (معارف)

قتل ابناء کے قانون کا دوسری مرتبہ نفاذ:

بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کیلئے قتل ابناء کا ظالمانہ قانون اب دوسری مرتبہ نافذ کیا گیا، اس کا پہلا دور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے زمانہ میں ہو چکا تھا جبکہ کاہنوں نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونیوالا ہے جس کے ہاتھ پر ملک کی بربادی اور تیری ہلاکت ہوگی اور دوسری مرتبہ قتل ابناء کا اس وقت حکم دیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے اور فرعون مقابلہ میں شکست کھا گیا۔

بنی اسرائیل کی گھبراہٹ اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں فریاد:

جب فرعون کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں شکست فاش ہوگئی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو کچھ نہ کہہ سکا مگر بنی اسرائیل پر غصہ اتارا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر کے عورتوں کو باقی رکھنے کا قانون بنا دیا تو بنی اسرائیل کو اس سے تشویش ہوئی گھبرائے ہوئے حضرت

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے بھی ہمارے اوپر یہ عذاب ڈھایا جاچکا ہے اور اب مبعوث ہونیکے بعد پھر وہی عذاب ڈھایا جانیوالا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پدرانہ شفقت اور پیغمبرانہ حکمت کے مطابق اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی ایک دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا دوسرے کشود کار تک صبر وہمت سے کام لینا، اس کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ صرف یہ کہ تمہاری پریشانی اور مصیبت کا خاتمہ ہو جائیگا بلکہ تم اس ملک کے مالک بھی بن جاؤ گے اور دلیل کے طور پر فرمایا، ''اِنَّ الارض للّٰہ یورثھا مَن یشاء من عبادہ والعاقبة للمتقین، مطلب یہ کہ ساری زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے گا زمین کا وارث و مالک بنائیگا، یہ بات طے ہے کہ انجام کار کامیابی وکامرانی متقیوں ہی کو ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ بالقَحطِ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ يَتَّعِظُوْنَ فيؤمنون
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ الخِصبُ والغنٰى قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ اى نَستحِقُّها ولم يَشكُرُوا عليها وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
جَدبٌ وبَلاءٌ يَّطَّيَّرُوْا يتشاءَمُوا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ من المُؤمِنِينَ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ شُؤمُهم عِنْدَ اللّٰهِ
يأتِيهم به وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ انَّ ما يُصِيبُهم من عِندِهِ وَقَالُوْا لموسٰى مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ
لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فدعا عليهم فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وهو ماءٌ دخل بُيُوتَهم ووَصَلَ
الى حُلُوقِ الجالِسِينَ سَبعَةَ ايام وَالْجَرَادَ فاكَلَ زَرعَهم وثِمارَهم كذٰلِكَ وَالْقُمَّلَ السُّوسُ اونوعٌ من
القُرادِ فتَتبعُ ماتَرَكَهُ الجَرادُ وَالضَّفَادِعَ فمَلأت بُيُوتَهم وطعامَهم وَالدَّمَ في مِياهِهِم اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ
مُبَيَّناتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا عن الايمان بها وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ العذابُ
قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ من كَشفِ العذاب عنا ان اٰمَنَّا لَئِنْ لامُ قسم كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ
لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا بدُعاءِ موسٰى عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ
اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ يَنقُضُونَ عَهدَهم ويُصِرُّونَ على كُفرهم فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ البحرِ الملح
بِاَنَّهُمْ بسَبَبِ انهم كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ لا يَتَدبَّرُونها وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا
يُسْتَضْعَفُوْنَ بالاستِعبادِ وهو بنو اسرائيلَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ بالماءِ والشجرِ صفةٌ
للارض وهي الشام وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى وهي قولُهٗ ونُرِيدُ ان نَّمُنَّ على الَّذِينَ استُضعِفُوا الخ
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ على اذى عدوّهم وَدَمَّرْنَا اَهلَكنا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ من العمارةِ
وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ بكسر الراءِ وضمِّها يَرفعون من البُنيان وَجٰوَزْنَا عَبَرنا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا
فمَرُّوا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ بضَمِّ الكافِ وكسرِها عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ يُقِيمُونَ على عِبادَتِها
قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا صنمًا نَعبُدُهٗ كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ حيث قابَلتُم نعمةَ اللهِ عليكم

بما قُلْتُمُوْهُ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ ھَالِكٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا معبودًا واصلُهٗ اَبْغِیْ لکم وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ فی زَمَانِكم بما ذَكَرَهٗ فی قولِهٖ وَ اذكر اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ وفی قراءةٍ اَنْجَاكم مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ يُكَلِّفُوْنَكم ويُذِيقُوْنَكم سُوْٓءَ الْعَذَابِ اَشَدَّهٗ وهو يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ يَسْتَبْقُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ الانجاءِ والعذابِ بَلَآءٌ انعامٌ اوابتلاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ افلا تَتَّعِظُوْنَ فَتَنْتَهُوْن عَمَّا قُلْتُم.

ترجمہ: ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط اور پیداوار کی کمی میں (کئی سال تک) مبتلا رکھا، تاکہ وہ نصیحت قبول کر کے ایمان لے آئیں، (مگر ان کا حال یہ تھا) جب خوشحالی شادابی اور مالداری کا زمانہ آجاتا تو کہتے ہم اسی کے مستحق ہیں، اور اس پر اللہ کا شکر نہ کرتے، اور جب ان پر بدحالی خشک سالی اور مصیبت کا زمانہ آتا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مومن ساتھیوں پر نحوست کا الزام دھرتے (حالانکہ) حقیقت یہ ہے کہ ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے اسی کی طرف سے آتی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ جو کچھ آتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے آتا ہے، انہوں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تم ہم کو مسحور کرنے کے لئے کیسی بھی نشانی لاؤ ہم آپ کی بات کا یقین کرنے والے نہیں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے بددعاء کردی، تو ہم نے ان پر طوفان بھیجا، اور وہ اسقدر پانی تھا کہ ان کے گھروں میں داخل ہوگیا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کے گلے تک پہنچ گیا، اور یہ صورت حال سات دنوں تک رہی، اور ٹڈیاں بھیجیں جو ان کی کھیتیوں اور پھلوں کو کھا گئیں، اور سُرسُریاں بھیجیں یا مراد چچڑی کی کوئی قسم ہے، مطلب یہ کہ ٹڈیوں سے جو کچھ بچا وہ سُرسُریوں نے صاف کردیا، اور مینڈک بھیجے جو ان کے گھروں اور کھانوں میں بھر گئے، اور ان کے پانیوں میں خون کی آمیزش کردی (یہ سب) کھلے کھلے معجزے تھے، ان معجزوں پر ایمان لانے سے اعراض کیا اور یہ تھے ہی مجرم لوگ، اور جب ان پر بلا نازل ہوتی تو کہتے اے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے ذریعہ کہ جس کا اس نے آپ سے عہد کیا ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے بلاء کو ہٹا دے گا دعاء کیجئے لئن میں لام قسم کے لئے ہے، اگر آپ ہم سے اس بلا کو ٹال دیں گے تو ہم آپ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور ضرور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیجدیں گے اور جب ہم موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء سے ایک محدود وقت جس تک ان کو بہرحال وہ عذاب پہنچنا تھا پہنچنے کے بعد ہٹا دیتے تو فوراً ہی اپنے عہد کو توڑ دیتے اور اپنے کفر پر مصر رہتے، پھر ہم نے ان سے انتقام لیا تو ہم نے ان کو دریائے شور میں غرق کردیا، اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غفلت برتتے تھے، یعنی ان میں غور وفکر نہیں کرتے تھے، اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جن کو کمزور بنا کر رکھا تھا یعنی غلام بنا رکھا تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے اس سرزمین کے مشرق ومغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے پانی اور درختوں کے ذریعہ برکتوں سے مالامال کر رکھا تھا، (اَلَّتِیْ بَارَكْنَا فِيْهَا) ارض کی صفت ہے اور وہ ملک شام ہے، اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر ان کے دشمن کی ایذاء رسانی پر صبر کی

بدولت پورا ہوگیا، اور وہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قول، وَنُرِیْدُ أن نمنَّ علی الذین استضعفوا الخ ہے، فرعون اور اس کی قوم جو بلند وبالا عمارتیں بناتی تھی اس کو ہم نے برباد کردیا، (یعرشون) راء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ، اونچی عمارتیں بنانا، اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کردیا تو ان کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لپٹے پڑے تھے (یعکفون) کاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، یعنی ان کی عبادت پر قائم تھے، کہنے لگے اے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود (یعنی) بت بنادے جس کی ہم بندگی کریں جیسے ان لوگوں کے ہیں، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا تم لوگ بڑی جہالت کی بات کرتے ہو اسلئے کہ تم اپنے اوپر نعمتوں کے صلہ میں ایسی باتیں کرتے ہو، یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ یقیناً تباہ کیا جائیگا، اور جو کچھ کررہے ہیں وہ سراسر باطل ہے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کردوں (اَبغیکم) کی اصل ابغی لکم تھی، حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں اپنے زمانہ کی قوموں پر فضیلت دے رکھی ہے جس (فضیلت) کو اپنے قول وَاذ نجینکم میں ذکر کیا ہے، اور (اللہ فرماتا ہے) وہ وقت یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی اور ایک قراءت میں انجکم ہے، جو تم کو تکلیف میں مبتلا کئے ہوئے تھا اور تم کو بدترین عذاب (کا مزا) چکھارہا تھا اور وہ یہ تھا کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کررہا تھا اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ رہا تھا اور اس نجات یا عذاب میں تمہارے رب کی جانب سے ابتلاء انعام عظیم ہے یا ابتلاء ہے کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ ان باتوں سے باز آجاؤ جو تم نے کہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: سِنِین، سَنَۃٌ کی جمع ہے سال، قحط، خشک سالی۔

قولہ: نَستحقُّھا، ہم اس کے مستحق ہیں اس میں اشارہ ہے کہ لَنَا ھٰذہٖ میں لام استحقاق کا ہے۔

قولہ: مَھْمَا، اصل ماما، مکرر تھا پہلا ما شرطیہ دوسرا ما تاکید کے لئے ہے ثقل کو ختم کرنے کے لئے پہلے کے الف کو ھاء سے بدل دیا مَھْما ہوگیا۔

قولہ: یَتَشَائَمُوْنَ، یَطَّیَّرُ، کی تفسیر یتشاء مون سے کرکے اشارہ کردیا کہ یتطیر، طیران سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ تطَیُّرٌ، سے ماخوذ ہے، اس کے دو معنی آتے ہیں نصیب خواہ خیر ہو یا شر، یعنی خوش نصیبی اور بدنصیبی دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے دوسرے معنی تشاؤمٌ، کے ہیں اس کے معنی نحوست کے ہیں مفسر علام نے یَطَّیَّرُ کی تفسیر تشاؤم سے کرکے معنی کی تعیین کردی۔

قولہ: ھُمْ بَالِغُوْہُ الخ ای الی نھایۃ من الزمان.

قولہ: اِذاھم یہ لَمَّا کا جواب ہے۔

قولہ: عَبَرنا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جَاوَزَ کا صلہ باء نہیں آتا اسلئے کہ جاوز متعدی بنفسہ ہے حالانکہ یہاں باء صلہ ہے۔

جَوَابٌ: جواب یہ ہے کہ جاوَزَ، عَبَرَ کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اس کا صلہ باء لانا درست ہوگیا۔

قَوْلُهٗ: ھو، ھُوَ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ نقتّلون جملہ مستانفہ ہے ماقبل پر اس کا عطف نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ، یہ گرفت اس وقت ہوئی جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے اسرائیلیوں کی مخالفت اور سختی ان پر بڑھتی ہی چلی گئی، تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قحط سات سال تک مسلسل رہا، آیت میں دو لفظ آئے ہیں سنین اور نقص ثمرات حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ خشک سالی کے عذاب کا تعلق تو دیہات والوں کے لئے تھا اور پھلوں کی کمی شہر والوں کے لئے تھی، کیونکہ عموماً غلہ دیہات میں اور باغات شہر میں ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ کھیت باقی رہے اور نہ باغات، عذاب کے اس ابتدائی جھٹکے سے بھی ان کو کوئی تنبیہ نہیں ہوئی، بلکہ اس موجودہ مصیبت اور ہر مصیبت کے بارے میں کہنے لگے یہ نحوست موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے اور جب خوشحالی اور آرام و راحت کے دن آتے تو کہنے لگتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے ہمیں ملنا ہی چاہئے تھا۔

طائر، لغت میں پرندہ کو کہتے ہیں عرب میں پرندوں کے دائیں یا بائیں جانب اترنے یا گذرنے سے اچھی یا بری فال لیتے تھے اسلئے مطلق فال کو بھی طائر کہنے لگے، مطلب یہ ہے کہ فال اچھی یا بری سب اللہ کی طرف سے ہے، اس عالم میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ سب اللہ کی قدرت و مشیت سے ہوتا ہے، اس میں نہ کسی کی نحوست کا دخل ہے اور نہ برکت کا، یہ سب جاہلوں کی خام خیالیاں ہیں۔

بالآخر فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام معجزوں کو سحر کہہ کر نظر انداز کرتے ہوئے اعلان کردیا کہ آپ کتنی ہی علامتیں اپنی نبوت کی پیش کر کے ہم پر اپنا جادو چلانا چاہیں تو سن لیجئے ہم کبھی آپ پر ایمان لانے والے نہیں۔

وَوٰعَدْنَا بالفِ ودونِها **مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً** یُکَلِّمُهٗ عند انتهائِها بان یَصُوْمَها وهی ذوالقعدةِ فَصامَها فلما تَمَّتْ اَنْکَرَ خُلُوْفَ فَمِهٖ فاستَاكَ فَامَرَ اللهُ بعَشَرةٍ اُخریٰ لِیُکَلِّمَه بخُلُوْفِ فَمِه کما قَالَ **وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ** مِن ذی الحجةِ **فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ** وقتُ وَعْدِهٖ بکَلامِهٖ اِیَّاهُ **اَرْبَعِیْنَ** حَالٌ **لَیْلَةً** تَمییزٌ **وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ** عند ذَهابِه الی الجَبَلِ للمناجاة **اخْلُفْنِیْ** کُنْ خَلِیْفَتِیْ **فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ** اَمرَهم **وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ** ﴿۱۴۲﴾ بمُوَافقتِهم علی المَعَاصِیْ **وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا** ای للوقتِ الذی وَعَدْنَاهُ بالکلام فیه **وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ** بلا واسطةٍ کلامًا یَسْمَعُهٗ من کُلِّ جهةٍ **قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ** نَفْسَكَ **اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ** ای لاتقدِرُ علی رُؤْیَتِیْ والتعبیرُ به دونَ لَنْ اُریٰ یُفِیْدُ اِمکانَ رُؤْیَتِه تعالیٰ

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ الذی هو اَقوی منك فَاِنِ اسْتَقَرَّ ثَبت مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ای تَثْبُتُ لِرُؤْیَتِی
والافلا طَاقَةَ لك فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ ای ظَهَرَ مِن نورِه قدرُ نِصْفِ اَنْمِلَةِ الخِنْصَرِ کما فی حدیثٍ صَحَّحَهُ
الحاکمُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا بالقصرِ والمدِّ ای مَدْکُوکًا مُسْتَوِیًا بالارض وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا مَغْشِیًّا علیه
لِهَولِ مَارَاٰی فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تنزیهًا لك تُبْتُ اِلَیْكَ مِن سُؤَالِ مَالَم اُوْمَرْبه
وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۴۳﴾ فی زَمَانِی قَالَ تعالٰی له یٰمُوْسٰۤى اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ اخترتُك عَلَى النَّاسِ اَهلِ
زَمَانِك بِرِسٰلٰتِیْ بالجمع والافرادِ وَبِكَلَامِیْ ای تَکْلِیمِی ایاك فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ من الفضلِ
وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ﴿۱۴۴﴾ لانعُمِی وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ ای اَلْوَاحِ التَّوْرٰةِ وکانت من سِدْرِ الجنةِ او زَبَرْجَدٍ او
زُمُرُّدٍ سَبعةً اَوْ عَشْرَةً مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یَحتاجُ الیه فی الدین مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا تبیینًا لِّكُلِّ شَیْءٍ بَدَلٌ من الجار
والمجرور قبلَهٗ فَخُذْهَا قبلَهٗ قُلنا مقدرًا بِقُوَّةٍ بجدٍّ واجتهادٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِیْكُمْ دَارَ
الْفٰسِقِیْنَ﴿۱۴۵﴾ فرعون واتباعَهٗ وهی مصرُ لِتَعتَبِرُوا بهم سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ دلائلِ قُدرَتِی من المَصْنُوعَاتِ
وغیرِها الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ بان اخذلهم فلا یَتَفَکَّرُونَ فیها وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ
لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ طریقَ الهدی الذی جَاءَ من عندِ اللّٰهِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا یَسلُکُوهُ
وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ الضلال یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ذٰلِكَ الصرفُ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ﴿۱۴۶﴾ تقدَّمَ
مثلُهٗ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ البعثِ وغیرِه حَبِطَتْ بَطَلَتْ اَعْمَالُهُمْ مَا عَمِلُوهُ فی الدُّنیا
من خیرٍ کصِلَةِ رَحْمٍ وصَدَقَةٍ فلا ثوابَ لهم لعدمِ شَرْطِهٖ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا جزاءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴿۱۴۷﴾ من
التکذیبِ والمَعَاصِی.

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا کہ اس مدت کے پورا ہونے کے بعد وہ اس سے کلام کرے گا (وَاعَدْنا) الف اور بغیر الف (وعدنا) ہے بایں طور کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مذکورہ مدت میں روزہ رکھے اور وہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مدت کے روزے رکھے جب (تیس دن) پورے ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے منہ کی بو سے کراہت محسوس ہوئی، تو آپ نے مسواک کر لی، تو اللہ نے دوسرے دس دن کا حکم دیا تاکہ موسیٰ منہ کی بو کے ساتھ اللہ سے ہمکلام ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے اس تیس دن کی مدت کو ذی الحجہ کے مزید دس کے ساتھ پورا کر دیا تو ہمکلامی کے اسکے رب کے وعدہ کی چالیس رات مدت پوری ہو گئی اربعین (میقات) سے حال ہے، لَیلۃ تمیز ہے، پہاڑ پر مناجات کیلئے جاتے وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا، میری قوم میں میری جانشینی کے فرائض انجام دینا اور ان کی معاملات کی اصلاح کرتے رہنا اور معاصی پر موافقت کر کے مفسدوں کی اتباع نہ کرنا اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقرر پر

یعنی اس وقت پر کہ جو ہم نے اس سے ہمکلامی کے لئے مقرر کیا تھا، آئے اور اس کے رب نے اس سے بلاواسطہ کلام کیا ایسا کلام کہ جو ہر سمت سے سنائی دیتا تھا، تو (موسیٰ) نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار آپ مجھے اپنا دیدار کرادیں تا کہ میں آپ کو دیکھ لوں، ارشاد ہوا تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے، یعنی تم مجھے دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے اور (لَنْ ترانی) کی تعبیر اللہ تعالیٰ کے امکان رویت کا فائدہ دے رہی ہے نہ کہ 'لَنْ اُرٰی' لیکن تم اس پہاڑ کو دیکھو جو کہ تم سے قوی تر ہے اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، یعنی تم میرے دیدار کے لئے ثابت رہ سکو گے، ورنہ تم میں اس کی سکت نہیں، جب اسکے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی یعنی اس کا نور چھوٹی انگلی کے نصف پورے کے برابر ظاہر ہوا، جیسا کہ حدیث میں ہے، (اور) حاکم نے اس (حدیث) کو صحیح قرار دیا ہے تو اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے (دَکّا) قصر اور مد کے ساتھ ہے یعنی ریزہ ریزہ زمین کے برابر کر دیا، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ دیکھا اس کی ہولناکی کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوش میں آئے تو عرض کیا آپ کے لئے (ہر نقص) سے پاکی ہے میں ہر ایسے سوال کرنے سے کہ جس کا مجھے حکم نہیں دیا گیا آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں اپنے زمانہ کے اول ایمان لانیوالوں میں ہوں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا، اے موسیٰ میں نے تجھ کو تیرے زمانہ کے تمام لوگوں میں اپنی رسالت اور ہمکلامی کے لئے منتخب کیا ہے (رسالاتی) جمع و افراد کے ساتھ ہے، یعنی میرے تجھ سے کلام کرنے کیلئے، تو جو کچھ میں نے تم کو از راہ فضل دیا ہے اس کو لو، اور میری نعمتوں کا شکر ادا کرو، اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تورات کی چند تختیوں میں جو کہ جنت کے بیری کے درخت کی یا زبرجد کی یا زمرد کی سات یا دس تھیں ہر قسم کی نصیحت جن کی دین میں ضرورت ہوتی ہے اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی (موعظة اور تفصیلاً) اپنے ماقبل جار مجرور (کے محل) سے بدل ہے، (ہم نے کہا) ان کو پوری قوت اور کوشش سے تھام لو (فخذها) سے پہلے قلنا مقدر ہے، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے اچھے (یعنی عزیمت) کے احکام کو تھام لیں، میں عنقریب تم کو حد سے تجاوز کرنے والوں (یعنی) فرعون اور اسکی اتباع کرنے والوں کے گھر دکھلاؤں گا اور وہ مصر ہے تا کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو، اپنی آیتوں میں مصنوعات وغیرہ اپنے دلائل قدرت سے ایسے لوگوں کو برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں بایں طور کہ میں ان کو ذلیل کر دوں گا پھر وہ ان دلائل میں غور وفکر نہ کر سکیں گے، اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر وہ ہدایت کا طریقہ دیکھیں جو اللہ کی طرف سے آیا ہے تو وہ اس کو نہ اپنائیں یعنی اس پر نہ چلیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا لیں اور یہ برگشتی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اس سے غافل تھے اسی جیسی آیت سابق میں گذر چکی ہے، اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات یعنی بعث وغیرہ کو جھٹلایا تو ان کے دنیا میں کئے ہوئے اعمالِ خیر مثلاً صلہ رحمی اور صدقہ اکارت گئے انکو کچھ اجر نہ ملے گا اسکی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ان کو اسی کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے تکذیب و معاصی وغیرہ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بالِفٍ و دُوْنِھَا، جب الف کے ساتھ ہوگا تو باب مُفاعلہ ہوگا، وَ واعدنا، میں واؤ استینافیہ ہے، کلام متانف ہے سورۂ بقرہ میں جو "وَاذ وَاعدنا موسٰی اربعین لیلۃ" فرمایا تھا یہ اس کی تفصیل ہے، وَاعدنا موسٰی، فعل بافاعل اور مفعول بہ ہے اور ثلثین مفعول بہ ثانی ہے ثلثین کا مضاف محذوف ہے تقدیر یہ ہے تمام ثلثین لَیلَۃً، لیلَۃً تمیز ہے، اَتْمَمْنَاھَا، کا عطف واعدنا پر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقْتُ وَعْدِہٖ، میقات کی تفسیر وقت سے کر کے اشارہ کردیا کہ میقات سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: وقال موسٰی لاَخِیْہِ ھٰرونَ واؤ ترتیب و تعقیب کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ مذکورہ مقولہ جبل پر جانے سے پہلے کا ہے۔

قَوْلُہٗ: بکلامہ اِیاہُ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ میقاتُ رَبِّہٖ سے معلوم ہوتا ہے کہ رب کا وقت حالانکہ رب کا کوئی وقت نہیں ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وقت کلام ربہٖ ایاہ.

قَوْلُہٗ: حالٌ، تقدیر عبارت یہ ہوگی فتم بالغًا ھذا العدد، لہٰذا عدم صحت حمل کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: مِنْ کُلِّ جِھَۃٍ، اس اضافہ کا مقصد کلام قدیم اور کلام حادث میں فرق بیان کرنا ہے، کہ کلام حادث کے لئے جہت ہوتی ہے کلام قدیم کے لئے نہیں اس لئے کہ قدیم کی کوئی متعین جہت نہیں وہ ہمہ جہت ہے۔

قَوْلُہٗ: نَفْسَكَ، اس میں اشارہ ہے کہ اَرِنی کا مفعول ثانی محذوف ہے لہٰذا فعل قلب کا ایک مفعول پر اقتصار لازم نہیں آتا۔

قَوْلُہٗ: والتَعْبِیْرُ بہٖ دُوْنَ لَنْ اُرٰی یُفِیْدُ اِمکانَ رؤیتہٖ تعالی، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لَنْ تَرَانی، اور لَن اُرٰی، میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ لن ترانی امکان رویۃ باری تعالی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ لَنْ ترانی سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم رویت کی علت رائی میں ہے نہ کہ مرئی میں اور وہ علت عدم قوت اور عدم صلاحیت ہے اور اگر لن ترانی کے بجائے لَن اُرٰی ہوتو مطلب یہ ہوگا کہ عدم رویت کی علت مرئی میں ہے، رائی کی عدم صلاحیت کو صلاحیت میں اور عدم قوت کو قوت سے بدلا جاسکتا اس لئے کہ رائی ممکن اور حادث ہے اور ممکن و حادث تصرف کو قبول کرتا ہے بخلاف مرئی کے کہ وہ قدیم ہونے کی وجہ سے تصرف کو قبول نہیں کرسکتا۔

قَوْلُہٗ: مَدْکُوْکًا، اس میں اشارہ ہے کہ دَکًّا مصدر مدکوکًا کے معنی میں ہے لہٰذا دَکًّا کا حمل جبل پر درست ہے۔

قَوْلُہٗ: تَکْلِیْمِی اِیَّاكَ، کا مقصد تخصیص کو بیان کرنا ہے اس لئے کہ مطلق کلام حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بَدَلٌ مِنَ الجَارِ وَالمَجْرُوْرِ قَبْلَه، یعنی موعظة، تفصیلاً مِن کل شیٔ کے محل سے بدل ہے، اسلئے کہ من کل شیٔ کتبنا کا مفعول ہے جس کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: باحسنِها، یعنی عزیمت پر عمل کو لازم پکڑو نہ کہ رخصت پر، مطلب یہ ہے کہ توارت میں عزیمت رخصت مباح فرض واجب، سب ہیں مگر تم رخصت پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت پر عمل کرنا، مثلاً صبر تحمل، درگذر وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: ذلك، مبتداء ہے اور بانّهم، اس کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

وَوَاعدنا موسىٰ الخ، مصر سے نکلنے، فرعون اور لشکر فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل کی غلامانہ پابندیاں ختم ہوگئیں اور انھیں ایک خود مختار قوم کی حیثیت حاصل ہوگئی تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کوئی کتاب انھیں دیدی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو تیس (۳۰) راتوں کے لئے کوہ طور پر بلایا جس میں دس راتوں کا اضافہ کرکے چالیس کردیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو جوان کے بھائی تھے اور نبی بھی اپنا جانشین مقرر کردیا، کہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی اور اصلاح کا کام کرتے رہیں، یہ اس سلسلہ کی پہلی طلبی تھی اور اس کے لئے پہلے تیس دن اور پھر دس دن کا اضافہ کرکے چالیس دن کردیا گیا، مقصد یہ تھا کہ پورا ایک چلہ پہاڑ پر گذاریں اور روزے رکھ کر شب وروز عبادت اور تفکر وتدبر کرکے دل ودماغ کو یکسو کرکے اس قول ثقیل کے اخذ کرنے کی استعداد اپنے اندر پیدا کریں جو ان پر نازل کیا جانے والا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس ارشاد کی تعمیل میں کوہ سینا جاتے وقت بنی اسرائیل کو اس مقام پر چھوڑا تھا جو موجودہ نقشہ میں بنی صالح اور کوہِ سینا کے درمیان وار دالشیخ کے نام سے موسوم ہے اس وادی کا وہ حصہ جہاں بنی اسرائیل نے پڑاؤ کیا تھا، آجکل میدان الراحہ کہلاتا ہے، وادی کے ایک سرے پر وہ پہاڑ واقع ہے جہاں مقامی روایت کے اعتبار سے حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام ثمود کے علاقے سے ہجرت کرکے تشریف لے آئے تھے، آج وہاں ان کی یادگار میں ایک مسجد بنی ہوئی ہے دوسری طرف ایک اور پہاڑ جبل ہارون نامی ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی سے ناراض ہوکر جا بیٹھے تھے، تیسری طرف کوہ سینا کا بلند پہاڑ ہے جس کا بالائی حصہ اکثر بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے جس کی بلندی ۸۳۰۹ فٹ ہے، اس پہاڑ کی چوٹی پر آج تک زیارت گاہ عام بنی ہوئی ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے چلہ کیا تھا اس کے قریب ایک مسجد اور ایک گرجا گھر بنا ہوا ہے اور پہاڑ کے دامن میں رومی قیصر جسٹینین کے زمانہ کی ایک خانقاہ آج تک موجود ہے۔

وَلَمَّا جاءَ موسىٰ لميقاتِنَا، جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کوہ طور پر تشریف لے گئے، اور وہاں اللہ تعالیٰ نے ان سے براہ راست گفتگو فرمائی، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے دل میں خدا کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اور اپنے اس شوق کا اظہار ربِّ اَرِنی کہہ کر کیا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ لن ترانی، تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، معتزلہ نے اس سے

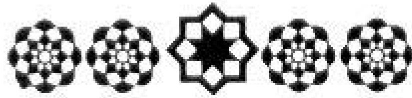
استدلال کرتے ہوئے کہا لن، نفی کی تاکید کیلئے ہے یعنی دیدار سے ہمیشہ کی نفی مراد ہے اس لئے اللہ تعالی کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے اور نہ آخرت میں۔

دیدار الٰہی کا مسئلہ:

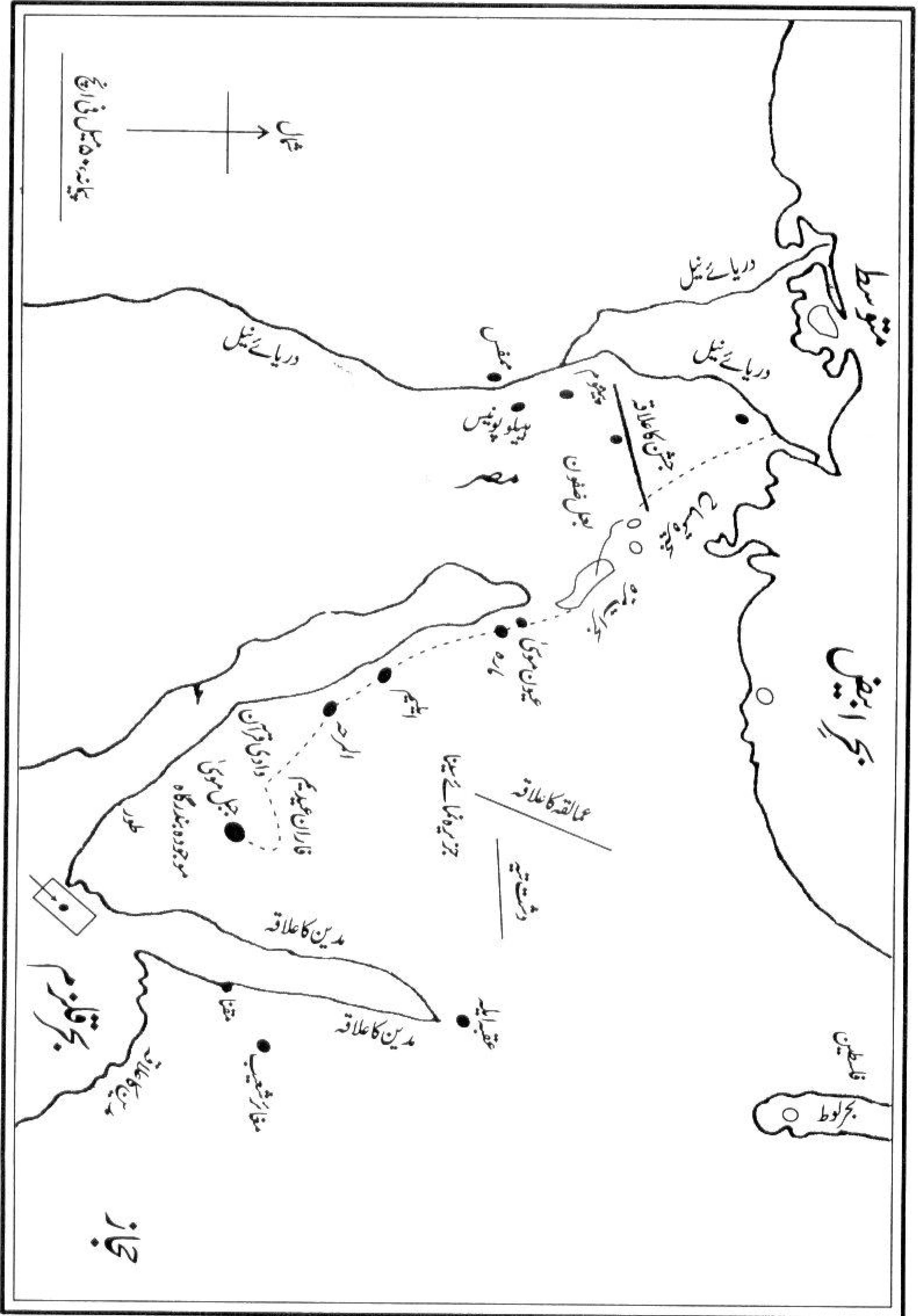
معتزلہ کا مذکورہ مسلک صحیح احادیث کے خلاف ہے جو متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ روز قیامت اہل ایمان اللہ کا دیدار کریں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے، تمام اہل سنت کا بھی عقیدہ ہے مذکورہ نفی رؤیت کا تعلق صرف دنیا سے ہے دنیا کی کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالی ان آنکھوں میں اتنی قوت وصلاحیت پیدا فرمادیں گے کہ وہ اللہ تعالی کے جلوہ کو برداشت کرسکیں گی۔

فَلَمَّا تجلّٰی ربُّه للجبل جَعَله دكًا، یعنی طور سیناء رب کی تجلی کو برداشت نہ کرسکا اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بیہوش ہوکر گر پڑے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ "روز قیامت سب لوگ بے ہوش ہوں گے اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہونگا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انھیں کو وہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں محشر کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے"۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۂ اعراف صحیح مسلم)



نقشہ خروج بنی اسرائیل



فخذها بقوة و أمر قومك يا خذوا باحسنها سأريكم دار الفسقين ، یعنی رخصتوں کی تلاش میں نہ رہو جیسا کہ سہولت پسندوں کا حال ہوتا ہے عزیمتوں پر عمل کرو، مقام دار سے مراد یا تو انجام یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمہیں حکمرانی عطا کروں گا، اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت عمالقہ کی حکمرانی تھی جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن کثیر)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ اى بَعْدِ ذَهَابِه الى المناجاةِ مِنْ حُلِيِّهِمْ الذى استعارُوْها من قوم فرعونَ لِعلّةِ عرسٍ فَبَقِيَ عندهم عِجْلًا صَاغه لهم منه السامريُّ جَسَدًا بدلٌ لحما ودمًا لَّهٗ خُوَارٌ اى صوتٌ يُسمَعُ انْقَلَبَ كذٰلِكَ بوضعِ التُّرابِ الذى اخذهٗ من حَافِرِ فَرَسِ جبرئيلَ عليه السلامُ فى فمه فانَّ اَثَرَهٗ الحَيَاةُ فيما يُوْضَعُ فيه ومفعول اتخذ الثانى محذوف اى الهًا اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا م فكيف يُتَّخَذُ الهًا اِتَّخَذُوْهُ الهًا وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ باتخاذه وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ اى نَدِمُوْا على عِبَادَتِه وَرَاَوْا اى عَلِمُوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا لا بها وذلك بعد رُجُوعِ مُوسٰى قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا بالياءِ والتاءِ فيهما لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ من جِهَتِهِم اَسِفًا لا شديدَ الحُزنِ قَالَ لهم بِئْسَمَا اى بِئْسَ خِلَافَةً خَلَفْتُمُوْنِيْ ها مِنْ بَعْدِيْ ج خلافتكم هذه حيث اشرَكْتُم اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ اَلْوَاحَ التوراةِ غضبًا لربّه فتكسّرت وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ اى بشعرِه بيمينِه ولحيتِه بشمالِه يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ غضبًا قَالَ ابْنَ اُمَّ بكسرِ الميم وفتحِها اَرَادَ اُمّي وذِكرُها اَعطفُ لقلبه اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا قارَبُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ز صلے فَلَا تُشْمِتْ تفرح بِيَ الْاَعْدَآءَ باهانتِكَ اِيَّايَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ بعبادةِ العِجْلِ فى المؤاخذةِ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ما صَنَعْتُ باخِي وَلِاَخِيْ اشركهٗ فى الدعاءِ ارضاءً له ودفعًا للشماتةِ به وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ صلے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) نے موسیٰ کے مناجات کے لئے جانے کے بعد ان زیورات سے جن کو وہ فرعون کی قوم (قبطیوں) سے شادی کے بہانے عاریۃً لے آئے تھے، پھر وہ ان ہی کے پاس رہ گئے تھے، گوشت پوست (خون) کے بچھڑے کا ایک پتلا (معبود) سامری نے ان کے لئے اس زیور کا بنا دیا، جَسَدًا، عجلًا سے بدل ہے معنی میں گوشت اور خون کے ہے اس کی بیل کے جیسی آواز تھی جو سنی جاتی تھی، اس طرح قلب ماہیت پتلے کے منہ میں اس مٹی کے ڈالنے کی وجہ سے ہوگئی جس کو سامری نے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے لے لیا تھا، اس مٹی کا اثر زندگی ہر اس شئی پر ظاہر ہوتا تھا، جس میں وہ ڈالدی جاتی، اتخذ کا مفعول محذوف ہے اور وہ الٰھاً ہے، کیا انھیں نظر نہیں آتا کہ وہ نہ ان سے بولتا ہے؟ نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کرتا ہے اس کو کس طرح معبود بنایا جا سکتا ہے، مگر پھر بھی انہوں نے اس کو معبود بنا لیا، اس کو معبود

بنا کر بڑی ناانصافی کا کام کیا، اور جب وہ بچھڑے کی بندگی پر نادم ہوئے اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ درحقیقت اس کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں اور یہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واپس آنے کے بعد ہوا، تو کہنے لگے، اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہم سے درگذر نہ کیا تو ہم یقیناً زیاں کاروں میں ہو جائیں گے، اور (ادھر) جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر غصے اور شدید غم میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تو ان سے فرمایا تم لوگوں نے میرے بعد بہت بُری جانشینی کی، تمہاری یہ جانشینی کہ تم شرک میں مبتلا ہوئے کیا تم سے اتنا صبر نہ ہو سکا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے؟ اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں، (یعنی) خدا کے لئے غصہ میں تورات کی تختیاں (ایک طرف رکھ دیں) جو ٹوٹ گئیں، اور اپنے بھائی کے سر کے بال دائیں ہاتھ سے اور ان کی ڈاڑھی بائیں ہاتھ سے پکڑ کر غصہ میں اپنی طرف کھینچنے (ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اے میرے بھائی ان لوگوں نے مجھے کمزور پایا (یعنی مجھے دبا لیا) اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں، پس تم اپنی طرف سے میری توہین کر کے دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دو، اور مجھ کو بچھڑے کی بندگی کرنے کی وجہ سے مواخذہ میں ظالم لوگوں میں شمار نہ فرمائیں، (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اے میرے رب جو میں نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا اسے معاف فرما اور میرے بھائی کو معاف فرما، دعاء میں اپنے بھائی کو ان کو خوش کرنے اور دشمنوں کی خوشی کو دفع کرنے کیلئے شریک کر لیا، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: حُلِیّهم، حلیٌّ، حَلْیٌ کی جمع ہے، جیسا کہ ثُدِیٌّ ثَدْیٌ کی جمع ہے، حُلِیٌّ اصل میں حُلُوْیٌ تھا، واو اور یاء ایک جگہ جمع ہوئے ساکن واؤ کو یاء کیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا، اور یاء کی رعایت سے لام کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا، حُلِیٌّ ہو گیا۔

قولہ: صَاغَهٗ لهم السامریُ، سامریُ صاغ کا فاعل ہے اور ہٗ ضمیر عجلًا کی طرف راجع ہے لهم کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے اور منه کی ضمیر سونے کے زیورات کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ سامری نے سونے کے زیورات سے قوم بنی اسرائیل کیلئے ایک بچھڑا ڈھال دیا۔

تنبیہ: جلالین کے نسخوں میں صَاغَهٗ کے بجائے صَاغَهُمْ ہے جو زلت قلم معلوم ہوتی۔

قولہ: جسدًا، بَدَلٌ.

سوال: عَجلًا کا بدل جسدًا لانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: اس بدل سے یہ شبہ دور کر دیا کہ ہو سکتا ہے عجل نقش علی الحائط کے طور پر بنایا ہو اور جب اس کا بدل جسدًا آ گیا تو معلوم ہو گیا پتلا بنایا تھا نہ کہ نقش بر دیوار۔

قولہ: لحمًا و دمًا اس میں اشارہ ہے کہ یہ بچھڑا حقیقی بچھڑے کے مانند گوشت پوست اور خون وغیرہ سے مرکب تھا، (مگر یہ تفسیر مرجوح ہے)۔

قَوْلُہٗ: ومَفعُولُ اِتَّخذَ الثَّانی مَحْذُوْفٌ ای اِلٰھاً اس میں اشارہ ہے کہ اتخذ بمعنی صَنَعَ نہیں ہے کہ ایک مفعول پر اقتصار جائز ہو اسلئے کہ مطلق صنع اس کو معبود بنائے بغیر سزائے مذکور کا مستحق نہیں ہو سکتا لہٰذا اخذ کا مفعول ثانی جو کہ الٰھا ہے محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: ای نَدِمُوْا ، ولَمَّا سُقِطَ فِیْ اَیْدِیھِمْ محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں، سُقِطَ فِیْ اَیْدِیھِمْ، ای ندموا، (جوھری) تَقُوْلُ، العرب لکل نادم علی امر، قدسُقِطَ فی یدہٖ (معالم).

قَوْلُہٗ: بئسَ خلافۃً یہ بِئسَما میں ما نکرہ کی تمیز ہے۔

قَوْلُہٗ: خَلَفْتُمُوْنی ھَا.

سُوَال: ھا، مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

جَوَاب: یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ ما، موصولہ یا موصوفہ ہے اور خلفتمونی اس کا صلہ یا صفت ہے حالانکہ صلہ اور صفت جب جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، ھا، مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ عائد محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: خِلَافَتُکُم ھٰذِہٖ، یہ مخصوص بالذم محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: غضبًا لربّہٖ یہ غضب ممنوع سے اعتذار ہے، یعنی مطلقاً غضب ممنوع ہے مگر اللہ کے لئے عداوت محبوب ہے کہا جاتا ہے الحب فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ خدا ہی کیلئے محبت اور خدا ہی کے لئے عداوت۔

قَوْلُہٗ: ذِکرُھَا اَعْطفُ لِقَلْبِہٖ ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ، یابن اُمّ، سے معلوم ہوتا ہے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی بھائی نہیں ہیں، حالانکہ دونوں حقیقی بھائی ہیں، اس کا جواب دیا کہ ماں جائے کہنا دل کو زیادہ نرم کرنے والا ہے بہ نسبت اس کے عکس کے یعنی یا بن ام میں زیادہ قربت وشفقت معلوم ہوتی ہے بہ نسبت یا بن ابی کے۔

تفسیر وتشریح

وَاتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حُلیّھم عجلا جَسَدًا لہ خوار ، یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کی طلبی پر کوہ سینا پر گئے ہوئے تھے، اور حضرت موسیٰ تیس دن میں واپسی کا وعدہ کر کے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مزید دس دن کا اضافہ فرما دیا، قوم بنی اسرائیل پہاڑ کی تلیٹی میں میدان راحہ میں ٹھہری ہوئی تھی۔

ابھی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور ہی پر تھے کہ پیچھے سامری نامی ایک شخص نے جس کا نام بھی موسیٰ تھا اور منافق تھا قوم کا سونا جمع کر کے ایک زرین گؤ سالہ بنالیا جس میں اس نے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سُم کے نیچے کی مٹی ڈال دی، اس معبود زریں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا بے جان، ایک قالب تھا بے روح، ایک جسم تھا بے حیات، اس سے ایک آواز نکلتی تھی بچھڑے کی آواز کے مشابہ، کہتے ہیں کہ اس مٹی کے اثر سے اس میں کچھ حیات کے آثار نمودار ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ بھیں بھیں کرنے لگا تھا، نہ اس میں حس تھی اور نہ حرکت، ایسی آواز تو مٹی کے کھلونوں میں بھی معمولی صنعت گری سے پیدا ہو جاتی ہے، آجکل صنعتی اور تکنیکی دور میں تو کھلونے نہ صرف مختلف قسم کی آواز نکالتے ہیں بلکہ عجیب وغریب حرکت بھی کرتے اور چلتے پھرتے ہیں،

مطلب یہ کہ وہ زرّین بچھڑا واقعی جاندار نہیں تھا، بعض محققین نے اس کی صراحت کی ہے۔

کان جَسَدًا من ذهب لا روح فیها کان یسمع منه صوت (معالم) بعض مفسرین نے یہاں ایک بحث یہ چھیڑ دی ہے کہ یہ بچھڑا حرکت بھی کرتا تھا یا نہیں اللہ جزائے خیر عطا فرمائے صاحب روح المعانی کو کہ انہوں نے یہ خوب لکھدیا کہ لیست ہذہ المسئلہ من المہمات، یہ سرے سے کوئی اہم بات ہی نہیں، سامری نے اس بچھڑے کے ذریعہ بنی اسرائیل کو گمراہ کردیا اور قوم کو یہ سمجھا دیا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں اور معبود یہاں آگیا ہے۔

سُقِطَ فی اَیْدِیْهِمْ، یہ عربی محاورہ ہے اس کے معنی نادم ہونا ہے، یہ ندامت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی واپسی کے بعد ہوئی، جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو زجر و توبیخ کی جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے یہاں اسے مقدم اس لئے کردیا گیا ہے کہ ان کا فعل اور قول جمع ہوجائے۔

جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے آکر دیکھا کہ قوم گؤسالہ پرستی میں لگی ہوئی ہے تو سخت غضبناک ہوئے، گو بنی اسرائیل کے گمراہ ہوجانے کی خبر بذریعہ وحی پہاڑ ہی پر دیدی گئی تھی، مگر جب اپنی نظروں سے قوم کی گمراہی کو دیکھا تو دینی غیرت اور ایمانی حرارت بھڑک اٹھی اور بے خودی کی کیفیت میں تورات کی تختیاں جو کوہ طور سے اپنے ہمراہ لائے تھے عجلت میں اس طور پر رکھیں کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوا کہ انہوں نے نیچے پھینک دیں، جس کے لئے قرآن نے القیٰ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ڈال دینے کے ہیں اور اگر ڈال بھی دیں ہوں تو اس میں بے ادبی کی کوئی بات نہیں اسلئے کہ یہ واقعہ دینی حمیت اور غیرت کی وجہ سے بے خودی اور بے اختیاری کے عالم میں پیش آیا۔

فائدہ: حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے حقیقی بھائی تھے لیکن یہاں حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے ماں جائے اسلئے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پہلو زیادہ ہے۔

حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کا عذر:

حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا یہ عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ اپنی قوم کو شرک میں مبتلا ہونے سے باز رکھنے میں ناکام رہے، حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں، اے میرے پیارے ماں جائے بھائی میری بات تو سن لیجئے، میں نے تو اپنی والی بہت کوششیں کی لیکن یہ ظالم و سرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے؟ تو میری پرواہ کب کرتے؟ میری ایک نہ چلی اور جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنی چاہی تو بغاوت پر آمادہ ہوگئے، میری جان بچ گئی یہی بہت ہے۔

توریت میں حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام پر گؤسالہ سازی کا الزام:

کہاں عصمت انبیاء کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی تصریحات کہ اس بت پرستی کے بانی اور باعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام تھے۔

قرآن کی براءت:

یہاں قرآن نے حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک بہت بڑے الزام سے براءت کی ہے جس کو یہود نے زبردستی حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام پر چسپاں کر رکھا تھا بائبل میں بچھڑے کی پرستش کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

جو موسیٰ کو پہاڑ سے اترنے میں دیر لگی تو بنی اسرائیل نے بے صبر ہو کر حضرت ہارون سے کہا کہ ہمارے لئے ایک معبود بنا دو، اور حضرت ہارون نے ان کی فرمائش کے مطابق سونے کا ایک بچھڑا بنا دیا، جسے دیکھتے ہی بنی اسرائیل پکار اٹھے کہ اے بنی اسرائیل یہی تیرا وہ خدا ہے جو تجھے ملک مصر سے نکال لایا ہے پھر حضرت ہارون نے اس کیلئے ایک قربان گاہ بنائی اور اعلان کر کے دوسرے روز تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور اس کے آگے قربانیاں چڑھائیں۔ (خروج باب ۳۲ آیت ۱-۶)

قرآن مجید میں متعدد جگہ پر اس غلط بیانی کی تردید کی گئی ہے۔

یہاں بھی گؤ سالہ سازی اور گؤ سالہ پرستی کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف کرتے ہوئے فرمایا ''وَاتخذ قومُ موسیٰ من حلیھم عجلاً جسدًا لَهُ خُوار''.

بظاہر یہ بات بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل جن لوگوں کو پیغمبر مانتے ہیں ان میں کسی کو انہوں نے داغدار کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے اور داغ بھی ایسے سخت لگائے ہیں جو اخلاق و شریعت کی نگاہ میں بدترین جرائم شمار ہوتے ہیں مثلاً شرک، جادوگری، زنا، جھوٹ، دغابازی اور ایسے دوسرے شدید معاصی جن سے آلودہ ہونا پیغمبر تو درکنار ایک معمولی مومن اور شریف انسان کے لئے بھی سخت شرمناک ہے، یہ بات بجائے خود بڑی عجیب ہے لیکن بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اس قوم کے معاملہ میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے یہ قوم جب اخلاقی و مذہبی انحطاط میں مبتلا ہوئی اور عوام سے گذر کر ان کے خواص تک کو حتی کہ علماء و مشائخ اور دینی منصب داروں کو بھی گمراہیوں اور بداخلاقیوں کا سیلاب بہالے گیا تو ان کے مجرم ضمیر نے اپنی اس حالت کے لئے عذر تراشنے شروع کئے اور اسی سلسلہ میں انہوں نے وہ تمام جرائم جو خود کرتے تھے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب کر ڈالے تاکہ یہ کہا جا سکے کہ جب نبی تک ان چیزوں سے نہ بچ سکے تو بھلا اور کون بچ سکتا ہے، اس معاملہ میں یہودیوں کا حال ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے ہندوؤں میں بھی جب اخلاقی انحطاط انتہاء کو پہنچ گیا تو وہ لٹریچر تیار ہوا جس میں دیوی دیوتاؤں کی، رشیوں، منیوں اور اوتاروں کی، غرض جو بلند کردار آئیڈیل (نمونے) قوم کے سامنے ہو سکتے تھے ان سب کی زندگیاں بداخلاقی کے تارکول سے سیاہ کر ڈالی گئیں تاکہ یہ کہا جا سکے کہ جب ایسی ایسی عظیم ہستیاں ان قبائح میں مبتلا ہو سکتی ہیں تو بھلا ہم معمولی انسان ان میں مبتلا ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں۔

قَالَ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ الٰهًا سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ عذابٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فعُذِّبُوا بالامرِ بقتلِهم اَنفُسَهم وضُرِبَتْ عليهم الذِّلَّةُ الى يوم القيمةِ وَكَذٰلِكَ جَزَيْنٰهم نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ على اللهِ بالاِشْرَاكِ

وغیرہ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوا رَجعُوا عنها مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا باللّٰہِ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا ای التوبۃِ لَغَفُوْرٌ لہم رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ بہم وَلَمَّا سَكَتَ سَکَنَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ التی القاھا وَفِيْ نُسْخَتِهَا ای ما نُسِخَ فیہا ای کُتِبَ هُدًى من الضلالۃِ وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ یَخافُونَ وَاَدْخَلَ اللامَ علی المفعولِ لتقدیمہ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ ای من قومِہ سَبْعِيْنَ رَجُلًا مِمَّن لَمْ یَعْبُدوا العِجلَ بِاَمْرِہ تعالٰی لِّمِيْقَاتِنَا ای الوقتِ الذی وَعَدْنَاہ باتیانہم فیہ لِیَعْتَذِرُوا من عبادۃِ اَصْحَابِہم العجلَ فخَرَجَ بہم فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزَلْزَلَۃُ الشدیدۃُ قال ابنُ عباسٍ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ لانہم لم یُزَایِلُوا قومَہم حین عَبَدُوا العِجلَ قال وہم غیر الذین سَألوا الرُّؤْیَۃَ واَخَذَتْہم الصَّاعِقَۃُ قَالَ موسٰی رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ ای قبل خُرُوْجِی بہم لِیُعَایِنَ بنواسرائیل ذٰلک ولا یَتَّہِمُوْنِیْ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا استفہامُ اسْتِعْطَافٍ ای لاتُعَذِّبْنَا بِذَنْبِ غَیْرِنَا اِنْ ما هِيَ ای الفِتْنَۃُ الَّتِیْ وَقَعَتْ فیہا السُّفَہَاءُ اِلَّا فِتْنَتُكَ ابتلاؤُک تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ اضلالَہٗ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ہِدَایَتَہٗ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ اَوْجِبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حسنۃً اِنَّا هُدْنَآ تُبنا اِلَيْكَ قَالَ تعالٰی عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ تعذیبَہٗ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ عَمَّتْ كُلَّ شَيْءٍ فی الدنیا فَسَاَكْتُبُهَا فی الاخرۃِ لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ مُحَمَّدًا صلی اللّٰہ علیہ وسلم الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ باسمِہ وصِفَتِہ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ ما حُرِّمَ فی شَرْعِہم وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ من المَیْتَۃِ ونحوِہا وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ثِقْلَہم وَالْاَغْلٰلَ الشدائدَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ کقتلِ النفسِ فی التوبۃِ وقَطْعِ اَثَرِ النَّجَاسَۃِ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ منہم وَعَزَّرُوْهُ وَقَّرُوْہُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ای القراٰن اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا ان پر ان کے رب کی طرف سے غضب عذاب اور ذلت دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی، چنانچہ خود کو قتل کرنے کا حکم دیکر عذاب میں مبتلا کئے گئے، اور قیامت تک کے لئے ان پر ذلت مسلط کردی گئی، اور جیسی ہم نے ان کو سزا دی ویسی ہی شرک وغیرہ کے ذریعہ اللہ پر افتراء کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں اور جن لوگوں نے بداعمالیاں کیں پھر وہ بداعمالیوں کے بعد بداعمالیوں سے باز آگئے اور اللہ پر ایمان لے آئے بے شک تمہارا رب اس توبہ کے بعد ان کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنا والا ہے اور جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا جن کو ڈال دیا تھا جن کی تحریر میں یعنی جو ان میں لکھا ہوا تھا گمراہی سے ہدایت تھی، ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور مفعول

(لـربهـم) پر لام داخل کر دیا اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم میں سے اللہ تعالیٰ سے حکم کے ان لوگوں میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی، ستر آدمیوں کو منتخب کیا، تاکہ وہ ہمارے مقرر کردہ اس وقت پر حاضر ہوں جس پر ان کو آنے کے لئے کہا گیا ہے تاکہ اپنے رفقاء کی گوسالہ پرستی کی معذرت کریں، چنانچہ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ روانہ ہوئے، جب ان لوگوں کو ایک سخت زلزلہ نے آپکڑا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی قوم نے گوسالہ پرستی کی تھی تو ان لوگوں نے اُن سے قطع تعلق نہیں کیا (ان میں گھلے ملے رہے) اور (حضرت ابن عباس) نے فرمایا یہ ان لوگوں کے علاوہ ہیں جنہوں نے خدا کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا، اور ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے میرے پروردگار اگر آپ چاہتے تو انھیں اور مجھے پہلے ہی یعنی ان کو میرے ساتھ لے کر نکلنے سے پہلے ہلاک کر سکتے تھے، تاکہ بنی اسرائیل ان کی ہلاکت کا خود مشاہدہ کر لیتے اور مجھ پر تہمت نہ رکھتے، کیا آپ اس قصور میں جو ہمارے چند نادانوں نے کئے ہم سب کو ہلاک کر دیں گے؟ استفہام طلب رحمت کے لئے ہے یعنی دوسروں کے قصور کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہ کر، یہ تو آپ کی جانب سے آزمائش تھی جس میں آپ نے نادانوں کو مبتلا کر دیا، اس کے ذریعہ آپ جس کو گمراہ کرنا چاہیں گمراہ کریں اور جس کی ہدایت چاہیں ہدایت دیں ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں، پس ہمیں معاف کر دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے آپ سب سے بڑھکر معاف کرنے والے ہیں اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی مقدر کر دیجئے، اور آخرت میں بھی بھلائی مقدر کر دیجئے ہم نے آپ کی طرف رجوع کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرا عذاب ہر اس شخص کو پہنچے گا جس کو میں عذاب دینا چاہوں گا اور میری رحمت دنیا میں ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں آخرت میں ان لوگوں کے حق میں مقدر کر دوں گا جو پرہیزگاری اختیار کریں گے زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے (یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو رسول نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کریں گے جن کا ذکر ان کے پاس تورات اور انجیل میں ان کے نام اور صفت کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور جو ان کو امر بالمعروف کریں گے اور ان کو برائیوں سے روکیں گے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے جن کو ان کی شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے (مثلاً) مردار وغیرہ، اور ان کے اوپر سے انکے بوجھ کو اتارتا ہے (جو ان پر لدے ہوئے تھے) اور بندشوں کو کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے جیسا کہ توبہ کے لئے قتل نفس کرنا اور نجاست کے اثر (یعنی مقام نجاست) کو کاٹنا، لہٰذا جو لوگ ان میں سے اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی حمایت ونصرت کریں گے اور اس نور قرآن کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ما نُسِخَ فیھا، اس میں اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے خطبۃ بمعنی مخطوب، لہٰذا معنی درست ہیں۔

قولہ: کُتُب، اس لفظ کا اضافہ تعیین معنی کے لئے ہے اسلئے کہ نسخ کے متعدد معنی آتے ہیں، مثلاً اٹھانا، مٹانا، تبدیل کرنا، نقل

کرنا، یہاں لکھنے کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاُدْخِلَ اللَّامُ عَلَی المَفْعُولِ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ رَھَبَ متعدی بنفسہ ہوتا ہے لہٰذا اس کے مفعول پر لام داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ یہاں اس کے مفعول پر جو کہ لِـرَبِّھِم ہے لام داخل ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ فعل کا مفعول جب فعل پر مقدم ہو جاتا ہے تو فعل عمل میں ضعیف ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس کے مفعول پر لام داخل کر دیا جاتا۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: مِن قَوْمِہٖ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ اِختارَ لازم ہے، نہ کہ متعدی بنفسہ، اور اختارَ قومَہٗ میں متعدی بنفسہ استعمال ہوا ہے من قومہ کہہ کر اس کا جواب دیا کہ یہ حذف وایصال کے قبیل سے ہے حرف جر کو حذف کر کے فعل کو قوم سے متصل کر دیا، اور یہ طریقہ جو صرف چند افعال میں سنا گیا ہے ان ہی میں سے اختارَ، اَمَرَ، زوّجَ، استغفر، صَدَقَ، عَادَ، انبأ، ہیں۔

قَوْلُہٗ: وایّایَ، اس کا عطف اَھْلَکْتَھُمْ، کی ھم ضمیر پر ہے۔

قَوْلُہٗ: تُبنا، مفسر علام نے ھُدْنا، کی تفسیر تُبنا سے کر کے بتادیا کہ ھُدْنا، ھادَ یَھُوْدُ سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنے توبہ کرنے کے ہیں نہ ھدیٰ یھدی ھدایۃ بمعنی دلالت کرنا، رہنمائی کرنا سے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ اس میں تین ترکیبیں ہیں، اول الذین یتبعون مبتداء، یامُرُھم اس کی خبر، دوسری ترکیب الـذین یتبعون مبتداء مقدر کی خبر تقدیر عبارت یہ ہوگی ھم الذین یتبعون، تیسری ترکیب، اَلـذِین یتبعون، الذین یتقون سے بدل کل ہو۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ الَّـذِیْنَ اتخذوا العجل سَیَنَا لھم غضب من رَبّھم، دنیا میں ذلت کے علاوہ ایک غضب تو یہ ضروری قرار پایا کہ توبہ کے لئے قتل نفس ضروری قرار دیا گیا، جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کر لی ان کے لئے اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں آخرت میں ان کو کوئی سزا نہ ملے گی اور جنہوں نے توبہ نہ کی ان کو آخرت میں تو سزا ملے ہی گی دنیا میں بھی ان سے مؤاخذہ ہوگا، جیسا کہ سامری چونکہ اس نے توبہ نہیں کی تھی جس کی وجہ سے دنیا میں بھی غضب کا مستحق ہوا کہ لامساس کہتا ہوا جانوروں کے ساتھ زندگی بھر پھرتا رہا اگر کوئی اس کو یا وہ کسی کو چھو دیتا تھا تو دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ یہ خاصیت آج تک اس کی نسل میں پائی جاتی ہے، (معارف) سفیان بن عیینہ نے فرمایا جو لوگ دین میں بدعت اختیار کرتے ہیں وہ بھی اسی افتراء علی اللہ کے مجرم ہو کر اس سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

وَلَـمَّا سَکَـتَ عن موسیٰ الغضبُ اخذ الالواح وفی نُسختھا ھدی، نُسخۃٌ بروزن فُعلَۃ، بمعنی مفعول اس اصل کو کہتے ہیں جس سے نقل کیا جاتا ہے، اور نقل شدہ کو بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے، یہاں نسخہ سے یا تو تورات کی وہ اصل تختیاں مراد

یں جن پر توریت لکھی ہوئی تھی، یا وہ تختیاں مراد ہیں جو اصل تختیوں کے ٹوٹنے کے بعد دوسری عطا کی گئی تھیں، روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے تورات کو بعجلت رکھا تھا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں، پھر اللہ نے ان کو کسی دوسری چیز میں لکھا ہوا، عطا فرمایا اس کو نسخہ کہا گیا ہے۔ (معارف)

وَاختار موسیٰ قومه سبعین رجلا لمیقاتِنا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم خداوندی سے کوہ سینا پر اپنے ہمراہ لیجانے کے لئے ستر آدمیوں کو منتخب کیا، یہ آدمی کون تھے اسمیں روایات مختلف ہیں۔

نی اسرائیل کے منتخب کردہ ستر آدمی کون تھے؟

ان ستر آدمیوں کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے تورات کے احکام انھیں سنائے تو انہوں نے کہا، ہم کیسے یقین کرلیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ کی طرف سے ہے، ہم تو جب تک خود اللہ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں تسلیم نہ کریں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ستر سربرآوردہ لوگوں کا انتخاب کیا اور انھیں اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے گئے، وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ہمکلام ہوئے جسے ان لوگوں نے بھی سنا، لیکن وہاں انہوں نے ایک نیا مطالبہ کردیا کہ ہم تو جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے یقین نہ کریں گے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے بچھڑے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معذرت کے لئے کوہ طور پر لیجائے گئے تھے اور وہاں جا کر انہوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

تیسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنہوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن انھیں منع نہیں کیا اور نہ ان سے قطع تعلق کیا بلکہ ان ہی میں گھلے ملے رہے۔

چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنہیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کیلئے چنا گیا تھا وہاں جا کر انہوں نے اللہ سے دعائیں کیں، جن میں ایک دعاء یہ تھی کہ، یا اللہ ہمیں تو وہ کچھ عطا فرما جو نہ تو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا کیا اور نہ آئندہ کسی کو عطا کرنا، اللہ تعالیٰ کو یہ دعاء پسند نہیں آئی جس پر وہ زلزلے کے ذریعہ ہلاک کردیئے گئے، زیادہ تر مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں، انہوں نے وہی قصہ قرار دیا جس کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۵۶ میں آیا ہے جہاں ان پر صاعقہ (بجلی کی کڑک) کے ذریعہ موت واقع ہونے کا ذکر ہے، اور یہاں رجفۃ (زلزلے) سے موت کا ذکر ہے مگر اس کی تطبیق ممکن ہے، ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی عذاب آئے ہوں اوپر سے بجلی کی کڑک اور نیچے سے زلزلہ، بہر حال حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی اس دعاء کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک کرنا ہی تھا تو اس سے قبل اس وقت سب کے سامنے ہلاک کردیتا جب یہ گوسالہ پرستی میں مصروف تھے، میں اس الزام سے بھی بری ہوجاتا اب قوم کہے گی کہ موسیٰ نے ان کو کوہ طور پر لیجا کر قتل کردیا ہے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء قبول فرمائی اور ان کو زندہ کردیا۔

قال عذابی اصیب به مَن اَشاء ورحمتی وَسِعت کل شئ مطلب یہ ہے کہ میرا عذاب صرف اسی کو پہنچے گا جس کو

چاہوں گا ہر گنہگار کو پہنچنا ضروری نہیں ہے، اور وہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو تمرد اور سرکشی اختیار کریں گے اور توبہ نہ کریں گے۔

اور رحمت کی وسعت کا مطلب یہ ہے کہ رحمت خداوندی دنیا میں مومن و کافر، فاسق و صالح، فرمانبردار اور نافرمان سب کو پہنچتی ہے اور سب ہی اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں، حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ کی رحمت کے سو (۱۰۰) حصے ہیں یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں۔ (صحیح مسلم و ابن ماجہ)

الذين يتبعون الرسول النبي الأمي الذي يجدونه مكتوباً عندهم في التوراة والانجيل.

آپ کے اوصاف توراۃ اور انجیل میں:

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء کا جواب سابقہ آیت میں دیدیا گیا ہے، اب اس کے بعد موقع کی مناسبت سے فوراً ہی بنی اسرائیل کو محمد ﷺ کی اتباع کی دعوت دی گئی ہے، سابقہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء کے جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ یوں تو اللہ کی رحمت ہر چیز اور ہر شخص کے لئے وسیع ہے، لیکن مکمل نعمت و رحمت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان و تقویٰ اور زکوٰۃ وغیرہ کے مخصوص شرائط کو پورا کریں گے، اس آیت میں ان لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان شرائط پر پورے اترنے والے ہوں گے، اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی چند خصوصیات و علامات و چند فضائل و کمالات کا بھی ذکر فرمایا۔

رسول اُمّی سے کیا مراد ہے؟

اس جگہ رسول اور نبی کے دولقبوں کے ساتھ ایک تیسری صفت امی بھی بیان کی گئی ہے امی، ام کی طرف منسوب ہے، مطلب یہ کہ بچہ جب رحم مادر سے دنیا میں آتا ہے تو وہ اَن پڑھ ناخواندہ ہوتا ہے، اسی نسبت سے عرب میں امی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، اگر چہ یہ لفظ کسی شخص کے لئے صفت مدح نہیں ہے بلکہ ایک عیب سمجھا جاتا ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے علوم و معارف اور خصوصیات و حالات و کمالات کے ساتھ امی ہونا آپ کے لئے بڑی صفتِ کمال بن گئی ہے ایک ایسے شخص کا جس نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو علوم و معارف کا دریا بہا دینا اور ایسے بیش بہا علوم اور بے نظیر حقائق و معارف کا صدور اس کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہے جس سے کوئی معاند و مخالف بھی انکار نہیں کرسکتا، خصوصاً جبکہ آپ کی عمر شریف کے چالیس سال مکہ میں سب کے سامنے اس طرح گذرے ہوں کہ کسی سے ایک حرف پڑھانہ سیکھا، ٹھیک چالیس سال پورے ہونے پر آپ کی زبان مبارک پر وہ کلام جاری ہوا جس کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی مثال لانے سے پوری دنیا عاجز ہوگئی، تو ان حالات میں آپ کا امی ہونا آپ کے رسول من جانب اللہ ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایک بڑی شہادت ہے اسلئے امی ہونا اگر چہ دوسروں کے لئے کوئی صفت مدح نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے بہت بڑی صفت مدح و کمال ہے۔ (معارف)

آپ کو امی رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ توریت میں آپ کی علامت امی ہونا لکھا ہوا تھا اگر آپ امی نہ ہوتے تو یہود کو یہ

کہنے کا موقع مل جاتا کہ یہ آخری نبی نہیں ہے اس لئے کہ آخری نبی کی علامت اور شناخت یہ لکھی ہے کہ وہ امی ہوگا، آیت میں چوتھی صفت، رسول اللہ ﷺ کی یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ آپ کو تورات میں لکھا ہوا پائیں گے، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تورات میں آپ کی صفات کو لکھا ہوا پائیں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تورات وانجیل میں آپ کی صفات وعلامات کو ایسی وضاحت سے پائیں گے کہ ان صفات وعلامات کو دیکھنا گویا خود آنحضرت ﷺ کو دیکھنا ہے اور تورات وانجیل کی تخصیص یہاں اسلئے کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل ان ہی دو کتابوں کے قائل تھے ورنہ آپ کی صفات وعلامات زبور میں بھی موجود تھیں۔

یہ گفتگو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو رہی ہے اسلئے انجیل کا ذکر پیش گوئی کے طور پر ہوگا ورنہ تو انجیل اس زمانہ میں موجود نہیں تھی۔

تورات وانجیل میں آپ ﷺ کی صفات وعلامات:

موجودہ توریت وانجیل بے شمار تحریفات کے سبب اگرچہ قابل اعتماد نہیں رہیں اس کے باوجود اب بھی ان میں ایسے کلمات پائے جاتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر صادق آتے ہیں، اگر یہ بات واقعہ کے خلاف ہوتی تو اس زمانہ کے یہود ونصاریٰ کے لئے تو اسلام کے خلاف ایک بہت بڑا ہتھیار ہاتھ آجاتا کہ اس کے ذریعہ قرآن کی تکذیب کر سکتے تھے، لیکن اس وقت کے یہود ونصاریٰ نے بھی اس کے خلاف کوئی اعلان نہیں کیا یہ خود اس بات پر شاہد ہے کہ اس وقت تورات وانجیل میں آپ کی صفات وعلامات موجود تھیں، جس کی وجہ سے ان کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی تھی۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی جو صفات تورات وانجیل میں لکھی تھیں ان کا کچھ بیان تو قرآن مجید میں بحوالہ تورات وانجیل آیا ہے اور کچھ روایات حدیث میں ان حضرات سے منقول ہے جنہوں نے اصل تورات وانجیل کو دیکھا ہے اور ان میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

بیہقی کی ایک روایت:

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ اتفاق سے بیمار ہوگیا، تو آپ اس کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اس کا باپ اس کے سرہانے کھڑا ہوا تورات پڑھ رہا ہے آنحضرت ﷺ نے اس سے کہا اے یہودی میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت نازل فرمائی ہے کیا تو تورات میں میرے حالات اور صفات اور میرے ظہور کا بیان پاتا ہے؟ اس نے انکار کیا، تو بیٹا بولا یا رسول اللہ یہ غلط کہتا ہے تورات میں ہم آپ کا ذکر اور صفات پاتے ہیں، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود

نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اب یہ لڑکا مسلمان ہے، اس کے انتقال کے بعد اس کی (اسلامی طریقہ پر) تجہیز و تکفین کریں اس کی قوم کے حوالہ نہ کریں۔

ایک دوسری روایت:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ایک یہودی کا قرض تھا اس نے آکر اپنا قرض طلب کیا آپ نے فرمایا، اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے کچھ مہلت دیدو یہودی نے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کرو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا، چنانچہ آپ ﷺ اسی جگہ بیٹھ گئے اور ظہر، عصر، مغرب وعشاء اور اگلے دن صبح کی نماز آپ نے اسی جگہ پڑھی، صحابۂ کرام یہ ماجرا دیکھ کر رنجیدہ اور غضبناک ہو رہے تھے اور آہستہ آہستہ یہودی کو دھمکا رہے تھے، مقصد یہ تھا کہ آپ کو چھوڑ دے رسول اللہ اس کو تاڑ گئے، دریافت فرمایا کیا کرتے ہو تب انہوں نے صورت حال بتائی آپ نے فرمایا میرے رب نے منع فرمایا ہے کہ کسی معاہد وغیرہ پر ظلم کروں، یہودی یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا، صبح ہوتے ہی یہودی نے کہا، ''اَشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد انّکَ رسول اللّٰہ'' مشرف باسلام ہونے کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے اپنا آدھا مال اللہ کے راستہ میں دیدیا اور قسم خدا تعالیٰ کی کہ اس وقت جو کچھ میں نے کیا اس کا مقصد صرف یہ جانچنا تھا کہ تورات میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ آپ میں صحیح طور پر موجود ہیں یا نہیں میں نے تورات میں آپ کے متعلق یہ الفاظ پڑھے ہیں۔

محمد بن عبداللہ، ان کی ولادت مکہ میں ہوگی اور ہجرت طیبہ کی طرف اور ملک ان کا شام ہوگا نہ وہ سخت مزاج ہوں گے نہ وہ سخت بات کرنے والے نہ بازاروں میں شور کرنے والے، اور وہ فحش و بے حیائی سے دور ہوں گے، (نوٹ) ملک سے مراد حکومت ہے۔ (مظھری بحواله دلائل النبوة، معارف)

مزید تفصیل کے لئے جمالین کی جلد ششم دیکھئے۔

قُلْ خِطَابٌ للنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ** القران **وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** ﴿۱۵۸﴾ تَرْشُدُوْنَ **وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ** جماعةٌ **يَّهْدُوْنَ** النّاسَ **بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ** ﴿۱۵۹﴾ في الحكم **وَقَطَّعْنٰهُمُ** فَرَّقْنَا بني اسرائيلَ **اثْنَتَىْ عَشْرَةَ** حالٌ **اَسْبَاطًا** بدلٌ منه اى قبائِلَ **اُمَمًا** بَدلٌ مما قبلَهٗ **وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ** في التِّيهِ **اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ** فضربَهٗ **فَانْۢبَجَسَتْ** انفجرت **مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا** بعَدَدِ الاَسْبَاطِ **قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ** سبطٍ منهم **مَّشْرَبَهُمْ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ**

فی التیہِ من حَرِّ الشَّمْسِ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰىؕ هما التُّرَنْجَبِيْنُ والطَّيْرُ السَّمَانٰى بتخفيف
المیم والقَصْرِ وقُلْنَا لهم كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ
اذْكُرْ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا اَمْرُنَا
حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ اى بابَ القريةِ سُجَّدًا سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ نَّغْفِرْ بالنون وبالتاءِ مَبْنِيًّا للمفعول
لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ بالطاعةِ ثوابًا فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ
فقالُوْا حَبَّةٌ فى شَعْرَةٍ ودَخَلُوْا يزحَفُوْنَ على اَسْتَاهِهم فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا عذابًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے یہ نبی ﷺ کو خطاب ہے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر، جو اللہ پر اور اس کے کلمات قرآن پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پر آجاؤ، اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتی اور اسی کے مطابق فیصلہ میں انصاف کرتی ہے اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے بارہ قبیلے بنادئے (اثنتی عشرۃ) حال ہے اور (اسباطا) (اثنتی) سے بدل ہے، اسباط بمعنی قبائل ہے (اُمَمًا) ماقبل سے بدل ہے، (یعنی بدل سے بدل ہے) اور جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم نے میدان تیہ میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے پانی طلب کیا تو ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو پتھر پر مارو چنانچہ انہوں نے عصا پتھر پر مارا تو فوراً اس سے بارہ چشمے قبیلوں کی تعداد کے مطابق پھوٹ نکلے ہر قبیلے نے اپنے پانی پینے کی جگہ متعین کرلی مقام تیہ میں دھوپ کی تپش سے بچانے کے لئے ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے ان کے لئے من وسلویٰ اتارا اور وہ ترنجبین اور بٹیریں تھیں، اور ہم نے ان سے کہا پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں لیکن انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے، اور اس وقت کو یاد کرو جب ان سے کہا گیا اس بستی بیت المقدس میں جا کر رہو اور وہاں حسب منشا جو چاہو کھاؤ اور یہ کہتے جانا ہماری توبہ ہے اور بستی کے دروازے میں جھکے جھکے داخل ہونا ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کردیں گے (نغفر) نون کے ساتھ ہے اور مجہول کی صورت میں تاء کے ساتھ ہے اور ثواب کے لئے اطاعت کے ذریعہ نیک رویہ رکھنے والوں کو ہم مزید دیں گے، لیکن ان میں سے ظالموں نے اس بات کو جو ان کو بتائی گئی تھی دوسری بات سے بدل دیا چنانچہ حَبَّةٌ فى شعيرة کہنے لگے (اور سرنگوں داخل ہونے کے بجائے) سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تو ہم نے ان پر ان کے ظلم کی پاداش میں آسمانی عذاب بھیج دیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِلیکم جمیعًا، جمیعًا، الیکم کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: لا الٰہ اِلّا ھو یحیی ویُمیت یہ لہٗ ملکُ السمٰواتِ والارضِ سے بدل ہے۔

قولہ: اَسْبَاطًا بَدَلٌ، اَسْباطًا، اثنتی عشرۃ سے بدل ہے نہ کہ تمیز جیسا کہ بعض نے کہا ہے اسلئے کہ دس سے اوپر کی تمیز مفرد آتی ہے۔

قولہ: فضربہٗ، اس میں اشارہ ہے کہ کلام میں اختصار ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جیسے ہی پتھر پر عصا مارنے کا حکم دیا تو فوراً ہی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عصا پتھر پر مارا۔

قولہ: سِبْطٍ منھم، اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کو دفع کرنا ہے کہ قَد عَلِمَ کلُّ اناسٍ، سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہر فرد کیلئے چشمہ پھوٹ پڑا تھا اور ہر فرد نے اپنا چشمہ متعین کرلیا تھا، حالانکہ یہ صورت نہیں تھی، جواب یہ ہے کہ اناس سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے مراد ہیں ہر قبیلہ نے اپنا چشمہ متعین کرلیا۔

قولہ: وقلنا لھم، اگر اس جملہ کو محذوف نہ مانا جائے تو بلا وجہ التفات من التکلم الی الغیبت لازم آئیگا حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں اس التفات سے بچنے کے لئے قلنا لھم محذوف مانا ہے۔

قولہ: اَمُرنا، اَمُرنا کا اضافہ، ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے قال کا مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے مگر یہاں حطۃ مفرد ہے اس کی کیا تاویل ہوسکتی ہے۔

جواب: حِطّۃ، مبتداء محذوف کی خبر ہے، مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہوکر مقولہ ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں، مگر یہاں اس بات کا خیال رہے، کہ اَمُرنا مقدر ماننے کے بجائے مسئلتنا مقدر ہونا چاہئے، اسلئے کہ امرنا مقدر ماننے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، امرنا ان نحطَّ فی ھذہ القریۃ اس کا ترجمہ ہوگا ہمارا کام اس قریہ میں داخل ہونا ہے، آگے مغفرت کا ذکر ہے حالانکہ دخول قریہ اور مغفرت کا کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، بہتر ہوتا کہ اَمُرنا مقدر ماننے کے بجائے مسئلتنا مقدر مانتے تو اس صورت میں تقدیر عبارت مسئلتنا حِطّۃٌ ہوگی، اس کا مطلب ہوگا ہماری درخواست معافی ہے، قولوا کا قائل چونکہ اللہ ہے لہٰذا حطۃ اس کا مقولہ ہوگا، اب معنی یہ ہوں گے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم ملک شام میں معافی کی درخواست کرتے ہوئے عاجزی اور سرنگوں ہوکر داخل ہونا تو ہم تمہاری لغزشوں کو معاف کردیں گے، مگر بنی اسرائیل نے اس ہدایت کو نہ مانا اور اللہ کی بتائی ہوئی باتوں کو بدل دیا، حطۃ کے بجائے حَبَّۃ فی شعیرۃ کرلیا اور سرنگوں داخل ہونے کے بجائے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔

قولہ: بالتَاءِ مَبْنِیًّا للمَفْعُوْلِ، یعنی تغفر میں ایک قراءت تُغفر مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی ہے مگر اس صورت میں خطیئٰتُکم، نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

قولہ: یَزْحَفُوْنَ، (ف) آہستہ آہستہ سرین کے بل سرکنا۔

قولہ: اَسْتَاهُهم، اَسْتَاهٌ، ستةٌ، کی جمع ہے سرین کو کہتے ہیں۔

قولہ: فبدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُم تبدیل کا مطلب ہوتا ہے ایک کی جگہ دوسرے کو رکھنا تبدیلی کے لئے دو کا ہونا ضروری ہے ان میں سے ایک متروک ہوگا اور دوسرا ماخوذ جو متروک ہوتا ہے اس پر باء داخل ہوتی ہے اور ماخوذ پر باء داخل نہیں ہوتی، یا یوں کہہ لیجئے کہ لفظ بَدَلٌ، دو کی طرف متعدی ہوتا ہے ایک کی طرف باء کے ذریعہ اور دوسرے کی طرف بغیر باء کے، جس پر باء داخل ہوتی ہے وہ متروک ہوتا ہے اور دوسرا ماخوذ، اس سے معلوم ہوا کہ کلام میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بالذی قیل لهم قولا غیر الذی.

تفسیر وتشریح

قُلْ یاَیُّها الناس اِنّی رسول اللّٰه الیکم جمیعا، یہ آیت بھی رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں کائنات کے انسانوں میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ پوری نوع انسانی کے نجات دہندہ اور رسول ہیں، اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں نہ کسی اور مذہب میں۔

ومن قوم موسیٰ امة یَهْدُون بالحق وبه یَعْدِلون، اس سے مراد یا تو وہ چند لوگ ہیں جو یہودیت سے نکل کر اسلام میں داخل ہوگئے تھے مثلاً عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء، یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں گوسالہ پرستی سے محفوظ رہے تھے ان کی تعداد گوسالہ پرستی کرنے والوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔

آپ ﷺ کی رسالت عامہ کے برخلاف ہر نبی کی رسالت علاقائی یا قومی رہی ہے، یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کے فرد تھے حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک صاحبزادے لاوی کی نسل سے تھے، لہٰذا آپ کی رسالت بنی اسرائیل کے لئے مخصوص تھی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف جو کہ قبطی تھی کیوں بھیجا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی رسالت قومی یا علاقائی نہیں تھی۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اصالۃً صرف دو باتوں کے لئے بھیجا گیا تھا ایک تو یہ کہ توحید کے قائل ہوجائیں اور صرف خدائے واحد کی عبادت کریں، دوسرا مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کی قید غلامی سے چھڑانا تھا، چنانچہ یہی دو باتیں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے پیش کیں، اب رہا تورات پر عمل کا مسئلہ تو یہ خالص بنی اسرائیل کے لئے تھا اسلئے کہ تورات مقام تیہ میں عطا کی گئی اور فرعون اس سے پہلے ہی غرق دریا ہو چکا تھا۔ (حمل)

وَاَوْحَیْنَا اِلی موسیٰ اِذِ اسْتَسْقٰه قومه (الآیة) سابق میں ان احسانات کا ذکر تھا جن کا تعلق انتظام سے تھا، اب مزید تین احسانوں کا ذکر ہے، ایک یہ کہ جزیرہ نمائے سینا بیابانی علاقہ میں ان کے لئے پانی کے انتظام کا غیر معمولی مسئلہ جو کہ

دشوارترین کام تھا غیر معمولی طریقہ پر حل کیا، دوسرے دھوپ سے بچانے اور سر چھپانے کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں تھا اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ سے دعاء کر کے اس طرح حل کرایا کہ بادل نے ان کے لئے سائبان اور خیمہ کا کام دیا تیسری بات یہ کہ خوراک کا مسئلہ بھی بڑا اہم تھا اس کا انتظام بھی من وسلویٰ کے نزول کی شکل میں کیا گیا، ظاہر ہے کہ مذکورہ تین بنیادی ضرورتوں کا بروقت اگر انتظام نہ کیا جاتا تو قوم جن کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی اس بے آب وگیاہ علاقہ میں بھوک اور پیاس سے ختم ہوجاتی، آج بھی اگر کوئی شخص وہاں جائے تو دیکھ کر حیران رہ جائیگا کہ اگر یہاں چھ لاکھ انسانوں کا ایک قافلہ اچانک آٹھہرے تو اس کے لئے پانی، خوراک، سایہ کا آخر کیا انتظام ہوسکتا ہے؟ اگر کوئی حکومت کسی علاقہ میں پانچ چھ لاکھ فوج لے جانا چاہے تو اس کے لئے سامان رسد کے انتظام میں منتظمین کو دردسر لاحق ہوجاتا ہے، جزیرہ نمائے سینا کے طبعی اور معاشی جغرافیہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنی بڑی تعداد کیلئے ایسے میدانی علاقہ میں کہ جہاں خورد ونوش کا سامان کس طرح آناً فاناً انتظام ہوگیا جبکہ مصر کی طرف سے دریا حائل ہونے کی وجہ سے رسد کا راستہ منقطع تھا، اور دوسری طرف اس جزیرہ نما کے مشرق اور شمال میں عمالقہ کے قبیلے اس کی مزاحمت پر آمادہ تھے، ان امور کو پیش نظر رکھ کر صحیح طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان چند مختصر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے جن احسانات کا ذکر فرمایا ہے، وہ درحقیقت کتنے بڑے احسانات تھے اور اس کے باوجود یہ کتنی بڑی احسان فراموش قوم تھی کہ اللہ کے فضل وکرم کی ایسی صریح نشانیاں دیکھ لینے پر بھی یہ قوم مسلسل ان نافرمانیوں اور غداریوں کی مرتکب ہوتی رہی جن سے اس کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

وَسْـَٔلْهُمْ يا محمدُ تَوبِيخًا عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ مُجاوِرَةَ بَحرِ القُلْزُم وهى ايلةُ ماوَقعَ (وقف لازم)
بأهلِها اِذْ يَعْدُوْنَ يَعتَدُوْنَ فِى السَّبْتِ بصَيدِ السَّمَكِ المامورين بتَركِه فيه اِذْ ظرفٌ لِيَعدُوْنَ
تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا ظاهرةً على الماءِ وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لا يُعَظِّمُوْنَ السبتَ اى سائرَ
الايام لَا تَأْتِيْهِمْ ۚ ابتلاءً من اللهِ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ ولما صَادُوا السمكَ افتَرقَت (معانقة ٦ عند المتقدمین النصف)
القريةُ اثلاثًا ثُلثٌ صَادُوْا معهم وثُلثٌ نَهَوْهُمْ وثُلثٌ اَمسَكُوْا عن الصيدِ والنهى وَاِذْ عطفٌ على اذ،
قبلَهٗ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لَم تَصِدْ ولم تَنْهَ لِمَن نَهى لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۗ
قَالُوْا مَوعِظَتُنا مَعْذِرَةً نَعتَذِرُ بها اِلٰى رَبِّكُمْ لئلا نُنْسَبَ الى تقصيرٍ فى تركِ النهىِ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ الصيدَ
فَلَمَّا نَسُوْا تَرَكُوْا مَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوْا بِهٖٓ فلم يَرجِعُوْا اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
بالاعتداءِ بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ شديدٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا تَكَبَّرُوْا عَنْ تركِ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا
قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ صَاغِرِيْنَ فكَانُوْها وهذا تفصيلٌ لما قبلَهٗ قالَ ابنُ عباسٍ رضى الله تعالىٰ عنه ما اَدرِىْ ما
فُعِلَ بالفِرْقَةِ السَّاكِتَةِ وقالَ عِكرِمَةُ لم تُهلَكْ لانها كَرِهَتْ ما فَعَلُوْهُ وقالَت لم تَعِظُوْنَ الخ وروى
الحاكمُ عن ابنِ عباسٍ رضى الله تعالىٰ عنه انهٗ رَجَعَ اليه واَعجَبَهٗ وَاِذْ تَاَذَّنَ اَعلَمَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ

اى اليهودِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ بالذُّلِّ وَاَخْذِ الجِزْيَةِ فَبَعَثَ عليهم سليمٰنَ عليه
السَّلامُ وبَعْدَهُ بُخْتَ نَصَرَ فَقَتَلَهم وسَبَاهم وضَرَبَ عليهم الجزيةَ فكانُوا يُؤَدُّوْنَهَا الى المُجُوْسِ الى اَنْ بُعِثَ
نَبِيُّنَا صلى الله عليه وسلم وضَرَبَهَا عليهم اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ۖ لِمَنْ عَصَاهُ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ لِاَهْلِ طَاعَتِهٖ
رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۷﴾ بهم وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فَرَّقْنٰهم فِى الۡاَرۡضِ اُمَمًا ۚ فِرَقًا مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ نَاسٌ دُوۡنَ ذٰلِكَ ۫ الكفارُ والفاسِقُوْنَ
وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ بالنِّعَمِ وَالسَّيِّاٰتِ النِّقَمِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾ عن فِسْقِهِم فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ التوراةَ
عن اٰبائِهم يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى اى حُطَامَ هذا الشئِ الدَّنِى اى الدنيا من حَلالٍ وحرامٍ
وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ ما فَعَلْنَاهُ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ ؕ الجملةُ حَالٌ اى يَرْجُوْنَ المغفرةَ وهم عَائِدُوْنَ
الى مَا فَعَلُوْهُ مُصِرُّوْنَ عليه ولَيْسَ فى التوراةِ وَعْدُ المغفرةِ مَعَ الاِصْرَارِ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ استفهامُ تقريرٍ
عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ الاضافةُ بمعنى فى اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوۡا عَطْفٌ على يُؤْخَذ قَرَءُوْا مَا فِيۡهِ ؕ
فَلِمَ كَذَّبُوْا عليه بِنِسْبَةِ المغفرةِ اليه مع الاِصْرَارِ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ الحرامَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ بالياءِ
والتاءِ انها خَيْرٌ فيُؤْثِرُوْهَا على الدنيا وَالَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بالتشديدِ والتخفيفِ بِالۡكِتٰبِ منهم وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ
كعبدِ اللّٰهِ بنِ سلامٍ رضى الله تعالىٰ عنه واَصْحَابِهٖ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ ﴿۱۷۰﴾ الجملةُ خَبَرُ الذين وفيهِ
وَضْعُ الظاهِرِ مَوْضِعَ المضمرِ اى اَجْرَهُمْ وَ اذكر اِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ رَفَعْنَاهُ من اَصْلِهٖ فَوۡقَهُمۡ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوۡۤا اَيْقَنُوْا
اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ۚ سَاقِطٌ عليهم بوعدِ اللّٰهِ اِيَّاهم بِوُقُوْعِهٖ اِن لَمْ يَقْبَلُوْا احكامَ التوراةِ وكانوا اَبَوْهَا لِثِقْلِهَا
فَقَبِلُوْا قُلْنَا لهم خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ جِدٍّ واجتهادٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ بالعَمَلِ به لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱ ۹ ۱۱

ترجمہ: اے محمد ﷺ تو بیخاً ان سے اس بستی کا حال پوچھو جو بحر قلزم کے قریب واقع تھی کہ اس کے باشندوں پر کیا گذری؟ اور وہ بستی ایلہ تھی، جبکہ وہ ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کے بارے میں تجاوز کر رہے تھے، حالانکہ اس دن میں شکار نہ کرنے کے مامور تھے، اور مچھلیاں ہفتہ کے دن اُبھر اُبھر کر پانی کی سطح پر آتی تھیں اِذْ، یَعْدُوْنَ کا ظرف ہے اور ہفتہ کے علاوہ دنوں میں جن کی وہ ہفتہ کے دن کے مانند تعظیم نہیں کرتے تھے، یعنی ہفتہ کے علاوہ بقیہ دنوں میں اللہ کی طرف سے آزمائش کے طور پر نہیں آتی تھیں، حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہم اسی طرح آزمائش کرتے ہیں، اور جب انہوں نے ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کرلیا تو وہ بستی تین فرقوں میں تقسیم ہوگئی، ان میں سے ایک تہائی نے ان کے ساتھ شکار کیا، اور ایک تہائی نے ان کو منع کیا اور ایک تہائی نے نہ شکار کیا اور نہ (شکار کرنے والوں کو) منع کیا، اور جب ان میں سے اس فریق نے جس نے نہ شکار کیا اور نہ (دوسروں) کو منع کیا ان لوگوں سے کہا جنہوں نے منع کیا، تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو؟ جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے اِذْ ماقبل کے اِذْ پر معطوف ہے، تو انہوں نے جواب دیا ہماری نصیحت عذر خواہی کے لئے ہے جس کو ہم تیرے رب کے حضور پیش کریں گے تاکہ ترک نہی کی کوتاہی ہماری طرف منسوب نہ کی جائے اور تاکہ وہ شکار سے باز

آجائیں، آخر کار جب وہ ان نصیحتوں کو بالکل ہی فراموش کر گئے جوان کو کی گئی تھیں تو وہ باز نہ آئے، تو ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جوان کو برائی سے روکتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے تعدی کرکے ظلم کیا سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے، پھر جب انہوں نے منہی عنہ کے ترک پر سرکشی دکھائی تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر ہو جاؤ، تو وہ بندر ہو گئے، اور یہ ماقبل کی تفصیل ہے، (یعنی فَلَمَّا میں فاء تفصیلیہ ہے نہ کہ تعقیبیہ) حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ سکوت اختیار کرنے والے فرقہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ اور عکرمہ نے کہا وہ ہلاک نہیں کئے گئے اسلئے کہ انہوں نے تعدی کرنے والوں کے فعل کو ناپسند کیا، اور کہا لِمَ تعظون قومًا الخ، اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے توقف کے بعد حاکم کے قول کی طرف رجوع کیا، اور اس کو پسند فرمایا، اور یاد رکھو جبکہ تیرے رب نے اعلان فرمایا کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا جوان کو ذلت کے ساتھ اور ٹیکس (جزیہ) عائد کرکے سخت عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے چنانچہ ان پر سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو مسلط فرمایا، اور اس کے بعد بخت نصر کو تو اس نے ان کو قتل کیا اور قید کیا، اور ان پر (جزیہ) ٹیکس عائد کیا، جس کو وہ مجوسیوں کو ادا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمارے نبی محمد ﷺ مبعوث کئے گئے تو آپ نے بھی ان پر جزیہ عائد کیا، یقیناً تیرا رب اپنی نافرمانی کرنے والے کو سزا دینے میں تیز دست ہے، اور اہل طاعت کے لئے غفور و رحیم بھی ہے، اور ہم نے ان کو زمین کے ٹکڑے کرکے مختلف گروہ بنا دیا ان میں سے کچھ نیک ہوئے اور کچھ اس کے برعکس کافر اور فاسق ہوئے، اور ہم نے ان کو نعمت و نقمت کے ذریعہ اچھے برے حالات کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کیا تاکہ وہ اپنے فسق سے باز آجائیں، پھر اگلے لوگوں کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے جو اپنے آباء سے کتاب (یعنی) تورات کے وارث ہوئے کہ وہ اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹ رہے ہیں، یعنی اس دنیائے دنی کی حقیر چیز خواہ حلال یا حرام (سمیٹ رہے ہیں) اور کہہ دیتے ہیں کہ ہماری حرکتوں کو معاف کر دیا جائیگا اور اگر اسی جیسی متاع دنیا دوبارہ سامنے آتی ہے تو پھر اسے لپک کر لے لیتے ہیں اور ویقولون الخ جملہ حالیہ ہے، یعنی حال یہ کہ وہ مغفرت کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اپنی حرکتوں کا بار بار اعادہ کرتے ہیں، اور اس پر اصرار کرتے ہیں اور تورات میں اصرار کے ہوتے ہوئے مغفرت کا کوئی وعدہ نہیں ہے، کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا استفہام تقریری ہے، اضافت بمعنی فی ہے، کہ وہ اللہ کے بارے میں وہی بات کہیں جو حق ہو (اور کیا) انہوں نے کتب میں جو کچھ ہے اس کو نہیں پڑھا دَرَسُوْا کا عطف یوخَذُ پر ہے، تو پھر اصرار کے باوجود اس کی طرف مغفرت کی نسبت کرکے بہتان کیوں باندھتے ہیں، اور دار آخرت تو حرام سے بچنے والوں ہی کے لئے بہتر ہے کیا وہ اس کو سمجھتے نہیں ہیں کہ دار آخرت بہتر ہے، یاء اور تاء کے ساتھ، کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں اور ان لوگوں کا جوان میں سے کتاب کو تھامے ہوئے ہیں (یمسکون) تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء، یقیناً ہم نیک کردار لوگوں کا اجر ضائع نہ کریں گے، یہ جملہ، الذین کی خبر ہے، اور اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لایا گیا ہے، ای اجرھم، اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر ان کے اوپر اس طرح چھا دیا تھا گویا کہ وہ چھتری

ہے اور وہ اس بات کا یقین کئے ہوئے تھے کہ وہ ان کے اوپر آپڑے گا، اللہ کے ان سے اس (پہاڑ) کو (ان کے اوپر) ڈالدینے کا وعدہ کرنے کی وجہ سے، اگر وہ تورات کے احکام کو قبول نہ کریں گے، اور وہ ان (احکام) کے گراں (مشکل) ہونے کی وجہ سے (قبول کرنے سے) انکار کر چکے تھے، چنانچہ انہوں نے (اس وقت) قبول کرلیا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامو، یعنی کوشش اور محنت سے، اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے عملی طور پر یاد رکھو توقع ہے کہ تم (غلط روی سے) بچے رہو گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِى كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ، آپ ﷺ کو چونکہ اہل قریہ کے حالات معلوم تھے اس لئے سوال برائے علم کا کوئی مقصد نہیں ہے، اسی لئے اس سوال کو سوال توبیخ وتقریع قرار دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: حَاضِرَةَ الْبَحْرِ، ای بجوار البحر، اس قریہ کے بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض نے اَيْلَة کہا ہے اور بعض نے طبریہ، اور بعض نے مدین اور بعض نے ایلیا، اور کہا گیا ہے کہ شام میں ساحل بحر کے قریب مراد ہے کہا جاتا ہے، كُنتُ بحضرة الدار ای بقربها. (فتح القدیر، شوکانی)

قِوْلُہٗ: شُرَّعًا یہ شارع کی جمع ہے بمعنی ظاہر ہونا۔

قِوْلُہٗ: مَوْعِظَتُنَا، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مَعْذِرَةً قالوا کا مقولہ ہے اور مقولہ کا جملہ ہونا ضروری ہوتا ہے حالانکہ معذرة مفرد ہے اس کا جواب دیا کہ یہ قالوا کا مقولہ نہیں ہے بلکہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور وہ موعظتنا ہے، اور یہ معذرةٌ کی رفع کی قراءت کی صورت میں ہے اور نصب کی صورت میں فعل محذوف کا مفعول لہ ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی، عظناهم معذِرةً ای لِمعذرةٍ.

قِوْلُہٗ: وهذا تفصيلٌ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال، یہ کہ فَلَمَّا عَتَوْا پر فاء داخل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے سزا دی مگر انہوں نے پھر بھی سرکشی کی، اس کی سزا میں ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا، حالانکہ ان کو صرف یہی مسخ کا ایک عذاب دیا گیا اس کے علاوہ کوئی عذاب نہیں دیا گیا اور فَلَمَّا میں فاء تفصیل کی ہے نہ کہ تعقیب کی۔

قِوْلُہٗ: اُمَماً یا توقطعنا کی ضمیر سے حال ہے یا قطّعنا کا مفعول ثانی ہے۔

قِوْلُہٗ: نَاسٌ منهم خبر مقدم ہے دون ذلك موصوف محذوف کی صفت ہے اور وہ مبتداء ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ومنهم ناسٌ قوم دون ذلك.

قِوْلُہٗ: الجُمْلَةَ حالٌ وَان ياتيهم عرض مثله يأ خذوه، یہ جملہ یقولون کی ضمیر سے حال ہے، اور یقولون بمعنی یعتقدون ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاسْئلهم عن القريه، هُمْ ضمیر سے مراد یہود ہیں، اس میں یہود کو یہ بتانا ہے کہ اس واقعہ کا علم نبی ﷺ کو بھی ہے جو آپ کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ اس کا علم آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے وحی ہی کے ذریعہ ہوسکتا تھا، قــریة، کی تعیین میں اختلاف ہے جس کو تحقیق وترکیب کے زیرعنوان بیان کردیا گیا ہے دیکھ لیا جائے۔

ربط آیات:

جاری رکوع سے پہلے رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بقیہ قصہ کا بیان تھا اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کی غلط کاریوں کا ذکر ہے اوران کے انجام بد کا بیان ہے۔

اِذْ يَعْدُوْنَ فی السبتِ اِذ تاتيهم حيتانهم يوم سبتِهم شرّعًا (الآية) محققین کی غالب رائے اس مقام کے بارہ میں یہ ہے کہ یہ مقام ایْلَة یا ایلات، یا ایلوت تھا، جہاں اب اسرائیل کی یہودی ریاست نے اسی نام کی ایک بندرگاہ بنائی ہے، اس کے قریب ہی اردن کی مشہور بندرگاہ عقبہ واقع ہے۔

جس واقعۂ حیتان کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے اس کے متعلق یہود کی کتب مقدسہ میں کوئی ذکر نہیں ملتا مگر قرآن میں جس انداز سے اس واقعہ کو یہاں اور سورۂ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے دور میں بنی اسرائیل بالعموم اس واقعہ سے واقف تھے اور یہ حقیقت ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے جو نبی ﷺ کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے قرآن کے اس بیان پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں کیا۔

یوم السبت (شنبہ) ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں، یہ دن بنی اسرائیل کے نزدیک مقدس قرار دیا گیا تھا، اور آج بھی مقدس مانا جاتا ہے، اس روز کوئی دنیوی کام نہیں کیا جاتا تھا، جانوروں، لونڈیوں، غلاموں غرضیکہ ہر قسم کا دنیوی کام موقوف رکھا جاتا تھا، اور جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا تھا وہ واجب القتل سمجھا جاتا تھا، لیکن آگے چل کر بنی اسرائیل نے اس قانون کی خلاف ورزی شروع کردی۔

یوم السبت میں مچھلی پکڑنے کا واقعہ:

قرآن کریم کے واقعۂ حیتان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی میں تین قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو بلا خوف وخطر دھڑلّے سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کررہے تھے دوسرے وہ جو خود تو خلاف ورزی نہیں کرتے تھے مگر اس خلاف ورزی کو خاموشی سے بیٹھے دیکھ رہے تھے، اور جو لوگ روک ٹوک کررہے تھے ان سے کہتے تھے کہ ان کم بختوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ؟ تیسرے وہ لوگ جو حدود اللہ کی کھلم کھلا اس خلاف ورزی کو برداشت نہیں کرسکتے تھے وہ اس خیال سے کہ شاید

ہماری نصیحت سے یہ لوگ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے باز آجائیں، اور ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائیں اس صورت حال میں جب اس بستی پر اللہ کا عذاب آیا تو قرآن مجید کا بیان ہے کہ ان تینوں فریقوں میں سے صرف تیسرا فریق ہی اس عذاب سے محفوظ رہا، بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے گروہ کے متعلق مبتلائے عذاب ہونے کی تصریح کی ہے مگر دوسرے گروہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے لہٰذا اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نجات پانے والوں میں تھے یا مبتلائے عذاب ہونے والوں میں، امام ابن کثیر کا رجحان اس طرف ہے کہ مبتلائے عذاب صرف پہلا گروہ ہوا باقی دونوں گروہ نجات پانے والوں میں تھے۔

وَاِذْ تَـاَذَّنَ ربك لَيَبْعَثَنَّ عَلَيهِمِ الى يوم القيامة (الآية) تأذَّنَ، ایذان سے ہے اسی کے معنی خبردار کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، لَيَبْـعَثَنَّ، میں لام تاکید ہے جو قسم کے معنی کا فائدہ دیتا ہے، یعنی قسم کھا کر نہایت تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا رہے گا، چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت و مسکنت اور غلامی کی تاریخ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے، اسرائیل کی موجودہ ریاست قرآن کی بیان کردہ حقیقت کے خلاف نہیں اسلئے کہ وہ قرآن کے بیان کردہ استثناء، وحبل من الناس کا مظہر ہے جو قرآنی بیان کردہ حقیقت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کا مؤید ہے۔

اسرائیل کی موجودہ ریاست سے مغالطہ:

چند سالوں سے فلسطین کے ایک حصہ پر ان کے قبضہ واقتدار واجتماع سے دھوکا نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اجتماع تو ان کا اس جگہ آخری زمانہ میں ہونا چاہئے تھا، کیونکہ صادق ومصدوق رسول کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قرب قیامت آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے نصاریٰ سب مسلمان ہوجائیں گے، اور یہود سے جہاد کرکے ان کو قتل کردیں گے، فلسطین میں بنی اسرائیل کو جمع کیا گیا ہے تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے قتل کرنے میں آسانی ہو۔

قضیۂ قدس اور اس کا تاریخی پس منظر:

شام اور فلسطین کو بے شمار انبیاء کرام کی سرزمین ہونے کا شرف حاصل ہے فلسطین وہ خطۂ قدس ہے کہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حبرون کو اپنی تبلیغی دعوت کا مرکز بنایا اور بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد ڈالی حضرت اسحٰق ویعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سرزمین میں توحید اور حق وصداقت کی آواز بلند کی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ارض موعود یہی سرزمین تھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائے پیدائش ہونے کا شرف اسی سرزمین کو حاصل ہے اسی سرزمین میں واقع مسجد اقصیٰ سے حضرت محمد ﷺ سفر معراج پر تشریف لے گئے ہجرت کے ابتدائی دور میں یہی مسجد مسلمانوں کا قبلہ رہی۔

فلسطین اور مسلمان:

اس دور کی طاقتور ترین (سپر پاور) رومی سلطنت تھی جس کا حکمراں ہرقل اپنے دور کا سب سے بڑا سپہ سالار سمجھا جاتا تھا، شام و فلسطین اسی کے زیر اقتدار تھے، جنگ یرموک حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانہ میں اسی کے دور میں لڑی گئی تھی، یہ جنگ حضرت خالد بن ولید کی سالاری میں لڑی گئی، حضرت خالد بن ولید نے اپنی جنگی صلاحیتوں کا خوب خوب مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے صرف چالیس ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ سے زیادہ رومی فوجوں کو شکست دیکر پسپائی پر مجبور کردیا، جب قیصر روم (ہرقل) کو رومی افواج کی پسپائی کی خبر ملی تو بصد رنج و غم اپنی سلطنت کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کا رخ کیا، ملک شام کی فتح کے ساتھ ہی بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

عیسائیوں کی شرط کے مطابق حضرت عمر نے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا وہ مشہور سفر کیا جس میں آپ اور آپ کا غلام باری باری اونٹ پر سفر کرتے تھے اور بیت المقدس میں داخلے کے وقت غلام کے سوار ہونے کی باری تھی۔

فلسطین اور بنوامیہ و بنوعباس:

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بعد بنوامیہ اور اس کے بعد بنوعباس کا دور آیا اس دور میں فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں رہا، اس کے بعد سلجوقیوں کے دور میں ملک شاہ کے انتقال کے بعد سلجوقیوں کا زوال شروع ہوگیا، جس کی وجہ سے شام اور ایشائے کوچک ایک بار پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔

صلیبی جنگوں کی ابتداء:

یہی وہ دور ہے کہ جب صلیبی جنگیں لڑی گئیں، عیسائیوں نے مسلمانوں کی کمزوری اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کردیا، ان جنگوں میں یورپ کے علاوہ جرمنی، فرانس، اٹلی کی ایک زبردست فوج بیت المقدس کی بازیابی کے لئے روانہ ہوئی، مسلمانوں کی خانہ جنگی اور کمزوری نے مسلمانوں کو شکست سے دوچار کردیا جس کی وجہ سے پورا ساحلی علاقہ نیز بیت المقدس ۴۹۲ھ میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا، اس جنگ میں تقریباً ستر ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی بازیابی:

۵۲۱ھ تا ۵۴۱ھ عماد الدین زنگی نے بیت المقدس کو واپس لینے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے نورالدین زنگی نے اپنے والد عماد الدین زنگی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بیت المقدس کو قبضہ

فرنگ سے آزاد کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی مقصد میں کامیابی سے پہلے ہی اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

مصر کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کو وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا سلطان بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خداترس مجاہد بھی تھا، نورالدین زنگی کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے پوری سلطنت صلاح الدین ایوبی کے قبضہ میں آئی، سلطان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو فتح بیت المقدس تھی چنانچہ حطین کے میدان میں اسلامی اور رومی فوجوں کا مقابلہ ہوا، سلطان کو فتح وکامرانی نصیب ہوئی، ایک طویل زمانہ کے بعد بیت المقدس پھر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا، جس کی وجہ سے عیسائی دنیا میں کھل بلی مچ گئی۔

پہلی جنگ عظیم اور خلافتِ عثمانیہ:

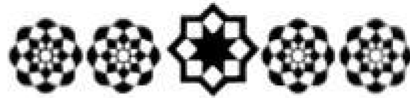
پہلی جنگ عظیم سے پہلے فلسطین خلافتِ عثمانیہ کا ایک حصہ تھا، جرنل اللنبی کی سپہ سالاری میں انگریزی فوجیں بیت المقدس میں داخل ہوگئیں اور انگریزی سپہ سالار نے اعلان کر دیا کہ صلیبی جنگ آج بھی جاری ہے، پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے عربوں سے آزاد مملکت کا وعدہ کیا تھا مگر یہ وعدہ سراسر فریب تھا، اسی زمانہ میں فرانس اور برطانیہ نے خفیہ معاہدہ کے تحت عرب علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔

صیہونی عزائم اور سقوط بیت المقدس:

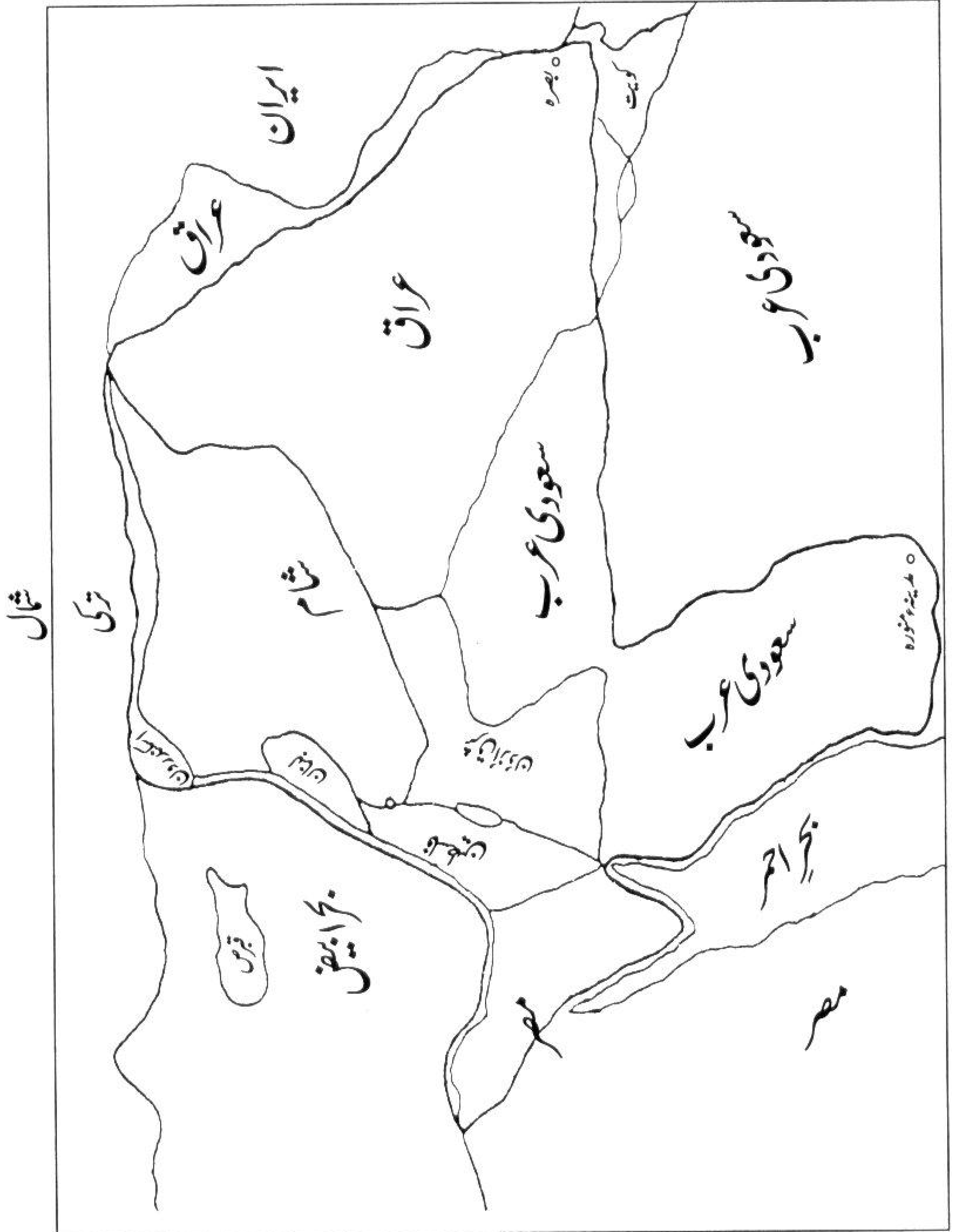
فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کا قیام دنیا کی تاریخ کا ایک نہایت افسوسناک اور تاریک باب ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک رستا ہوا ناسور بھی، صیہونی درندوں نے فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ظلم و بربریت کی وہ داستان رقم کی ہے جس کا تصور بھی محال ہے، اور یہ کارروائی گزشتہ نصف صدی سے تاہنوز جاری ہے نومبر ۱۹۱۷ء میں خلافت عثمانیہ (ترکی) کی شکست کے بعد برطانیہ کے خارجہ امور کے سکریٹری مسٹر بالفور (Mr Bolfore) نے حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک اعلان کیا جو اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے، اس اعلان کے مطابق صیہونی لیڈروں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کو ایک علیحدہ وطن دیا جائیگا، کونسل اوف لیگ آف نینز (اس وقت کی اقوام متحدہ) نے ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء کی فلسطین پر قانونی حکومت کا اختیار برطانیہ کو دیدیا اسی اختیار کے ساتھ یہودیوں نے دنیا کے کونے کونے سے فلسطین کی طرف نقل مکانی شروع کر دی ۱۹۴۷ء میں جرنل اسمبلی میں تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور کی گئی ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے مکمل طور پر دست برداری کا اعلان کر دیا اور اسی تاریخ کو اسرائیلی ریاست کا اعلان کر دیا گیا، اسی وقت سے اسرائیل اپنی توسیع پسند پالیسی پر گامزن ہے۔

۱۹۴۸ء میں جب یہودی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ صرف پانچ ہزار تین سو مربع میل تھا اور اس کی حدود میں پانچ لاکھ یہودی اور پانچ لاکھ چھ ہزار عرب آباد تھے اب یہ رقبہ ۳۳ ہزار مربع میل ہوگیا ہے، ۱۹۔ اگست ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصی

میں آتش زنی کا واقعہ پیش آیا جس میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا بنوایا ہوا بیش قیمت منبر بھی جل گیا تھا اس واقعہ نے پوری اسلامی دنیا میں غم وغصہ کی لہر دوڑادی، آتش زنی کا یہ واقعہ مسجد اقصٰی کو منہدم کرنے کی صیہونی سازش کا ایک حصہ تھا، اس کے بعد یہود نے جب مسجد اقصٰی کی دیواروں کے قریب ہیکل سلیمانی کے آثار معلوم کرنے کے لئے کھدائی شروع کی تو ان شبہات کو مزید تقویت پہنچی کہ یہودی مسجد اقصٰی کو کسی نہ کسی بہانہ سے گرا کر اس کی جگہ ہیکل سلیمانی از سر نو تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کا نقشہ انجینیروں نے تیار کرلیا ہے۔



وہ یہودی ریاست جس کا خواب اسرائیل کے لیڈر دیکھ رہے ہیں



وَاِذْ نَتَقْنَا الجبل فوقهم (الآیة) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے تو انہوں نے حسب عادت عمل کرنے سے انکار کر دیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ بلند کیا کہ تم پر گرا کر تمہیں کچل دیا جائیگا، جس سے ڈرتے ہوئے انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کر لیا، بعض کہتے ہیں کہ رفع جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبہ پر پیش آیا جب انہوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر پہاڑ کو بلند کر کے دکھائے، مگر پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

وَ اذكر اِذْ حين اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ بَدَلُ اشتمالٍ مِمَّا قَبْلَهٗ بِاِعادةِ الجار ذُرِّيَّتَهُمْ بأن اَخرجَ بَعْضَهم من صُلْبِ بعضٍ من صُلْبِ ادمَ نَسْلاً بعدَ نسلٍ كنحوِمَا يَتَوَالَدُوْنَ كالذرِّ بنُعمان يوم عرفة ونَصَبَ لهم دلائلَ على ربوبيته وركب فيهم عقلا وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ قال اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى انت رَبُّنا شَهِدْنَا بذلك والاشهادُ لِ اَنْ لا تَقُوْلُوْا بالياءِ والتاءِ في الموضعين اى الكفارُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا التوحيدِ غٰفِلِيْنَ﴿۱۷۲﴾ لا نَعْرِفُهٗ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اى قَبْلَنا وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ فَاقْتَدَيْنَا بهم اَفَتُهْلِكُنَا تُعَذِّبُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴿۱۷۳﴾ من اٰبائنا بتاسيسِ الشركِ المعنى لَا يُمْكِنُهُمُ الاحتجاجُ بذلك مع اِشْهادِهم على اَنْفُسِهم بالتوحيد والتذكيرُ به على لِسانِ صاحبِ المعجزةِ قائمٌ مَقامَ ذِكْرِهٖ في النُّفُوس وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ نُبَيِّنُهَا مِثْلَ مَا بَيَّنَّا الميثاقَ لِيَتَدَبَّرُوْهَا وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۱۷۴﴾ عن كُفرِهم وَاتْلُ يا محمدُ عَلَيْهِمْ اى اليهودِ نَبَاَ خَبَرَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا خَرَجَ بِكُفْرِهٖ كما تَخْرُجُ الحَيَّةُ من جِلْدِها وهو بلعم بن بَاعُوْرَا من عُلَمَاءِ بني اسرائيلَ سُئِلَ اَنْ يَدْعُوَ على موسى وَمَنْ مَعَهٗ وأُهْدِيَ اليه شيءٌ فَدَعَا فَانْقَلَبَ عليه وَانْدَلَعَ لِسانُهٗ على صَدْرِهٖ فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَادْرَكَهٗ فصار قرينَه فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ الى مَنَازِلِ العُلَمَاءِ بِهَا بان نوفِّقَهُ لِلعَمَلِ وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ سَكَنَ اِلَى الْاَرْضِ اى الدنيا ومَالَ اليها وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فى دُعَائِهٖ اليها فوضَعْناه فَمَثَلُهٗ صِفَتُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ بالطَّرْدِ والزَّجْرِ يَلْهَثْ يَدْلَعُ لِسانَهٗ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ وليس غيرُهٗ من الحيواناتِ كذلك وجملتا الشرطِ حالٌ اى لاهثًا ذليلاً بكلِّ حالٍ والقصدُ التشبيهُ في الوَضْعِ والخِسَّةِ بقرينةِ الفاءِ المُشْعِرَةِ بتَرْتِيبِ مَا بَعْدَهَا على ما قبلَهَا من المَيْلِ الى الدنيا واتباعِ الهوى بقرينةِ قولِهٖ ذٰلِكَ المَثَلُ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ على اليهودِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴿۱۷۶﴾ يتدبَّرُوْن فيها فيُؤْمِنُوْن سَآءَ بِئْسَ مَثَلَا الْقَوْمُ اى مَثَلُ القومِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴿۱۷۷﴾ بالتكذيبِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا خَلَقْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا الحقَّ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا دلائلَ قُدْرَةِ اللهِ تعالى بصرَ اعتبارٍ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا الاياتِ والمواعظَ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ واتِّعاظٍ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ في عَدَمِ الفِقْهِ والبَصَرِ

والاستماع **بَلْ هُمْ اَضَلُّ** من الانعام لانّها تَطْلُبُ مَنَافِعَها وتَهْرُبُ من مَضَارِّها وهؤلاءِ يُقْدِمُوْنَ على النارِ مُعَانَدَةً **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** التسعةُ والتسعون الواردُ بها الحديثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ **فَادْعُوْهُ** سَمُّوْهُ **بِهَا وَذَرُوا** اُتْرُكُوا **الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ** من اَلْحَدَ ولَحَدَ يَمِيْلُوْنَ عن الحقِّ **فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ** حَيْثُ اشْتَقُّوْا منها اَسْمَاءً لِاٰلِهَتِهِم كاللاتِ من اللّٰهِ والعُزّٰى من العزيزِ ومَنَاتَ من المنَّان **سَيُجْزَوْنَ** في الآخِرةِ جَزَاءَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۸۰﴾** وهذا قَبْلَ الامْرِ بالقتالِ **وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴿۱۸۱﴾** هم امةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كما في حديثٍ.

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو کہ تیرے رب نے جب اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا، مِنْ ظُهُوْرِهِمْ اپنے ماقبل (من بني آدم) سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے بایں طور کہ وادیٔ نعمان میں عرفہ کے دن بعض کو بعض کی پشت سے صلبِ آدم سے چیونٹی کی شکل میں نکالا نسلاً بعد نسلٍ اس کے مطابق کہ جس طرح پیدا ہوں گے اور اپنی ربوبیت پر ان کے لئے دلائل قائم کئے اور ان کے اندر عقل کو ترتیب دیا، اور خود ان کو ان کے اوپر شاہد بنایا (اللہ) نے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور یہ گواہ بنانے کا کام اس لئے کیا تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس توحید سے بے خبر تھے یعنی ہمیں اس کا علم نہیں تھا، یا یہ نہ کہنے لگو کی شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء نے کیا تھا دونوں جگہ یاء اور تاء کے ساتھ، (یاء کی صورت میں) کفار مراد ہوں گے، اور ہم تو بعد کو ان کی ذریت سے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ہم نے ان کی اقتداء کی پھر کیا آپ ہمیں ان کے قصور کی پاداش میں سزا دیتے ہیں جو ہمارے آباء میں سے غلط کار لوگوں نے شرک کی بنیاد ڈال کر کیا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی ذات پر گواہ بنانے کے بعد اس قسم کا احتجاج ممکن نہ رہے گا اور صاحبِ معجزہ (نبی علیہ الصلاۃ والسلام) کی زبانی یاد دلانا خود ان کے دلوں میں یاد رہنے کے قائم مقام ہے اور ہم اسی طرح نشانیاں واضح طور پر بیان کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے عہد الست کو بیان کیا تاکہ ان میں غور و فکر کریں تاکہ وہ کفر سے باز آجائیں اے محمد ﷺ یہود کو اس شخص کی خبر سناؤ جس کو ہم نے اپنی نشانیاں (کرامات) عطا کی تھیں تو وہ کفر کی وجہ سے ان کرامات سے نکل گیا جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے اور وہ علماء بنی اسرائیل میں سے بلعم بن باعورا تھا، اس سے درخواست کی گئی کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے بددعاء کردے اور اس کو کچھ ہدیہ بھی دیا گیا چنانچہ اس نے بددعاء کردی مگر وہ بددعاء اسی پر پلٹ گئی، اور اس کی زبان نکل کر اس کے سینے پر لٹک گئی، پھر شیطان نے اس کا پیچھا کیا چنانچہ اس کو پالیا اور اس کا دوست بن گیا، تو وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو گیا، اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی بدولت اسے اعلیٰ درجات پر فائز کردیتے اس طریقہ پر کہ اس کو عمل کی توفیق عطا کردیتے، مگر وہ پستی، یعنی دنیا کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اس کی طرف مائل ہو گیا اور خواہشات کی طرف بلانے میں اپنی خواہش کی پیروی کی تو ہم نے بھی اس کو پست (ذلیل) کردیا، تو اس کی مثال اس کتے جیسی ہو گئی کہ اگر تو دھتکار کے ذریعہ اس پر سختی کرے تو زبان لٹکائے رہے، اور اگر تو چھوڑ دے تب بھی زبان لٹکائے رہے، کتے کے علاوہ کسی جانور میں یہ خاصیت نہیں

ہے اور دونوں شرطیہ جملے حال ہیں یعنی لاھثًا ذلیلا، حال یہ کہ وہ زبان لٹکائے ہر حال میں ذلیل ہے اور مقصد پستی اور ذلت میں تشبیہ دینا ہے (اور) قرینہ فاء ہے جو کہ مشعر ہے اپنے مابعد کے ماقبل پر جو کہ دنیا کی طرف میلان اور خواہش کی اتباع ہے، مرتب ہونے کی وجہ سے اس کے قول ذلك المثل کے قرینہ سے، یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، تو آپ یہود کو قصے سنایئے تاکہ ان میں غور وفکر کریں اور ایمان لے آئیں، اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بری مثال ہے، وہ لوگ تکذیب کی وجہ سے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اللہ جس کو ہدایت کرتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جس کو بے راہ کرے وہی زیاں کاروں میں سے ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے ان کے ایسے قلوب ہیں کہ ان سے حق کو سمجھتے نہیں ہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کو عبرت کی نظر سے دیکھتے نہیں ہیں، اور ان کے کان ہیں مگر ان کے ذریعہ وہ آیات کو اور نصیحتوں کو تدبر اور نصیحت کے لئے سنتے نہیں ہیں یہ لوگ نہ سمجھنے اور نہ دیکھنے اور نہ سننے میں جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے ہیں اسلئے کہ جانور اپنے منافع کو طلب کرتا ہے اور مضرت رساں چیزوں سے (دور) بھاگتا ہے، اور یہ لوگ تو عناد کی وجہ سے جہنم کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں اور اللہ کے ننانویں اچھے اچھے نام ہیں جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں، حُسْنٰی اَحْسَنُ کی مؤنث ہے، لہٰذا اس کو ان ہی ناموں سے پکارو اور ان کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں کجروی اختیار کرتے ہیں یہ اَلْحَدَ اور لَحَدَ سے مشتق ہے اس طور پر کہ انہوں نے اللہ کے ناموں سے اپنے معبودوں کے نام بنا لئے ہیں، مثلاً لات، اللہ سے اور العزّٰی، عزیز سے اور منات مَنّان سے عنقریب آخرت میں وہ اس کا بدلہ پا کر رہیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتی ہے اور وہ محمد ﷺ کی امت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: بَدَلُ اشتمالٍ مما قبله، یعنی من ظهورهم، بنی آدَمَ سے بدل الاشتمال ہے، یہ قول کواشی کی اتباع میں ہے، صاحب کشاف نے کہا ہے کہ بدل البعض عن الکل ہے، اور یہی ظاہر ہے، جیسا کہ ضربت زیدًا ظهرَہ، اس کو کسی نے بدل الاشتمال نہیں کہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی ''وَاِذ اَخَذَ ربُّكَ من ظهور بنی آدم''۔

قولہ: مِنْ صُلْبِ بَعْضٍ مِنْ صُلْبِ آدَمَ، من صلب بعض موصوف ہے اور من صلب آدم صفت ہے، یعنی نکالا ذریت کو صلب بعض سے جو کہ صلب آدم ہے۔

قولہ: نسلاً بعد نسلٍ، یعنی اسی ترتیب سے دنیا میں ظہور ہونے والا تھا، یعنی اول حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت سے آدم کی بلا واسطہ ذریت کو نکالا اور پھر ذریت آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا۔

قولہ: قال، لفظ قال کو اس وجہ سے مقدر مانا کہ بلا ضرورت التفات عن الغیبت الی التکلم لازم نہ آئے۔

قولہ: اَنْتَ رَبُّنَا، یہ اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ بلیٰ، قالوا کا مقولہ ہے اور مقولہ کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے چہ جائیکہ بلیٰ، حرف مقولہ واقع ہو، جواب یہ ہے کہ عبارت میں حذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے بلیٰ انت ربنا، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قولہ: والاشهادُ، لِاشْهَادُ اور لام کی تقدیر سے اشارہ کردیا کہ ان تقولوا، شَهِدْنا کا مفعول لہ ہے۔ (تسہیل)

قولہ: شهِدْنا، اس میں تین احتمال ہیں، ① یہ کہ ملائکہ کا کلام ہو کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم کے اقرار پر گواہ بنایا ہو، اس صورت میں وقف بلیٰ پر ہوگا، ② یہ بھی احتمال ہے کہ ذریت کا کلام ہو اس صورت میں معنی ہوں گے ہم نے اس کا اقرار کیا، شہادت دی، اس صورت میں بلیٰ پر وقف درست نہ ہوگا بلکہ شهدنا پر ہوگا، ③ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو، ای شهدنا علی اقرارکم کراهة ان تقولوا، اولِئلّا تقولوا، یعنی ہم نے تم سے اس لئے اقرار لیا تاکہ تم لاعلمی کا عذر نہ کرسکو یا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ تم لاعلمی کا عذر کرو۔

قولہ: المعنٰی لایُمْکِنُهُمُ الاِحْتِجَاجُ بذلك مطلب یہ ہے کہ ذریت آدم سے اقرار لینے کے بعد ان کے پاس لاعلمی اور غفلت کا عذر باقی نہیں رہے گا وہ یہ نہ کہہ سکیں گے، یا الٰہ العٰلمین اس عہد و میثاق کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں تھا جس کی وجہ سے ہم غفلت میں رہے۔

قولہ: وَالتَذْکِیْرَ بہ عَلٰی لِسَانِ صَاحِبِ المُعْجِزَةِ قائمٌ مَقَامَ ذِکْرِہٖ فی النُفُوْسِ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ روز ازل میں لیا ہوا اقرار دنیا میں آنے کے بعد نسیا منسیا ہوگیا اب کسی کو بھی عہد اَلَسْت یاد نہیں ہے تو ایسے عہد سے کیا فائدہ کہ جو یاد ہی نہ ہو اور نہ اس کی وجہ سے مؤاخذہ ہی ہونا چاہئے۔

جواب: اس بھولے ہوئے عہد الست کو ہی یاد دلانے کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث کیا جاتا ہے جو مسلسل اس عہد کو یاد دلاتے رہتے ہیں، لہٰذا اب عدم مؤاخذہ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قولہ: التَذْکِیْرُ مُبْتَدَأٌ ہے اور قائم مقام ذکرہ فی النفوس اس کی خبر ہے۔

قولہ: سَکَنَ، اس میں اشارہ ہے کہ اَخْلَدَ، خلود سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی دوام کے ہیں بلکہ اَخْلَدَ بمعنی مال ہے، اَخْلَدَ الی الارض، ای مالَ اِلَیْها.

قولہ: فی دعائہٖ الیها ای دعاء الهوٰی ایّاہ، یعنی خواہش نفس نے بلعام کو دنیا کی طرف بلایا، اس میں مصدر مضاف فاعل ہے۔

قولہ: فَوَضَعْنَاہ، ای ذَلّلْناہ.

قولہ: اَوْ اِنْ تَتْرُکْهُ، بعض نسخوں میں اِنْ، چھوٹا ہوا ہے جو کہ کاتب کا سہو ہے، مفسّر علّام نے، اِنْ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اس کا عطف تحمل پر ہے نہ کہ اِنْ تحمِلْ پر لہٰذا تترکہ کا جزم ظاہر ہوگیا۔

قولہ: جُمْلَتَا الشَرْطِ حَالٌ، یعنی معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملے حال ہیں مطلب یہ ہے کہ کتا ہر حال میں لاھث رہتا ہے خواہ حالت شدت ہو یا راحت۔

تفسیر وتشریح

عالم ارواح میں عہد الست:

جیسا کہ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق کے موقع پر پیش آیا تھا اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسانی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا، اسی طرح نسل آدم کو بھی جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی اللہ تعالیٰ نے وجود وشعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار وشہادت لی تھی، اول حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت سے بلا واسطہ پیدا ہونے والی ذریت کو نکالا اور ان سے عہد الست لیا اس کے بعد آدم کی ذریت کی پشت سے اس کے بعد ان کی پشت سے علی ہذا القیاس تا قیامت نسلاً بعد نسل، پیدا ہونے والی ذریت کو نکالا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور اس عہد پر خود ان کو اور ملائکہ کو اور پوری کائنات کو گواہ بنایا اس کی تفصیل ایک روایت میں اس طرح آئی ہے کہ وادی نعمان میں عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم سے عہد ومیثاق لیا، آدم کی پشت سے ان کی ہونیوالی تمام اولاد کو نکالا اور ان کو اپنے سامنے پھیلایا اور ان سے پوچھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا "بلی شهدنا". (مسند احمد، حاکم)

عہد الست کی غرض:

اَوْ تقولوا اِنّما اشرکَ آباؤنا (الآیۃ) اس آیت میں وہ غرض بیان کی گئی جس کے لئے ازل میں پوری نسل آدم سے اقرار لیا گیا تھا اور وہ یہ کہ انسانوں میں سے جو لوگ اپنے خدا سے بغاوت کریں گے وہ اپنے اس جرم کے پوری طرح ذمہ دار ہوں گے، انھیں اپنی صفائی میں نہ تو لاعلمی کا عذر پیش کرنے کا موقع ملے گا اور نہ وہ سابق نسلوں پر اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈال کر خود بری الذمہ ہو سکیں گے۔

وَاتلُ عَلَیهِم نبأ الذی اٰتینٰه اٰیٰتِنا فانسلخ منها (الآیۃ) اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا عبرت ناک واقعہ مذکور ہے، بنی اسرائیل کا ایک بڑا عالم اور مشہور مقتداء علم ومعرفت کے اعلیٰ معیار پر ہونے کے باوجود دفعۃً گمراہ ہو گیا۔

بلعم بن باعوراء کے واقعہ کی تفصیل:

مذکورہ آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم یہود کو اس شخص کا قصہ سناؤ جس کو اللہ نے اپنی نشانیاں دی تھیں مگر وہ ان نشانیوں سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے ائمۂ تفسیر سے اس بارے میں مختلف روایتیں مذکور ہیں جن میں زیادہ مشہور اور جمہور کے نزدیک قابل اعتماد وہ روایت ہے جو ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی

ہے اس روایت میں اس شخص کا نام بلعم بن باعوراء آیا ہے، اور بعض نے بلعام بن باعر نام بتایا ہے، یہ ملک شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا، ایک روایت میں اس کو اسرائیلی بتایا گیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی بعض کتابوں کا علم حاصل تھا قرآن کریم میں جو اس کی صفت بیان ہوئی ہے وہ "الذی اتیناہ آیتِنَا" ہے اس سے اسی علم کی طرف اشارہ ہے، غرق فرعون اور ترک مصر کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور بنی اسرائیل کو جبارین قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر قریب پہنچ چکے ہیں، جبارین کو اس کی فکر ہوئی جمع ہو کر بلعم بن باعوراء کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر ہے وہ ہمارے ملک پر قبضہ کرنے اور ہم کو ہمارے ملک سے بے دخل کرنے کے لئے آئے ہیں آپ اللہ سے دعاء کریں کہ ان کو ہمارے ملک سے واپس کردے، بلعم بن باعوراء کو اسم اعظم معلوم تھا وہ اس کے ذریعہ جو دعاء کرتا وہ قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے اول تو معذرت کی اور کہا وہ اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ فرشتوں کا لشکر ہے میں ان کے خلاف بددعاء کیسے کرسکتا ہوں؟ اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جائیں گی، مگر قوم نے بے حد اصرار کیا تو بلعم نے کہا اچھا تو میں اس معاملہ میں استخارہ کرکے اپنے رب کی مرضی معلوم کرلوں اس نے استخارہ کیا استخارہ میں معلوم ہوا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا، اس نے قوم سے کہا مجھے بددعاء کرنے سے منع کردیا گیا ہے، اس وقت جبارین نے ایک بہت بڑا تحفہ بلعم کو پیش کیا اس نے قبول کرلیا اس کے بعد جبارین کا اصرار بہت زیادہ بڑھ گیا، بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ رشوت قبول کرلیں اور ان کا کام کردیں، بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کردیا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور بنی اسرائیل کے لئے بددعاء کرنی شروع کردی۔

قدرت الٰہیہ کا عجیب کرشمہ:

اس وقت قدرت الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ کلمات بددعاء جو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے لئے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظِ بددعاء قوم جبارین کے لئے نکلے، جبارین چلا اٹھے کہ تم تو ہمارے لئے بددعاء کر رہے ہو، بلعم نے جواب دیا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر تباہی آئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان لٹک کر سینے پر آگئی، اب اس نے جبارین سے کہا میری تو دنیا و آخرت تباہ ہوگئی اب میری دعاء کی قبولیت سلب کرلی گئی، لیکن میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں جس کے ذریعہ تم موسیٰ اور اس کی قوم پر غالب آسکتے ہو، وہ یہ کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو آراستہ کرکے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کردو کہ بنی اسرائیل میں کوئی بھی ان کے ساتھ جو کچھ بھی کرنا چاہے منع نہ کریں، بلعم بن باعوراء کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آگئی، اور اس پر عمل کیا گیا، بنی اسرائیل کا ایک بڑا شخص جس کا نام شمعون بن یعقوب بتایا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لشکر کا سپہ سار بھی تھا اسے ایک عورت بہت پسند آئی وہ اسے لیکر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میرا خیال یہ ہے کہ آپ اس

عورت کو حرام سمجھیں گے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ مجھ پر بھی حرام ہے اور تجھ پر بھی، اس نے یہ بات سنتے ہی قسم کھا کر کہا کہ میں آپ کی اطاعت نہیں کروں گا، اور اپنے خیمہ میں لے جا کر فعل بد کا مرتکب ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں طاعون بھیج دیا جس کے نتیجہ میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں امیہ بن صلت کا نام لیا ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا، اس کے علاوہ بعض مفسرین نے شانِ نزول کے سلسلہ میں اور نام بھی لئے ہیں مگر یہ بات طے ہے کہ علی بن طلحہ کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تفسیر کے باب میں بڑی معتبر روایت ہے، ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کا یہی شان نزول بیان کیا ہے لہٰذا یہی شان نزول صحیح ہے۔ (معارف، احسن التفاسیر، فتح القدیر شوکانی)

فَمَثَلُهٗ کمثل الکلب اِن تحملْ علیه یلهثْ، (الآیة) لَهِثَ (س) لَهثًا، پیاسا ہونا، کتے کا ہانپتے وقت زبان نکالنا کتے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ تم اسے ڈانٹو ڈپٹو ڈراؤ یا اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو زبان لٹکائے ہی رہتا ہے۔

کتے کے ساتھ جس شخص کو تشبیہ دی گئی ہے یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا ہے اللہ نے اس کو جو علم، معرفت عطا کیا تھا اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس رویّہ سے بچتا جس کو وہ غلط سمجھتا تھا اور وہ طرز عمل اختیار کرتا جو اسے معلوم تھا کہ صحیح ہے، لیکن وہ دنیا کے فائدوں، لذتوں اور آرائشوں کی طرف جھک پڑا، خواہشات نفس کے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس نے ان کے آگے سپر ڈالدی دنیا کی حرص وطمع سے بالاتر ہونے کے بجائے وہ اس حرص وطمع سے ایسا مغلوب ہوا کہ ان تمام حدود کو توڑ کر نکل بھاگا جن کی نگہداشت اس کو خود کرنی چاہئے تھی جب وہ اپنی اخلاقی کمزوری کی وجہ سے حق سے منہ موڑ کر بھاگا تو شیطان جو قریب ہی اس کی گھات میں لگا ہوا تھا اس کے پیچھے لگ گیا اور برابر اسے ایک پستی سے دوسری پستی کی طرف دھکیلتا رہا یہاں تک کہ ظالم نے اسے ان لوگوں کے زمرے میں پہنچا کر ہی دم لیا جو اس کے دام فریب میں پھنس کر پوری طرح اپنی متاع عقل وہوش گم کر چکے ہیں۔

کتے کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ کتے کی جو خصلتیں ہوتی ہیں وہ سب اس میں جمع ہو جاتی ہیں، کتے کی ہر وقت لٹکی ہوئی زبان اور ٹپکتی ہوئی رال، نہ بجھنے والی آتش حرص، کبھی سیر نہ ہونے والی نیت کا پتہ دیتی ہے ہم اپنے محاورہ میں بھی ایسے شخص کو جو دنیا کی حرص میں اندھا ہو رہا ہو، دنیا کا کتا، کہتے ہیں، کتے کی جبلت کیا ہے؟ حرص وآز، چلتے پھرتے اس کی ناک سونگنے ہی میں لگی رہتی ہے کہ شاید کہیں سے بوئے طعام آجائے، کتا پوری دنیا کو صرف پیٹ ہی کے نظریہ سے دیکھتا ہے، کہیں کوئی بڑی لاش پڑی ہو جو کئی کتوں کے لئے کافی ہو تو ایک کتا اس میں سے صرف اپنا حصہ لینے پر ہی اکتفاء نہیں کرتا بلکہ اسے صرف اپنے ہی لئے مخصوص رکھنا چاہتا ہے اور کسی دوسرے کتے کو اس کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا، اس شہوت شکم کے بعد کوئی چیز اس پر غالب ہے تو وہ شہوت فرج ہے، اپنے سارے جسم میں سے صرف شرمگاہ ہی وہ چیز ہے جس سے وہ دلچسپی رکھتا ہے اور اسی کو سونگھنے اور چاٹنے میں مشغول رہتا ہے، اس تشبیہ کا مدعا یہ ہے کہ دنیا پرست آدمی جب علم وایمان کی رسّی تڑا کر بھاگتا ہے

اور نفس کی اندھی خواہشات کے ہاتھ میں اپنی باگیں تھما دیتا ہے تو پھر کتے کی حالت کو پہنچے بغیر نہیں رہتا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا القراٰن من اهلِ مكةَ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ناخذُهم قليلاً قليلاً مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اُمْهِلُهُم اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾ شديدٌ لا يُطاقُ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فيَعلَمُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ محمدٍ صلى الله عليه وسلم مِّنْ جِنَّةٍ جُنُونٍ اِنْ ما هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾ بَيِّنُ الانذارِ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ مُلكِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ فى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ بيانٌ لما فيَستَدِلُّوا على قُدرَةِ صانِعِه وَحدانِيَّتِه وَّ فى اَنْ اى انه عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ قَرُبَ اَجَلُهُمْ فيَمُوتُوا كفارًا فيَصِيرُوا الى النَّارِ فيُبادِرُوا الى الايمان فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ اى القراٰن يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ بالياءِ والنونِ مع الرفعِ استينافًا والجزمِ عطفًا على محلِّ مَا بَعْدَ الفاءِ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٨٦﴾ يَترَدَّدُونَ تحيُّرًا يَسْـَٔلُوْنَكَ اى اهلُ مكةَ عَنِ السَّاعَةِ القيامةِ اَيَّانَ متى مُرْسٰىهَا قُلْ لهم اِنَّمَا عِلْمُهَا متى تكونُ عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا يُظهِرُها لِوَقْتِهَآ اللامُ بمعنى فى اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ عَظُمَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ على اَهلِها لِهَولِها لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً فجأةً يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ مُبالِغٌ فى السوالِ عَنْهَا ؕ حتى علمتَها قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ تاكيدٌ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٧﴾ انما علمُها عندَهُ تعالى قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا اَجلِبُهُ وَّلَا ضَرًّا اَدفعُهُ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ما غابَ عنى لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ من فَقرٍ وغيرِه لاحترازى عنه باجتنابِ المَضارِّ اِنْ ما اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ بالنار للكفرين وَّبَشِيْرٌ بالجنة لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾

ترجمہ: اہل مکہ میں سے جن لوگوں نے ہماری آیتوں یعنی قرآن کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج گرفت میں لے رہے ہیں، اس طریقہ پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور ان کو میں مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، جس کا کوئی توڑ نہیں، کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ کہ جان لیتے کہ ان کے رفیق محمد ﷺ کو کسی قوم کا جنون نہیں، وہ تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہے کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (دیگر) ان چیزوں میں جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے (من شیء) ما کا بیان ہے، کہ اس کے بنانے والے کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر استدلال کرتے، اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہی آ گیا ہو کہ وہ حالت کفر ہی میں مرجائیں اور آگ میں پہنچ جائیں، لہٰذا ایمان کی طرف سبقت کرنی چاہئے، پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے، جس کو اللہ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں حیرانی سے بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے یاء اور نون کی صورت میں بطور استیناف رفع کے ساتھ، اور جزم کے ساتھ مابعد الفاء کے محل پر عطف کی وجہ سے، اہل مکہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اسے اس کے وقت پر وہی ظاہر کرسکتا ہے وہ آسمانوں اور زمین والوں پر اس کی ہولناکی کی وجہ سے بڑا بھاری وقت ہوگا وہ (قیامت) تم پر اچانک آپڑے گی، یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تحقیق کر چکے ہیں حتی کہ آپ کو اس کا علم ہوگیا آپ

کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے یہ تاکید ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع کا جسکو میں حاصل کرسکوں اختیار نہیں رکھتا اور نہ نقصان کا کہ اس کو دفع کرسکوں مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ چاہے، اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع جمع کر لیتا، اور مجھے فقر وغیرہ کی کوئی تکلیف نہ پہنچتی میرے اس نقصان سے بچ جانے کی وجہ سے، بسبب مضر چیزوں سے اجتناب کے میں تو کافروں کو آگ سے ڈرانے والا ہوں اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: نـاخذُ، نَسْتَدْرِجُ کی تفسیر نـاخذُ سے کرکے معنی مرادی کی جانب اشارہ کردیا، استدراج کے لغوی معنی درجہ بدرجہ چڑھنا (الاستصعاد درجةً بعد درجةٍ) چونکہ کفار کے لئے کوئی اصعاد نہیں ہے اسلئے اس کے مرادی معنی مراد ہیں یعنی بتدریج گرفت کرنا۔

قولہ: اَمهِلُهم، یہ اضافہ بھی مرادی معنی کو بیان کرنے کے لئے ہے، اسلئے کہ اُملی کے معنی املاء کرانے کے ہیں جو کہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

قولہ: فَیَعلمُون یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: فیعلمون مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: فیعلمون مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ ما بِصَاحِبِهِم، یَعْلمون مقدر کا مفعول ہے نہ کہ یتفکروا اس لئے کہ یتفکروا، لازم ہے اسکو مفعول کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ مفعول موجود ہے، لہٰذا اعتراض ختم ہوگیا کہ یتفکروا مفعول کی طرف متعدی نہیں ہے۔

قولہ: جُنُوْنٌ، جنة کی تفسیر جنون سے کرکے اشارہ کردیا کہ جنة سے قوم جن مراد نہیں ہے اسلئے کہ یہ کفار کے جواب میں واقع ہے کفار کہا کرتے تھے اِنّ صاحبکم لمجنون، اگر جنة سے قوم جن (جنات) مراد لی جائے تو سوال اور جواب میں مطابقت نہیں رہے گی۔

قولہ: وفی اس تقدیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے ما خلق اللّٰه کا عطف ملکوت پر ہے نہ کہ قریب (الارض) پر اس لئے کہ اس صورت میں معنی درست نہ رہیں گے۔

قولہ: ای اَنَّـهٗ، اس تقدیر میں اشارہ ہے کہ اَن مخففہ عن الثقیلہ ہے نہ کہ مصدریہ جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے، اس لئے کہ اَن مصدریہ افعال غیر متصرفہ پر داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے مصادر نہیں ہوتے۔

قولہ: فَیَتَبادَرُوْا یہ اَوَلَمْ ینظروا، کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قولہ: مع الرَفعِ اسْتِئنَافًا، ای وهو نذرُهم.

قولہ: وبالجزم عطفًا علیٰ محلِّ ما بعد الفاءِ، یہ نذرھم میں دوسری ترکیب کی طرف اشارہ ہے، نذر میں دو اعراب ہیں رفع بوجہ استیناف کے اور جزم بسبب جواب نہی، لا ھادی لہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مجزوم ہے۔

سوال: محل پر عطف کیا لفظ پر نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اسلئے کہ اس صورت میں فعل کا اسم پر عطف لازم آتا ہے جو کہ مستحسن نہیں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے من یضلل اللّٰہ فلا یھدیہ احد و نذرھم.

قولہ: مُرسٰھا، اِرساءٌ، سے مصدر میمی ہے بمعنی استقرار واثبات، مجرد، رَسَا، بمعنی ثبت، رستِ السفینۃ ای وقفت عن الجری۔

قولہ: حَفِیٌّ، سوال میں مبالغہ کرنے والا یعنی مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے والا، جو ایسا مبالغہ کرتا ہے وہ حقیقت حال سے واقف ہو جاتا ہے، اور اسی سے احفاء الشارب ہے۔

تفسیر و تشریح

وَالَّذِینَ کذّبوا بآیٰتِنَا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون، سابق رکوع کی آخری آیت میں اس امتِ اجابت کی دو خصوصیتیں بیان کی گئی تھیں ایک قیادت و رہنمائی دوسرے اختلاف کے وقت قانونِ شریعت کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں باتیں کسی بھی قوم یا جماعت کی فلاح و کامرانی کی ضامن ہو سکتی ہیں۔

امت محمدیہ کی تمام دیگر امتوں پر فضیلت و فوقیت کا راز اور ان کا طغرائے امتیاز یہی حق پرستی ہے صحابہ و تابعین کی پوری زندگی اس کی آئینہ دار ہے۔

والذین کذبوا بآیٰتنا الخ دوسری آیت میں اس شبہ کا جواب ہے کہ جب قومی ترقی کا مدار حق پرستی اور حق وانصاف کی پیروی پر ہے تو دوسری غیر مسلم قومیں جو حق سے سراسر دور ہیں وہ کیوں دنیا میں پھولتی پھلتی نظر آتی ہیں، وَالّذین کذبوا سے اسی کا جواب ہے یعنی ہم اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اپنی حکمت و رحمت کی بناء پر دفعۃً نہیں پکڑتے بلکہ آہستہ آہستہ تدریجاً پکڑتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی اسلئے دنیا میں کفار و فجار کی دولت و ثروت جاہ و عزت سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ وہ ان کے لئے کوئی بھلائی کا سامان نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے استدراج (ڈھیل) ہے۔

وَاُملی لَھُم اِنّ کیدی متین مجرموں اور فاسقوں اور جھٹلانے والوں اور مجرموں کو بسااوقات فوراً سزا نہیں ملتی، بلکہ دنیوی عیش و فراخی کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں، حتی کہ خدائی سزا سے بے خوف و بے فکر ہو کر ارتکاب معاصی پر اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں حتی کہ وہ انتہائی سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں، یہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے وہ حماقت و سفاہت سے سمجھتے ہیں کہ ہمارے اوپر مہربانی ہو رہی ہے۔

قل لا اَملِکُ لنفسی نفعاً و لا ضرًا الّا ما شاء اللّٰہ، یہ آیت اس بات پر کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں، عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے صریح دلیل ہے علم و جہالت کی انتہاء ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ ﷺ کو معروف معنی میں

عالم الغیب باور کرانے کی سعی بے سود کرتے ہیں اغلب یہ ہے کہ اس طبقے کے پڑھے لکھے اور سمجھدار کہلانے والے لوگ اس کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں صرف اپنی قوم و برادری میں ساکھ قائم رکھنے یا اپنے دنیوی مفاد کے لئے قوم کے سامنے اور اسٹیجوں پر دعوائے بلا دلیل کرتے ہیں جب ہزار ہا تاریخی واقعات آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ وصال کے وقت آپ کو علم غیب کلی عطا کیا گیا تھا اول تو وصال کے وقت علم غیب کا فائدہ کیا؟ اور جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ حدیث میں موجود ہے کہ وصال کے آخری ایام میں جب آپ کو غشی سے افاقہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ دریافت فرماتے کہ کیا نماز ہوگئی؟ اس سے بھی عالم الغیب ہونے کی نفی ہوتی ہے؟ اہل بدعت نے جب دیکھا کہ یہ داؤ بھی بے کار گیا تو کہہ دیا کہ بعد از وصال میدان حشر میں آپ کو علم غیب کلی عطا ہوگا، مگر جب وہ حدیث سامنے آئی جو سابق میں گذر چکی ہے کہ آخرت میں تمام مخلوق پر بے ہوشی طاری ہوجائے گی تو آپ نے فرمایا کہ ہوش میں آنیوالوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا، مگر جب میری نظر عرش پر پڑے گی تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام عرش کا پایا پکڑے کھڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر بے ہوشی طاری نہیں ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تجلی الٰہی کے دیدار کی وجہ سے ایک دفعہ دنیا میں بے ہوش ہو چکے تھے، یا بے ہوش ہوئے مگر وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے، یہ ترکیب بھی کام نہ آئی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرنے کی اور کوئی صورت سوچیں، یہ سب کوتاہ علموں کی باتیں ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اہل علم و دانش کے نزدیک یہ کوئی اہم مسئلہ ہی نہیں ہے۔

لکن اکثر الناس لا یعلمون، اکثر لوگ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے، رسول بہرحال بندہ اور مخلوق ہوتا ہے، اس کو اللہ کی کسی بھی صفت میں اللہ کا شریک سمجھنا جہل محض اور الحاد محض اور رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنا ایسا ہی مضحکہ خیز دعویٰ ہے جیسے قادر مطلق کہنا (تفسیر ماجدی ملخصاً) وحی کے ذریعہ بعض مغیبات پر واقف ہوجانا علم غیب نہیں ہے۔

هُوَ ای اللّٰہُ **الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** ای ادمَ **وَّجَعَلَ** خلقَ **مِنْهَا زَوْجَهَا** حوّاءَ **لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا** ویألفَها **فَلَمَّا تَغَشّٰهَا** جامعَها **حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا** هو النُطفةُ **فَمَرَّتْ بِهٖ** ذهبتْ وجائتْ لخفتِهٖ **فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ** بکِبَرِ الوَلَدِ فی بَطْنِها واَشفَقَا ان یکونَ بہیمةً **دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا** وَلَدًا **صَالِحًا** سَوِیًّا **لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ** ﴿۱۸۹﴾ لك علیہِ **فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا** ولدًا **صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ** وفی قراءةٍ بکسرِ الشینِ والتنوینِ ای شریکًا **فِيْمَآ اٰتٰهُمَا** بتَسْمِیَتِہٖ عَبْدَ الحارِثِ ولا یَنْبَغِیْ ان یکونَ عَبْدًا الا لِلّٰہِ ولیسَ باشراکٍ فی العبودیةِ لِعِصْمَةِ اٰدمَ وروی سمرةُ عن النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالَ لما وَلَدَتْ حواءُ طافَ بہا ابلیسُ وکانَ لا یَعِیْشُ لہا وَلَدٌ فقال سَمِّیْہِ عبدَ الحارثِ فانہ یَعِیْشُ فَسَمَّتْہُ فَعَاشَ فکانَ ذٰلک من وحی الشیطانِ واَمرِہٖ رواہ الحاکمُ وقالَ صحیحٌ والترمذی وقالَ حَسَنٌ غریبٌ **فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ﴿۱۹۰﴾ ای اھلُ مکةَ بہٖ من الاصنامِ والجملةُ مُسَبَّبَةٌ عَطفٌ علی خلقکم وما بینہما اعتراضٌ **اَيُشْرِكُوْنَ** بہٖ فی العبادةِ **مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ** ﴿۱۹۱﴾ **وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ** ای لعابدیہم

نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ بِمَنْعِها ممن اَرَادَ بهم سُوْءً من كسر اوغيرهِ والاستفهامُ للتوبيخ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ
اى الاصنامَ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ با لتشديدِ والتخفيفِ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اليه اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾
عن دُعَائِهِمْ لا يَتَّبِعُوْهُ لعدم سَمَاعِهِمْ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ مَمْلُوْكَةٌ
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ دُعَائَكم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ فى انها الهةٌ ثم بَيَّنَ غاية عَجزِهم
وفَضْلَ عَابِدِيْهِم عليهم فقال اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ بل أ لَهُمْ اَيْدٍ جمعُ يَدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ بل أ
لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ بل أ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ استفهامُ اِنْكارٍ اى ليس لهم شئٌ من ذٰلك مما
هو لكم فكيف تَعْبُدُوْنَهم وانتم اَتَمُّ حالاً منهم قُلِ لهم يا محمدُ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ الى هَلَاكِى
ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ تُمْهِلُوْن فانى لا اُبالِى بكم اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ يَتَوَلّٰى الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚۖ القراٰنَ
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ بحِفْظِه وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ فكيف
اُبالِى بهم وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اى الاصنام اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰهُمْ اى الاصنامَ يا محمدُ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ اى
يُقَابِلُوْنَكَ كالناظِرِ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ اى اليُسْرَ مِنِ اَخْلاقِ النَّاسِ ولا تَبْحَثْ عنها
وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ المعروفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ فلا تُقابِلْهم بسَفَهِهم وَاِمَّا فيه اِدْغامُ نون ان الشرطيةِ
فى ماالزائِدَةِ يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ اى اِنْ يَصْرِفُكَ عَمَّا اُمِرْتَ به صارِفٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ حوابُ الشرطِ
وجوابُ الامرِ مَحْذُوْفٌ اى يَدْفَعُهُ عنك اِنَّهٗ سَمِيْعٌ للقول عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ بالفعل اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ
اَصَابَهُمْ طٰٓئِفٌ وفى قراءةٍ طائفٌ اى شئٌ اَلَمَّ بهم مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا عِقابَ اللّٰهِ وثوابَهٗ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾
الحقَّ من غيرِهٖ فيَرْجِعُوْنَ وَاِخْوَانُهُمْ اى اخوانُ الشياطينِ من الكفار يَمُدُّوْنَهُمْ الشيطينَ فِى الْغَىِّ ثُمَّ هم
لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ يَكُفُّوْنَ عنه بالتبصُّرِ كما يُبْصِرُ المُتَّقُوْنَ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ اى اهلَ مكة بِاٰيَةٍ مِمَّا اقْتَرَحُوْهُ
قَالُوْا لَوْلَا هلَّا اجْتَبَيْتَهَا ؕ اَنْشَأتَها من قِبل نَفْسِكَ قُلْ له اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ مِنْ رَّبِّىْ ۚ ليس لى ان
اٰتِىَ من عندِ نَفْسِى بشئٍ هٰذَا القراٰنُ بَصَآئِرُ حُجَجٌ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ
الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا عن الكَلامِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ نَزَلَتْ فى تَرْكِ الكلام فى الخطبةِ وعَبَّرَ عنها
بالقراٰن لاشتمالِها عليهِ وقِيلَ فى قراء ة القراٰن مُطْلَقًا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ اى سِرًّا تَضَرُّعًا تذلُّلاً
وَّخِيْفَةً خَوْفًا منه وَّ فوقَ السرِّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اى قَصْدًا بينهما بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ اَوائلِ
النَّهارِ واَواخِرِه وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ عن ذِكْرِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اى الملٰئكةَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
يَتَكَبَّرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ يُنَزِّهُوْنَهٗ عَمَّا لا يَلِيْقُ به وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ اى يَخُصُّوْنَهٗ بالخضوعِ
والعبادَةِ فكُوْنُوْا مِثْلَهم.

ترجمہ: وہ یعنی اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک جان یعنی آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا حواء کو پیدا کیا تا کہ اس سے سکون حاصل کرے اور اس سے الفت کرے، چنانچہ جب اس کو ڈھانپ لیا یعنی اس سے مجامعت کی، تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا، اور اس بات سے خوفزدہ ہوئے کہ وہ (حمل) کوئی جانور نہ ہو تو انہوں نے اپنے رب اللہ سے دعاء کی، اگر آپ ہمیں نیک صحیح سالم بچہ عطا فرمائیں تو ہم اس پر آپ کے شکر گذار ہوں گے، چنانچہ جب ان کو صحیح سالم اولاد دیدی تو دونوں (بیوی) نے (اللہ کے) عطا کردہ بچے کا نام عبدالحارث رکھ کر خدا کا شریک قرار دیدیا، اور ایک قراءت میں شین کے کسرہ اور (کاف) کی تنوین کے ساتھ ہے (شِـرْكٌ) ہے حالانکہ یہ قطعاً درست نہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کا بندہ ہو، اور یہ (شرکت فی التسمیہ ہے) شرک فی العبادت نہیں ہے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے معصوم ہونے کی وجہ سے، اور (حضرت) سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب حواء نے بچہ جنا تو ابلیس نے ان کے پاس چکر لگانا شروع کردیا، اور حواء کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا ابلیس نے حواء سے کہا تم اس کا نام عبدالحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا، چنانچہ حواء نے اس کا نام (عبدالحارث) رکھ دیا تو وہ بچہ زندہ رہا، اور یہ سب کچھ شیطان کے اشارہ اور اس کے حکم سے ہوا، اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے، اور ترمذی نے حسن غریب کہا ہے سو اللہ تعالیٰ اہل مکہ کے اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرنے سے پاک ہے، اور (فتعالی اللہ عما یشرکون) جملہ مسببیہ ہے اور خلقکم پر عطف ہے، اور دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے، کیا وہ عبادت میں اس کا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود مخلوق ہیں اور وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود کو بچا سکتے ہیں اس شخص سے جوان کو بدنیتی سے توڑنے وغیرہ کا ارادہ کرے، اور استفہام توبیخ کے لئے ہے، اور اگر تم بتوں کو ہدایت (رہنمائی) کے لئے پکارو تو وہ تمہاری بات نہ مانیں (یتبعوکم) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان کو رہنمائی کے لئے پکارو یا ان کو نہ پکارو، ان کے نہ سننے کی وجہ سے تمہاری پکار کی طرف کان نہ دھریں گے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم بندگی کرتے ہو وہ بھی تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکار کر دیکھ لو، ان کو چاہئے کہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ وہ معبود ہیں پھر بتوں کے انتہائی عجز اور ان کے عابدوں کی ان پر فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا، کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں؟ ایدٍ، ید کی جمع ہے، یا ان کے آنکھ ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں کہ جن سے وہ سن سکیں، (سب جگہ) استفہام انکاری ہے یعنی مذکورہ چیزوں میں سے ان کے پاس ایک بھی نہیں ہے جو تمہارے پاس ہیں، تو پھر تم ان کی بندگی کس بناء پر کرتے ہو حالانکہ تم ان سے حالت کے اعتبار سے (بہر حال) بہتر ہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو میری ہلاکت کے لئے اپنے شرکاء کو بلا لو پھر میرے بارے میں تدبیر کرو اور مجھے مہلت مت دو، میں تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا ہوں، بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب (یعنی) قرآن نازل کیا اور وہ اپنی نگرانی میں نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی ہی مدد پر قادر ہیں، تو میں ان کی کیوں پرواہ کروں؟ اور اگر تم بتوں کو رہنمائی کے لئے پکارو تو وہ نہ سنیں

اور اے محمد تم اگر ان بتوں کو دیکھو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں یعنی دیکھنے والے کے مانند آپ کے روبرو ہیں، حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے آپ درگذر کو اختیار کریں (یعنی) لوگوں کے اخلاق کے بارے میں سہل انگیزی سے کام لیجئے (ان کے عیوب) کی کھود کرید میں نہ پڑیئے، اور نیکی کا حکم کیجئے، اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، اور ان کی حماقت کا مقابلہ نہ کیجئے، اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے یعنی اگر آپ کو مامور بہ سے کوئی برگشتہ کرنے والا برگشتہ کرے تو اللہ کی پناہ طلب کیجئے (اِمّا) میں ما زائدہ میں نونِ شرطیہ کا ادغام ہے، (فاستعذ باللّٰہ) جواب شرط ہے، اور جواب امر محذوف ہے اور وہ یَدْفعه عنكَ ہے، بلاشبہ وہ بات کا سننے والا عمل کا دیکھنے والا ہے بلاشبہ وہ لوگ جو خدا ترس ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ اللہ کی سزا اور ثواب کو یاد کرنے لگتے ہیں اور ایک قراءت میں (طیف) کے بجائے طائف ہے، یعنی اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیش آتا ہے، تو وہ دفعۃً حق اور ناحق کو دیکھنے لگتے ہیں (یعنی دونوں میں امتیاز کرنے لگتے ہیں) تو وہ اس وسوسہ سے باز آجاتے ہیں، اور کفار میں سے جو شیطان کے بھائی بند ہوتے ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں گھسیٹ لیتے ہیں پھر وہ (شیطان کے بھائی بند) اس گمراہی سے آنکھ کھلنے یعنی آگاہ ہونیکے باوجود باز نہیں آتے، جیسا کہ متقی دیدۂ بینا سے کام لیتے ہیں، اور جب آپ اہل مکہ کے سامنے ان کا تجویز کردہ (فرمائشی) معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ اپنی طرف سے کیوں نہ لائے؟ آپ ان سے کہہ دیجئے میں تو صرف اس حکم کی اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس میرے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے میرے اختیار میں نہیں کہ میں کچھ بھی اپنی طرف سے لاسکوں، یہ قرآن لوگوں کے لئے تمہارے رب کی جانب سے دلائل ہیں، اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کو غور سے سنا کرو اور بات چیت بند کر کے خاموش ہوجایا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یہ آیت خطبہ کے وقت ترک کلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خطبہ کو قرآن سے اس لئے تعبیر کردیا ہے کہ خطبہ قرآن پر مشتمل ہوتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور (اے مخاطب) اپنے رب کو چپکے چپکے عاجزی اور اللہ سے خوف کے ساتھ یاد کیا کر، یعنی زیر زبان سے اوپر اور جہر فی الکلام سے نیچے، یعنی سر اور جہر کے درمیان کا قصد کرتے ہوئے صبح وشام یعنی اول دن میں اور آخر دن میں، اور اللہ کے ذکر سے غفلت کرنے والوں میں مت ہو، بلاشبہ وہ مخلوق یعنی جو تیرے رب کے پاس ہے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتی اور جو چیز اس کی شایانِ شان نہیں اس سے اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور اس کے لئے سجدہ کرتی ہے اور عاجزی اور عبادت کے لئے اس کو خالص کرتی ہے سو تم بھی ان کے جیسے ہوجاؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

وَجَعَلَ مِنها، ضمیر مجرور نفس کی طرف راجع ہے باعتبار لفظ کے اور لیسکُنَ کی ضمیر بھی نفس کی طرف راجع ہے باعتبار معنی کے، اور مراد نفس سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔

قولہ: وفی قِراءَةٍ بِکَسْرِ الشِّینِ والتَّنْوِینِ ای شَرِیکًا، یہ شُرکاء میں دوسری قراءت کا بیان ہے، شرکاء شریک کی جمع ہے مگر مراد مفرد ہی ہے اس کا قرینہ دوسری قراءت ہے اور وہ شِرْکًا ہے شین کے کسرہ اور راء کے سکون کے اور کاف کی تنوین کے ساتھ۔

قولہ: ای شریکا، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ شِرکاً مصدر اسم فاعل شریکاً کے معنی میں ہے تاکہ حمل درست ہو سکے۔

قولہ: جَعَلَا لہٗ، جَعَلا میں ضمیر تثنیہ کی طرف راجع ہے؟ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آدم وحواء کی طرف راجع ہے، لیکن محقق قول یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوجِ نفس مراد ہے، بعض تابعین سے بھی یہی قول منقول ہے قال الحسن وقتادة الضمیر فی جعلا عائد الی النفس وزوجہٖ من ولد آدم لا الی آدم وحوّا۔ (جصاص) جعل الزوج والزوجة شرکاء (کبیر عن القفال) امام رازی نے قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بطور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا ہے، اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے ھذا جوابٌ فی غایة الصحة والسداد (کبیر) اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدم وحواء کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے اور ایسے قصے پیغمبروں کے لائق نہیں۔ (بحر، بیضاوی)

قولہ: بِتَسْمِیَتِہٖ ای بتسمیة الولد، حارث، بتسمیہ شرکاء بمعنی شریک کے متعلق ہے۔

قولہ: ولَیْسَ بِاِشْرَاکٍ فی العُبُوْدِیَّةِ لعَصْمَةِ آدَمَ اس اضافہ کا مقصد انبیاء کی عصمت کا دفاع ہے۔

قولہ: العُبُوْدِیَّة، زیادہ بہتر ہوتا کہ العبودیة کے بجائے العبادة یا معبودیة فرماتے۔ (حاشیہ جلالین)

قولہ: اَھْلُ مَکَّة. اس میں اس بات کی تائید ہے کہ جَعَلَا کا مرجع آدم وحواء نہیں ہے بلکہ ہر نفس اور اس کا زوج ہے، اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا قول فتعالی اللہ عما یشرکون ہے یشرکون، صیغہ جمع کے ساتھ لایا گیا ہے حالانکہ آدم وحواء جمع نہیں ہیں۔

قولہ: والجُمْلَةُ مُسَبَّبَةٌ یعنی فتعالی اللہ عما یشرکون، اس کا عطف خَلَقکم من نفسٍ واحدة پر ہے، معطوف علیہ معطوف کا سبب ہے، یعنی جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو وہ اس سے بری ہے، اسلئے کہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے اور مخلوق خالق کی شریک نہیں ہوسکتی گویا کہ اس میں فاء تعقیبیہ کے فائدہ کی طرف اشارہ ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: یُقَابِلُوْنَکَ اس میں اشارہ ہے کہ کلام بطور تشبیہ ہے، لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اصنام سے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔

قولہ: طَیْف، اس سے یہ بھی احتمال ہے کہ طَیْفٌ، طیفًا سے اسم فاعل ہو، ای طاف بہ الخیال، طائف وسوسہ، خطرہ۔

قولہ: اَلَمَّ بھم ای مسَّ بھم.

تفسیر و تشریح

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (الآیۃ) سابق میں ابوالبشر اور امّ البشر کی تخلیق کا بیان تھا، اب یہاں عام مرد و زن کی پیدائش کا بیان ہے، اس کو اصطلاح میں التفات عن الخاص الی العام کہتے ہیں اور قرآن کریم کا یہ عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے مطابق خاص آدم و حواء کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ من نفس واحدۃ و جعل منھا زوجھا میں بطور تمہید آدم و حواء کا ذکر تھا مگر اس کے بعد مطلق مرد و عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے، اور ایسا ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں مثلاً، وَلَقَدْ زَیَّنَّا السماء الدنیا بمصابیح وَجَعَلْنَا ھَارُ جو ماً للشیاطین، میں جن ستاروں کو مصابیح فرمایا گیا وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے رجم شیاطین ہوتا ہے مگر شخصِ مصابیح سے جنسِ مصابیح کی جانب کلام کو منتقل کر دیا گیا، اس تفسیر کے مطابق "جَعَلَا لَہٗ شرکاء" میں کوئی اشکال نہیں، مگر اکثر سلف سے منقول ہے کہ ان آیتوں میں حضرت آدم و حواء کا واقعہ مذکور ہے۔

احادیث کی روشنی میں آیات کی تفسیر:

جب آدم و حواء علیہما السلام کو زمین پر اتار دیا گیا اور زمین پر بود و باش شروع کر دی تو ایک روز حضرت آدم حواء سے ہم بستر ہوئے، حواء کو حمل رہ گیا جب تک حمل ابتدائی مرحلے میں رہا تو حضرت حواء کو کوئی گرانی نہیں ہوئی اور بآسانی چلتی پھرتی رہیں، مگر جب زمانہ گذرتا گیا تو حمل میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا جس کی وجہ سے حواء کو ثقل محسوس ہونے لگا، اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ حواء کو علوق ہو گیا، اور ایک روز ہماری جنس کا بچہ پیدا ہونے والا ہے پھر دونوں حضرات دعائیں کرنے لگے اے اللہ اگر تو ہمیں صالح صحیح سالم تندرست بچہ دے گا تو ہم بہت شکر گذار ہوں گے، حمل کے دوران ابلیس نے حضرت حواء کے پاس آنا جانا شروع کر دیا، ایک روز ابلیس نے حضرت حواء سے کہا کہ جب تمہارا بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر رکھنا، حواء نے معلوم کیا تیرا کیا نام ہے؟ ابلیس نے اپنا غیر معروف نام بتایا یعنی حارث، جب بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام عبدالحارث رکھا، اگر مفسرین نے جَعَلَا لَہٗ شرکاء فیما آتاھما، کی یہی تفسیر کی ہے، ترمذی، امام احمد، ابی حاتم وغیرہ محدثین نے اس موقع پر سمرہ بن جندب کی حدیث بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، حواء کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا، اس مرتبہ جو حمل رہا تو ابلیس نے آکر کہا، اگر اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھو گے تو یہ بچہ زندہ رہے گا، غرضیکہ ابلیس کے بہکانے سے حواء نے ایسا کیا، اس میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا کوئی قصور نہیں تھا، اور بعض مفسرین نے آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اسلئے کہ مشرکین مکہ اپنے بچوں کا نام غیر اللہ کے نام پر مثلاً عبد العزیٰ، عبد الشمس وغیرہ رکھا کرتے تھے اس قسم کے نام رکھنا بھی شرک میں داخل ہے، سمرہ بن جندب کی روایت جو ابھی اوپر گذری ہے، اس کی سند میں ایک راوی عمر بن ابراہیم مصری ہے جس کو بعض

علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابو ہریرہ کی صحیح حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی عمر میں سے چالیس سال حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو دیئے مگر پھر اس اقرار پر قائم نہ رہے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدم کا اقرار پر قائم نہ رہنا اس بات کا ایک نمونہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی یہ بات پائی جائے گی، اس حدیث سے ان مفسرین کے قول کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت میں تو نہیں مگر نام رکھنے میں شرک شیطان کے بہکانے سے حواء سے ظہور میں آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردوں میں سے سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نے یہ نام حواء کو خواب میں سکھایا تھا اور حضرت حواء نے اپنا یہ خواب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے بیان کیا حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا، لیکن اس لڑکے سے پہلے دو لڑکے فوت ہو چکے تھے، اس لئے شیطان نے حواء کو یہ پٹی پڑھائی کہ اب کی دفعہ جو لڑکا پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا تو وہ لڑکا زندہ رہیگا اور عمر دراز ہوگا، اولاد کی محبت کے جوش میں حواء نے اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا، حضرت آدم چونکہ پہلے ہی منع کر چکے تھے اس لئے بچہ کے پیدا ہونے اور اس نام کے رکھے جانے کے بعد اس نام کی انہوں نے کچھ کرید نہ کی یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور حواء دونوں کا نام اس قصہ میں ذکر فرمایا، اس آیت کی تفسیر کو علماء نے بہت مشکل قرار دیا ہے، لیکن سلف میں سے قتادہ اور سفیان ثوری کا یہ قول جب مدنظر رکھا جائے کہ تفسیر کے باب میں سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کا بڑا اعتبار ہے اور سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر کی جائے تو آیت کی تفسیر میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔ (خلاصہ احسن التفاسیر)

تمت بحمد اللہ

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورة الانفال مدنية او اِلَّا وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الْاٰيَاتُ السبعُ فمكية خمسٌ او ستٌّ او سبعٌ وسبعون اٰيةً.

سورۂ انفال مدنی ہے مگر وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ سے سات آیتیں مکّی ہیں، ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَمَّا اخْتَلَفَ المُسْلِمُوْنَ فی غَنَائِمِ بَدْرٍ فقالَ الشُّبَّانُ هی لنا لا نّا بَاشَرْنَا القتالَ وقال الشُّيُوْخُ كُنا رِدأَلكم تحتَ الرَّايَاتِ ولوانكشفتمْ لَفِئْتُمْ الينا فَلاَ تُسْتَاْثِرُوْا بها نَزَلَ يَسْـَٔلُوْنَكَ يا مُحَمَّدُ صلی اللّٰه عليه وسلم عَنِ الْاَنْفَالِ الغنائمِ لمن هی قُلِ لهم الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ يَجْعَلَانِهَا حيثُ شاءَا فَقَسَّمَهَا صلی اللّٰه عليه وسلم عَلی السَّوَاءِ رَوَاهُ الحاكِمُ فی المستدركِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ای حَقِيْقَةَ ما بَيْنَكم بالمَوَدَّةِ وتَرْكِ النِّزَاعِ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① حقاً اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الكاملون الايمانَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ ای وَعِيْدُهٗ وَجِلَتْ خافَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا تصديقًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② به يَثِقُوْنَ لا بغيرِه الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ يَاْتُوْنَ بها بحقوقِها وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اعطَيْنٰهم يُنْفِقُوْنَ ③ فی طاعةِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الموصُوفُوْنَ بما ذُكِرَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا صدقًا بلاشَكٍّ لَهُمْ دَرَجٰتٌ منازلُ فی الجَنَّةِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ فی الجنَّةِ كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَخْرَجَ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤ الخُرُوْجَ والجملةُ حالٌ من كافِ اَخْرَجَكَ وكما، خبرُ مبتدأٍ محذوفٍ ای هذهِ الحالُ فی كَرَاهَتِهم لها مثلُ اِخْرَاجِكَ فی حالِ كراهتِهم وقد كَانَ خيرًا لهم فكذلكَ ايضًا وذلك

ان ابا سُفیانَ قَدِمَ بِعِیرٍ من الشام فَخرجَ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابُہٗ لِیَغْنَمُوْھا فعَلِمَتْ قریشٌ فخرجَ
ابوجہلٍ ومُقاتِلُوْا مکۃَ لِیَذُبُّوْا عنہا وھم النَفِیْرُ اَخَذَ ابوسفیانَ بالعیرِ طَرِیْقَ السَّاحِلِ فنَجَتْ فقیل لابی
جہلٍ اِرْجِعْ فَاَبٰی وسَارَ الی بدرٍ فشَاوَرَ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابَہٗ وقال اِنَّ اللہَ وَعَدَنِیْ اِحدی
الطَّائفتَیْنِ فوَافقُوْہُ علی قتالِ النَّفیرِ وکَرِہَ بعضُہم ذٰلک وقالُوْا لم نَسْتَعِدَّ لہ کما قال تعالی
یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ القتالِ **بَعْدَمَا تَبَیَّنَ** ظَہَرَ لہم **کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾** الیہ عِیَانًا فی
کراھتِہم لہ **وَ** اذکر **اِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ** العیرَ اوالنفیرَ **اَنَّہَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ** تُرِیْدُوْنَ
اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ ای البأسِ والسلاحِ وھِیَ العیرُ **تَکُوْنُ لَکُمْ** لِقلۃِ عُدَدِھا وعَدَدِھا بخلافِ النفیرِ
وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ یُظْہِرَہٗ **بِکَلِمٰتِہٖ** السابقۃِ بظہورِ الاسلامِ **وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷﴾** اٰخِرَھم بالاِسْتِیْصَالِ
فامَرَکُمْ بقِتالِ النفیرِ **لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ** یُمْحِقَ **الْبَاطِلَ** الکفرَ **وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾** المشرکُوْنَ ذٰلک اُذْکُرْ
اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ تَطْلُبُوْنَ منہ الغَوْثَ بالنصرِ علیہم **فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ** ای بانّی **مُمِدُّکُمْ** مُعِیْنُکُمْ
بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ ﴿۹﴾ مُتَتَابِعِیْنَ یُرْدِفُ بعضُہم بعضًا وعَدَھم بہا اولاً ثم صَارَتْ ثلاثۃَ الافٍ ثم
خمسۃً کما فی اٰلِ عمرانَ وقُرِئَ بالُفٍ کافلسٍ جمعٌ **وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ** ای الاِمْدَادَ **اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ**
قُلُوْبُکُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۱۰﴾

ع ۱۵

ترجمہ: میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے جب بدر کے مال غنیمت (کی تقسیم) کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا، تو جوانوں نے کہا یہ ہمارا حق ہے اسلئے کہ ہم نے براہ راست قتال کیا ہے اور بوڑھوں نے کہا پرچموں کے تحت ہم تمہارے مددگار رہے تھے اگر (خدانخواستہ) تم کو شکست ہو جاتی تو تم ہمارے پاس پلٹ کر آتے لہٰذا تم مال غنیمت کے بارے میں ترجیح کا دعوانہ کرو، اے محمد ﷺ لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا کون مستحق ہے آپ ان سے کہہ دو مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے وہ جس کو چاہیں دیں چنانچہ آپ ﷺ نے اس مال غنیمت کو جوانوں اور بوڑھوں کے درمیان مساوی طریقہ پر تقسیم کر دیا، اس کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے، تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم سچے مومن ہو کامل اہل ایمان تو وہی لوگ ہیں جب ان کے سامنے اللہ کی وعید ذکر کی جاتی ہے تو ان کے دل خوف سے لرز جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی تصدیق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں، یعنی اسی پر اعتماد کرتے ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور پر جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور جو (مال) ہم نے ان کو

عطا کیا ہے اس میں سے اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جو مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہیں بلا شک سچے مومن ہیں ان کے لئے جنت میں ان کے رب کے پاس بڑے رُتبے ہیں اور مغفرت ہے اور جنت میں بہترین رزق ہے (مال غنیمت کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ ایسا ہی ہے) جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو گھر (مدینہ) سے حق کے ساتھ نکالا (بالحق) اَخْرَجَ کے مستحق ہے، اور واقعہ ہے کہ مومنین کی ایک جماعت اس نکلنے کو گراں سمجھ رہی تھی جملہ اَخْرَجَ کی ضمیر کاف سے حال ہے اور کَمَا، ھذہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، یعنی مال غنیمت کے معاملہ کی موجودہ حالت کراہت میں ویسی ہے جیسی کہ آپ کے (مدینہ) سے نکالنے کی حالت، اور جس طرح اس (نکلنے) میں ان کے لئے خیر تھی اسی طرح اس میں بھی خیر ہے، اور ان کا یہ (مدینہ سے) نکلنا اس وقت ہوا کہ جب ابوسفیان تجارتی قافلہ لیکر شام سے نکلا، تو آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب اس (قافلہ) کا مال غنیمت لینے کے لئے نکلے، اس (کارروائی) کا علم قریش کو ہوگیا، تو ابوجہل اور مکہ کے جنگ باز نکلے تاکہ تجارتی قافلہ کا دفاع کریں اور یہ جنگی لشکر تھا، اور ابوسفیان تجارتی قافلے کو ساحل کے راستہ سے نکال لے گیا چنانچہ وہ (تجارتی قافلہ) بچ کر نکل گیا، ابوجہل سے کہا گیا کہ واپس چلو مگر اس نے انکار کردیا، اور بدر کی طرف روانہ ہوا، ادھر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے لہٰذا اکثر جنگی لشکر سے مقابلہ کرنے کے لئے متفق ہوگئے، اور کچھ لوگوں نے اس رائے کو ناپسند کیا، اور عذر یہ پیش کیا کہ ہم نے اس کے لئے تیاری نہیں کی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ سے یہ لوگ حق یعنی قتال، کے بارے میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ اس کا حق ہونا ان پر ظاہر ہوگیا گویا کہ وہ موت کی طرف کھینچ کر لے جائے جارہے ہیں حال یہ کہ وہ موت کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ان کے قتال کو ناپسند کرنے کی وجہ سے، اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے دو جماعتوں میں عیر و نفیر (تجارتی قافلہ اور جنگی لشکر) سے ایک کا وعدہ کررہا تھا کہ ان میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی، اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور جماعت تم کو ملے، ان کے تعداد اور ہتھیاروں میں کم ہونیکی وجہ سے یعنی بغیر قوت اور بغیر ہتھیار والی جماعت اور وہ تجارتی قافلہ تھا، بخلاف جنگی لشکر کے، مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی سابقہ باتوں کے ذریعہ حق کو ظاہر کردے اسلام کو غلبہ دے کر اور کافروں کی جڑ بالکل کاٹ دے لہٰذا تم کو جنگی لشکر سے قتال کا حکم دیا، تاکہ وہ حق کو محقق کرے اور باطل کفر کو مٹادے اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے یعنی اللہ سے مشرکین پر نصرت طلب کررہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو جواب دیا کہ میں مسلسل ایک ہزار فرشتوں سے مدد کردوں گا، جو مسلسل چلے آرہے ہوں گے، اولاً ان سے ہزار کا وعدہ کیا، پھر تین اور پھر پانچ ہزار ہوگئے جیسا کہ آل عمران میں ہے، اور (اَلْفٌ) کو آلُفٌ پڑھا گیا ہے جیسا کہ فَلْسٌ کی جمع اَفْلُسٌ ہے، اور اس امداد کی اللہ تعالیٰ نے خوشخبری کے طور پر خبر دی اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوجائیں اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: سُوْرَۃُ الْاَنفال بترکیب اضافی مبتداء ہے اس کی دو خبر ہیں اول مَدَنِیَّۃٌ اور دوسری خَمْسٌ الخ، مبتداء خبر سے مل کر مستثنیٰ منہ اور اِلّا حرف استثنیٰ و یمکر بک مستثنیٰ، اور اَوْ بیان اختلاف کے لئے ہے، اگر چہ سورت کے عنوان میں سات آیتوں کو مکی کہا گیا ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ پوری سورت مدنی ہے۔

قولہ: عَنِ الْاَنفالِ، اَنفال نَفَلٌ بروزن سَبَبٌ کی جمع ہے بمعنی زائد، اور سکون فا کے ساتھ بھی کہا گیا ہے اس کے معنی بھی زائد کے ہیں، مال غنیمت چونکہ سابقہ امتوں کے لئے حلال نہیں تھا صرف اسی امت کے لئے بطور خصوصیت حلال کیا گیا ہے اس لئے نفل سے تعبیر کیا گیا،

سوال: یسئلونکَ عن الانفال، میں یسئلونک کا صلہ عَنْ لایا گیا ہے حالانکہ یہ فعل متعدی بنفسہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے سألتُ زیداً مالاً.

جواب: اگر سوال تعیین و توضیح کے لئے ہو تو سوال متعدی عَنْ کے ساتھ ہوگا اور اگر بمعنی طلب ہوگا تو متعدی بنفسہ ہوگا، جو لوگ یہاں سوال کو طلب کے لئے مانتے ہیں وہ عن کو زائدہ قرار دیتے ہیں۔

قولہ: لَوِ انْکَشَفْتُمْ، ای انھزمتم و انتشرتم، اگر تم شکست کھاتے اور منتشر ہوتے۔

قولہ: فلا تَسْتَاْثِرُوا، ای فلا تختاروا، یعنی تمہاری بیان کردہ دلیل کی وجہ سے تم کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، ایثار کے معنی ہیں ترجیح دینا، مال غنیمت کو نفل کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جہاد کا اصل مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، اور حصول مال شئ زائد ہے۔

قولہ: لِمَنْ ھِیَ اس میں اشارہ ہے مال غنیمت کا حکم معلوم کرنا مقصود ہے نہ کہ اس کی ذات اسلئے کہ ذات سب کو معلوم ہے۔

قولہ: ای حَقِیْقَۃَ مَابَیْنَکُمْ، یہ ذات بینکم کی تفسیر ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے ذات بمعنی حقیقت ہے اور بین بمعنی وصل ہے، اور لغت کے مطابق ہے، بخلاف اس کے کہ جنہوں نے حال یا حالت لیا ہے اسلئے کہ یہ معنی لغت اور استعمال دونوں کے خلاف ہیں، حاصل معنی یہ ہیں کونوا مجتمعین علی امر اللّٰہ ورسولہ بالمؤاساۃ والمساعدۃ فیما رزقکم اللّٰہ.

قولہ: الکامِلُوْنَ اس قید کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا کلمہ حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ مومن وہی ہے کہ جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے قلوب خوف خدا سے لرز اٹھیں، تو ایسے افراد تو بہت کم ہوں گے۔

جواب: یہ مومن کامل کی صفت ہے نہ کہ مطلق مومن کی۔

قولہ: تصدیقًا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ آپ کا مسلک ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی حالانکہ زادتھم ایمانا، سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد تصدیق وطمانینت قلب ہے اور اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

قولہ: بِہٖ یَثِقُوْنَ لا بِغَیْرِہٖ اس اضافہ کا مقصد تقدیم متعلق کے قاعدہ کو بیان کرنا ہے جو کہ حصر ہے یعنی تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں نہ کسی غیر پر۔

قولہ: الخُرُوْجَ، ای خروجك وخروجهم، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ حال جب جملہ ہوتا ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے حالانکہ یہاں کوئی عائد نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر عبارت خروجك وخروجهم ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: کما، خبر مبتداء محذوف الخ اس جملہ کا مقصد دونوں جملوں میں مشابہت کو بیان کرنا ہے یعنی مال غنیمت کی تقسیم پر ناپسندیدگی کا اظہار ویسا ہی ہے جیسا کہ خروج الی النفیر (لشکر) کی طرف نکلنا ناپسندیدہ تھا، حالانکہ جس طرح ان کے حق میں خروج بہتر تھا اسی طرح مال غنیمت کی تقسیم میں بھی خیر ہے۔

قولہ: عُدَدُھا، ای اسبابُھا.

قولہ: بالفٍ یعنی اَلْفٌ کو اَلِف کے ساتھ یعنی اُلُفٌ بھی پڑھا گیا الف پر مد اور لام پر ضمہ بروزن اَفْلُسٌ، یعنی جس طرح فَلْسٌ کی جمع اَفْلُسٌ آتی ہے اسی طرح اَلْفٌ کی جمع اُلُفٌ آتی ہے، اُلُفٌ کی اصل أأْلُف تھی دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا اُلُفٌ ہوگیا۔

تفسیر وتشریح

سورت کے مضامین:

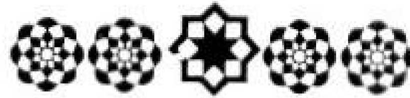
یہ پوری سورت تحقیقی قول کے مطابق مدنی ہے اگرچہ اس میں سات آیتیں اس واقعہ سے متعلق ہیں جو مکہ میں پیش آیا تھا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکی واقعہ کے متعلق آیات کا نزول بھی مکہ ہی میں ہو، یہ ہوسکتا ہے کہ مکی واقعہ کی یاددہانی کے لئے اس واقعہ سے متعلق آیات کا نزول مدینہ میں ہو، جن آیات سبع کو مکی کہا گیا ہے ان میں کی آخری آیت ”بما کنتم تکفرون“ ہے۔

ربط آیات:

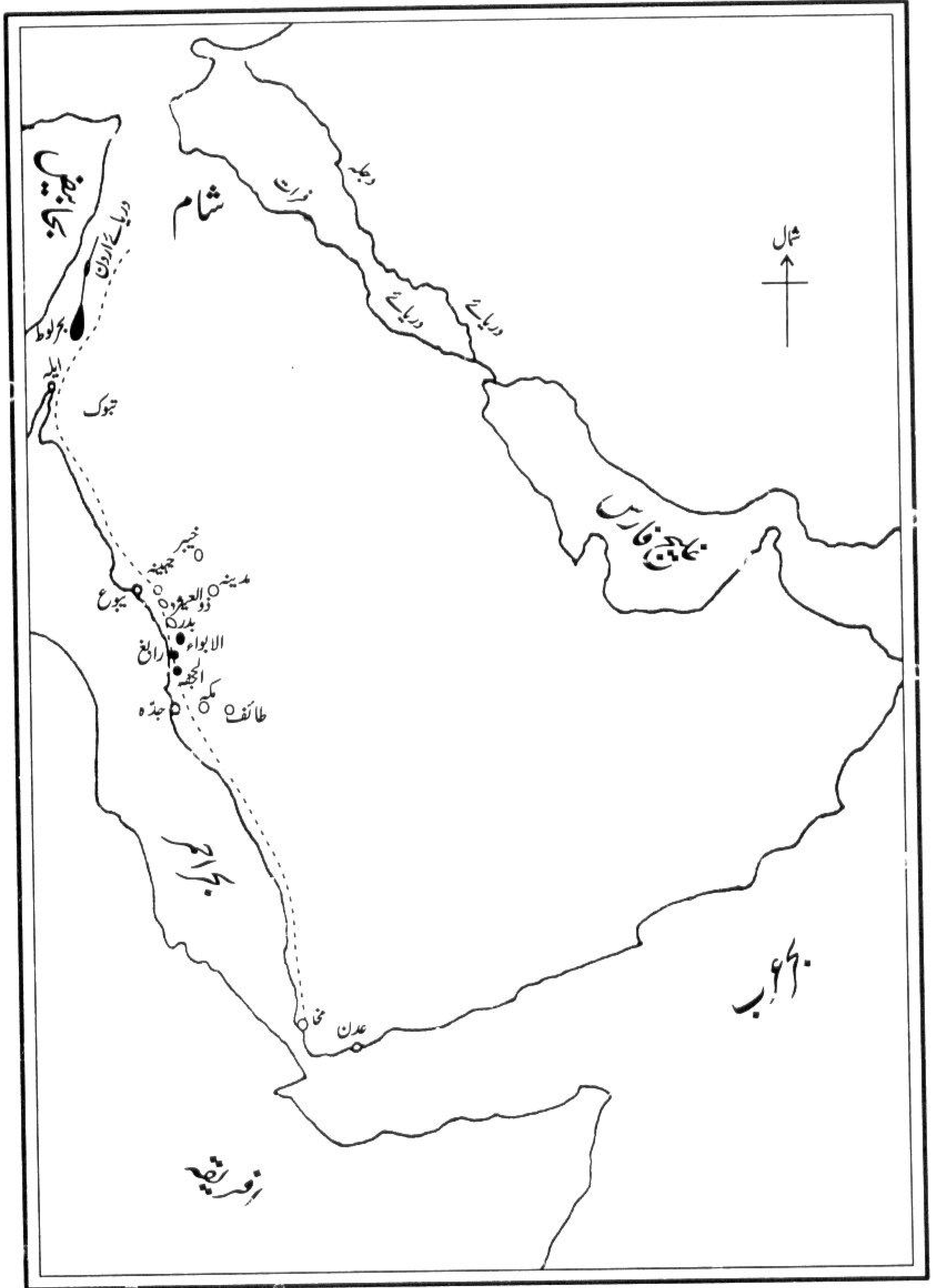
اس سے پہلی سورت یعنی سورۂ اعراف میں مشرکین اور اہل کتاب کے جہل وعناد اور کفر وفساد کا تذکرہ اور اس کے متعلق مباحث کا بیان تھا، اس سورت میں زیادہ تر مضامین غزوۂ بدر کے موقع پر انھیں لوگوں کے انجام بد، ناکامی، اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کامیابی کے متعلق ہیں جو مسلمانوں کے لئے احسان وانعام اور کافروں کے لئے عذاب وانتقام تھا، اور چونکہ اس انعام کا بڑا سبب مسلمانوں کا خلوص اور للّٰہیت اور ان کا باہمی اتفاق تھا، اور یہ اخلاق واتفاق نتیجہ ہے اللہ اور

اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کا اسی لئے سورت کی ابتداء میں تقویٰ اور اطاعتِ حق اور ذکر اللہ اور توکل وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ آیت میں مذکور تین باتوں پر عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں، اس سے تقویٰ، اصلاح ذات البین اور اللہ اور رسول کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے، خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور میں عمل نہایت ضروری ہے، اسلئے کہ مال کی تقسیم میں باہمی نزاع کا شدید اندیشہ رہتا ہے اس کی اصلاح کے لئے اصلاح ذات البین پر زور دیا اور چونکہ ہیرا پھیری کا امکان رہتا ہے اسلئے تقوے کا حکم دیا، اس کے باوجود کوئی کوتاہی ہوجائے تو اس کا حل اللہ اور اس کی اطاعت میں مضمر ہے۔



قریش کی تجارتی شاہراہ



اہل ایمان کی چار صفات:

ان آیات میں اہل ایمان کی چار صفات بیان کی گئی ہیں، ① اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ② اللہ کا ذکر سن کر اللہ کی جلالت وعظمت سے ان کے دل لرزنے لگتے ہیں، ③ تلاوت سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، ④ اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، یعنی ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں یعنی اسباب سے اعتراض وگریز نہیں کرتے اسلئے کہ اسباب کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے، لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا یقین اللہ کی ذات پر ہی ہوتا ہے، وہ اللہ کی مدد واعانت حاصل کرنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے، آگے مومنین کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لئے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکٹ اور مغفرت ورحمت الٰہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔

جنگ بدر کا پس منظر:

جنگ بدر جو ۲ھ میں ہوئی یہ مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی، اس کے علاوہ یہ جنگ بغیر تیاری اور بغیر منصوبہ بندی کے اچانک ہوئی تھی، نیز بے سروسامانی کی وجہ سے بعض مسلمان اس کے لئے ذہنی طور پر تیار بھی نہیں تھے، مختصراً اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی قیادت وسرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے مال تجارت لے کر مکہ جا رہا تھا، ادھر صورت حال یہ تھی کہ مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت اپنا بہت سا سامان مکہ چھوڑ آئے تھے جس پر اہل مکہ نے قبضہ کرلیا تھا اور بہت سا سامان لوٹ بھی لیا تھا، اس کے علاوہ کافروں کی قوت وشوکت کو توڑنا بھی مقتضائے وقت تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس قافلہ پر حملہ کا پروگرام بنایا، اور مسلمان اسی نیت وارادے سے نکل پڑے، ادھر ابوسفیان کو بھی اس کی اطلاع مل گئی چنانچہ انہوں نے ایک تو اپنا راستہ بدل دیا اور معروف راستہ کو چھوڑ کر ساحل سمندر کے کنارے کنارے غیر معروف راستہ سے قافلہ کو نکال لے گیا، دوسری بات یہ کی کہ اس واقعہ کی اطلاع مکہ بھجوادی، جس کی بنا پر ابوجہل ایک ہزار کا مسلح لشکر لے کر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے چل پڑا نبی کریم ﷺ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابہ کرام کے سامنے پوری صورت حال رکھدی، اور اللہ کا وعدہ بھی بتلا دیا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور جنگی لشکر) میں سے ایک تمہیں ضرور حاصل ہوگی تاہم بعض صحابہ نے جنگ کے معاملہ میں تردد کا اظہار کیا، اور تجارتی قافلہ کے تعاقب کا مشورہ کیا جبکہ دیگر اکثر صحابہ نے آپ کی معیت میں لڑنے اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا، اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

کَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ، یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان

اختلاف ونزاع کا باعث بنا تھا، پھر اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ کردیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کا مدینہ سے تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلنا اور بعد میں تجارتی قافلے کے بجائے لشکر قریش سے مقابلہ ہوجانا، گو بعض طبائع کو وقتی حالات کے پیش نظر ناگوار تھا، لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا ہونے والا تھا۔

غزوۂ بدر کے واقعہ کی تفصیل:

غزوۂ بدر اسلام میں سب سے بڑا اور اہم غزوہ ہے اس لئے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور کفر وشرک کی ذلت کی ابتداء بھی اسی غزوہ سے ہوئی۔

اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے اسلام کو بلا ظاہری اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی اور کفر وشرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہوگئی، میدان بدر اس کا اب تک شاہد عدل موجود ہے، اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس دن کو قرآن کریم میں "یوم الفرقان" فرمایا یعنی حق وباطل کے درمیان امتیاز کا دن۔

واقعات کی ترتیب کچھ اس طرح ہے، شعبان ۲ھ (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً پچاس ہزار اشرفی کا مال تھا اور قافلہ کی حفاظت کے لئے تیس چالیس مسلح محافظ تھے یہ قافلہ شام سے مال تجارت لے کر مکہ کے لئے واپس ہورہا تھا جب ابوسفیان جو کہ سالار قافلہ تھا مدینہ کے اس علاقہ میں پہنچا جو مسلمانوں کی زد میں تھا چونکہ مال زیادہ تھا اور محافظ کم تھے اور سابق حالات کی بنا پر خطرہ قوی تھا اسلئے سالار قافلہ ابوسفیان نے اس علاقہ میں پہنچتے ہی جب اس کو یہ علم ہوا کہ محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو قافلہ پر چھاپہ مارنے کا حکم دیدیا ہے تو فوراً ہی ایک شخص ضمضم غفاری کو اجرت دیکر مکہ روانہ کردیا اور کہلا دیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو اپنے قافلہ کی خبریں اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں، ضمضم غفاری نے مکہ پہنچتے ہی قدیم دستور کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے اس کی ناک چیر دی کجاوہ کو الٹ کر رکھدیا اور اپنی قمیص کو آگے پیچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کردیا "**یا معشر القریش اللطیمه اللطیمه اموالکم مع ابی سفیان قد عَرَض لها محمد فی اصحابه لا اَریٰ ان تدرکوها، الغوث الغوث**".

تَرجَمہ: قریش والو اپنے قافلہ کی خبر لو تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں محمد ﷺ اپنے آدمیوں کو لیکر ان کے درپے ہوگیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم انھیں پاسکوگے، دوڑو دوڑو، مدد کے لئے دوڑو۔

اس اعلان کی وجہ سے پورے مکہ میں ہیجان برپا ہوگیا، قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لئے تیار ہوگئے تقریباً ایک ہزار جنگجو، جن میں چھ سو زرہ پوش تھے اور دو سو سواروں کا ایک رسالہ بھی تھا پوری شان وشوکت کے ساتھ لڑنے کے لئے روانہ ہوا، ان کے پیش نظر صرف یہی کام نہیں تھا کہ اپنے قافلے کو بچالائیں بلکہ وہ اس ارادہ سے نکلے تھے کہ اس آئے دن کے خطرہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیں۔

اسلامی لشکر کی روانگی:

۱۲ رمضان ۲ھ کو رسول اللہ ﷺ مدینہ سے اپنے ۳۱۳ جاں نثاروں کے ہمراہ روانہ ہوئے، بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے ستّر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن عوام کا اور ایک حضرت مقداد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا تھا اور ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین آدمیوں کے حصہ میں تھا، ابولبابہ اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا آنحضرت ﷺ کے سواری میں شریک تھے، جب آنحضرت ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا عرض کرتے کہ آپ سوار ہو جائیں ہم پیدل چل لیں گے تو آپ فرماتے تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو۔

(سیرۃ مصطفی)

لشکر کا معاینہ:

بیرُ ابی لبابہ پر پہنچ کر آپ نے لشکر کا معاینہ فرمایا، جو کم عمر تھے ان کو واپس کر دیا مقام روحاء میں پہنچ کر ابولبابہ بن عبد المنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کر دیا۔

قریش کی روانگی کی اطلاع اور صحابہ کرام سے مشورہ اور حضرات صحابہ کی جاں نثارانہ تقریریں:

جب آپ مقام صفراء پر پہنچے بَسبَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جن کو قریشی لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپ نے پہلے روانہ فرما دیا تھا، آ کر خبر دی کہ قریشی لشکر روانہ ہو چکا ہے، اس وقت آپ نے مہاجرین وانصار کو مشورہ کے لئے جمع فرمایا، اور قریش کی اس شان سے روانگی کی خبر دی، حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کھڑے ہوئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جاں نثاری فرمایا اور بسر وچشم آپ کے اشارہ کو قبول کیا، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی کھڑے ہوئے انہوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جاں نثاری فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی جاں نثارانہ تقریر:

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بعد حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کیا، امض لِما اَمرکَ اللہ فَاِنَّا معک حیثما احببت لا نقول لک کما قال بنو اسرائیل لموسیٰ اذھب انتَ وربک فقاتلا اناھٰھنا قاعدون ولکن اذھب

انت وربك اِنا معكما مقاتلون مادامت عين منا تطرف.

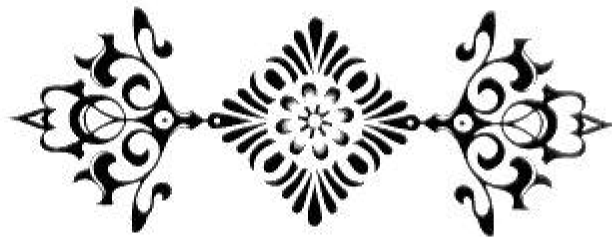
ترجمہ: یارسول اللہ! جدھر کو آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلئے ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ چاہیں ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں، کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں چلئے آپ اور آپ کا خدا لڑیئے ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑا دیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔



مدینہ سے بدر تک کے راستہ کا نقشہ

شمال
جبل اُحد
مدینہ منورہ
بئر درولش
بئر الرحد
مجیدا
الحمرا
الشفیہ
شام کا تجارتی راستہ
ینبع البحر
بئر سعید
بدر
بئر ابن حصانج
بئر الشیخ
مستورہ
حجاز
بحر احمر
رابغ
قضیمہ
عسفان
ذہبان
وادی فاطمہ
مکہ مکرمہ
جدہ
بحیرہ
حدیبیہ
طائف
افریقہ
پیمانہ
۲۰ میل فی انچ

اس نقشے میں قافلوں کے دو راستے دکھائے گئے ہیں جو مکّے سے بدر ہوتے ہوئے شام کی طرف جاتے ہیں۔ نیز وہ راستہ بھی دکھایا گیا ہے جو مدینے سے بدر کی طرف آتا ہے۔



چونکہ انصار نے بیعتِ عقبہ میں صرف اس کا عہد کیا تھا کہ جو دشمن آپ پر حملہ آور ہوگا اس وقت ہم آپ کے حامی اور مددگار ہوں گے، مدینہ سے باہر جا کر آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا وعدہ نہ تھا، اسی کی یاددہانی کے لئے حضرت مقداد نے عرض کیا کہ ہم جاں نثاری اور کسی بھی قربانی کیلئے تیار ہیں مگر جنگ کا فیصلہ انصار کے مشورہ کے بغیر نہیں ہونا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنا سوال پھر دہرایا، اس پر سعد بن معاذ اٹھے اور عرض کیا شاید حضور کا روئے سخن انصار کی طرف ہے، فرمایا، ہاں، حضرت سعد بن معاذ نے ایک زوردار جاں نثارانہ تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں بھی کودنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم میں کا ایک فرد بھی پیچھے نہ رہے گا، اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوادے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلہ کے بجائے قریشی لشکر ہی کے مقابلہ پر چلنا چاہئے، مگر یہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔

دونوں لشکر آمنے سامنے:

قریشی لشکر مقام بدر پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ اور بہتر جگہ پر قابض ہو چکا تھا، مسلمانوں کا لشکر چونکہ بعد میں پہنچا اس لئے پانی کا چشمہ اور بہتر جگہ پر قابض نہ ہو سکا، ۱۸ رمضان المبارک کو فریقین کا مقابلہ ہوا، نبی ﷺ نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں تو آپ ﷺ نے خدا کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلائے اور انتہائی خضوع وزاری کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا۔

اللّٰھم ھذہ القریش قد اتت بخیلائھا تحاول ان تکذب رسولك اللھم فنصرك الذی وعدتنی، اللھم اِن تھلك ھذہ العصابة الیوم لا تُعبد.

ترجمہ: خدایا، یہ ہیں قریش جو اپنے سامان غرور کے ساتھ آئے ہیں تا کہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں، خداوندا بس اب آجائے تیری مدد جس کا تو نے وعدہ کیا تھا، اے خدا اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔

آپ کے لئے عرشہ سازی اور جنگ کی تیاری:

جنگ کی تیاری کے بعد آپ کے لئے ایک ٹیلے پر جہاں سے پورا میدان کارزار نظر آتا تھا ایک چھپر بنایا گیا، حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت عمر سے راوی ہیں کہ آپ ﷺ اسی شب ہم کو میدان کارزار کی طرف لے کر چلے تا کہ اہل مکہ کی قتل گاہیں ہم کو دکھلائیں چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کا مصرع ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ انشاء اللہ۔

مشرکین کے مقتولین بدر کی لاشوں کو کنویں میں ڈلوانا:

مشرکین مکہ کے مقتولین کی تعداد اگرچہ ستر تھی مگر صرف ۲۴ سردار ایک کنویں میں ڈالے گئے باقی مقتولین کہیں اور ڈلوا دیئے گئے، آپ نے تین شب بدر میں قیام فرمایا، تیسرے روز آپ سواری پر سوار ہو کر چلے صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ چلی آپ اس کنویں پر جا کر کھڑے ہوئے جس میں سرداران قریش کی لاشیں ڈالی گئی تھیں اور آپ نے نام بنام پکار کر فرمایا، یا عتبہ یا شیبہ یا امیہ یا ابا جہل اس طرح نام لے لے کر پکارا اور یہ فرمایا تم کو یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے، بلاشبہ جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو حق پایا کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا۔

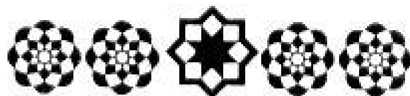
مالِ غنیمت کی تقسیم:

آپ تین روز قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے اور مالِ غنیمت عبد بن کعب کے سپرد فرمایا اور مقام صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت کی تقسیم فرمائی ہنوز مال غنیمت کے تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اصحاب بدر مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مختلف الرائے ہوگئے، جوان یہ کہتے تھے کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کہ ہم نے قتال میں براہ راست حصہ لیا اور کافروں کو قتل کیا، بوڑھے یہ کہہ رہے تھے کہ ہماری تدبیر اور پشت پناہی سے فتح حاصل ہوئی ہے لہٰذا مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہے ایک تیسرا فریق جو کہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت و صیانت میں مشغول تھا اس کا کہنا تھا کہ اگر سب لوگ جنگ میں شریک ہو جاتے تو ہو سکتا تھا کہ دشمن پلٹ کر آپ ﷺ کو گزند پہنچا دیتا اگر آپ کو گزند پہنچ جاتی تو یہ تمام فتح و کامرانی بے سود ہوتی لہٰذا ہم نے چونکہ اہم کام انجام دیا ہے لہٰذا مال غنیمت میں ہمارا بھی برابر کا حصہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالُ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلُ:

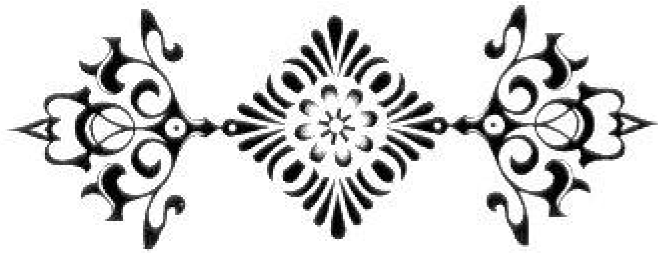
مقام صفراء میں پہنچ کر آپ نے یہ مال مساوی طور پر تقسیم فرما دیا، شریک جنگ حضرات کے علاوہ آپ نے ان آٹھ حضرات کو بھی حصہ دیا جو آپ کے حکم یا اجازت سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، ان حضرات میں عثمان غنی بھی شامل تھے، تفصیل کے لئے سیرۃ المصطفیٰ کی طرف رجوع کریں۔

❁❁✵❁❁



نقشہ جنگ بدر

مدینہ کو
شام کو
قلعہ
بدر کی بستی
کنواں پختہ
اسلامی فوج
باغات
بدویوں کے مکانات
عام قبرستان
مقابر شہدائے بدر
جبل اسفل
شمال
مکہ کو



اُذکُر اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً اَمْنًا مِمَّا حَصَلَ لَکُم مِنَ الخَوفِ مِّنْهُ تَعَالٰی
وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ مِنَ الاَحْدَاثِ وَالجَنَابَاتِ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَسْوَسَتَهٗ
اِلَیکُم بِاَنَّکُم لَو کُنتُم عَلَی الحَقِّ مَا کُنتُم ظِمَاءً مُحْدِثِیْنَ وَالمُشْرِکُوْنَ عَلَی المَاءِ وَلِیَرْبِطَ یَحْبِسَ
عَلٰی قُلُوْبِکُمْ بِالیَقِینِ وَالصَّبرِ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اَنْ تَسُوْخَ فِی الرَّمْلِ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ الَّذِینَ
اَمَدَّ بِهِمُ المُسْلِمِینَ اَنِّیْ اَیْ بِاَنِّیْ مَعَکُمْ بِالعَوْنِ وَالنَّصْرِ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالاِعَانَةِ وَالتَّبْشِیْرِ
سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ الخَوفَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ اَی الرُّءُوْسَ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾
اَیْ اَطْرَافَ الیَدَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ فَکَانَ الرَّجُلُ یَقْصِدُ ضَرْبَ رَقَبَةِ الکَافِرِ فَتَسْقُطُ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ سَیْفُهٗ اِلَیهِ
وَرَمَاهُم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ بِقَبْضَةٍ مِنَ الحَصٰی فَلَمْ یَبْقَ مُشْرِکٌ اِلَّا دَخَلَ فِی عَیْنَیْهِ مِنْهَا شَیْءٌ
فَهُزِمُوا ذٰلِکَ العَذَابُ الوَاقِعُ بِهِمْ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا خَالَفُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ ذٰلِکُمْ العَذَابُ فَذُوْقُوْهُ اَیْ اَیُّهَا الکُفَّارُ فِی الدُّنْیَا وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ فِی الاٰخِرَةِ
عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا اَیْ مُجْتَمِعِیْنَ کَاَنَّهُمْ لِکَثْرَتِهِمْ یَزْحَفُوْنَ
فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ مُنْهَزِمِیْنَ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ اَیْ یَوْمَ لِقَائِهِمْ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا مُنْعَطِفًا لِّقِتَالٍ بِاَنْ
یُرِیَهُمُ الفَرَّةَ مَکِیْدَةً وَهُوَ یُرِیْدُ الکَرَّةَ اَوْ مُتَحَیِّزًا مُنْضَمًّا اِلٰی فِئَةٍ جَمَاعَةٍ مِنَ المُسْلِمِیْنَ یَسْتَنْجِدُ بِهَا
فَقَدْ بَآءَ رَجَعَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶﴾ المَرْجِعُ هِیَ وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِمَا اِذَا لَمْ
یَزِدِ الکُفَّارُ عَلَی الضِّعْفِ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ بِبَدْرٍ بِقُوَّتِکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ بِنَصْرِهٖ اِیَّاکُمْ وَمَا رَمَیْتَ یَا مُحَمَّدُ
اَعْیُنَ القَوْمِ اِذْ رَمَیْتَ بِالحَصٰی لِاَنَّ کَفًّا مِنَ الحَصَا لَا یَمْلَأُ عُیُوْنَ الجَیْشِ الکَثِیْرِ بِرَمْیَةِ بَشَرٍ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی
بِاِیْصَالِ ذٰلِکَ اِلَیْهِمْ فَعَلَ ذٰلِکَ لِیَقْهَرَ الکٰفِرِیْنَ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً عَطَاءً حَسَنًا هُوَ الغَنِیْمَةُ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ لِاَقْوَالِهِمْ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ بِاَحْوَالِهِمْ ذٰلِکُمْ الاِبْلَاءُ حَقٌّ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ مُضْعِفُ
کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا اَیُّهَا الکُفَّارُ تَطْلُبُوا الفَتْحَ اَیِ القَضَاءَ حَیْثُ قَالَ اَبُوْجَهْلٍ مِنْکُمْ اَللّٰهُمَّ اَیُّنَا
کَانَ اَقْطَعَ لِلرَّحِمِ وَاَتَانَا بِمَا لَا نَعْرِفُ فَاَحِنْهُ الغَدَاةَ اَیْ اَهْلِکْهُ فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ القَضَاءُ بِهَلَاکِ مَنْ
هُوَ کَذٰلِکَ وَهُوَ اَبُوْجَهْلٍ وَمَنْ قُتِلَ مَعَهٗ دُوْنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ تَنْتَهُوْا عَنِ
الکُفْرِ وَالحَرْبِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا لِقِتَالِ النَّبِیِّ نَعُدْ لِنَصْرِهٖ وَلَنْ تُغْنِیَ تَدْفَعَ عَنْکُمْ فِئَتُکُمْ جَمَاعَتُکُمْ
شَیْئًا وَّلَوْ کَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹﴾ بِکَسْرِ اِنَّ اسْتِئْنَافًا وَفَتْحِهَا عَلٰی تَقْدِیْرِ اللَّامِ.

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس خوف سے جو تم کو درپیش تھا غنودگی کی مشکل میں تم پر
سکون اور بے خوفی طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک کرے

اور تم سے اس شیطانی وسوسہ کو دور کرے کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تم (اس طرح) پیاسے اور بے طہارت نہ ہوتے اور مشرک پانی پر قابض نہ ہوتے اور تا کہ تمہارے قلوب کو یقین وصبر کے ساتھ مضبوط کرے اور تا کہ بارش کے ذریعہ تمہارے قدموں کو جمادے کہ ریت میں نہ دھنسیں، (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارا رب اُن فرشتوں سے کہہ رہا تھا جن کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی مدد اور نصرت کے ساتھ میں تمہارے ساتھ ہوں (اور) انّی، اصل میں بِانّی ہے، تم اہل ایمان کو مدد اور بشارت کے ذریعہ ثابت قدم رکھو، میں کافروں کے دل میں ابھی خوف ڈالے دیتا ہوں پس تم ان کی گردنوں پر یعنی سروں پر ضرب لگاؤ اور اس کی پور پور پر چوٹ لگاؤ یعنی دست وپا کے اطراف پر، چنانچہ (مسلمان) مرد جب کافر کی گردن پر ضرب لگانے کا قصد کرتا تھا تو اس کی تلوار کافر تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی گردن (تن سے جدا ہوکر) گر جاتی تھی، اور آپ ﷺ نے ان کی طرف ایک مٹھی خاک نہیں پھینکی مگر یہ کہ اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر مشرک کی آنکھ میں نہ پہنچا ہو چنانچہ مشرکوں کو شکست ہوگئی، یہ عذاب جوان پر واقع ہوا اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اللہ اس کے لئے سخت گیر ہے، اس کے لئے یہ عذاب ہے، سوائے کافرو دنیا ہی میں اس عذاب کا مزا چکھو، اور بالیقین کافروں کے لئے آخرت میں عذاب مقرر ہے اے ایمان والو جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ حال یہ کہ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے آہستہ آہستہ سرک رہے ہوں تو بھی ان سے شکست خوردہ ہوکر پیٹھ مت پھیرو، اور جو شخص مقابلہ کے دن ان سے پیٹھ پھیرے گا مگر یہ کہ جنگی چال کے طور پر ہو بایں طور کہ ان کو چال کے طور پر فرار دکھائے حال یہ کہ وہ پلٹ کر حملہ کا ارادہ رکھتا ہو، یا مسلمانوں کی جماعت سے مدد لینے کے لئے جاملنے کے طور پر تو وہ اس (وعید) سے مستثنیٰ ہے (اس کے علاوہ) جس نے ایسا کیا تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اس کی قرارگاہ نہایت بُری ہے اور یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ کفار (کی تعداد) مسلمانوں کے مقابلہ میں دوگنا سے زیادہ نہ ہو، (حقیقت یہ ہے) کہ بدر میں تم نے ان کو اپنی قوت سے قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے تمہاری مدد کر کے ان کو قتل کیا، اور اے محمد ﷺ قوم کی آنکھوں میں آپ نے نہیں پھینکا جبکہ آپ نے کنکریاں پھینکیں اس لئے کہ ایک انسانی مٹھی کنکریاں ایک بڑے لشکر کی آنکھوں کو نہیں بھر سکتیں، لیکن ان کنکریوں کو ان تک پہنچا کر درحقیقت اللہ نے پھینکا اور اس نے یہ اسلئے کیا تا کہ کافروں کو مغلوب کردے، اور تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بہتر صلہ دے اور وہ (مال) غنیمت ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کا سننے والا ان کے احوال کو جاننے والا ہے اور یہ عطائے صلہ حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کافروں کی چالوں کو کمزور کرنے والے ہیں اے کافرو اگر تم فتح کا فیصلہ چاہتے ہو، اسلئے کہ تم میں سے ابوجہل نے کہا تھا اے ہمارے اللہ ہم میں سے جو زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہو اور ہمارے پاس ایسی چیز لایا ہو جس کو ہم نہیں جانتے تو اس کو تو آئندہ کل ہلاک کردے تو تمہارے پاس فیصلہ آگیا اس کو ہلاک کر کے جو ایسا ہے اور وہ ابوجہل ہے اور وہ ہے جو اس کے ساتھ قتل کیا گیا، نہ کہ محمد ﷺ اور مومنین، اور اگر تم کفر وقتال سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور اگر تم نبی کے ساتھ جنگ کا اعادہ کروگے تو ہم تمہارے اوپر اس کی فتح کا اعادہ کریں گے اور تمہاری

جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گوکتنی ہی زیادہ ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اِنَّ کے کسرہ کے ساتھ استیناف کی صورت میں اور فتحہ کے ساتھ لام کی تقدیر کی صورت میں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اذ یُغَشِّیْکُمْ، یہ اُذکر فعل محذوف کا ظرف ہے یا سابق اذ یَعِد کم کا بدل ہے۔

قولہ: اَمنًا، اَمَنَةً کی تفسیر اَمنًا سے کرکے اشارہ کردیا کہ اَمَنَةً مصدر ہے یقال اَمِنَ اَمنةً و أمنًا و أمانةً، نہ کہ جمع جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، اور اَمَنَةً یُغَشِّیْکُمْ کا مفعول لہٗ بھی ہوسکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سکون کے لئے تم پر غنودگی طاری کررہا تھا۔

قولہ: مِنْهُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔

قولہ: بِهٖ ای بالماء.

قولہ: ان تَسُوْخَ ای مِن اَنْ تسوخَ، ای تدخُلَ.

قولہ: لَهٗ.

سوال: مفسر علام نے لَهٗ کیوں مقدر مانا؟

جواب: مَنْ مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے اور یشاقِقِ اللّٰہ ورسولَهٗ فان اللّٰہ شدید العقاب، جملہ ہوکر مبتداء کی خبر ہے، اور خبر جب جملہ ہوتی ہے تو ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو کہ یہاں نہیں ہے، اسی لئے مفسر علام نے لَهٗ ضمیر کو مقدر مانا ہے۔

قولہ: العَذَابُ، ذٰلکم مبتداء، العذاب اس کی خبر محذوف، مفسر علام نے العذابُ محذوف مان کر اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اسم اشارہ ذالکم، کو مبتداء محذوف کی خبر بھی قرار دیا جاسکتا ہے ای العذاب ذالکم، لہٰذا ذالکم فذوقوہُ، میں انشاء کے خبر واقع ہونے کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قولہ: فذوْقُوْهُ، فاء شرطیہ ہے، ذوقوہُ، شرط محذوف کی جزاء ہے ای اِن کان کذلك فذوقوہُ.

قولہ: وَاَنَّ الکفرین، اس کا عطف ذلكَ پر ہے، اور واعلموا مقدر کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے۔

قولہ: زَحفًا، (ف) کا مصدر ہے، بھیڑ کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلنا، بچہ کی طرح سرکنا۔

قولہ: مُتَحَرِّفًا، متعطفًا، پلٹ کر حملہ کرنا۔ (الی الکرِّ بعد الفرِّ).

قولہ: مُتَحَیِّزًا، (تفعّل) سے اسم فاعل، مڑکر اپنی جماعت کی طرف آنیوالا تاکہ ساتھیوں کی مدد لیکر دوبارہ حملہ کرسکے، اصل مادہ حَوْزٌ، ہے۔

قَوْلُہٗ: یَسْتَنْجِدُوْا، اِستنجاد مدد طلب کرنا۔
قَوْلُہٗ: ھِیَ مخصوص بالذم ہے۔
قَوْلُہٗ: فَلَمْ تَقْتُلُوْھم، فاء جزائیہ یہ شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے، اِن افتخرتم بقتلھم فانتم لم تقتلوھم.
قَوْلُہٗ: لِیُبْلِیَ، ای یعطی اللّٰہ تعالی المؤمنین اِعطاء حسنًا.
قَوْلُہٗ: حَقٌّ، اس میں اشارہ ہے کہ، ذالکم الابلاء، مبتداء ہے حَقٌّ خبر محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ قریشی لشکر نے بدر پہلے پہنچ کر جنگی اعتبار سے بہتر جگہ منتخب کر لی تھی اور پانی کے چشمہ پر بھی قابض ہو گئے غرضیکہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے قریشی لشکر کو فوقیت حاصل تھی تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں کی بہ نسبت تین گنے نیز آلات حرب کے اعتبار سے نہایت مضبوط غرضیکہ وہ لوگ ظاہری اسباب کے اعتبار سے مطمئن تھے، ادھر اسلامی لشکر کا یہ حال تھا کہ تعداد کے اعتبار سے دشمن کے مقابلہ میں ایک تہائی سواری کی یہ حالت کہ کل دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، اور چند زرہیں، موقع کے لحاظ سے بھی کوئی اطمینان بخش جگہ نہ تھی ریگستانی نشیبی علاقہ جس میں انسانوں اور جانوروں کا چلنا پھرنا دشوار، گرد وغبار کی مصیبت الگ پانی کی قلت، پینے کے لئے پانی ناکافی تھا چہ جائیکہ غسل وطہارت کے لئے۔

حباب بن منذر کا مشورہ:

جس مقام پر آنحضرت ﷺ نے قیام فرمایا تھا، حباب بن منذر نے جو کہ اس علاقہ سے واقف تھے اس مقام کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو ہمیں کچھ کہنے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے تو بتائیں آپ نے فرمایا نہیں، یہ کوئی حکم خداوندی نہیں اس میں تغیر وتبدل کیا جا سکتا ہے تب حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا کہ پھر تو یہ بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اس پر قبضہ کر لیا جائے، وہاں ہمیں افراط کے ساتھ پانی مل جائیگا، آنحضرت ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرمالیا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ (احسن التفاسیر)

اس کام سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذ کے مشورہ سے آپ کے لئے ایک پہاڑی پر جہاں سے پورا میدان جنگ نظر آتا تھا ایک عریش (چھپر) بنا دیا گیا جس میں آپ ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبر رات بھر مشغول دعا رہے۔

میدان بدر میں صحابہ پر غنودگی:

یہ اس رات کا واقعہ ہے جس کی صبح کو بدر کی لڑائی پیش آئی اسی رات کو باران رحمت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، اس بارش سے تین فائدے ہوئے ایک یہ کہ مسلمانوں کو پانی کافی مقدار میں مل گیا مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی کافی ذخیرہ کر لیا، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بارش کی وجہ سے ریت جم گیا جس کی وجہ سے ایک تو گرد و غبار کی تکلیف سے نجات ملی دوسرے یہ کہ ریت جم کر چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی مشرکین کا لشکر چونکہ نشیب کی طرف تھا اسلئے وہاں کیچڑ اور پھسلن ہوگئی جس کی وجہ سے بارش قریشی لشکر کے لئے زحمت ثابت ہوئی۔

شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست:

شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے مراد ہراس اور گھبراہٹ کی وہ کیفیت تھی جس میں مسلمان ابتدءً مبتلاء تھے اور قسم قسم کے خیالات ان کے دلوں میں آرہے تھے، دشمن اپنی تعداد، تیاری نیز جنگی اعتبار سے بہتر مقام پر فائز اور پانی پر قابض ان سب باتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے دلوں میں خیالات اور ساوس کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ بعض مسلمانوں کو غسل کی حاجت ہوگئی جس کی وجہ سے فجر کی نماز حالت جنابت میں پڑھنی پڑی اس وقت شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال کر شکوت و شبہات پیدا کر دیئے کہ تم سمجھتے ہو کہ محمد ﷺ تمہارے نبی ہیں اور تم اللہ کے محبوب اور دوست ہو حالانکہ تم بے وضو اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھ رہے ہو اگر تم حق پر ہوتے تو پھر ان سب پریشانیوں کا کیا سبب ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی زور دار بارش عطا فرمائی کہ وادی بہہ پڑی۔ (فتح القدیر شوکانی عن ابن عباس)

ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کا ذکر سابقہ آیت میں گذر چکا ہے اس آیت میں مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنے کا ذکر ہے اس غنودگی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں میں جو طبعی خوف و ہراس تھا وہ سب جاتا رہا تعب و تکان ختم ہوگئی جس کی وجہ سے اطمینان اور کامیابی کا پختہ یقین حاصل ہوگیا۔

نکتہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا قول ہے کہ جنگ میں نیند اللہ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں اونگھنا شیطان کا وسوسہ ہے۔

فائدہ: سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ احد کے میدان میں بھی لشکر اسلام پر غنودگی طاری کردی گئی تھی لیکن وہ غنودگی لڑائی بگڑ جانے کا رنج و غم رفع کرنے کے لئے تھی اور بدر میں لڑائی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام پر غنودگی طاری کر کے دشمنوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کا خوف اور شکست کھا جانے کا اندیشہ نیز شیطانی وسوسے سب جاتے رہے۔

میدان سے راہ فرار:

وَمَنْ يُولِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا متحرفا لقتالٍ (الآية) دشمن کے شدید دباؤ پر پسپائی ناجائز نہیں ہے جبکہ اس کا مقصد اپنے عقبی مرکز کی طرف پلٹنا یا اپنی ہی فوج کے کسی دوسرے حصے سے جا ملنا ہو، البتہ جو چیز حرام ہے وہ فرار ہے جو کسی جنگی مقصد سے نہیں بلکہ جان بچانے کی غرض سے ہو، اس فرار کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تین گناہ ایسے ہیں جن کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی'' ایک شرک دوسرے والدین کے حقوق کی حق تلفی تیسرے میدان جہاد فی سبیل اللہ سے فرار، اسی طرح ایک اور حدیث میں جس میں سات بڑے گناہ شمار کرائے ہیں ان میں ایک قتال فی سبیل اللہ سے فرار بھی ہے میدان جہاد سے فرار کے گناہ ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ایک شخص کا فرار بسا اوقات پوری بٹالین کو اور ایک بٹالین کا فرار پوری پلٹن کو اور ایک پلٹن کا فرار پوری فوج کو بدحواس کر کے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور جب ایک مرتبہ فوج میں بھگدڑ مچ جاتی ہے تو کہا نہیں جا سکتا کہ تباہی کس حد پر جا کر رکے گی۔

ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح مکہ سے روانہ ہوتے وقت مشرکین مکہ نے کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی کہ خدایا دونوں فریقوں میں سے جو بہتر ہے اس کو فتح عطا فرما، اور ابوجہل نے خاص طور پر یہ کہا تھا، خدایا ہم میں سے جو برسرِ حق ہوا سے تو فتحمندی عطا فرما، اور جو برسرِ ظلم اور صلہ رحمی کا قطع کرنے والا ہوا سے رسوا کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی منہ مانگی مراد حرف بحرف پوری فرما دی، اور فیصلہ کر کے بتا دیا کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق ہے۔

يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا تُعرِضُوا عَنْهُ بِمُخَالَفَةِ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ القرآن والمواعِظ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ سَمَاعَ تدبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ وهم المنافقون والمشركون اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ عن سَماعِ الحقِّ الْبُكْمُ عن النُّطقِ به الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا صلاحًا بسَماعِ الحقِّ لَّاَسْمَعَهُمْ سَمَاعَ تَفَهُّمٍ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ فرضًا وقد عَلِمَ ان لا خيرَ فيهم لَتَوَلَّوْا عنه وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ عن قُبُولِه عِنادًا وجُحُودًا يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ بالطاعةِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ من امْرِ الدِّيْنِ لانه سَبَبُ الحياةِ الابديَّةِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ فلا يَسْتَطِيعُ ان يُؤمِنَ او يَكْفُرَ الا بارادتِه وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فيُجازِيكُم باَعْمالِكم وَاتَّقُوْا فِتْنَةً ان اَصابَتْكم لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً بل تَعُمُّهم وغيرَهم واتِّقاؤُها بانكارِ مُوجِبِها من المُنكَرِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ لمن خالَفَهٗ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ارضِ مَكّةَ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ يأخُذُكم الكفارُ بسُرعةٍ فَاٰوٰىكُمْ الى المدينةِ وَاَيَّدَكُمْ قَوّاكم بِنَصْرِهٖ يومَ بدرٍ بالملئكةِ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ الغنائِمِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ نِعَمَهٗ ونَزَلَ في

ابی لُبَابَةَ بن عَبْدِ المُنذِرِ وقد بَعَثَهُ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی بنی قریظة لِیَنْزِلُوا علی حُکْمِهٖ فَاسْتَشَارُوْہ فَاَشَارَ الیهم انه الذَّبحُ لِاَنَّ عِیَالَه ومَالَهٗ فیهم یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ لا تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ مَا اُوْتُمِنْتُمْ علیه من الدِّیْنِ وغیرِہ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بکم صَادَّةٌ عن اُمُوْرِ الاٰخرةِ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ فلا تَفُوْتُوْہُ بمُرَاعَاۃِ الاموال والاَوْلاد والخیانةِ لِاَجلِهِم۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرواور اس کے حکم کی مخالفت کر کے اس سے سرتابی نہ کرو حالانکہ تم قرآن اورنصیحت سنتے ہو، اوران لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے کہا ہم نے سنا حالانکہ وہ غور وفکر اورنصیحت حاصل کرنے کے طور پر نہیں سنتے اور وہ منافق اورمشرک ہیں یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ لوگ ہیں جوحق سننے سے بہرے اورحق کہنے سے گونگے ہیں جوعقل سے کام نہیں لیتے اگر اللہ ان میں حق بات سننے کی صلاحیت جانتا تو ضرور انھیں حق سننے کی توفیق دیتا، اوراگر (صلاحیت کے بغیر) بالفرض ان کو سنواتا اوراس کے علم میں یہ بات ہے کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے تو وہ اس کے قبول کرنے سے عناد یا انکار کے طور پر منہ پھیر لیتے اے ایمان والوتم اللہ اوراس کے رسول کی آواز پر اطاعت کے ساتھ لبیک کہو، جب رسول تمہیں اس امر دین کی طرف پکاریں جوتمہیں زندگی بخشنے والا ہے اسلئے کہ وہ حیات ابدی کا سبب ہے اورخوب سمجھ لوکہ اللہ آدمی اوراس کے دل کے درمیان حائل ہے لہٰذا کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے ارادہ کے بغیر ایمان لاسکے یا کفر کرسکے، اوراسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے سووہ تم کوتمہارے اعمال کا صلہ دے گا، اوراس کے فتنے سے بچو اگر وہ تم پر آپڑے تو اس کی شامت (بلا) تم میں سے ظالموں ہی تک محدود نہ رہے گی بلکہ ان کواوران کے علاوہ کوبھی لپیٹ میں لے لے گی، اوراس فتنہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مُنکَرْ (برائی) کے سبب پرنکیر کرے (یعنی نہی عن المنکر کرے) اور جان رکھوکہ اللہ تعالیٰ اس کی مخالفت کرنیوالے کوسخت سزا دینے والا ہے اس وقت کو یاد کروکہ جب تم مکہ کی سرزمین میں قلیل تعداد میں تھے کمزور سمجھے جاتے تھے اور تم ڈرتے رہتے تھے کہ ہمیں لوگ (یعنی) کفار اچک نہ لیجائیں (یعنی ہلاک نہ کردیں) توتم کو مدینہ میں ٹھکانہ دیا توتم کو بدر کے دن اپنی نصرت سے ملائکہ کے ذریعہ تقویت دی اورتم کو مال غنیمت کے ذریعہ حلال رزق دیا تاکہ تم اس کی نعمت کا شکرادا کرو اور (آئندہ آیت) ابولبابہ بن منذر کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ ان کو نبی ﷺ نے بنی قریظہ کے پاس بھیجا تھا (تاکہ بنی قریظہ کو) قلعہ سے اتر آنے پر آمادہ کریں، تو (بنی قریظہ نے) ابی لبابہ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اشارہ کردیا کہ تمہارا انجام ذبح ہے، (اس افشاء راز کی وجہ یہ تھی) کہ ان کے اہل وعیال اور مال ان کے پاس تھے، اے ایمان والوتم اللہ اوراس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ تم ان امانتوں میں خیانت کروجن پر تمہیں امین بنایا گیا ہے خواہ وہ بات دین کی ہو یا اسکے علاوہ کی، حال یہ کہ تم اس کو جانتے ہو، اوربخوبی سمجھ لوکہ تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ (آزمائش) ہیں جوامور آخرت سے تم کوروکنے والے ہیں، اوریقیناً اللہ کے پاس اجر عظیم ہے، لہٰذا اس کو مال، اولاد اوران کے لئے خیانت کی وجہ سے ہاتھ سے نہ جانے دو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تَعرِضُوْا، تَوَلَّوْ، کی تفسیر تعرضوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تَوَلَّوْ احذف تاء کے ساتھ مضارع ہے نہ کہ ماضی، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ماضی پر بلا تکرار لا کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

قولہ: لا یَعْقِلُوْنَ ای الحقّ.

قولہ: قد عَلِمَ اَنْ لَّا خَیْرَ فیھم اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے اعتراض یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں قیاس اقترانی سے استدلال کیا ہے جس کا نتیجہ نکلتا ہے، لو علم اللّٰہ فیھم خیرًا لَتَوَلَّوْا، اور یہ محال ہے۔

قیاس اقترانی:

لَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فیھم خیرًا لا سْمَعَھُمْ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا، نتیجہ نکلے گا، لو علم اللّٰہ خیرا لتولّوا، یعنی اگر ان کے اندر اللہ کے علم میں کوئی خیر ہوتی تو وہ ضرور اعراض کرتے، وھذا محال۔

جواب: صحیح نتیجہ کے لئے حد اوسط کا متحد ہونا ضروری ہے اگر حد اوسط مختلف ہوگا تو نتیجہ صحیح نہیں نکلے گا، یہاں حد اوسط مختلف ہے، اسلئے کہ اسماع اول سے سماع فھم الموجب للھدایۃ مراد ہے اور دوسرے اسماع سے اسماع مجرد مراد ہے۔

قولہ: اِنْ اصابَتْکم، اس عبارت کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ لا تُصیبنّ الذین الخ شرط محذوف کا جواب ہے اور یہ ان لوگوں پر رد بھی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ لا تصیبنّ فتنۃ کی صفت ہے۔

تفسیر و تشریح

یٰاَیُّھا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اطیعوا اللّٰہ ورسولہ الخ، سابق میں فرمایا گیا کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب ایمان والوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ تمہارا معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے جس سے تم خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہو، تو اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار ہو، احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن چکا ہو اور تسلیم کر چکا ہو تو قولاً و فعلاً کسی حال میں ان سے نہ پھرے۔

وَلا تکونوا کالذین قالوا سَمِعْنَا وھم لا یسمَعُوْنَ، یہاں سننے سے مراد وہ سننا ہے جس کو قبول کرنا اور ماننا کہتے ہیں، اس آیت میں اشارہ ان منافقوں کی طرف ہے جو زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتے تھے مگر احکام کی اطاعت سے منہ موڑ جاتے تھے، سن لینے کے باوجود عمل نہ کرنا کافروں کا شیوہ ہے، تم اس رویہ سے بچو، اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو بہرہ اور گونگا بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے اگر ان میں اللہ تعالیٰ کوئی خیر و خوبی دیکھتا تو ضرور انھیں سنکر سمجھنے کی توفیق عطا کرتا چونکہ ان کے اندر خیر یعنی طلب صادق ہی نہیں اسلئے وہ فہم صحیح سے بھی محروم ہیں، پہلے سماع سے مراد سماع نافع ہے جسے مفسر علام نے سماع تفہم کہا ہے،

اور دوسرے سماع سے مطلق سماع مراد ہے یعنی بالفرض اگر اللہ تعالیٰ انھیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں اس لئے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

وَاتقوا فتنة لا تصیبنَّ الَّذِیْنَ ظلموا منکم خاصَّة ، لا تُصیبنَّ، کے نون تاکید کے بارے میں نحاۃ کا اختلاف ہے، فرّاء نے کہا ہے کہ یہ قائل کے قول ''انزل عن الدابة لا تطرَحنَّكَ'' کے مثل ہے یہ جواب امر ہے بصورت نہی، ای اِنْ تنزل عنها لا تطرَحنَّكَ ،یعنی اگر تو اتر آئیگا تو وہ نہیں گرائے گا، اور اسی طرح کا اللہ تعالیٰ کا قول ''اُدخلوا مَساکنکم لا یَحْطِمَنَّکم سلیمان وجنوده'' ای اِنْ تدخلوا لا یحطمنکم، اس میں نون اسلئے داخل ہے کہ اس میں معنی جزاء ہیں۔

پہلی آیت میں ایسے گناہ سے خاص طور پر بچنے کی تاکید کی گئی ہے جس کا وبال اور عذاب صرف گناہ کرنے والوں پر محدود نہیں رہتا بلکہ ناکردہ گناہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ کونسا گناہ ہے؟ اس میں علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گناہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جدوجہد کو ترک کر دینا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ کسی جرم اور گناہ کو اپنے ماحول میں قائم نہ رہنے دیں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا یعنی جرم و گناہ کو دیکھتے ہوئے باوجود قدرت کے منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب عام کر دیں گے جس سے نہ گنہگار بچیں گے اور نہ بے گناہ۔

اور بے گناہ سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو اصل گناہ میں ان کے شریک نہیں مگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دینے کے گنہگار وہ بھی ہیں، اس لئے یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک کے گناہ دوسرے پر ڈالنا بے انصافی ہے اور قرآنی فیصلے ''لا تزرُ وازرةٌ وِزرَ اخریٰ'' کے خلاف ہے کیونکہ گنہگار اپنے اصل گناہ کے وبال میں اور بے گناہ ترک امر بالمعروف کے گناہ میں پکڑے گئے، کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا گیا۔

وہ گناہ جس کے وبال میں ناکردہ گناہ لوگ بھی پھنس جاتے ہیں وہ اجتماعی فتنے اور جرائم ہیں جو وبائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گنہگار معاشرہ میں رہنا گوارا کرتے رہے ہوں، مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ جب تک کسی شہر میں گندگی کہیں کہیں انفرادی طور پر پڑی ہو اس کا اثر محدود رہتا ہے اور اس سے وہ مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلودہ کر رکھا ہو، لیکن جب گندگی عام ہو جاتی ہے اور کوئی گروہ بھی پورے شہر میں ایسا نہیں ہوتا جو اس خرابی کو روکے اور صفائی کا انتظام کرنے کی کوشش کرے تو پھر زمین اور فضا اور ہوا اور پانی غرضیکہ ہر چیز میں سمّیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو وبا آتی ہے اس کی لپیٹ میں گندگی پھیلانے والے اور گندہ رہنے والے اور گندے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آجاتے، اسی طرح اخلاقی نجاستوں کا حال ہے اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود رہیں اور صالح معاشرہ کے رعب سے دبی رہیں تو ان کے نقصانات محدود رہتے ہیں لیکن جب معاشرہ کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جاتا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اس میں نہیں رہتی، اور جب اچھے لوگ اپنی انفرادی نیکیوں پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت وصامت ہو جاتے ہیں اور صورت حال

یہاں تک خراب ہو جاتی ہے کہ نیکی بدی کے آگے منہ چھپائے پھرنے لگتی ہے تو ایسی صورت میں مجموعی طور پر پورے معاشرہ کی شامت آجاتی ہے اور ایسا فتنہ عام برپا ہوتا ہے جس میں چنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے امام بغوی نے شرح السنہ اور معالم میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود و صدیقہ عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے جب تک کہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اس کو روک سکیں اس کے باوجود انہوں نے اس کو روکا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔

برائی روکنے پر قدرت کے باوجود نہ روکنے والے بھی گنہگار ہیں:

صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قانونی حدود توڑنے والے گنہگار ہیں اور جو لوگ ان کو دیکھ کر مداہنت کرنے والے ہیں یعنی باوجود قدرت کے ان کو گناہ سے نہیں روکتے ان دونوں طبقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بحری جہاز کے دو طبقے ہوں اور نیچے کے طبقہ والے اوپر آکر اپنی ضروریات کے لئے پانی لیتے ہوں جس سے اوپر والے تکلیف محسوس کرتے ہوں نیچے والے یہ حالت دیکھ کر یہ صورت اختیار کریں کہ کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کر کے اس سے اپنے لئے پانی حاصل کریں اور اوپر کے لوگ ان کی اس حرکت کو دیکھیں اور منع نہ کریں تو ظاہر ہے کہ پانی پوری کشتی میں بھر جائیگا اور جب نیچے والے غرق ہوں گے تو اوپر والے بھی ڈوبنے سے نہ بچیں گے۔

ان روایات کی روشنی میں حضرات مفسرین نے آیت کا مطلب یہ قرار دیا کہ اس آیت میں فتنہ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کر دینا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس گناہ سے مراد ترک جہاد کا گناہ ہے مگر جہاد بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کے لئے ہوتا ہے لہٰذا دونوں مصداق ایک ہی ہیں۔

امانتوں میں خیانت سے کیا مراد ہے؟

امانتوں میں خیانتوں سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو کسی پر اعتماد کر کے اس کے سپرد کی جائیں، خواہ وہ عہد وفا کی ذمہ داری ہو یا اجتماعی معاہدات کی یا راز دارانہ گفتگو کی یا عہدہ اور منصب کی جو کسی شخص پر بھروسہ کرتے ہوئے جماعت یا فرد اس کے حوالہ کر دے۔

وَاعلموا انما اموالکم واولادکم فتنة، انسان کے اخلاص میں جو چیز عام طور پر خلل ڈالتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اکثر منافقت غداری اور خیانت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنے مالی مفاد اور اپنی اولاد کے مفاد سے اس کی حد سے بڑھی ہوئی

دلچسپی ہوتی ہے اسی لئے فرمایا کہ یہ مال اور اولاد جس کی محبت میں گرفتار ہو کر تم عموماً راستی سے ہٹ جاتے ہو دراصل یہ دنیا کی امتحان گاہ میں تمہارے لئے سامان آزمائش ہے جسے تم بیٹا یا بیٹی کہتے ہو حقیقت کی زبان میں وہ امتحان کا ایک پرچہ ہے اور جسے تم جائداد یا کاروبار کہتے ہو وہ بھی درحقیقت ایک دوسرا پرچۂ امتحان ہے، یہ چیزیں تمہارے حوالہ کی ہی اس لئے گئی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تمہیں جانچ کر دیکھا جائے کہ تم کہاں تک حقوق وحدود کا لحاظ کرتے ہو؟

شانِ نزول:

مذکورہ آیت کا مضمون تو عام ہے سب مسلمانوں کو شامل ہے، مگر اس کے نزول کا واقعہ اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ابولبابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ابن منذر کا قصہ ہے جو غزوۂ بنی قریظہ میں پیش آیا، آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے بنو قریظہ کے قلعہ کا اکیس روز تک محاصرہ جاری رکھا جس سے عاجز ہو کر انہوں نے وطن چھوڑ کر ملک شام چلے جانے کی درخواست کی آپ نے ان کی شرارتوں کے پیش نظر اس کو قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ صلح کی صرف یہ صورت ہے کہ سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمہارے بارے میں جو فیصلہ کریں اس پر راضی ہو جاؤ، بنو قریظہ نے درخواست کی کہ سعد بن معاذ کے بجائے ابولبابہ کو یہ کام سپرد کیا جائے، کیونکہ ابولبابہ کے اہل وعیال اور جائداد بنی قریظہ میں تھی بنو قریظہ کو ان سے یہ توقع تھی کہ وہ ان کے بارے میں رعایت کریں گے، آپ نے ان کی درخواست پر حضرت ابولبابہ کو بھیج دیا، بنی قریظہ کے مرد وزن ان کے گرد جمع ہو کر رونے لگے اور یہ پوچھا کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قلعہ سے اتر آئیں تو کیا ہمارے معاملہ میں کچھ نرمی فرمائیں گے، ابولبابہ کو معلوم تھا کہ ان کے معاملہ میں نرمی برتنے کی رائے نہیں ہے، کچھ تو ان لوگوں کی گریہ وزاری کی وجہ سے اور کچھ اپنے اہل وعیال کی محبت سے متاثر ہو کر اپنے گلے پر تلوار کی طرح ہاتھ پھیر کر اشارۃً بتلا دیا کہ ذبح کئے جاؤ گے گویا اس طرح آنحضرت ﷺ کا راز فاش کر دیا۔

حضرت ابولبابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مسجد میں خود کو مسجد کے ستون سے باندھنا:

مال اور اولاد کی محبت میں یہ کام کر تو گذرے مگر فوراً ہی تنبہ ہوا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خیانت کی، جب وہاں سے واپس ہوئے تو اس درجہ ندامت سوار ہوئی کہ آپ ﷺ کی خدمت میں لوٹنے کے بجائے سیدھے مسجد میں پہنچے اور مسجد کے ایک ستون کے ساتھ خود کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی میں اسی طرح بندھا رہوں گا، چاہے اس حالت میں موت ہی آجائے چنانچہ سات روز تک نماز اور حاجت ضروریہ کے علاوہ ستون سے بندھے رہے، کھانا پینا بھی ترک کر دیا یہاں تک کہ غشی طاری ہو جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ کو اول جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ اگر وہ اول ہی میرے پاس آجاتے تو میں اس کے لئے استغفار کرتا اور توبہ قبول ہو جاتی اب جبکہ وہ یہ کام کر گذرے تو اب قبولیت توبہ نازل ہونے کا انتظار کرنا ہی پڑے گا، چنانچہ سات روز کے بعد آخر شب میں آپ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، بعض حضرات نے ان کو خوشخبری سنا کر کھولنا چاہا مگر ابولبابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا جب تک خود آنحضرت ﷺ مجھے اپنے

دست مبارک سے نہ کھولیں گے میں کھلنا پسند نہ کروں گا چنانچہ آپ جب صبح کی نماز کے وقت مسجد میں تشریف لائے تو آپنے دست مبارک سے ان کو کھولا آیت مذکورہ میں جو خیانت کرنے اور مال و اولاد کی محبت سے مغلوب ہونے کی ممانعت کا ذکر آیا ہے اس کا اصل سبب یہ واقعہ ہے۔ (واللہ اعلم) (معارف)

وَنَزَلَ فی توبتِہٖ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ بالامَانَةِ وغيرهم يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا بينكم وبين ما تَخافُوْن
فَتَنْجُوْنَ وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُم وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَ اذكر يا محمدُ
اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وقد اجْتَمَعُوْ للمُشَاوَرَةِ فی شانِكَ بدار الندوةِ لِيُثْبِتُوْكَ يُوْثِقُوْكَ ويَحبسُوْكَ
اَوْ يَقْتُلُوْكَ كُلُّهم قَتْلَةَ رجلٍ واحدٍ اَوْ يُخْرِجُوْكَ مِن مكةَ وَيَمْكُرُوْنَ بك وَيَمْكُرُ اللّٰهُ بهم بتدبير اَمْرِكَ بان
اَوْحىٰ اليكَ ما دَبَّرُوْه واَمَرَكَ بالخُرُوْجِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ اَعْلَمُهُم به وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا القراٰنُ
قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ قالہ النَّضْرُ بنُ الحارثِ لانه كان يَاْتِی الحِيرةَ يَتَّجِرُ فيَشْتَرِی
كُتُبَ اَخْبارِ الاَعاجِم ويُحَدِّثُ بها اَهْلَ مكةَ اِنْ ما هٰذَآ القراٰنُ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ اَكاذِيْبُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا الذی يَقْرَؤُه مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم هُوَ الْحَقَّ المُنَزَّلَ
مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ مُؤلِمٍ على انكارِه قَالَهُ النضرُ وغيرُه
استهزاءً او اِيهامًا اَنه على بصيرةٍ وجَزْمٍ بِبُطْلانِه قَالَ تعالىٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِما سَاَلُوْهُ
وَاَنْتَ فِيْهِمْ لان العَذابَ اذا نَزَلَ عَمَّ ولم تُعَذَّبْ امةٌ الابعدَ خروجِ نبيِّها والمؤمنين منها
وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ حيث يَقُوْلُوْنَ فی طوافِهم غُفْرَانَكَ غفرانك وقيل هم
المؤمنون المستضعفون فيهم كما قَالَ تَعالىٰ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذابًا اَلِيْمًا
وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ بالسيفِ بعدَ خُرُوْجِكَ والمستضعفين وعلى القول الاول هی ناسِخَةٌ لما قبلَها
وقد عَذَّبَهُمْ ببدرٍ وغيرِه وَهُمْ يَصُدُّوْنَ يَمْنَعُوْنَ النبیَّ والمسلمين عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ يَطُوْفُوْا بِه
وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ كما زَعَمُوْا اِنْ ما اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ ان لا وَلَايَةَ لهم
عليه وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً صَفِيرًا وَّتَصْدِيَةً تَصْفِيقًا ای جَعَلُوْا ذٰلِكَ موضعَ صلاتِهم
التی اُمِرُوْا بها فَذُوْقُوا الْعَذَابَ ببدرٍ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فی
حَرْبِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ فی عاقبةِ الاَمْرِ
عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ندامةً لفواتِها وفواتِ ما قَصَدُوْهُ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ فی الدنيا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا منهم
اِلٰى جَهَنَّمَ فی الاخرةِ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ يُساقُوْنَ لِيَمِيْزَ مُتَعَلِّقٌ بتَكُوْنُ بالتخفيفِ والتشديد ای يُفَصِّلَ
اللّٰهُ الْخَبِيْثَ الكافرَ مِنَ الطَّيِّبِ المؤمنِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا يَجْمَعُهٗ مُتَراكِبًا
بعضُهٗ فَوْقَ بعضٍ فَيَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

اور حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے اور اس چیز کے درمیان جس سے تم خوف رکھتے ہو ایک فیصلے کی چیز عطا کرے گا تو تم نجات پا جاؤ گے، اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اللہ بڑے فضل والا ہے اور اے محمد وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب کافر تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے اور آپ کے بارے میں مشورہ کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے، تاکہ تمہیں قید کریں، یعنی آپ کو باندھ لیں اور محبوس کر لیں، یا سب مل کر آپ کو قتل کر دیں یعنی متحد ہو کر مثل ایک قاتل کے آپ کو قتل کر دیں، یا مکہ سے آپ کو نکال دیں، وہ تو آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے، اور اللہ آپ کے معاملہ میں ان کے ساتھ تدبیر کر رہا تھا بایں صورت کہ اس نے بذریعہ وحی ان کی تدبیر کی آپ کو خبر دیدی اور آپ کو (مکہ سے) نکلنے کی اجازت دیدی، اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے (یعنی) تدبیر کے بارے میں ان سے زیادہ جاننے والا ہے، جب ان کو ہماری آیتیں قرآن سنائی جاتی تھیں تو کہتے تھے ہاں سن لیا ہم نے، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی باتیں بنا کر لا سکتے ہیں، یہ بات نضر بن حارث نے کہی تھی، چونکہ وہ تجارت کے سلسلہ میں حیرہ جایا کرتا تھا اور عجمیوں کی تاریخ کی کتابیں خرید لاتا تھا، اور وہ اہل مکہ کو سنایا کرتا تھا، یہ قرآن محض پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں (اور وہ بات بھی یاد رہے) جو انہوں نے کہی تھی اے اللہ اگر یہ جس کو محمد پڑھتے ہیں آپ کے پاس سے نازل کردہ ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہمارے اوپر لے آ یعنی اس کے انکار پر دردناک عذاب نازل کر دے، یہ بات نضر بن حارث یا کسی دوسرے نے استہزاء کہی یا یہ تاثر دینے کے لئے کہی کہ وہ علی وجہ البصیرت یہ بات کہہ رہا ہے یا قرآن کے بطلان کا یقین رکھتے ہوئے کہی (اس وقت تو) اللہ ان پر ان کا مطلوبہ عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جبکہ آپ ان کے درمیان موجود تھے اسلئے کہ عذاب جب نازل ہوتا ہے تو عمومی ہوتا ہے، اور کسی امت کو عذاب نہیں دیا گیا مگر ان کے نبی اور مومنین کو وہاں سے نکال کر، اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دیدے جبکہ وہ اپنے طواف کے دوران ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں کہہ رہے ہوں اور کہا گیا ہے کہ مراد وہ کمزور مومنین ہیں جو ان میں رہ رہے تھے جیسا کہ اللہ نے فرمایا "لو تَزَيَّلُوا لعَذّبنا الَّذِيْنَ كفروا منهم عذابًا اليمًا" یعنی اگر وہ وہاں سے ٹل گئے ہوتے تو ہم ان میں سے منکرین حق کو دردناک عذاب دیتے، لیکن اب آپ کے اور ضعفاء مسلمین کے نکلنے کے بعد کیوں نہ ان کو اللہ تلوار کے ذریعہ عذاب کا مزا چکھائے اول قول (یعنی کفار کے حالت طواف میں استغفار کرنے کی صورت میں) یہ آیت ماقبل کی آیت کے لئے ناسخ ہے چنانچہ (اہل مکہ کو) بدر وغیرہ میں عذاب دیا گیا، جبکہ وہ نبی ﷺ اور مسلمان کو مسجد حرام میں طواف کرنے سے روک رہے ہیں حالانکہ وہ مسجد حرام کے (جائز) متولی نہیں ہیں، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، اس کے (جائز) متولی تو صرف اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں، لیکن اکثر لوگ اس بات کو کہ ان کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہے نہیں جانتے

بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز بس سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا ہے، یعنی اس عمل کو انہوں نے نماز کے قائم مقام کرلیا تھا جس کے وہ مامور تھے، لو اب بدر میں انکارحق کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھو بلاشبہ یہ کافر اپنے مالوں کو نبی ﷺ سے لڑنے میں صرف کررہے ہیں تا کہ اللہ کے راستہ سے روکیں ابھی اور خرچ کریں گے پھر یہ انجام کار مال کے ضائع ہونے اور مقصد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے ندامت ہوگی پھر وہ دنیا میں مغلوب کئے جائیں گے اور پھر یہ کافر آخرت میں جہنم کیطرف گھیر کرلائے جائیں گے، تا کہ اللہ کافر کو مومن سے ممتاز کردے (لیمیز) تخفیف اور تشدید کے ساتھ تکون کے متعلق ہے، اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر جمع کرے پھر اس پلندے کو جہنم میں پھینکدے یہی لوگ اصلی دیوالیے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بِدَارِ النَّدْوَۃِ، دارالندوہ کر قریش کے جدا بعد قصی بن کلاب نے بنایا تھا۔

قولہ: بِتَدْبِیْرِ اَمْرِكَ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یمکر اللّٰہ بطور مجاز مرسل کے استعمال ہوا ہے، مکر ذکر کر کے اس کا رد مقصد ہے۔

قولہ: وعلی القَوْلِ الاَوَّلِ ھِیَ نَاسِخَۃٌ، لہٰذا آیت سابقہ اور لاحقہ میں اب کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر و تشریح

یٰاَیُّھا الَّذِیْنَ آمنوا ان اتقوا اللّٰہ، اس آیت میں سابقہ آیت کے مضمون کی تکمیل ہے اس کا مضمون یہ ہے جو شخص عقل کو طبیعت پر غالب رکھ کر اس آزمائش میں ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت کو سب چیزوں پر مقدم رکھے اسی کو قرآن وسنت کی اصطلاح میں متقی کہتے ہیں اس آیت میں ایک لفظ فرقان آیا ہے، اس کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ایسی چیز سے حق وباطل کے درمیان فرق کیا جاسکے، مطلب یہ ہے کہ تقوے کی بدولت دل مضبوط، بصیرت تیز، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر جب عام انسان التباس اور اشتباہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں صراط مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے علاوہ ازیں فتح، نصرت، نجات، مخرج، ہدایت، کسوٹی، اور یہ سارے ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ تقوے سے یقیناً یہ سارے معنی حاصل ہو سکتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ تکفیر سیئات، مغفرتِ ذنوب اور فضل عظیم بھی حاصل ہوتا ہے۔

وَاِذ یمکربك الَّذِیْنَ کفروا (الآیۃ) یہ اس موقع کا ذکر ہے کہ قریش کا یہ اندیشہ یقین کی حد کو پہنچ چکا تھا کہ محمد ﷺ بھی مدینہ چلے جائیں گے، اس سے پہلے ایک ایک دو دو کر کے بہت سے صحابہ مدینہ پہنچ چکے تھے، اس وقت وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ شخص مکہ سے نکل گیا تو پھر خطرہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیگا چنانچہ انہوں نے اس معاملہ میں آخری فیصلہ کرنے کے لئے دارالندوہ میں تمام رؤسائے قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس امر پر باہم مشورہ کیا کہ اس خطرہ کا سد باب کس طرح کیا جائے ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر قید کردیا جائے اور زندگی بھر رہا نہ کیا جائے، لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا،

کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کردیا تو اس کے جو ساتھی قید سے باہر ہیں وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور موقع پاتے ہی اپنی جان پر کھیل کر چھڑا لیجائیں گے، دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اس کو اپنے یہاں سے نکالدو جب ہمارے یہاں سے چلا جائیگا تو پھر ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے؟ لیکن اس رائے کو یہ کہہ کر رد کردیا گیا کہ یہ شیریں کلام اور جادو بیان شخص ہے دلوں کو موہ لینے میں اس کو بلا کا کمال حاصل ہے اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو نہ معلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیرو بنالے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کرکے قلب عرب کو اپنے اقتدار میں لانے کے لئے تم پر حملہ آور ہوگا، آخر میں ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے تیز دست نوجوان منتخب کریں اور یہ سب مل کر یکبارگی محمد ﷺ پر حملہ آور ہوں اور قتل کرڈالیں اس طرح ان کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہوجائیگا، اور بنوعبد مناف کے لئے ناممکن ہوگا کہ سب سے لڑسکیں اسی لئے مجبوراً خون بہا پر فیصلہ کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے، اس رائے کو سب نے پسند کیا، قتل کے لئے تیز دست نوجوان مقرر ہوگئے حتی کہ جورات اس کام کے لئے تجویز کی گئی تھی اس میں ٹھیک وقت پر قاتلوں کا گروہ اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا اور گھر کے باہر کھڑا رہا کہ آپ گھر سے باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کردیا جائے، آپ ﷺ نے گھر سے باہر نکلتے وقت ایک مٹھی خاک لی اور شاهت الوجوه کہتے ہوئے ان کی طرف پھینک کر بڑے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کے درمیان سے نکل کر چلے گئے۔

وَاذا تتلی عَلیهم آیاتُنا قالوا سَمِعْنا لو نشاءُ لَقُلْنا مِثلَ هذا، نضر بن حارث جو ایک چرب زبان تیز طرار قسم کا شخص تھا، اسی نے کہا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا قرآن بنا کر پیش کرسکتے ہیں، یہ وہی شخص ہے جس کو بدر کی لڑائی میں حضرت مقداد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پکڑ لیا تھا باوجود اس کے کہ بدر کے دیگر قیدی فدیہ لے کر رہا کردیئے گئے تھے مگر نضر بن حارث کو نبی ﷺ نے قتل کرادیا تھا کہ وہ قرآن مجید کی شان میں ناشائستہ اور سخت الفاظ کہا کرتا تھا، تجارت کے سلسلہ میں یہ شخص عجمی ممالک کا اکثر سفر کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے رستم واسفندار کی داستانیں اس کو خوب یاد تھیں قرآن کے مقابلہ میں مشرکوں کو وہ داستانیں سنایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ بتاؤ میرے قصے اچھے ہیں یا قوم عاد وثمود کے وہ قصے جنہیں محمد ﷺ سنایا کرتے ہیں اور کہا کرتا تھا اگر میں چاہوں تو ایسا قرآن بنا کر لاسکتا ہوں، اسی پس منظر میں اللہ تعالی نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

آگے کی آیت میں پتھر برسنے اور عذاب آنے کی خواہش کا جو ذکر ہے صحیح بخاری ومسلم میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ یہ خواہش ابوجہل نے کی تھی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں سعید بن جبیر کی روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواہش بھی نضر بن حارث ہی کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواہش ابوجہل اور نضر بن حارث دونوں نے کی تھی۔

وَمَا کانَ اللّٰه لیعذبَهُمْ وانت فیهم، ابوجہل اور نضر بن حارث نے جب یہ دعاء مانگی کہ یا اللہ یہ دین جس کی طرف محمد ﷺ ہم کو دعوت دے رہے ہیں اگر حق ہے تو ہم پر تو آسمان سے پتھر برسادے یا عذاب الیم نازل فرمادے اس کے جواب میں اللہ تعالی نے فرمایا اب تک تو تم لوگوں پر عذاب نازل ہوچکا ہوتا لیکن دو سبب سے تم پر عذاب نازل نہیں ہوا، ہجرت سے پہلے تو نبی وقت تم میں موجود تھے نبی کی ہجرت کے بعد ضعیف اہل ایمان جو ہجرت نہیں کرسکے تھے وہ مکہ میں تھے جو ہمیشہ اللہ سے مغفرت کی دعاء کرتے رہتے تھے صلح حدیبیہ کے بعد رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی مکہ سے نکل آئے تھے، اب تم پر بدر میں عذاب آیا بدر میں

ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور آخر کار مکہ بھی فتح ہوگیا، ان بعض میں مفسر علام بھی شامل ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ خود مشرکین مکہ طواف کے وقت غفرانک کہہ کر مغفرت چاہا کرتے تھے مگر اس تفسیر کے مطابق یہ آیت آئندہ آیت سے منسوخ ہوگی، مگر یہ قول صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی سورۂ انا فتحنا کی آیت ''لو لا رجال مؤمنون و نساء مؤ مناتٌ'' میں صراحت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہجرت کے بعد عذاب کے روکنے کا سبب ضعیف مسلمان تھے، ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ سے راویت ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نبی کا وجود اور نبی کے بعد لوگوں کا استغفار کرنا عذاب الٰہی سے بچنے کے دو سبب ہیں اس حدیث سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے جس کو قول صحیح کہا ہے ترمذی کی سند میں اگرچہ ایک راوی اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر ضعیف ہے لیکن صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ کو اپنے ایماندار بندہ کی توبہ واستغفار سے بڑی خوشی ہوتی ہے اس حدیث سے ابوموسیٰ اشعری کی روایت کو تقویت ہوجاتی ہے۔

وَمالَهُمْ اَلَّا يُعذبهم الله، جب آپ مکہ مکرمہ میں تشریف رکھتے تھے تو یہ آیت اتری تھی وَمَا كان الله ليعذبهم وَاَنْتَ فيهم، یعنی جب تک اللہ کا رسول ان میں ہے اللہ ان پر عذاب نازل نہ کرے گا، اور جب آپ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو یہ آیت اتری وما كان الله ليعذبهم وهم يستغفرون، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان کفار پر عذاب نازل نہیں کرے گا کیونکہ کچھ لوگ ابھی ایسے باقی ہیں جو استغفار کرتے ہیں یہ وہ ضعفاء مسلمین تھے جو مکہ میں مجبوراً رہ گئے تھے، جب یہ لوگ بھی مکہ سے رفتہ رفتہ نکل گئے تو یہ آیت ''وَمَا لهم اَلَّا يعذبهم الله'' الخ نازل ہوئی، جس میں فرمایا، اب کیوں نہ اللہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں۔

وَمَا كان صَلاتهم عند البيت الا مكاءً وتصدية، تفسیر ابن جریر تفسیر سدی اور تفسیر واحدی میں حضرت ابن عمر اور عکرمہ وغیرہ سے جو شان نزول اس آیت کا بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو نماز پڑھتا دیکھ کر نماز میں خلل ڈالنے کے لئے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مشرکین مکہ چونکہ اپنے آپ کو بیت اللہ کا جائز اور مستحق متولی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کو کعبہ کے طواف اور اس میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کعبہ نماز اور طواف کے لئے ہے، طواف میں تو یہ لوگ اللہ کے نام کے ساتھ بتوں کا نام لیتے ہیں اور خود نماز کے قائل نہیں اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور خلل ڈالنے کے لئے تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں بھلا ایسے لوگ کیونکر بیت اللہ کے متولی ہوسکتے ہیں، تولیت کیلئے متقی ہونا شرط ہے صحیح معنی میں تولیت کے حقدار مسلمان ہیں جو صحیح معنی میں متقی ہیں۔

اِنَّ الذين كفروا ينفقون اَمْوالهم ليصدّوا عن سبيل الله، جب مشرکین مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ اصحاب مکہ واپس گئے ادھر سے ابوسفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لیکر مکہ پہنچ گیا تو کچھ لوگ جن کے باپ بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، اور ان کا مال تجارت میں بھی حصہ تھا ابوسفیان کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ ہمارا مال

مسلمانوں سے انتقام لینے میں استعمال کریں مسلمانوں نے ہمیں بڑا سخت نقصان پہنچایا ہے اس لئے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں یا اسی کردار کے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ لوگ اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کرلیں لیکن ان کے حصہ میں سوائے خسران وخذلان محرومی ومغلوبیت کے کچھ نہ آئیگا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا كَابِي سفيانَ واصحابه اِنْ يَّنْتَهُوْا عن الكفار وقِتالِ النبيّ صلى الله عليه وسلم يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ مِن اعمالِهم وَاِنْ يَّعُوْدُوْا الى قِتالِه فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ اى سُنَّتُنا فيهم بالِاهلاكِ فكذا نَفْعلُ بهم وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ تُوجَد فِتْنَةٌ شركٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ وحدَه و لا يُعْبَدَ غيرُهٗ فَاِنِ انْتَهَوْا عن الكفر فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ فيُجازِيهم به وَاِنْ تَوَلَّوْا عن الايمان فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ناصرُ كم و مُتَوَلِّي أُمُورِكم نِعْمَ الْمَوْلٰى هو وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾ اى الناصرُ لكم وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ اَخذْتُم من الكفار قهرًا مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ يأمُرُ فيه بما يَشاءُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى قَرابةِ النبى صلى الله عليه وسلم من بنى هاشمٍ والمطلب وَالْيَتٰمٰى اطفالِ المُسلِمِين الذين هَلَكَتْ اٰباؤُهم وهم فقراءُ وَالْمَسٰكِيْنِ ذوى الحاجةِ من المسلمين وَابْنِ السَّبِيْلِ المُنقطِعِ فى سَفَرِه من المسلمين اى يَستَحِقُّهُ النبىُّ صلى الله عليه وسلم والاصنافُ الاربعةُ على ما كَانَ يُقَسِّمُهُ من اَنَّ لِكُلٍّ خُمُسَ الخُمسِ والاَخْماسُ الاربعةُ الباقيةُ للغانمن اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فاعْلَمُوا ذٰلِكَ وَمَآ عَطفٌ على باللّٰه اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم من الملئكةِ والأياتِ يَوْمَ الْفُرْقَانِ اى يومَ بدرٍ الفارقِ بين الحقِ والباطلِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ المسلمون والكُفّارُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ ومنه نَصرُكم مع قِلّتِكم وكثرتهم اِذْ بَدلٌ من يوم اَنْتُمْ كائنون بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا القُربٰى من المدينةِ وهى بضَمِّ العينِ وكسرها جانب الوَادِىْ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى البُعْدٰى منها وَالرَّكْبُ العِيرُ كائنون بما كان اَسْفَلَ مِنْكُمْ مما يَلِي البَحرَ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ انتم والنفيرُ القتال لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ جَمَعَكم بغيرِ مِيعادٍ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا فى عِلْمِه وهو نصرُ الاسلامِ ومَحقُ الكفرفعَلَ ذٰلك لِّيَهْلِكَ يَكفُرَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ اى بعدَ حُجّةٍ ظاهرةٍ قامت عليه و هى نصرُ المومنين مع قلتِهم على الجيشِ الكثير وَّيَحْيٰى يُؤْمِنَ مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اذكر اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ اى نَومِك قَلِيْلًا فاَخبَرْتَ به اصحابَك فسُرُّوا وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ جَبُنْتُم وَلَتَنَازَعْتُمْ اختَلَفْتُم فِي الْاَمْرِ امرِ القتال وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ من الفشلِ والتنازُعِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ بما فى القُلوب وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ ايُّها المُؤمِنُون اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا نحو سبعين اومائةٍ وهم اَلْفٌ لتقدموا عليهم وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ليقدموا ولا يَرجِعُوا عن قِتالكم وهذا

قَبلَ اِلتِحَامِ الحرب فلما اَلتحَمَ ارهم اِیَاھُمْ مِثلَیھم کما فی اٰلِ عمرانَ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ تَصِيرُ الْاُمُوْرُ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: (اے نبی) ان کافروں سے مثلاً ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے کہو اگر اب بھی کفر سے اور نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ان سے درگذر کر دیا جائیگا اور اگر پچھلی روش کا اعادہ کیا تو پہلے لوگوں کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے یعنی ہلاک کرنے کا ہمارا قانون اس میں جاری ہو چکا، ہم ایسا ہی ان کے ساتھ کریں گے اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان کا فساد (عقیدہ) شرک ختم ہو جائے اور مکمل دین اللہ وحدہ ہی کا ہو جائے اور اس کے غیر کی بندگی نہ کیجائے، اور اگر یہ لوگ کفر سے باز آجائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے تو وہ ان کے اعمال کا صلہ دے گا، اور اگر ایمان سے روگردانی کریں تو یقین مانو کہ اللہ تمہارا مددگار ہے، اور تمہارا کارساز ہے اور وہ بہترین کارساز اور تمہارا بہترین مددگار ہے، اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو کچھ تم مال غنیمت کے طور پر حاصل کرو یعنی کافروں سے جبراً حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے اس میں وہ جو چاہے حکم کرے اور رسول کا ہے نبی ﷺ کے قرابتداروں کا ہے اور وہ بنی ہاشم اور (بنی) مطلب ہیں اور یتیموں کا ہے یعنی ان یتیم مسلمان بچوں کا ہے جن کے آباء فوت ہو چکے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ حاجتمند بھی ہیں، اور مسکینوں کا ہے یعنی حاجتمند مسلمانوں کا ہے، اور مسافر کا ہے (یعنی) جو مسلمان سفر کرنے سے مجبور ہو گیا ہو، یعنی اس کے مستحق نبی ﷺ ہیں اور مذکورہ چاروں قسمیں اس کے مطابق ہیں نبی ﷺ تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ ہر ایک کے لئے خمس کا پانچواں حصہ ہے اور باقی چار خمس مجاہدین کے لئے ہیں اگر تم اللہ اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر فرشتے اور آیات فرقان کے دن اتارا جس دن کہ مسلمانوں اور کفار کی مڈبھیڑ ہوئی یعنی بدر کے دن جو حق اور باطل میں فرق کرنے والا تھا، تو تم (خمس کو) حق سمجھ کر ادا کرو، اور 'مـــا' کا عطف اللہ پر ہے اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے اسی (مقدور) میں سے تمہاری قلت کے باوجود اور ان کی کثرت کے باوجود تمہارا غلبہ ہے جبکہ تم مدینہ سے پاس والے کنارے پر تھے اِذْ یومٌ سے بدل ہے، اور (العُدْوۃ) عین کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے (مراد) وادی کی جانب اور وہ مدینہ سے دور والے کنارہ پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف ساحل کی جانب تھا اور اگر تم اور قریشی لشکر قتال کے لئے وقت مقرر کرتے تو یقیناً تم وقت مقرر سے تخلف کرتے لیکن تمہارے کو بغیر وقت مقرر کئے مقابلہ کرا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو کر گذرے جس کا ہونا اس کے علم میں طے ہو چکا ہے اور وہ اسلام کا غلبہ اور کفر کو مٹانا ہے تاکہ جو کفر کرے ہلاک ہو تو وہ ایسی ظاہر دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کہ جو اس پر قائم ہو چکی ہے اور وہ (دلیل) مومنین کی قلت کے باوجود (کافروں) کے بڑے لشکر پر غلبہ حاصل کرنا ہے اور جو زندہ رہے (ایمان لائے) تو دلیل کے ساتھ زندہ رہے یقیناً خدا سننے والا جاننے والا ہے (اور اے نبی) اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ خواب میں تم کو ان کی تعداد کم دکھا رہا تھا چنانچہ جب آپ نے اس کی خبر اپنے اصحاب کو دی تو وہ خوش ہوئے، اور اگر تمہیں ان کی تعداد

زیادہ دکھا دیتا تو تم ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملہ میں اختلاف شروع کر دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ہمت ہارنے اور اختلاف سے بچالیا، وہ یقیناً دلوں کے حال کا جاننے والا ہے اور یاد کرو اس وقت کو اے مومنو! کہ جب تمہاری ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو تمہاری نظر میں (دشمن) کو کم کر کے دکھایا، ستر یا سو، حالانکہ وہ ہزار تھے تاکہ تم پیش قدمی کرو اور لڑائی سے پسپائی اختیار نہ کرو اور یہ سب کچھ مڈبھیڑ ہونے سے پہلے ہوا، اور اب مقابلہ آرائی شروع ہوگئی تو کافروں کو مسلمانوں کی تعداد اپنے سے دوگنی دکھائی، جیسا کہ (سورۂ) آل عمران میں ہے تاکہ جو بات ہونی تھی اللہ اسے ظہور میں لائے اور (انجام کار) سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای سُنَّتُنَا فیهم، اس میں اشارہ ہے کہ سنة الاولین میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب ہے اسلئے کہ اصل میں سنتنافیهم ہے۔

قولہ: توجَدَ، تکون کی تفسیر توجد سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کان تامہ ہے لہٰذا اس کو خبر کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ: فاعْلَمُوا، ذلك، اس میں اشارہ ہے کہ اِن شرطیہ کی جزاء محذوف ہے اور وہ اعلموا ذلك ہے اس کے حذف پر ما قبل کا فاعلموا دلالت کر رہا ہے اور بعض حضرات نے کہا فامتثلوا، جزاء محذوف ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے اسلئے کہ اب مطلب ہوگا، اِنْ کنتم آمنتم مسئلة الخمس فامتثلوا ذلك، اس لئے کہ علم میں تو مومن اور کافر دونوں برابر ہے۔

قولہ: فَاَنَّ لله خُمُسَه، فاء جزائیہ ہے، اَنَّما میں مَا، موصولہ متضمن بمعنی شرط ہے اور فَاَنَّ لله متضمن بمعنی جزاء ہے، نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ، ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور نے فتحہ کے ساتھ، اس صورت میں اَنَّ اور اس کا مابعد مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یہ ہوگی، "فواجب اَنَّ لله خمسه" دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے خُمُسَهٗ مبتداء اس کی خبر محذوف ہوگی ای ثابت.

تفسیر و تشریح

اس رکوع کی پہلی آیت "قُلْ لِلَّذِیْنَ کفروا اِنْ یَّنْتَهُوا یُغفرلهم الخ میں کفار سے پھر ایک مربیانہ خطاب ہے جس میں ترغیب ہے اور ترہیب بھی، ترغیب اس کی ہے کہ اگر وہ ان تمام افعال شنیعہ کے بعد جو انہوں نے ابتک اسلام کی مخالفت اور ذاتی زندگی میں کئے ہیں توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور ترہیب یہ ہے کہ اگر وہ اب بھی باز نہ آئے تو سمجھ لیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی نیا قانون بنانا یا سوچنا نہیں پڑے گا پہلے زمانہ کے کافروں کے لئے جو قانون جاری ہو چکا وہی ان پر بھی جاری ہوگا، کہ دنیا میں ہلاک و برباد ہوئے اور آخرت میں عذاب کے مستحق۔

وَقاتلوهم حَتّٰی لا تکونَ فتنةٌ ویکونَ الدین کُلُّه لله، اس آیت کے دو جزء ہیں ایک سلبی اور دوسرا ایجابی، سلبی جزء تو یہ ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے اور ایجابی جزء یہ ہے کہ دین مکمل طور پر اللہ کا ہو جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں قتال

وجدال کی اجازت صرف ان ہی دو مقاصد کیلئے ہے دوسرے کسی مقصد کے لئے اجازت نہیں ہے۔

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ فتنہ دوسرا لفظ دین، عربی لغت کے اعتبار سے یہ دونوں لفظ متعدد معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

ائمۂ تفسیر صحابہ وتابعین سے اس جگہ فتنہ کے دو معنی منقول ہیں ایک یہ کہ فتنہ سے مراد شرک وکفر اور دین سے مراد اسلام لیا جائے، حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے یہی تفسیر منقول ہے اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرنا چاہئے جب تک کہ کفر ختم ہو کر اس کی جگہ اسلام نہ آجائے، اس صورت میں یہ حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کے لئے مخصوص ہوگا دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا وغیرہ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذاء اور مصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا، جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے نرغہ میں پھنسے رہتے تھے حتی کہ مدینہ طیبہ آنے کے بعد بھی ان کے خوف نے پیچھا نہ چھوڑا اور بار بار مدینہ پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بنائے اور ان کو عملی جامہ پہنایا حتی کہ مسلمان خطرہ کے پیش نظر رات کو ہتھیار بند ہوتے تھے، اس کے مقابل دین کے معنی قہر وغلبہ کے ہیں، اس صورت میں آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں، اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے، کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔

وَاعلموا انّما غنمتم، یہاں سے مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون بیان ہو رہا ہے، جس کے بارے میں ابتداء میں کہا گیا تھا کہ یہ اللہ کا انعام ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اللہ کا اختیار ہے اب وہ فیصلہ بیان کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد تمام سپاہی ہر طرح کا مال غنیمت لا کر اپنے امام کے سامنے رکھ دیں اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھیں پھر اس مال میں سے پانچواں حصہ ان مقاصد کے لئے نکال لیا جائے جو آیت میں بیان ہوئی ہیں، اور باقی چار حصے ان مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائے جنہوں نے جہاد میں حصہ لیا، ہے، چنانچہ اس آیت کے مطابق آپ ﷺ ہمیشہ جنگ ختم ہونے کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے کہ اِنّ ھٰذہ غنائمکم انّہ لیس لی فیھا الّا نصیبی معکم الخمس والخمس مردودٌ علیکم فادّوا الخیط والمخیط واکبر من ذلك واصغر ولا تغلوا فاِن الغلولَ عارٌ ونارٌ.

تَرجَمہ: یہ غنائم تمہارے ہی لئے ہیں میری اپنی ذات کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصارف پر خرچ کر دیا جاتا ہے لہٰذا ایک ایک سوئی اور ایک ایک تاگا تک لا کر رکھ دو کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک بھی ہے اور خطرناک بھی۔

مال غنیمت صرف امت محمدیہ کے لئے حلال ہوا ہے:

مال غنیمت کسی نبی کے زمانہ میں حلال نہ تھا، بلکہ مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کیا جاتا تھا اور آسمان سے آگ آ کر جلا جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مال غنیمت اس امت کے لئے حلال کیا ہے، مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں جن میں

سے چار حصے غازیوں میں تقسیم کردیئے جائیں ایک حصہ جو باقی رہا اس کے پھر پانچ حصے کئے جائیں ان میں سے ایک حصہ آنحضرت ﷺ کا دوسرا آپ کے قرابت داروں کا تیسرا یتیموں کا چوتھا مسکینوں کا، پانچواں حصہ ضرورت مند مسافروں کا، اللہ کا نام محض تبرک کے لئے ہے، اللہ اور رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔

مال غنیمت میں نفل کا حکم:

مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے کسی کو کوئی چیز لینے کی اجازت نہیں تھی، البتہ آپ ﷺ کو اجازت تھی کہ اگر کوئی چیز آپ کو پسند آئے تو آپ اس کو لے سکتے ہیں چنانچہ آپ نے بعض اوقات اپنی پسندیدہ چیز تقسیم سے پہلے لی بھی ہے اس پسند فرمودہ شئ کو نفل کہا جاتا ہے، مسند احمد اور ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے ایک تلوار پسند فرما کر بطور نفل کے لے لی تھی یہ تلوار ذوالفقار کہلائی، ابوداؤد میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی نفل کے طور پر تھیں، غزوۂ خیبر میں آپ نے مال غنیمت میں سے ان کو اپنے لئے پسند فرمالیا تھا حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (احسن التفاسیر)

مال غنیمت میں ذوی القربیٰ کا حصہ:

ذوی القربیٰ سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں بنی نوفل اور بنی عبد الشمس اگرچہ آپ کے چچا کی اولاد ہیں مگر یہ لوگ ذوی القربیٰ میں شامل نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر فرمایا، بنی ہاشم اور بنی مطلب دونوں ایک ہیں۔

آپ ﷺ کے پانچویں حصہ میں آپ کے اہل قرابت کا حصہ رکھا گیا ہے، لیکن اس بات میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا یہ حصہ کس کو پہنچتا ہے؟ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بعد یہ حصہ منسوخ ہوگیا، دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقرباء کو پہنچے گا جو حضور ﷺ کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے گا، تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندان نبوت کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔

خمس ذوی القربیٰ:

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ فقراء ذوی القربیٰ کا حق خمس غنیمت میں دوسرے مصارف یعنی یتیم، مسکین، ابن سبیل سے مقدم ہے اسلئے کہ فقراء ذوی القرابیٰ کی امداد زکوۃ وصدقات سے نہیں ہوسکتی دیگر مصارف کی امداد زکوۃ وصدقات سے بھی ہوسکتی ہے (معارف) البتہ اغنیاء ذوی القربیٰ کو اس میں سے دیا جائیگا یا نہیں اس میں امام ابوحنیفہ کا فرمان یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بھی ذوی القربیٰ کو عطا فرماتے تھے تو اس کی دو بنیادیں تھیں ایک ان کی حاجت مندی اور فقر، دوسرے اقامت دین اور دفاع عن الاسلام میں آپ کی نصرت وامداد، دوسرا سبب تو وفات نبوی کے ساتھ ختم ہوگیا صرف پہلا سبب فقر وحاجتمندی رہ گیا اس کی بنا پر

تاقیامت ہرامام وامیران کو دوسروں پر مقدم رکھے گا، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے بھی یہی منقول ہے۔ (قرطبی)

اِذ انتم بالعُدوة الدنیا وھم بالعدوة القصوىٰ، عُدوة میں عین پر تینوں اعراب ہیں اس کے معنی ہیں ایک جانب، دُنیا ادنی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر، آخرت کے مقابلہ میں اس دنیا کو دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ آخرت کے مقابلہ میں قریب تر ہے، اور قصویٰ، اقصیٰ سے ہے اس کے معنی ہیں بعید تر۔

لِیَهلِكَ مَنْ هَلَكَ عن بینة الخ یعنی علی وجہ البصیرت یہ بات ثابت ہوجانے کے جو زندہ رہا اس کو زندہ ہی رہنا چاہئے تھا اور جو ہلاک ہوا اسے ہلاک ہی ہونا چاہئے تھا، یہاں زندہ رہنے اور مرنے والوں سے افراد مراد نہیں ہیں، بلکہ اسلام اور کفر مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہاں موت وحیات سے اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ معنوی موت وحیات یا ہلاکت ونجات مراد ہے معنوی حیات اسلام وایمان ہے اور موت، شرک وکفر۔

اس آیت میں محاذ جنگ کا نقشہ بتایا گیا ہے مسلمان عدوة الدنیا کے پاس تھے اور کفار عدوة القصوىٰ کے پاس، مسلمانوں کا مقام میدان کے اس کنارہ پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار کا پڑاؤ میدان کے دوسرے کنارہ پر جو مدینہ سے بعید تھا، اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ سے یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ کفار کے لشکر سے قریب اور مسلمانوں کے لشکر کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا، اس نقشۂ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ پر ٹھہرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان بظاہر نہیں آتا تھا۔

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً جماعةً كافرةً **فَاثْبُتُوا** لقتالِهم ولا تَنهزِمُوا **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا** اُدعُوهُ بالنصرِ **لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** ﴿۴۵﴾ تفوزُونَ **وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَلَا تَنَازَعُوا** تَختلِفُوا فيما بينكم **فَتَفْشَلُوا** تَجبُنُوا **وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ** قوتكم ودَولتكم **وَاصْبِرُوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ** ﴿۴۶﴾ بالنصرِ والعون **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ** لِيَمنعُوا غيرَهم ولم يَرجِعُوا بعدَ نجاتِها **بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ** حيثُ قالُوا لانَرجِعُ حتى نَشرَبَ الخُمُورَ ونَنحَرَ الجزُورَ وتَضرِبَ علينا القِيَانُ ببدرٍ فيَتَسامَعُ بذلك الناسُ **وَيَصُدُّونَ** الناسَ **عَن سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ** بالياءِ والتاءِ **مُحِيطٌ** ﴿۴۷﴾ عِلمًا فيُجازِيهم به **وَ** اذكر **اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ** ابليسُ **اَعْمَالَهُمْ** بان شَجَّعَهم على لِقاءِ المسلمين لما خَافُوا الخروجَ من اَعدائِهم بني بكرٍ **وَقَالَ** لهم **لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّي جَارٌ لَّكُمْ** من كنانة وكان اَتاهم في صُورةِ سُراقةَ بنِ مالكٍ سيدِ تلك الناحيةِ **فَلَمَّا تَرَآءَتِ** التقتْ **الْفِئَتٰنِ** المسلمةُ والكافرةُ وَرَاى الملئكةَ وكان يَدُهُ في يَدِ الحارثِ بنِ هشامٍ **نَكَصَ** رَجَعَ **عَلٰى عَقِبَيْهِ** هارِبًا **وَقَالَ** لَمّا قالُوا له اَتخذُلُنا على هذه الحال **اِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنكُمْ** من جوارِكُم **اِنِّي اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ** من الملئكةِ **اِنِّي اَخَافُ اللّٰهَ** ان يُهلِكَنِي **وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ** ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہاری کسی کافر جماعت سے مڈبھیڑ ہوجائے تو ان سے قتال کے لئے ثابت قدم رہو، بزدلی نہ دکھاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور اس سے نصرت کی دعاء کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تو تمہارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، تمہاری شوکت وطاقت جاتی رہے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ نصرت واعانت کے ذریعہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان جیسے نہ ہوجاؤ جو اپنے گھروں سے اپنے قافلے کو بچانے کے لئے اتراتے ہوئے لوگوں کو (شان وسامان) دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور قافلے کے بچ نکلنے کے بعد وہ لوٹ کر نہیں آئے (جب ان سے کہا گیا کہ واپس چلو) تو انہوں نے کہا ہم اس وقت تک واپس نہیں ہوں گے جب تک کہ (میدان بدر میں) شراب نوشی نہ کرلیں، اور اونٹوں کو ذبح نہ کرلیں، اور گانے بجانے والی لونڈیاں گا بجا نہ لیں، اور لوگ ہماری بہادری کی تعریف نہ کریں اور وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کا علمی احاطہ کئے ہوئے ہے (تعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اللہ اس کا ضرور صلہ دے گا، اس وقت کو یاد کرو جب شیطان ابلیس نے ان کی نظروں میں ان کے اعمال کو خوشنما کرکے دکھایا تھا بایں صورت کہ مسلمانوں سے بھڑ جانے پر ان کو اس وقت ہمت دلائی جب ان کو اپنے دشمن بنی بکر سے بغاوت کا اندیشہ ہوا، اور ان سے کہا کہ آج تم پر کوئی غالب آنیوالا نہیں، اور کنانہ (بنی بکر) کی طرف سے میں تمہارا مددگار ہوں، اور ابلیس ان کے پاس اس علاقہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت میں آیا تھا، اور جب دونوں جماعتوں (یعنی) مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا، اور ابلیس نے فرشتوں کو دیکھا تو بھاگتے ہوئے الٹے پاؤں پھر گیا، اور ابلیس کا ہاتھ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا اور جب مشرکوں نے ابلیس سے کہا کیا تم ہم کو اس حالت میں چھوڑتے ہو؟ تو ابلیس نے جواب دیا میں تمہاری مدد کرنے سے بری (معذور) ہوں، اس لئے کہ میں فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ رہے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے یہ کہ وہ مجھے ہلاک کردے گا، اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: فِئَة، فِئة بمعنی جماعت یہ اسم جمع ہے اس کا لفظاً کوئی واحد نہیں ہے (جمع) فئاتٌ.

قولہ: قُوَّتُکُم ودَوْلَتُکُم لفظ ریح قوۃ اور دولۃ کے لئے مستعار ہے، دَوْلة بمعنی حرب وغلبہ استعمال ہوتا ہے دِوَلٌ، دُولَة، دال کے ضمہ کے ساتھ بمعنی مال، اس کی جمع دُوَلٌ، دال کے ضمہ کے ساتھ۔

قولہ: وتَضْرِبَ علینا، القُیَّانُ ضرب العود والطنبور، طبلہ وستار بجانا۔

قولہ: القُیّان، (واحد) قَیْنَة، الجواری المغنیات گانیوالی باندیاں۔

قولہ: بَدْرٍ، اس کا تعلق سابق تینوں افعال کے ساتھ ہے۔

قولہ: فیتسامع بذلك ای فیثنوا علیهم بالشجاعة، یعنی ان کی بہادری کی تعریف کریں۔

تفسیر وتشریح

جنگی آداب وہدایات:

یا ایها الذین آمنوا اذا لقیتم فئة، مسلمانوں کو جنگ کے سلسلہ میں پانچ ہدایتیں دی جارہی ہیں، اوروہ آداب بتائے جارہے ہیں جن کو مقابلہ کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے سب سے پہلی ہدایت جو کہ فتح وکامرانی کا نشان ہے یہ کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور استقلال ہے کیونکہ اس کے بغیر میدان جنگ میں ٹھہرنا ممکن ہی نہیں ہے تاہم اس سے تحرف وتحیز کی دونوں صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کی وضاحت سابق میں گذر چکی ہے کیونکہ بعض دفعہ ثابت قدمی کے لئے تحرّف یا تحیز ناگزیر ہوتا ہے، دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کی طرف کثرت سے متوجہ رہے اور اگر مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب وغرور پیدا نہ ہو بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر رہے، تیسری ہدایت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے ظاہر بات ہے کہ ان نازک حالات میں اللہ اور رسول کی اطاعت نہایت ضروری ہے اگرچہ اطاعت ہر حال میں ضروری ہے مگر میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے ایسے موقع پر تھوڑی سی نافرمانی بھی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے، چوتھی ہدایت یہ کہ آپس میں اختلاف نہ کرو اس سے تم بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور پانچویں ہدایت یہ کہ حالات کتنے بھی سخت ہوں کتنے ہی کٹھن مراحل سے گذرنا پڑے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، آپ ﷺ نے فرمایا "لوگو دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو تاہم جب کبھی دشمن سے مقابلہ کی نوبت آہی جائے تو صبر سے کام لو (یعنی جم کر لڑو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب الجهاد)

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارهم بطرا و رئاء الناس مشرکین مکہ جب مکہ سے نکلے تو اتراتے ہوئے بڑے فخر وغرور کے ساتھ نکلے مسلمانوں کو اس شیوہ سے منع کیا جارہا ہے۔

لشکر کفار کی بدر کی طرف روانگی:

کفار کا لشکر مکہ سے اس شان سے نکلا تھا کہ گانے بجانے والی لونڈیاں ساتھ تھیں، جگہ جگہ ٹھہر ٹھہر کر رقص وسرود اور شراب نوشی کی محفلیں سجاتے جارہے تھے اور جو قبیلے اور قریہ راستہ میں ملتے تھے ان پر اپنی طاقت وشوکت اور اپنی کثرتِ تعداد اور اپنے ساز وسامان کا رعب جماتے تھے اور ڈینگیں مارتے تھے کہ بھلا ہمارے مقابلہ میں کون سر اٹھا سکتا ہے۔

کفار کے نکلنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ حق وانصاف کا جھنڈا بلند ہو، بلکہ اس لئے نکلے تھے کہ ایسا نہ ہونے پائے، اور وہ واحد

جماعت جو اس مقصد عظیم کے لئے دنیا میں اٹھی ہے اس کو ختم کر دیا جائے تاکہ حق وانصاف کے پرچم کو اٹھانے والا دنیا میں کوئی نہ رہے، اس پر مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم کہیں ایسے نہ بن جانا، تمہیں اللہ نے ایمان اور حق پرستی کی نعمت دی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تمہارے اخلاق میں پاکیزگی ہو تمہارا مقصد جنگ بھی پاک ہو۔

یہ ہدایت آج بھی باقی ہے:

یہ ہدایت اسی زمانہ کے لئے نہ تھی آج کے لئے بھی ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے، کفار کی فوجوں کا جو حال اس وقت تھا وہی آج بھی ہے قحبہ خانے اور فواحش کے اڈے اور شراب کے پیپے ان کے ساتھ جزء لاینفک کی طرح لگے رہتے ہیں، بے شرمی کے ساتھ وہ عورتوں اور شراب کا زیادہ سے زیادہ راشن مانگتے ہیں، اور فوج کے سپاہیوں کو خود اپنی ہی قوم سے یہ مطالبہ کرنے میں باک نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بڑی سے بڑی تعداد میں ان کی شہوتوں کا کھلونا بننے کے لئے پیش کرے پھر بھلا دوسری قوم ان سے کیا امید رکھ سکتی ہے کہ اس کو اپنی اخلاقی گندگی کی سنڈاس بنانے میں کوئی کسر اٹھا رکھیں گے، بوسینیا ہرزے گووینیاں میں جو کچھ ہوا وہ اس کی تازہ مثال ہے، رہا ان کا تکبر اور تفاخر تو ان کے ہر سپاہی کی چال ڈھال اور انداز گفتگو میں وہ نمایاں دیکھا جا سکتا ہے، ان اخلاقی نجاستوں سے زیادہ ناپاک ان کے مقاصد جنگ ہیں ان میں سے ہر ایک نہایت مکاری کے ساتھ دنیا کو یقین دلاتا ہے کہ اس کے پیش نظر انسانیت کی فلاح اور دہشت گردی کے خاتمہ کے سوا کچھ نہیں ہے مگر درحقیقت ان کے پیش نظر ایک فلاح انسانیت ہی نہیں باقی سب کچھ ہے، ان کی جنگ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اپنی زمین میں جو کچھ تمام انسانوں کے لئے پیدا کیا ہے اس پر تنہا ان کی قوم متصرف ہو اور دوسرے اس کے نوکر چاکر اور غلام اور دست نگر بن کر رہیں، پس اہل ایمان کو قرآن کی یہ دائمی ہدایت ہے کہ ان فساق وفجار کے طور طریقوں سے بھی بچیں اور ان ناپاک مقاصد میں بھی اپنی جان ومال کھپانے سے پرہیز کریں جن کے لئے یہ لوگ لڑتے ہیں۔

مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان اپنا تجارتی قافلہ لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ نکلے تو ابوجہل کے پاس قاصد بھیجا کہ اب تمہارے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، واپس آجاؤ اور قریشی سرداروں کی بھی یہی رائے تھی مگر ابوجہل اپنے کبر وغرور اور شہرت پرستی کے جذبہ سے قسم کھا بیٹھا کہ ہم اس وقت واپس نہ ہوں گے جب تک چند روز مقام بدر میں پہنچ کر اپنی فتح کا جشن نہ منالیں، جس کے نتیجے میں وہ اور اس کے بڑے بڑے ساتھی وہیں ڈھیر ہو گئے اور ایک گڑھے میں ڈالدیئے گئے۔

واذ زین لهم الشیطٰن اعمالهم (الآیة) ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا کی روایت نقل کی ہے کہ جب قریش مکہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ سے روانہ ہوا تو ان کے دلوں پر ایک خطرہ اس کا سوار تھا کہ ہمارے قریب میں قبیلہ بنوبکر بھی ہمارا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ میں جائیں اور یہ دشمن قبیلہ موقع پا کر ہمارے گھروں، عورتوں، بچوں پر چھاپہ مار دے تو اچانک شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں اس طرح سامنے آیا کہ اس کے ہاتھ میں جھنڈا اور اس کے ساتھ ایک دستہ بہادر فوج کا ہے سراقہ اس علاقہ اور قبیلہ کا بڑا سردار تھا جس سے حملہ کا خطرہ تھا، شیطان نے

آگے بڑھ کر قریشی جوانوں کے لشکر سے خطاب کیا اور دو طرح سے فریب میں مبتلا کر دیا اول یہ کہ لا غالب لکم الیوم من الناس یعنی آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اسلئے کہ مجھے دونوں فریقوں کی قوت کا اندازہ ہے، اس لئے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم ہی غالب رہو گے اور دوسری یہ بات کہی کہ اِنی جار لکم، یعنی تم کو بنی بکر کی جانب سے جو خطرہ لاحق ہے میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ ایسے نہ ہوگا میں تمہارا حامی ہوں، شیطان نے اس ترکیب سے مشرکین مکہ کو ان کے مقتل کی طرف دھکیل دیا۔

غزوۂ بدر میں چونکہ قریشی لشکر کی پشت پناہی کے لئے ایک شیطانی لشکر بھی آ گیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں فرشتوں کا ایک لشکر جبرئیل ومیکائیل کی قیادت میں بھیج دیا، مگر جب شیطان نے جو سراقہ بن مالک کی شکل میں تھا، جبرئیل امین اور ان کے ساتھ فرشتوں کا لشکر دیکھا تو گھبرا اٹھا اس وقت اس کا ہاتھ ایک قریشی جوان حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا فوراً اس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہا حارث نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ اس نے سینہ پر مار کر حارث کو گرا دیا اور اپنے شیطانی لشکر کو لیکر بھاگ کھڑا ہوا، حارث نے اسے سراقہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اے عرب کے سردار سراقہ! تو نے تو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں اور عین میدان جنگ میں یہ حرکت کر رہے ہو تو شیطان نے جواب دیا "اِنی بریٌٔ منکم اِنّی اریٰ مالا ترون اِنی اخاف اللہ"، یعنی میں تمہارے معاہدہ سے بری ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے (مراد فرشتوں کا لشکر تھا) شیطان کی پسپائی کے بعد مشرکین مکہ کا جو حشر ہونا تھا ہو گیا، جب باقی ماندہ لوگ مکہ پہنچے تو ان میں سے کسی کی ملاقات سراقہ بن مالک سے ہوئی تو اس نے سراقہ کو ملامت کی کہ جنگ بدر میں ہماری شکست اور سارے نقصان کی ذمہ داری تجھ پر ہے تو نے عین میدان جنگ میں پسپا ہو کر ہمارے جوانوں کی ہمت توڑ دی اس نے کہا میں نہ تمہارے ساتھ گیا تھا اور نہ تمہارے کسی کام میں شریک ہوا (یہ سب روایتیں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں)۔

اِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ضُعفُ اعتقادٍ **غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ** ای المسلمین **دِينُهُمْ** اذ خرجوا مع قلّتِهم یُقاتِلُونَ الجمعَ الکثیرَ توهُّمًا انهم یُنْصَرُونَ بسَبَبه فقال تعالٰی فی جوابهم **وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** یَثِقُ به یَغلِبْ **فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ** غالبٌ علی اَمره **حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾** فی صُنعِه **وَلَوْ تَرٰى** یا محمدُ **اِذْ يَتَوَفَّى** بالیاءِ والتاءِ **الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ** حالٌ **وُجُوهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ** بمَقامِعَ من حدیدٍ **وَ** یقولون لهم **ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾** ای النارِ وجوابُ لو، لَرأیت اَمرًا عظیمًا **ذٰلِكَ** التعذیبُ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيكُمْ** عَبَّرَ بها دونَ غیرِها لان اَکثَرَ الافعال تُزاوَلُ بها **وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ** ای بذی ظُلم **لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾** فیُعذِّبُهم بغیرِ ذَنْبٍ دَابُ هؤلاءِ **كَدَاْبِ** کعادةِ **اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ** بالعقاب **بِذُنُوبِهِمْ** جُملَةُ کفروا وما بعدَها مُفسِّرَةٌ لما قبلَها **اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ** علی مایُریدُه **شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ** ای تعذیبُ الکفرةِ **بِاَنَّ** ای بسَببِ انّ **اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ** مُبدِلًا لها بالنِّقمةِ **حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِاَنفُسِهِمْ** یُبدِلُوا نِعمتَهُم کفرًا کتَبدیلِ کُفّارِ مکّةَ اِطعامَهم من جُوعٍ وَاَمنَهم من خوفٍ وبَعثَ النبی صلی اللہ

علیہ وسلم الیہم بالکفر والصدّ عن سبیل اللّٰہ وقتال المؤمنین **وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ**
وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمْ فَاَہْلَکْنٰہُمْ بِذُنُوْبِہِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ قومہ معہ **وَکُلٌّ** من الامم المکذبۃ
کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ ونزل فی قریظۃ **اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ عٰہَدْتَّ مِنْہُمْ** ان
لا یعینوا المشرکین **ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَہْدَہُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ** عاہدوا فیہا **وَّہُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾** اللّٰہ فی غدرہم **فَاِمَّا**
فیہ ادغام نون ان الشرطیۃ فی ما الزائدۃ **تَثْقَفَنَّہُمْ** تجدنّہم **فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ** فرق **بِہِمْ مَّنْ خَلْفَہُمْ** من
المحاربین بالتنکیل بہم والعقوبۃ **لَعَلَّہُمْ** ای الذین خلفہم **یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾** یتعظون بہم
وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ عاہدوک **خِیَانَۃً** فی العہد بامارۃ تلوح لک **فَانْۢبِذْ** اطرح عہدہم **اِلَیْہِمْ عَلٰی سَوَآءٍ**
حال ای مستویاً انت وہم فی العلم بنقض العہد بان تعلمہم بہ لئلا یتہموک بالغدر
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ کہ جن کے قلوب میں ضعفِ اعتقاد کا روگ لگا ہوا تھا کہہ رہے تھے کہ ان مسلمانوں کو تو ان کے دین نے خبط میں مبتلا کر رکھا ہے اس لئے کہ اپنی قلتِ تعداد کے باوجود ایک بڑی جماعت کے ساتھ لڑنے کے لئے اس خام خیالی کی وجہ سے کہ دین کے سبب سے ان کی مدد کی جائے گی نکل پڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ غالب ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے کاش اے محمد تم اس حالت کو دیکھ سکتے جبکہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں (یتوفی) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، ان کے منہ پر اور ان کے کولہوں پر لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں آگ میں جلنے کا مزہ چکھو، اور لَوْ کا جواب، لَرأیتَ اَمراً عظیما، محذوف ہے، یہ تمہارے ان اعمال کے سبب سے ہے جن کو تم پیشگی مہیا کر چکے ہو ہاتھوں سے نہ کہ دیگر اعضاء سے تعبیر اس لئے کیا ہے کہ اکثر اعمال میں ہاتھوں سے شرکت ہوتی ہے، ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بغیر کسی قصور کے سزا دے یہ معاملہ ان کے ساتھ اسی طرح پیش آیا جس طرح فرعون کے اور ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ پیش آیا کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو ماننے سے انکار کیا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا جملہ، کَفَرُوْا، اور اس کا مابعد اس کے ماقبل کے لئے مفسِّرہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے منشاء کے بارے میں قوی ہے اور سخت عذاب والا ہے یہ کافروں کو عذاب دینا اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ کسی قوم پر نعمتوں کا انعام فرمانے کے بعد اس کو نقمت (زحمت) سے بدل دے جب تک وہ قوم اپنے طرزِ عمل کو خود ہی نہ بدل دے، (یعنی) اپنے اوپر نعمتوں کے مقتضی (شکر) کو ناشکری سے بدل دیں، جیسا کہ کفار مکہ نے بدل دیا، (تو اللہ نے) ان کی شکم سیری کو فاقہ سے اور ان کے امن کو خوف سے اور نبی ﷺ کی بعثت کو (جو کہ اعظم نعمت ہے) انکار سے اور راہ خدا سے روکنے سے اور مومنین کے ساتھ قتال کرنے سے (بدل دیا) اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے

والا (اور) جاننے والا ہے آل فرعون اور ان سے پہلوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطہ کے مطابق پیش آیا، کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا، اور قوم فرعون کو مع فرعون کے غرق کر دیا بے شک یہ تکذیب کرنے والی تمام قومیں ظالم تھیں، اور آئندہ آیت بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی، یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے کفر کیا پھر وہ ایمان نہیں لائے (خصوصًا) ان میں سے وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ کیا یہ کہ وہ مشرکین کی مدد نہ کریں گے پھر وہ بار بار اپنے اس عہد کو توڑتے ہیں جو انہوں نے آپ سے کیا اور وہ عہد توڑنے میں خوفِ خدا نہیں رکھتے پھر اگر تم ان پر میدان جنگ میں قابو پا جاؤ تو ان کی عذاب اور سزا کے ذریعہ ایسی خبر لو کہ وہ لوگ جو ان کے پیچھے ہیں ان سے عبرت حاصل کر لیں اور اگر (اے محمد) تمہیں کسی قوم سے جس نے تم سے معاہدہ کیا ہے ایسی علامات کے ذریعہ جو آپ کو معلوم ہوں معاہدہ میں خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ ان سے معاہدہ کو برابری کے طریقہ پر توڑ دیجئے (علی سواء) یہ نابذ اور منبوذ، دونوں سے حال ہے حال یہ کہ نقضِ عہد میں جانکاری کے اعتبار سے دونوں برابر ہوں (یعنی نقض عہد کا دونوں کو علم ہو) بایں صورت کہ آپ ان کو فسخ عہد کی اطلاع کر دیں تا کہ وہ آپ کو بدعہدی کے ساتھ متہم نہ کریں، اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یَغلِبُ، اس میں اشارہ ہے کہ (مَن یتوکل) کی جزاء محذوف ہے اور وہ یَغلِبُ ہے، اس حذف پر بعد والا جملہ فانّ اللّٰہ عزیز حکیم، دلالت کر رہا ہے۔

قولہ: وَلَوْ تَریٰ یا محمد ﷺ.

سؤال: تَریٰ، مضارع کا صیغہ ہے جو حال و استقبال پر دلالت کرتا ہے اور اِذ یتوفی، ماضی پر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ اِذ مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے لہٰذا دونوں جملوں میں منافات ہے۔

جواب: لَوْ مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے لہٰذا دونوں جملوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

قولہ: حال، یعنی یَضربون، ملائکۃ سے، بالذین کفروا سے حال ہے نہ کہ صفت۔

قولہ: مقامِعَ، مِقمَعَۃ، کی جمع ہے ہتھوڑا، گرز، بروزن مِکنَسَۃٌ.

قولہ: یقولون لھم اس میں ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سؤال: ذوقوا کا عطف یَضْرِبُونَ پر ہے، اور یہ عطف انشاء علی الخبر ہے جو کہ مستحسن نہیں ہے دوسرا اعتراض یہ کہ ایک ہی جملہ میں غائب اور حاضر کا اجتماع ہو رہا یہ بھی مستحسن نہیں ہے۔

جواب: ذوقوا سے پہلے یقولون محذوف ہے جیسا کہ مفسر علاّم نے صراحت کر دی ہے، لہٰذا دونوں اعتراض دفع ہو گئے،

لَوْ کے جواب کو ہولنا کی کی عظمت وہیبت کو ثابت کرنے کے لئے حذف کردیا ہے، جس کو مفسر علام نے لَرَأیْتَ امرًا عظیمًا کہہ کر ظاہر کردیا ہے۔

قولہ: دأبُ هٰؤلاء اس میں اشارہ ہے کہ کدأب آل فرعون مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے، لہٰذا کلام کے ناتمام ہونیکا اعتراض ختم ہوگیا، اور یہ اعتراض بھی ختم ہوا کہ یہاں شبہ کے بغیر تشبیہ لازم آرہی ہے۔

قولہ: جُملَةُ کَفَرُوا مُفَسِّرَةٌ لِمَا قَبْلَهَا ، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مسلسل جملے کے درمیان وَالذین کفروا من قبلهم، کو کس مقصد کے لئے فاصل لایا گیا، جواب یہ ہے کہ یہ ماقبل کے جملہ کی تفسیر ہی ہے لہٰذا یہ فصل بالاجنبی نہیں جو اعتراض واقع ہو۔

قولہ: بالنِقْمَة یہ انتقام سے اسم ہے۔

قولہ: اِطْعَامِهِمْ اس میں اشارہ ہے کہ ما بانفسهم سے مراد انعامات مثلاً کھانا وغیرہ مراد ہیں نہ کہ حالات لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ قریش اور آل فرعون کے لئے حالات مرضیہ تھے ہی نہیں کہ ان کو حالات نامرضیہ سے بدل دیا گیا۔ (ترویح الارواح)

قولہ: تَجِدَنَّهُمْ، ای تظفرنّهُمْ وتغلبنَّهُمْ.

قولہ: بالتَنْکِیْلَ، (تفعیل) عبرتناک سزا دینا۔

قولہ: اَنْتَ وَهُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ مستویةً، نابذ اور منبوذ (یعنی فاعل اور مفعول) دونوں سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

اِذ یقولُ المنافقون وَالذین فی قلوبهم مرض الخ اس آیت میں منافقین مدینہ اور مشرکین نیز ان مسلمانوں کا جن کے دلوں میں ابھی اسلام راسخ نہیں ہوا تھا کا ایک مشترکہ مقولہ نقل کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان پر ترس کھا کر کہا گیا ہے "غَرَّهم هٰؤلاء دِیْنُهُمْ" ان بیچاروں کو دین کے جوش جنون نے دیوانہ کردیا ہے کہ مٹھی بھر مسلمان قریش کے بھاری اور مسلح لشکر سے ٹکرانے کے لئے نکل پڑے ہیں ان بیچاروں کو دین کے جوش جنون نے موت کے منہ میں دھکیل دیا ہے، اس معرکہ میں ان کی تباہی یقینی ہے شاید کہ اس نبی نے کچھ ایسا افسوں ان پر پھونکدیا ہے کہ ان کی عقل خبط ہوگئی ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَاللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا کا قول ہے کہ جب مسلمانوں کی فوج کفار کی فوج سے قریب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی نظر میں اور کافروں کو مسلمانوں کی نظر میں کم کرکے دکھایا، تو مشرک کہنے لگے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہوکر اپنی قلت تعداد کے باوجود لڑنے کے لئے نکل آئے ہیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "وَمَنْ یَتوکل علی اللّٰه فَاِنَّ اللّٰه عزیز حکیم"، یعنی جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے یاد رکھو وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے، "ذلك بان اللّٰه لم یك مغیرًا نعمة انعمها علی قوم" الخ یعنی جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کی نعمتوں کا غیر مستحق نہ بنالے اللہ اس سے اپنی نعمت سلب نہیں کیا کرتا، اس آیت

میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں مبذول کرتا ہے اور وہ قوم ان نعمتوں کی قدر نہ کرے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ان کی ناشکری پر اتر آئے اور منعم ومحسن کے سامنے جھکنے کے بجائے تکبر کا انداز اختیار کرے سرتسلیم خم کرنے کے بجائے سرکشی کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے ناشکروں سے وہ نعمت چھین لیتا ہے اور ان نعمتوں کو زحمتوں میں بدل دیتا ہے، قوم فرعون اور ان سے پہلی قوموں نے بھی جب اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ان نعمتوں کو ان سے سلب کرکے ان کو مصیبتوں میں مبتلا کر دیا گیا۔

ذالك بانّ اللّٰه لم يك مغيرًا نعمة الخ اللہ تعالیٰ نے اعطاء نعمت کے لئے کوئی ضابطہ بیان نہیں فرمایا نہ ان کے لئے کوئی قید لگائی نہ ان کو کسی اچھے عمل پر موقوف رکھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلی نعمت جو خود ہمارا وجود ہے اور اس میں قدرت حق جلّ شانہ کی عجیب صنعت گری سے ہزاروں نعمتیں ودیعت رکھی گئی ہیں یہ نعمتیں ظاہر ہے کہ اس وقت عطا ہوئیں جب کہ نہ ہم تھے اور نہ ہمارا کوئی عمل، اگر حق تعالیٰ کے انعامات واحسانات بندوں کے نیک اعمال کے منتظر رہا کرتے تو ہمارا وجود ہی قائم نہ ہوتا۔

حق تعالیٰ کی نعمت ورحمت تو اس کے رب العالمین اور رحمٰن ورحیم ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ہے البتہ اس نعمت ورحمت کو قائم رہنے کا ایک ضابطہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں اس سے اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ اپنے حالات اور اعمال کو بدل کر خود کو ان نعمتوں کا غیر مستحق قرار نہ دے لے، حالات کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال اور حالات کو بدل کر برُے اعمال اور برے حالات اختیار کرے یا یہ کہ اللہ کی نعمتیں مبذول ہونے کے بعد جب اعمالِ بد اور گناہوں میں مبتلا تھا نعمتوں کے ملنے کے بعد ان سے زیادہ برے اعمال میں مبتلا ہو جائے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو قوموں کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے یعنی کفار قریش اور آلِ فرعون ان کا تعلق اس آیت سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کے وقت بھی کچھ اچھے حالات میں نہیں تھے سب کے سب مشرک وکافر تھے لیکن انعامات کے بعد یہ لوگ اپنی بدعملیوں اور شرارتوں میں پہلے سے زیادہ دلیر اور بے باک ہو گئے، آل فرعون نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم شروع کر دیئے پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے جو ان کے پچھلے جرائم میں ایک نہایت قبیح اضافہ تھا جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے حالات مزید برائی کی طرف ڈال دیئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو نقمت وعذاب سے بدل دیا، اسی طرح مشرکین مکہ اگرچہ مشرک وبدعمل تھے لیکن اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال مثلاً صلہ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت، بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر دین ودنیا کے دروازے کھول دیئے دنیا میں ان کی تجارتوں کو فروغ دیا اور ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گذر سکتا تھا اِن لوگوں کے تجارتی قافلے ملک شام ویمن میں جاتے اور کامیاب آتے تھے جس کا ذکر سورۂ لایلف میں بھی ہے۔

اور دین کے اعتبار سے انھیں وہ عظیم نعمت عطا ہوئی جو پچھلی کسی قوم کو نصیب نہیں ہوئی کہ سید الانبیاء خاتم النبیین ﷺ ان میں مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ کی آخری اور جامع کتاب قرآن ان میں بھیجی گئی۔

مگران لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی شکر گذاری اور قدر کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے حالات کو درست کرنے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ گندے کر دیئے کہ صلہ رحمی کو چھوڑ کر مسلمان ہو جانے والے بھائی بھتیجوں پر وحشیانہ مظالم کرنے لگے، مہمان نوازی کے بجائے مسلمانوں پر آب و دانہ بند کرنے کے عہد نامے لکھے گئے، حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے لگے، یہ وہ حالات تھے جن کو کفار قریش نے بدلا، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو نقمتوں اور اپنے انعام کو انتقام کی صورت میں تبدیل کر دیا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے، اور جو ذات رحمۃ للعلمین بن کر آئی تھی اسی کے ذریعہ انہوں نے اپنی موت و ہلاکت کو دعوت دے دی۔ (معارف)

مدینہ کے یہود سے معاہدہ:

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ منهم، اس آیت میں خاص طور سے یہود کی طرف اشارہ ہے، نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے ان ہی کے ساتھ حسن جوار اور باہمی تعاون و مددگاری کا معاہدہ کیا تھا اور اپنی حد تک پوری کوشش کی تھی کہ ان سے خوشگوار تعلقات قائم رہیں، نیز دینی حیثیت سے بھی آپ یہود کو مشرکین کی بہ نسبت اپنے قریب سمجھتے تھے اور ہر معاملہ میں مشرکین کے بالمقابل اہل کتاب کو ترجیح دیتے تھے، لیکن ان کے علماء اور مشائخ کو توحید خالص اور اخلاق صالحہ کی وہ تبلیغ اور اعتقادی و عملی گمراہیوں پر وہ تنقید اور اقامت دین حق کی وہ سعی جو نبی ﷺ کر رہے تھے ایک آن نہ بھائی تھی اور ان کی پیہم کوشش یہ تھی کہ یہ نئی تحریک کسی طرح کامیاب نہ ہونے پائے اس مقصد کے لئے وہ مدینہ کے منافق مسلمانوں سے ساز باز کرتے تھے اسی کیلئے وہ اوس وخزرج کے لوگوں میں ان کی پرانی عداوتوں کو بھڑکاتے تھے جو اسلام سے پہلے ان کے درمیان کشت وخون کی موجب ہوا کرتی تھیں، اسی کے لئے قریش اور دوسرے مخالف۔ اسلام قبیلوں سے ان کی خفیہ سازشیں چل رہی تھیں اور یہ سب حرکات اس معاہدۂ دوستی کے باوجود ہو رہی تھیں جو نبی ﷺ اور ان کے درمیان لکھا جا چکا تھا، جب جنگ بدر واقع ہوئی تو ابتداء میں ان کا خیال تھا کہ قریش کی پہلی ہی چوٹ اس تحریک کا خاتمہ کر دے گی لیکن جب نتیجہ ان کی توقعات کے خلاف نکلا تو ان کے سینوں کی آتش حسد اور زیادہ بھڑک اٹھی، انہوں نے اس اندیشہ سے کہ بدر کی فتح کہیں اسلام کی طاقت کو ایک مستقل خطرہ نہ بنا دے اپنی مخالفانہ کوششوں کو تیز کر دیا حتی کہ ان کا ایک لیڈر کعب بن اشرف (جو قریش کی شکست سنتے ہی چیخ اٹھا تھا کہ آج زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے) خود مکہ گیا، اور وہاں اس نے ہیجان انگیز مرثیہ کہہ کر قریش کو انتقام کا جوش دلایا، اس پر بھی ان لوگوں نے بس نہ کی، یہودیوں کے قبیلے بنی قینقاع نے معاہدۂ حسن جوار کے خلاف ان مسلمان عورتوں کو چھیڑنا شروع کر دیا جو ان کی بستی میں کسی کام سے جاتی تھیں، جب نبی ﷺ نے ان کو اس حرکت پر ملامت کی تو انہوں نے جواب میں دھمکی دی کہ یہ قریش نہیں ہیں، ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں اور لڑنا مرنا جانتے ہیں جب ہمارے مقابلہ میں آؤ گے تب پتہ چلے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔

معاہدۂ صلح کو ختم کرنے کی صورت:

وَاِمَّا تخافنَّ مِن قوم خیانة فانبذ الیھم عَلٰی سَواء ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو جنگ وصلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ بتلائی ہے جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف خیانت یعنی عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو علی الاعلان ختم کئے بغیر ہم فریق ثانی کے خلاف کوئی اقدام کریں، بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ فریق مخالف کو صاف صاف بتادیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معاہدہ باقی نہیں رہا، تاکہ فسخ معاہدہ کا جیسا علم ہم کو ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ اب بھی باقی ہے، اسی فرمان الٰہی کے مطابق آپ ﷺ نے اسلام کی بین الاقوامی معاہدۂ صلح کا یہ مستقل اصول قرار دیا تھا کہ "مَنْ کانَ بَینَهٗ وبین قوم عهدٌ فلا یحلن عقدهٗ حتی ینقضی امدُها او ینبذ الیھم علی سواء" (جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہوا سے چاہئے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عہد کا بند نہ کھولے ورنہ تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے) مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ معاہدۂ صلح ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ یہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے وہ بھی جائز نہیں یہ ہے اسلام کا عدل وانصاف کہ خیانت کرنے والے دشمن کے بھی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پہلے کوئی تیاری بھی ان کے خلاف نہ کریں۔

(مظھری)

ایفائے عہد کا ایک عجیب واقعہ:

ابوداؤد، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کا ایک قوم یعنی رومیوں سے ایک خاص مدت تک کے لئے ناجنگ معاہدہ تھا، معاہدہ کی میعاد ختم ہونے کے قریب تھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ رومی قوم کے قریب پہنچادیں تاکہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی دشمن پر اچانک حملہ کر دیں مگر عین اس وقت جب حضرت امیر معاویہ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا کہ ایک عمر رسیدہ شخص گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہا ہے "اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر وفاءً لاغدراً" اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو معاہدہ کی پابندی کرنی چاہئے اس کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قوم سے صلح یا ناجنگ معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی دیکھا تو اعلان کرنے والے حضرت عمر بن عبسہ صحابی تھے، حضرت امیر معاویہ نے فوراً ہی اپنی فوج کو واپس بلالیا۔

بلا اعلان حملہ کرنے کی اجازت کی صورت:

یہاں یہ بات بھی جان لینی ضروری ہے کہ اسلامی قانون صرف ایک صورت میں بلا اعلان حملہ کرنے کی اجازت دیتا ہے اور وہ صورت وہ ہے کہ فریق مخالف علی الاعلان معاہدہ کو توڑ چکا ہو اور اس نے ہمارے خلاف صریح طور پر معاندانہ کارروائی کی ہو، اس صورت میں یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہم اسے آیت مذکورہ بالا کے مطابق فسخ معاہدہ کی اطلاع دیں بلکہ ہمیں اس کے خلاف بلا اعلان جنگی کارروائی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، فقہاء اسلام نے یہ استثنائی حکم نبی ﷺ کے اس فعل سے نکالا ہے کہ قریش نے جب بنی خزاعہ کے معاملہ میں صلح حدیبیہ کو علانیہ توڑ دیا تو آپ نے پھر انھیں فسخ معاہدہ کی اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ بلا اعلان مکہ پر چڑھائی کردی، لیکن اگر ہم کسی موقع پر اس قاعدۂ استثنائی سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو ضروری ہے کہ وہ تمام حالات ہمارے پیش نظر رہیں جن میں نبی ﷺ نے یہ کارروائی کی تھی۔

وَنَزَلَ فيمن اَفْلَتَ يَوْمَ بدر ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ﴾ يا محمدُ ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا﴾ الله اى فَاتُوْهُ ﴿اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ﴾ ۵۹ لا يَفُوْتُوْنَهُ وفى قراءة بالتحتانيةِ فالمفعولُ الاولُ محذوفٌ اى اَنْفُسَهُمْ وفى أُخْرٰى بفتحِ اَنَّ على تقديرِ اللام ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ﴾ لقتالِهم ﴿مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ قالَ صلى الله عليه وسلم هى الرَّمى رواه مسلم ﴿وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ مصدرٌ بمعنى حَبْسِهَا فى سبيل اللهِ ﴿تُرْهِبُوْنَ﴾ تُخَوِّفُوْنَ ﴿بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ اى كفارَ مَكَّةَ ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ اى غيرِهم وهم المنافقون اوالیهودُ ﴿لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ﴾ جزاؤُهُ ﴿وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ ۶۰ تُنْقَصُوْنَ منه شيئًا ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا﴾ مَالُوْا ﴿لِلسَّلْمِ﴾ بكسرِ السين وفتحِها الصلحِ ﴿فَاجْنَحْ لَهَا﴾ وعَاهِدْهم قالَ ابنُ عباس رضى الله تعالى عنه هذا منسوخٌ بأيةِ السَّيْفِ و مُجاهِدٌ مخصوصٌ باهلِ الكتابِ اذ نَزَلَتْ فى بنى قُرَيْظَةَ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ ثِقْ به ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ﴾ للقول ﴿الْعَلِيْمُ﴾ ۶۱ بالفعل ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ﴾ بالصلح، ليَسْتعِدُّوا لك ﴿فَاِنَّ حَسْبَكَ﴾ كَافِيْكَ ﴿اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ۶۲ ﴿وَاَلَّفَ﴾ جمعَ ﴿بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ بعدَ الإحنِ ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ بقُدرتِهِ ﴿اِنَّهٗ عَزِيْزٌ﴾ غالبٌ على امرِه ﴿حَكِيْمٌ﴾ ۶۳ لا يَخْرُجُ شىءٌ عن حِكْمَتِهِ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ﴾ حَسْبُكَ ﴿مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ۶۴

ترجمہ: آئندہ آیت ان (مشرکین) کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے یوم بدر میں راہ فرار اختیار کی تھی، اے محمد ﷺ تم ہرگز یہ نہ سمجھو کہ یہ کافر اللہ (کی پکڑ) سے بچ کر نکل جائیں گے، یہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اس سے بچکر نکل سکتے ہیں، اور ایک قراءت میں (لا یحسبنّ) یاء تحتانیہ کے ساتھ (یحسبنّ) کا مفعولِ اول محذوف ہے اور وہ

اَنفُسَهُمْ، ہے اور ایک قراءت میں اَنَّهم ہمزہ کے فتحہ اور لام کی تقدیر کے ساتھ ہے ای لِاَنَّهُمْ، اور ان سے جنگ کے لئے مقدور بھر قوت مہیا رکھو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تیراندازی ہے (رواہ مسلم) اور (تیار) بندھے رہنے والے گھوڑے، (رباط) مصدر ہے بمعنی اللہ کے راستہ میں محبوس رکھنا، (تاکہ) تم اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمن کفار مکہ کو خوف زدہ کرسکو، اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی، یعنی ان کے غیر کو، اور وہ منافقین اور یہود ہیں، جن کو تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کروگے تم کو اس کا پورا پورا اجر دیا جائیگا اور تمہارے اوپر ظلم نہ کیا جائیگا، کہ اس اجر میں سے کچھ کم دیا جائے، اور (اے محمد ﷺ) اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو جائے سِلْمِ، سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، بمعنی صلح، تو آپ بھی اس کے لئے آمادہ ہو جائیے، اور ان سے معاہدہ کر لیجئے، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا یہ حکم آیت سیف سے منسوخ ہے، اور مجاہد نے کہا یہ آیت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے کہ یہ بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً وہ باتوں کا سننے والا (اور) کاموں کا جاننے والا ہے اور اگر وہ (صلح سے) دھوکے کا ارادہ رکھتے ہوں تاکہ وہ آپ کے مقابلہ کی تیاری کرسکیں، تو یقیناً تمہارے لئے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی مدد اور مومنین کے ذریعہ آپ کی تائید کی اور عداوت کے بعد ان کے دلوں کو جوڑ دیا، اور اگر تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے قلوب کو نہیں جوڑ سکتے تھے لیکن اللہ نے اپنی قدرت سے ان کے دلوں کو جوڑ دیا بے شک وہ اپنے حکم پر غالب باحکمت ہے کوئی شئ اس کے حکم سے خارج نہیں اے نبی تمہارے لئے اور تمہاری اتباع کرنیوالے مومنین کیلئے اللہ کافی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَفْلَتَ، (افعال) رہا ہونا، چھوڑنا، راہ فرار اختیار کرنا، اِنفلاۃ البطن، پیٹ چلنا (اسہال) انفلات الریح، ہوا خارج ہونا، انفلت الشیٔ فلتَةً، ای بغتةً، اچانک نکلنا۔

قولہ: لا تحسَبَنَّ، یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے متعدی بدو مفعول ہے اول الذین کفروا ہے اور ثانی سَبَقوا جملہ ہوکر ہے، اللّٰہ، سبقوا کا مفعول ہے، قرینہ مقام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جس کو مفسر علّام نے ظاہر کر دیا ہے، اور ایک قرأت میں تحسَبَنَّ، یاء کے ساتھ ہے اس صورت میں یَحْسَبَنَّ کا مفعول اول محذوف ہوگا، ای لا یَحْسَبَنَّ الذین کفروا انفسهم سابقین اللّٰہ، ایک قراءت میں اَنَّهم، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اس صورت میں لام مقدر ہوگا ای لِاَنّهم۔

قولہ: مصدرٌ، رِباط الخیل میں، رِباط مصدر بمعنی مفعول ہے ای الخیل المربوط، جہاد کے لئے تیار بندھے رہنے والے گھوڑے، رباطٌ کا عطف قوةٌ پر عطف مصدر علی المصدر ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاجْنَحْ لَهَا.

سَوَالْ: لَهَا کی ضمیر سِلْمٌ کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے، اور ضمیر مؤنث ہے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابْ: سِلْمٌ کی نقیض یعنی حربٌ کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر کو مؤنث لایا گیا ہے حَرْبٌ مؤنث سماعی ہے۔

قَوْلُہٗ: کَافِيْكَ، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالْ: سوال یہ ہے کہ حَسْبُكَ اللهُ، میں مصدر کا حمل ذات پر لازم آرہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَابْ: مصدر بمعنی اسم فاعل ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں، مفسّر علاّم نے حَسْبُك کی تفسیر کافیك سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْاِحَنُ الْاِحْنَةُ، کی جمع ہے پوشیدہ دشمنی، کینہ، اَحِنَ اَحْنًا (س) پوشیدہ دشمنی رکھنا۔

تفسیر و تشریح

وَلا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کفروا الخ، اس آیت میں اس واقعاتی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اہل کفر تو تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہیں گے ہی، حق و باطل، کفر و ایمان کا معرکہ قیامت تک جاری رہنے والا ہے، لہٰذا تم اس سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو، اس کی طرف سے ہرگز غفلت نہ برتو، اور اپنے پاس وہ سامان رکھو جس سے ان پر ہیبت طاری ہوتی رہے اور ان کے دل دہلتے رہیں۔

مطلب یہ کہ تمہارے پاس ایک مستقل فوج ہمہ وقت تیار رہنی چاہئے تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کارروائی کرسکو، یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آنے کے بعد گھبراہٹ میں جلدی جلدی رضا کار اور اسلحہ و سامانِ رسد جمع کرنے کی کوشش کرو اور اس دوران دشمن اپنا کام کر جائے۔

دشمن کے مقابلے کی تیاری:

وَاَعِدّوا لَهُمْ مَااسْتَطعتم مِنْ قوۃ الخ میں سامانِ حرب و ضرب سے اپنی مقدور بھر ہر وقت تیار رہنے کی کھلی تاکید بلکہ حکم ہے آیت میں، قوۃ، کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ لفظ ہر قسم کی قوۃ کو عام ہے خواہ عَدَدِی قوت ہو یا آلات حرب کی، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ بڑھے ہوئے ناخن بھی اس میں داخل ہیں (ماجدی) اگرچہ حدیث شریف میں قوۃ کی تفسیر تیراندازی سے کی گئی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الامارہ باب فضل الرمی والحث علیه)

چونکہ آنحضرت ﷺ کے دور میں تیراندازی ایک بڑا جنگی ہتھیار اور نہایت اہم فن تھا جس طرح اس دور میں گھوڑے جنگ کے لئے ناگزیر ضرورت تھے لیکن اس ترقی یافتہ اور مشینی و سائنسی دور میں ان کی وہ افادیت نہیں رہی اسلئے وَاَعِدُّوا لهم مَااسْتَطعتم، کے تحت آج کل کے جنگی ہتھیار مثلاً میزائیل، راکٹ، ٹینک، جنگی جہاز اور بم کی تیاری ضروری ہے۔

صاحب روح المعانی کی صراحت:

صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت بندوق کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے اگر مرحوم آج بقید حیات ہوتے تو مشینی گنوں اور طیاروں اور ٹینکوں، جنگی جہازوں اور ہائیڈ روجن بموں اور ایٹم بموں وغیرہ کا عجب نہیں کہ ذکر کر دیتے، ایسی ہی تصریح رشید رضا مصری کے یہاں ملتی ہے۔

واطلاق الرمی فی الحدیث یشملُ کل ما یُرمٰی به العدو من سهمٍ او قذیفةِ منجنیق اَوْ طیارةٍ اوبندوقیة او مِدْفع وغیر ذلك، وإن لم یکن کل هذا معروفًا فی عصره صلی الله علیه وسلم فان اللفظ یَشتمله. (المنار)

فالواجب علی المسلمین فی هذا العصر بنص القرآن صنع المدافع بانواعِها والبنادق والدبابات والطیارات وانشاءِ السُفُن الحربیةِ بانواعِها. (المنار)

آیت کا خلاصہ:

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کو ہمہ وقتی تیاری دشمنوں سے مقابلہ کی رکھنی چاہئے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مذکورہ تمام ساز وسامان عملاً کیونکر ممکن ہے؟ جب تک کہ خود مسلمانوں کے پاس انجینیر اور دیگر ماہرین فن نہ ہوں۔

وَآخرین من دو نهم، لا تعلمونهم الله یعلمهم، اس آیت میں اشارہ ہے ان کافروں کے علاوہ جن سے تمہارا سابقہ پڑتا رہتا ہے ان کے علاوہ اور بھی قومیں ہیں جو تمہارے علم میں نہیں، مگر اللہ کے علم میں ہیں کہ کبھی ان سے تمہاری مڈبھیڑ ہوگی اس میں مجوسی اور روم کی مسیحی قومیں تو شامل ہیں ہی ان کے علاوہ قیامت تک آنیوالی تمام صیہونی قوتیں بھی شامل ہیں۔

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی رائے گرامی:

حضرت نے فرمایا ان آیتوں میں جو تدابیر حرب وسیاست بتائی گئی ہیں ان سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے سے بڑے کمالات باطنی کے بھی منافی نہیں، جیسا کہ غالی وناقص صوفیہ نے خیال کیا ہے۔ (ماجدی)

انفاق فی سبیل اللہ:

وَمَا تُنْفِقُوا مِن شیءٍ فی سبیل الله الخ نفس کو مال خرچ کرنے میں تنگی اور بخل کی ایک بڑی وجہ اس خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ مال ضائع ہو رہا ہے اور اس کے معاوضہ میں کچھ حاصل نہ ہوگا، اس آیت نے اس خیال کی جڑ ہی کاٹ دی، اور

اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا مال ضائع نہ جائیگا بلکہ وہاں (آخرت) میں پہنچ کر اس سے کہیں زیادہ اجر پائیں گے۔

وَان جنحوا للسلم فاجنح لَهَا وتوکل علی اللّٰه انّه هو السمیع العلیم یعنی اگر حالات جنگ کے بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن مائل بہ صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکا اور فریب ہو تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ پر بھروسہ رکھیں یقیناً اللہ تعالیٰ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا، لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے کہ جب مسلمانوں کا پہلو کمزور ہو اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو تو اس صورت میں صلح کے بجائے دشمن کی قوت وشوکت کو توڑنا ہی ضروری ہے "وَقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله اللّٰه".

(انفال)

مسلمانوں کی بین الاقوامی پالیسی بزدلانہ نہ ہونی چاہئے:

خلاصہ یہ ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں مسلمانوں کی پالیسی بزدلانہ نہ ہونی چاہئے، بلکہ خدا کے بھروسہ پر بہادرانہ اور دلیرانہ ہونی چاہئے دشمن جب گفتگوئے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے بے تکلف اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

وَالّفَ بین قلوبهم، الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنین پر جو احسانات فرمائے ان میں ایک بڑے احسان کا ذکر ہے وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعہ مدد فرمائی وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے، مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی اسے محبت والفت میں تبدیل فرما دیا پہلے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اب ایک دوسرے کے جاں نثار بن گئے، خصوصیت کے ساتھ اللہ کا یہ فضل اوس و خزرج کے معاملہ میں تو سب سے زیادہ نمایاں تھا، یہ دونوں قبیلے دو ہی سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور مشہور جنگ بُعاث کو کچھ زیادہ دن نہیں گذرے تھے جس میں اوس نے خزرج کو اور خزرج نے اوس کو گویا صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا تہیہ کر لیا تھا، ایسی شدید عداوتوں کو دو تین سال میں گہری دوستی اور برادری میں تبدیل کر دینا اور ان متنافر اجزاء کو جوڑ کر ایسی بنیان مرصوص بنا دینا جیسی نبی ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام کی تھی یقیناً انسان کی طاقت سے بالاتر تھا۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ حُثَّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ لِلكفارِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ مِنهم وَاِنْ يَّكُنْ بالياء والتاء مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ اى بسَبَبِ انهم قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وهذا خبرٌ بمعنى الامرِ اى لِيُقَاتِلِ العشرون منكم المائتين والمائةُ الالْفَ ويَثبُتُوا لهم ثُمَّ نُسِخَ لَمَّا كَثُرُوْا بقولِهِ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا بِضمِّ الضادِ وفتحِها عن قتالِ عَشْرَةِ اَمْثَالِكُم فَاِنْ يَّكُنْ بالياءِ

والتاءِ مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ منهم وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ بارادتِهِ وهو خبرٌ بمعنى
الأمرِ اى لِتُقاتِلُوا مِثلَيكُمْ وتَثبُتُوا لهم وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾ بعونِهِ و نَزَلَ لما اَخَذُوا الفِدَاءَ من اُسْرى بدرٍ
مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ بالتاءِ والياءِ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ يُبالِغُ في قتلِ الكفارِ تُرِيدُونَ ايها المؤمنون
عَرَضَ الدُّنْيَا حُطامَها باخذِ الفداءِ وَاللَّهُ يُرِيدُ لكم الْآخِرَةَ اى ثوابَها بقتلِهم وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ وهذا
منسوخٌ بقولِهِ فاما منًّا بعدُ واما فِداءً لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ باحلالِ الغنائِمِ والاُسرى لكم لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ
من الفداءِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ ع

ترجمہ: اے نبی! مومنین کو کفار سے جہاد کرنے کا شوق دلاؤ، اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو ان میں سے دوسو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سو صبر کرنے والے ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس سبب سے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں (یکن) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اور یہ خبر بمعنی انشاء ہے یعنی تم میں سے بیس کو دوسو کے ساتھ قتال کرنا چاہئے، اور سو کو ہزار کے ساتھ، اور ان کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو، پھر جب (مسلمانوں) کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اللہ کے قول (اَلْئٰن) سے منسوخ کردیا گیا، (اچھا) اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے اپنے سے دس گنا سے مقابلہ کرنے میں، (ضعفًا) ضاد کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، پس اگر تم میں سے صابر سو ہوں گے تو ان کے دوسو پر اللہ کے حکم سے غالب رہیں گے یہ خبر بمعنی امر ہے، یعنی اپنے سے دوگنا کا مقابلہ کرو، اور ان کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو، اللہ مدد کے ذریعہ صابرین کے ساتھ ہے (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی کہ جب بدر کے قیدیوں کا فدیہ لے لیا، کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے ہاتھ میں قیدی ہوں (یکون) یاء اور تاء کے ساتھ، جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے یعنی کافروں کے قتل میں مبالغہ نہ کرلے، اے مومنو تم فدیہ لے کر دنیا کا حقیر مال چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت یعنی اس کا ثواب چاہتا ہے اور اللہ زور آور، طاقتور ہے اور یہ اِمّا منًّا بعد و امّا فداءً سے منسوخ ہے، اور اگر اللہ کا نوشتہ غنائم کے حلال ہونے اور قیدیوں کے (فدیہ) کے تمہارے لئے حلال ہونے کا پہلے سے نہ لکھا گیا ہوتا تو جو فدیہ تم نے لیا اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دیجاتی، لہٰذا جو مال تم نے غنیمت کے طور پر لیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ درگذر کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: خَبَرٌ بِمَعْنَى الأمْرِ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ مِائَةً يَغْلِبُونَ الفًا من الّذين كفروا میں خبر دی گئی ہے کہ ایک سو صابر مسلمان ایک ہزار کافروں

پر غالب ہو جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب یعنی خلاف واقعہ ہونیکا امکان واحتمال نہیں ہے حالانکہ بعض اوقات مساوی ہونے کی صورت میں کافر بھی غالب آتے ہیں۔

جَوَابْ: خبر بمعنی امر ہے اور امر میں کذب کا احتمال نہیں ہوتا۔

قَوْلَہٗ: اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ وعَلِمَ اَنّ فیکم ضُعْفًا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم بالضعف کو الآن کے ساتھ مقید کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم بالحادث نہیں ہے۔

جَوَابْ: اللہ تعالیٰ کا علم حادث کے ساتھ بے شک متعلق ہے لیکن قبل الوقوع اس اعتبار سے کہ سَیَقَعُ، اور واقع ہونے کے بعد اس اعتبار سے ہے کہ بانہ یقع.

قَوْلَہٗ: الحُطام بالضم، حقیر شئی، قلیل مال، ریزہ وشکستہ۔

قَوْلَہٗ: ای ثوابہا، حذف مضاف میں اس سوال کا جواب ہے کہ نفس آخرۃ تو ہر ایک کے لئے ثابت ہے پھر یرید لکم الآخرۃ کی کیا تخصیص ہے۔

جَوَابْ: آخرت تو سب کے لئے ہے مگر اجر آخرت صرف مومنین ہی کے لئے ہے۔

تفسیر وتشریح

یاَیّھا النبی حَرِّضِ المؤمنین علی القتالِ (الآیۃ) تحریض کے معنی ترغیب اور شوق دلانے کے ہیں چنانچہ اسی کے مطابق نبی ﷺ جنگ سے پہلے صحابہ کو جنگ کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے تھے، جیسا کہ بدر کے موقع پر جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آموجود ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

جہاد کی فضیلت:

ایسی جنت میں جانے کیلئے کھڑے ہو جاؤ جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، ایک صحابی عمیر بن حمام رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے عرض کیا اس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس پر بخ بخ کہا یعنی خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانیوالوں میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا تم جنت میں جانے والوں میں سے ہوگے، چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے پھر جو بچیں وہ ہاتھ سے پھینک

دیں، اور کہا ان کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ تو طویل زندگی ہوگی، پھر آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے لگے حتی کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ (صحیح مسلم کتاب الامارہ)

اِن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مِائتین آیت نمبر ۶۵ اور ۶۶ میں مسلمانوں کے لئے ایک جنگی قانون کا ذکر ہے کہ مسلمان کو کس حد تک دشمن کے مقابلہ میں جمنا فرض اور اس سے ہٹنا گناہ ہے، اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجاؤ گے یہ عنوان اگرچہ خبر کا ہے مگر مقصد حکم ہے کہ سو مسلمانوں کو ایک ہزار کے مقابلہ میں بھاگنا جائز نہیں، خبر کا عنوان رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل اس خوشخبری سے مضبوط ہو جائیں۔

اس کے بعد کی آیت میں اس حکم کو آئندہ کے لئے منسوخ کر کے دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اب اللہ تعالی نے تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے تو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ سو مسلمانوں کو دو سو کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے، پہلی آیت میں ایک مسلمان کو دس کے مقابلہ سے گریز نا جائز تھا، اس آیت میں ایک کو دو کے مقابلہ میں گریز ممنوع قرار دیا گیا ہے اور یہی آخری حکم ہے جو ہمیشہ کے لئے جاری اور باقی ہے۔

یہاں بھی امر کو بعنوان خبر اور خوشخبری بیان فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو دو کافروں کے مقابلہ میں جمنے کا حکم معاذ اللہ کوئی ظلم یا تشدد نہیں بلکہ مسلمانوں میں ان کے ایمان کی وجہ سے وہ قوت رکھدی ہے کہ ان میں ایک کم از کم دو کے برابر تو ہوتا ہی ہے۔

مگر دونوں جگہ اس فتح ونصرت کی خوشخبری کو ثابت قدمی کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

ما کان لنبی ان یکن له اَسریٰ (الآیة) آیات مذکورہ کا تعلق غزوۂ بدر کے ایک خاص واقعہ سے ہے لہٰذا ان کی تفسیر سے پہلے مختصر طور پر اس واقعہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔

غزوۂ بدر کے واقعہ کا خلاصہ:

واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر اسلام میں سب سے پہلا غزوہ ہے اور یہ غزوہ اچانک پیش آیا تھا، اس وقت تک جہاد سے متعلق احکام کی تفصیل قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھی مثلاً جہاد میں اگر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آجائے تو اس کا کیا کیا جائے، دشمن کے سپاہی قبضے میں آجائیں تو ان کا کیا کیا جائے۔

مال غنیمت سابق انبیاء کی شریعتوں میں حلال نہیں تھا بلکہ پورا مال جمع کر کے ایک جگہ رکھدیا جاتا تھا دستور الٰہی کے مطابق

آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر خاک کر دیتی، جہاد کے مقبول ہونے کی یہی علامت سمجھی جاتی تھی اگر آسمانی آگ جلانے کے لئے نہ آئے یہ جہاد کے نامقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

صحیح بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت کسی کے لئے حلال نہیں تھا مگر امت مرحومہ کے لئے حلال کر دیا گیا، مال غنیمت کا اس امت کیلئے حلال ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں تو تھا مگر غزوۂ بدر کے واقعہ تک اس کے متعلق کوئی وحی آنحضرت ﷺ پر اس کے حلال ہونے کے متعلق نازل نہیں ہوئی تھی۔

لَوْلا كتابٌ مِن اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ (الآية) لولا كتاب من الله سبق (یعنی نوشتۂ الٰہی) سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، صاحب روح المعانی نے اس کے چار معنی لکھے ہیں۔

❶ ان لا يعذب قوما قبل تقديم ما يُبَيّن لهم امرًا او نهيًا، یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اسکے اوامر ونواہی کے احکام واضح کرنے سے پہلے عذاب نہیں دیں گے یعنی یہ بات لوح محفوظ پر لکھی ہوئی ہے۔

❷ او مخطى فى مثل هذا الا جتهاد، یعنی لوح محفوظ میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ اجتہادی مسائل میں مخطی (خطا کرنے والے) سے مؤاخذہ نہیں ہوگا جیسا کہ غزوہ کے مال غنیمت کے بارے میں اجتہادی غلطی ہوئی۔

❸ اس جماعت (قوم) کو (عمومی) عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائیگا جس میں آنحضرت ﷺ ہوں گے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے "ان لا يعذبهم ورسول الله ﷺ فيهم".

❹ اہل بدر کو عذاب نہیں دیا جائیگا، ان لا يعذب اهل بدر رضى الله تعالى عنهم قدروى الشيخان وغيرهما، كما فى قصة حاطب بن ابى بلتعه وكان قد شهِدَ بدرًا.

❺ وقيل هو انّ الفدية الّتى اخذوها ستصير حلالاً لهم، یعنی لوح محفوظ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ قیدیوں کا فدیہ لینا تمہارے لئے عنقریب حلال کر دیا جائیگا، واعترض بأن هذا لا يصلح أن يعد من موانع مساس العذاب فانّ الحِلّ اللاحق لا يرفع حكم الحرمة السابقة كما ان الحرمة اللاحقة، فى الخمر مثلاً لا ترفع حكم الاباحةِ السابقةِ، كما يدل عليه قوله سجانه "لَمَسَّكُمْ فيما اَخَذْتم عذابٌ عظيمٌ".

(روح المعانی ص ۵۰ سورۃ الانفال)

نمبر پانچ کی تاویل جس کو صاحب روح المعانی نے اخیر میں اور قیل سے بیان کیا ہے جو ضعف کی طرف مشیر ہے، اکثر مفسرین نے مذکورہ آیت کی جو تاویل وتفسیر حضرت ابن عباس کی روایت کی بناپر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں قریش لشکر کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کے بارے میں بعد میں مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت ابوبکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ تھی کہ قتل کر دیا جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو پسند فرما کر فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں بطور عتاب نازل فرمائیں مگر یہ بات حل طلب رہ جاتی ہے کہ اس آیت کی تاویل کی صورت کیا ہوگی لو لا کتٰبٌ من اللہ سَبَقَ، یعنی نوشتہ الٰہی اگر پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا'' کا کیا مطلب ہوگا؟ روح المعانی نے اس جملہ کے پانچ مطلب بیان کئے ہیں کسی نے کہا کہ اس سے مراد تقدیر الٰہی ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ کر چکا تھا کہ مسلمانوں کے لئے یہ غنائم حلال کر دے گا۔

اس پر صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں ''واعترض بان ھذا لا یصلح ان یعد من موانع مساس العذاب الخ''، یعنی آئندہ حلال کرنے کا ارادہ فرمانا نزول عذاب کے لئے مانع نہیں ہوسکتا اسلئے کہ حل لاحق حرمتِ سابقہ کے حکم کو مرتفع نہیں کرسکتا (یعنی) ہونے والی بیوی (منگیتر) قبل از نکاح اسلئے حلال نہیں ہوسکتی کہ وہ آئندہ بیوی ہونے والی ہے، اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا حرمت لاحقہ (آئندہ حرام ہونے والی) اباحت سابقہ کو مرتفع نہیں کرسکتی یعنی شراب چونکہ حرام ہونے والی ہے لہٰذا حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس کی اباحت ختم ہو جائے ایسا نہیں ہوتا، خلاصہ یہ ہے کہ آئندہ حلال ہونے والی شئ کا قبل الحلت استعمال موجب عذاب نہیں ہوسکتا، جیسا کہ حرمت سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی اس وجہ سے کہ شراب آئندہ حرام ہونے والی ہے مستحق عقاب نہیں ہوں گے صاحب روح المعانی نے اس اشکال کے چند جوابات لکھے ہیں جو تکلف سے خالی نہیں ہیں، مشہور تاویل کے مطابق صحابہ کرام کا ایسی چیز کو لینا لازم آتا ہے جس کی حلت کے لئے ابھی تشریعی حکم نہیں آیا اس تاویل کو اختیار کرنے کے لئے سب سے بڑی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت ہے مگر خبر واحد ہے۔

لولا کتاب مِنَ اللہ سبق ، کی ایک دوسری تاویل جس کی رو سے مندرجہ بالا قباحت لازم نہیں آتی، وہ یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورۂ محمد میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں ان میں فرمایا گیا تھا ''فـاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاِمّا منّا بعد وَامّا فداء حتی تضع الحرب اوزارھا.

(آیت ۱٤)

اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت تو دیدی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر دشمن کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو لوگ گرفتار کئے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی، جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت

سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہوگیا ہوتا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اور یہ عتاب نبی ﷺ پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر ہے، گویا کہ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ تم لوگ ابھی نبی کی منشاء اچھی طرح نہیں سمجھے ہو، نبی کا اصل کام یہ نہیں کہ فدیئے اور غنائم وصول کرکے خزانے بھرے بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز براہ راست تعلق رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہوجاتا ہے، پہلے دشمن کی اصل طاقت یعنی لشکر پر حملہ کرنے کے بجائے قافلہ پر حملہ کرنا چاہا، پھر دشمن کا سر کچلنے کے بجائے مال غنیمت لوٹنے میں اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر غنیمت کی تقسیم پر جھگڑنے لگے، اگر ہم پہلے فدیہ وصول کرنے کی اجازت نہ دے چکے ہوتے تو اس پر تمہیں سخت سزا دیتے، خیر اب جو کچھ تم نے کیا ہے وہ کھالو مگر آئندہ ایسی روش سے بچتے رہو جو خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

ترمذی، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے، کہ جب صحابۂ کرام کا بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا ارادہ مضبوط ہوگیا تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا کہ اگر ان ستر قیدیوں سے فدیہ لیا جائیگا تو اسلام کی پہلی لڑائی میں یہ فدیہ اللہ کی مرضی کے موافق نہیں ہے اسلئے اس فدیہ کا معاوضہ یہ ہوگا کہ آئندہ لڑائی میں لشکر اسلام کے ستر آدمی شہید ہوں گے چنانچہ تیرہ مہینے بعد احد کی لڑائی میں اس کا ظہور ہوا کہ اس لڑائی میں لشکر اسلام کے ستر آدمی شہید ہوئے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِيْ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى وفی قراءة من الاسرى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا ايمانًا واخلاصًا يُّؤْتِكُمْ اللّٰهُ خَيْرًا مِّمَّا اُخِذَ مِنْكُمْ من الفداءِ بان يُّضعِفَهٗ لكم فی الدنيا ويُثِيبَكم فی الأخرةِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكم وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اى الأسرٰى خِيَانَتَكَ بما اَظهَرُوا من القول فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ قبل بدر بالكفرِ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ببدر قتلاً واَسْرًا فَلْيَتَوَقَّعُوْا مثلَ ذلِكَ ان عَادُوْا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بخلقه حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ فى صُنعِه اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وهم المهاجرون وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا النبیَّ وَّنَصَرُوْا وهم الانصارُ اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ فی النُّصرَةِ والارْثِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ بكسرِ الواوِ وفتحِهَا مِّنْ شَيْءٍ فلا اِرثَ بينكم وبينهم ولا نَصِيبَ لهم فی الغنيمةِ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وهذا منسوخٌ باٰخرِ السورةِ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ لهم على الكفار اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ عهدٌ فَلا تَنصُرُوهم عليهم ولا تَنْقُضُوا عهدَهم وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ فی النُّصْرَةِ والارْثِ فلا ارث بينكم وبَيْنَهُمْ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ اى تولّیَ المؤمنين وقطعَ الكفار تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾ بقوّةِ الكفر وضُعفِ الاسلام وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾ فى الجنةِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ اى بعد السابقين الى الايمان والهجرةِ

وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ ایها المهجرون والانصارُ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ ذو القَرابَاتِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فی الارثِ من التَّوَارثِ بالایمان والهجرةِ المذکورةِ فی الآیةِ السابقةِ فِي كِتَابِ اللَّهِ اللوحِ المحفوظِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾ ومنه حكمةُ المیراث.

ترجمہ: اے نبی ان لوگوں سے کہو جو تمہارے قبضہ میں قید ہیں اور ایک قراءت میں اَسْـرَىٰ ہے اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی خیر دیکھے گا (یعنی ایمان واخلاص) تو جو کچھ تم سے فدیہ کے طور پر لیا ہے اس سے زیادہ دے گا اس طور پر کہ دنیا میں تم کو اس کا دوگنا دے گا اور آخرت میں تم کو ثواب دے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اللہ بڑا غفور رحیم ہے اور اگر یہ قیدی اپنی کہی ہوئی بات (اظہار اسلام) میں خیانت کرتے ہیں تو یہ لوگ بدر سے پہلے اللہ کے ساتھ کفر کرکے خیانت کر چکے ہیں آخر اس نے تم کو ان پر بدر میں قتل وقید کے ذریعہ قدرت دیدی اگر انہوں نے پھر ایسی حرکت کی تو ان کو ایسی ہی توقع رکھنی چاہئے، اللہ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر اور اپنی صنعت کے بارے میں باحکمت ہے جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان ومال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور وہ مہاجرین ہیں، اور جن لوگوں نے نبی کو ٹھکانہ دیا اور مدد کی اور وہ انصار ہیں وہی دراصل ایک دوسرے کے نصرت اور ارث میں ولی ہیں اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہاری ان کے ساتھ کوئی ولایت نہیں (وَلایة) واؤ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، لہٰذا ان کے اور تمہارے درمیان نہ توارث ہے اور نہ ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ ہے، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں، اور یہ حکم آخر سورت سے منسوخ ہے، البتہ اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تمہارے اوپر لازم ہے کہ کفار کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو سوائے ان لوگوں کے مقابلہ کے کہ ان کے اور تمہارے درمیان عہد ومیثاق ہے تو ان کے مقابلہ میں (مسلمانوں کی) مدد نہ کرو اور ان سے کئے ہوئے عہد کو نہ توڑو، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے اور کفار آپس میں ایک دوسرے کے نصرت اور ارث میں ولی ہیں لہٰذا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی ارث نہیں ہے اگر تم ایسا نہ کروگے یعنی اگر تم مومنین کی حمایت اور کافروں سے قطع تعلق نہ کروگے تو ملک میں کفر کی قوت اور اسلام کے ضعف سے زبردست فساد برپا ہوجائیگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کیلئے مغفرت ہے اور جنت میں عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ایمان وہجرت کی طرف سبقت کرنے والوں کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ملکر جہاد کیا تو اے مہاجرو اور اے انصار وہ تم میں سے ہیں اور قرابتدار ارث اور توارث میں ایمان اور سابقہ آیت میں ہجرت مذکورہ کی وجہ سے بعض بعض سے اولیٰ ہیں اللہ کی کتاب لوح محفوظ میں یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اسی میں سے میراث کی حکمت ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: بآخِرِ السُّوْرَۃِ ای، واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض.

قولہ: مِنْ بَعْدُ ای بعد الحدیبیۃِ وقبل الفتح.

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

یاایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاَسْریٰ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، بدر کے قیدیوں میں دیگر مشرکین کے ساتھ حضرت عباس آنحضرت ﷺ کے چچا بھی قید کرلئے گئے تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر کے موقع پر جنگی خرچ کے لئے اپنے ہمراہ تقریباً سات سو سونے کی گنیاں (اشرفیاں) ساتھ لے کر چلے تھے اور ابھی وہ خرچ ہونے نہ پائی تھیں کہ گرفتار کرلئے گئے۔

جب فدیہ دینے کا وقت آیا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا جسے لوٹ لیا گیا ہے اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا ''جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت بن گیا فدیہ اس کے علاوہ ہوگا اور آپ نے یہ بھی فرمایا اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی ادا کریں، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنی پڑے گی میں بالکل فقیر ہوجاؤں گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی بیوی ام فضل کے حوالہ کیا تھا، حضرت عباس نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا جبکہ وہ مال میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کو دیا تھا اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں، آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلادی، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے سچے رسول ہونے کا یقین ہوگیا، اس سے پہلے وہ آنحضرت ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرمادیئے، حضرت عباس درحقیقت اسی وقت مسلمان ہوگئے تھے مگر چونکہ ان کا بہت سا روپیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا، اگر وہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونیکا اعلان کردیتے تو سارا روپیہ مارا جاتا اسلئے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا کسی سے اظہار نہیں فرمایا، فتح مکہ سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے مکہ سے ہجرت کی اجازت چاہی مگر آپ نے مشورہ یہی دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

حضرت عباس کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے میرے اسلام لانے کے بعد اپنا وعدہ مجھ سے پورا کر دیا اور فرمایا کہ اس وقت میرے پاس ۲۰ غلام ہیں جن کے ہاتھوں میں میرا سارا کاروبار ہے اور وہ مختلف مقامات پر کاروبار کرتے ہیں اور کسی کا کاروبار ۲۰ ہزار درہم سے کم کا نہیں ہے اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آبِ زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں، اور میں امید کرتا ہوں کہ آخرت میں خدا مجھے اس سے بھی زیادہ عطا کرے گا، مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی ایک صحیح حدیث اسی مضمون کی ہے اس سے حضرت ابن عباس کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے مستدرک حاکم میں ابوموسی اشعری سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس بحرین کا مال آیا جس کی مقدار اسّی ہزار درہم تھی تو آپ نے فرمایا، اس کو مسجد میں پھیلا دو، اور آپ نماز میں مشغول ہو گئے، نماز سے فراغت کے بعد آپ نے ہر شخص کو جو بھی نظر آیا دیا کسی کو محروم نہیں رکھا اتنے میں حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آئے اور کہا مجھے بھی اس میں سے کچھ دیجئے میں نے ایک وقت اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ دیا تھا، آپ نے فرمایا لے لو، انہوں نے لپیں بھر بھر کر مال لینا شروع کر دیا اور اپنی چادر میں اس کو باندھ کر اٹھانے لگے تو نہیں اٹھا سکے، تو کہنے لگے کسی کو حکم دیجئے کہ وہ اٹھوا دے آپ نے فرمایا، نہیں، پھر کہا تو آپ ہی اٹھوا دیں، آپ نے فرمایا، نہیں، آخر انہوں نے اس میں سے کچھ کم کر دیا باقی کاندھے پر رکھ کر لے کر چلے گئے، آنحضرت ان کو دیکھ کر تعجب کر رہے تھے جب وہ کچھ دور چلے گئے اور نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تو آنحضرت بھی وہاں سے اٹھے اس وقت ایک درہم بھی باقی نہیں رہا تھا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جب مرتد ہو کر مشرکوں سے مل گیا تو یہ آیت نازل ہوئی ''ان یُرِیدوا خیانتك فقد خانوا اللّٰہ من قبلُ'' یہ عبداللہ بن سعد وہی ہے جو مسلمان ہو کر کچھ دنوں تک کاتب وحی رہا اور بعد میں مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ جا کر مشرکین مکہ سے جا ملا، فتح مکہ کے وقت جن آٹھ مردوں اور چھ عورتوں کو قتل کرنے کا حکم ہوا تھا ان میں عبداللہ بن سعد بھی تھا لیکن یہ حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دور کے رشتہ کا بھائی تھا، اسلئے حضرت عثمان نے اس کی سفارش کی اور آنحضرت ﷺ نے سفارش منظور فرما کر عبداللہ کا اسلام قبول فرما لیا، آیت کے الفاظ عام ہیں لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد کی طرح جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ خیانت کرے گا وہ بدعہدی کے جرم میں پکڑا جائیگا۔

فائدہ: حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، عقیل، جعفر اور حارث کی اولاد کو بنی ہاشم کہتے ہیں۔

اِنَّ الذین ھاجروا وَجَاھَدُوا باموالِھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ الخ، مدینہ میں آپ ﷺ کے ساتھ دو قسم کے مسلمان تھے ایک تو وہ لوگ تھے جنہوں نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا یہ مہاجر کہلائے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو مدینہ کے اصل باشندے تھے اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے، ان لوگوں نے ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو مکہ میں آ کر مدینہ آنے کی دعوت دی تھی اور ہر طرح کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا کہ جان و مال سے دریغ نہ کریں گے،

اگر کفار آپ پر حملہ آور ہوں گے تو ہم آپ کا دفاع کریں گے، یہ لوگ انصار کہلائے ہیں، ان حضرات نے اپنے دینی بھائی مہاجرین کی جان و مال سے خوب مدد کی اپنے گھروں میں جگہ دی جن کی بیویاں نہ تھیں ان کے نکاح کرائے ان دونوں گروہ انصار و مہاجرین کی شان میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، ان ہی کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات یعنی بھائی بندی کرادی تھی یہ دینی رشتہ خونی اور نسبی رشتہ سے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہوا، جب آیت ''**اولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض**'' نازل ہوئی تو وراثت کا یہ عارضی انتظام ختم ہوگیا اور وراثت کا قانون نسبی اور ازدواجی رشتہ پر مقرر ہوگیا، یہ روایت بخاری شریف میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے۔

ترکہ کا اصل مالک کون؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کی وجہ سے مرنے والے انسان کے چھوڑے ہوئے مال کا مستحق اسی کے قریبی عزیزوں رشتہ داروں کو قرار دیا ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ جس کو جو کچھ دنیا میں ملا ہے وہ سب اللہ کی ملک حقیقی تھا، اس کی طرف سے زندگی بھر استعمال کرنے، نفع اٹھانے کے لئے انسان کو دے کر عارضی مالک بنادیا گیا تھا، اس لئے تقاضائے عقل وانصاف تو یہ تھا کہ مرنے والے کا ترکہ اللہ تعالیٰ کی ملک کی طرف لوٹ جاتا، جس کی عملی صورت اسلامی بیت المال میں داخل کرنا تھا، جس کے ذریعہ مخلوق خدا کی پرورش اور تربیت ہوتی ہے مگر ایسا کرنے میں ایک تو ہر انسان کے طبعی جذبات کو ٹھیس لگتی جبکہ وہ جانتا کہ میرا مال میرے بعد نہ میری اولاد کو ملے گا نہ ماں باپ اور بیوی کو اور پھر اس کا نتیجہ بھی طبعی طور پر لازمی تھا کہ کوئی شخص اپنا مال بڑھانے اور اس کو محفوظ رکھنے کی فکر نہ کرتا صرف اپنی زندگی کی حد تک ضروریات جمع رکھنے سے زائد کوئی شخص محنت وجانفشانی نہ کرتا، اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ پورے انسانوں اور شہروں کے لئے ملکی اور قومی پیداوار گھٹ جانے کی وجہ سے پوری قوم اور پورے ملک کے لئے تباہی کا باعث ہوتا، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے میراث کو انسان کے رشتہ داروں کا حق قرار دیدیا، بالخصوص ایسے رشتہ داروں کا حق جن کے فائدہ ہی کے لئے وہ اپنی زندگی میں مال جمع کرتا اور طرح طرح کی محنت مشقت اٹھاتا تھا۔

اسلام میں دوقومی نظریہ:

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے اس اہم مقصد کو وراثت کی تقسیم میں سامنے رکھا جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی، یعنی اللہ کی اطاعت وعبادت اور اس کے لحاظ سے پورے عام انسان کو دو الگ الگ قومیں قرار دے دیا مومن اور کافر قرآنی آیت ''خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن'' کا یہی مطلب ہے، اسی دوقومی نظریہ نے نسبی اور خاندانی رشتوں کو میراث کی حد تک قطع کردیا

کہ کسی مسلمان کو کسی کافر رشتہ دار کی میراث سے کوئی حصہ نہ ملے گا اور نہ کسی کافر کو کسی مسلمان رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حق ہوگا، پہلی دو آیتوں میں یہی مضمون بیان ہوا ہے، اور یہ حکم دائمی اور غیر منسوخ ہے۔

اس کے علاوہ ایک دوسرا حکم مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر دونوں کے آپس میں وراثت کا ہے جس کے متعلق پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ سے ہجرت نہ کرے اس وقت تک اس کا تعلق بھی ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے وراثت کے بارے میں منقطع ہے، نہ مہاجر مسلمان اپنے غیر مہاجر مسلمان رشتہ دار کا وارث ہوگا اور نہ غیر مہاجر کسی مہاجر مسلمان کی وراثت سے کوئی حصہ پائیگا، ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک کہ مکہ فتح نہیں ہوا تھا فتح مکہ کے بعد تو خود رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا، 'لا هجرة بعد الفتح، یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اہل تحقیق کے نزدیک یہ حکم بھی دائمی اور غیر منسوخ ہے مگر حالات کے تابع بدلا جا سکتا ہے، جن حالات میں نزول قرآن کے وقت یہ حکم آیا تھا اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک میں پھر ویسے ہی حالات پیدا ہو جائیں تو پھر یہی حکم جاری ہو جائیگا۔ (معارف)

توضیح مزید:

مزید توضیح اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان مرد و عورت پر مکہ سے ہجرت کو فرض عین قرار دیا گیا تھا، اس حکم کی تعمیل میں بجز معدود چند مسلمانوں کے سب ہی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، اور اس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت نہ کرنا اس بات کی علامت بن گیا تھا کہ وہ مسلمان نہیں، اسی لئے اس وقت غیر مہاجر کا اسلام بھی مشتبہ تھا، جسکی وجہ سے مہاجر و غیر مہاجر کی باہمی وراثت کو قطع کر دیا گیا تھا۔

اس تقریر سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مہاجر و غیر مہاجر میں قطع وراثت کا حکم درحقیقت کوئی جداگانہ حکم نہیں بلکہ وہ پہلا حکم ہے جو مسلم اور غیر مسلم میں قطع وراثت کو بیان کرتا ہے فرق اتنا ہے کہ اس علامتِ کفر کی وجہ سے وراثت سے تو محروم کر دیا گیا مگر محض اتنی علامت کی وجہ سے اس کو کافر نہیں قرار دیا جب تک کہ اس سے صریح اور واضح طور پر کفر کا ثبوت نہ ہو جائے۔

اور غالباً اسی مصلحت کے پیش نظر یہاں غیر مہاجر کا ایک اور حکم ذکر کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ مسلمان سے امداد و نصرت کے طالب ہوں تو مہاجر مسلمان کو ان کی امداد کرنا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ غیر مہاجر مسلمانوں کو بالکل کافروں کی صف میں نہیں رکھا بلکہ ان کا یہ اسلامی حق باقی رکھا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت ان کی امداد کی جائے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں اور ہر قوم کے مقابلہ میں ان کی امداد کرنا مسلمان پر لازم کر دیا گیا ہے، اگرچہ وہ قوم کہ جس

کے مقابلہ پر ان کو امداد مطلوب ہے اس سے مسلمانوں کا کوئی ناجنگ معاہدہ بھی ہو چکا ہو، حالانکہ اصول اسلام میں عدل وانصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے اس لئے اسی آیت میں ایک استثنائی حکم یہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمانوں سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد طلب کریں جس سے مسلمانوں نے ناجنگ معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے دینی بھائی مسلمان کی امداد بھی معاہدہ کفار کے مقابلہ میں جائز نہیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا جس وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ سے صلح کر لی اور شرائط صلح میں یہ بھی داخل تھا کہ مکہ سے جو شخص اب مدینہ جائیگا اس کو رسول اللہ ﷺ واپس کر دیں عین اسی معاملہ میں صلح کے وقت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو کفار مکہ نے قید کر کے طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈالا ہوا تھا کسی طرح حاضر خدمت ہو گئے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے رسول اللہ ﷺ سے مدد کے طالب ہوئے آنحضرت ﷺ جو رحمت عالم بن کر آئے تھے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سے کتنے متاثر ہوئے ہوں گے، اس کا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں مگر اس تاثر کے باوجود آیت مذکورہ کے حکم کے مطابق ان کی مدد کرنے سے عذر فرما کر واپس کر دیا۔

والذین آمنوا ولم یھاجروا، مہاجر وانصار کے علاوہ یہ تیسرے فریق کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمان تو ہو گئے مگر ہجرت نہیں کی، مہاجر اور غیر مہاجر کے مابین مالی وراثت جاری نہ ہوگی، البتہ ہجرت کرنے کے بعد آپس میں مالی وراثت جاری ہوگی ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دار الکفر سے ہجرت کرنا، ہمیشہ اولی اور موجب اجر ہے وقد کانت الھجرة فرضًا حین ھاجر النبی ﷺ الی ان فتح النبی ﷺ مکة. (جصاص، ماجدی)

وَالذین کفروا بعضھم اولیاء بعض، یہاں ولایت کے معنی اشتراک عداوت کے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین قریش آپس میں شدید دشمن تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں سب ایک ہو گئے تھے اور یہ صورت حال آج تک چلی آرہی ہے غیر قومیں کیسی ہی ایک دوسرے کی دشمن ہوں لیکن اسلام کے مقابلہ میں سب ایک ہو جاتی ہیں۔ (ماجدی)

لفظ ولی چونکہ ایک عام مفہوم رکھتا ہے جس میں وراثت بھی داخل ہے اور معاملات کی ولایت وسرپرستی بھی اسلئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث سمجھے جائیں گے اور تقسیم وراثت کا جو قانون ان کے مذہب میں رائج ہے ان کے درمیان اسی کو نافذ کیا جائیگا، نیز ان کے یتیم بچوں کا ولی لڑکیوں کے نکاح کا ولی بھی ان ہی میں سے ہوگا، مطلب یہ کہ ان کے عائلی مسائل اسلامی حکومت میں محفوظ رکھے جائیں گے۔

اِلّا تفعلوہُ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر، اگر اس فقرے کا تعلق، والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کفار ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں اگر تم اے اہل ایمان، آپس میں ایک

دوسرے کی حمایت نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ وفساد عظیم برپا ہوگا، الا تفعلوہ تکن فتنۃ الخ کا تعلق اگر مذکورہ تمام احکام کے ساتھ ہو جو آیت ۷۲ سے یہاں تک بیان ہوئے ہیں تو اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا مثلاً یہ کہ مہاجرین وانصار کو آپس میں ایک دوسرے کا ولی ہونا چاہئے جس میں باہمی امداد واعانت بھی داخل ہے اور وراثت بھی، دوسرے یہ کہ اس وقت کے مہاجر وغیر مہاجر کے درمیان وراثت کا تعلق نہ ہونا چاہئے مگر دینی رشتہ کی بنیاد پر امداد ونصرت کا تعلق اپنی شرائط کے ساتھ باقی رہنا چاہئے، تیسرے یہ کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں ان کے قانون ولایت ووراثت میں کسی قسم کی دخل اندازی مسلمان کو نہیں کرنی چاہئے۔

اگر ان احکام پر عمل نہ کیا گیا تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل پڑے گا، یہ تنبیہ غالباً اس لئے کی گئی ہے کہ جو احکام اس جگہ بیان ہوئے ہیں وہ عدل وانصاف اور امن عامہ کے لئے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ ان آیات نے یہ واضح کردیا کہ باہمی امداد واعانت اور وراثت کا تعلق جیسے رشتہ داری پر مبنی ہے ایسے ہی اس میں مذہبی اور دینی رشتہ بھی قابل لحاظ ہے بلکہ نسبی رشتہ پر دینی رشتہ کو ترجیح حاصل ہے اسی وجہ سے مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ آپس میں نسبی رشتہ سے باپ اور بیٹے یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں، اس کے ساتھ ہی مذہبی تعصب اور عصبیت جاہلیت کی روک تھام کرنے کے لئے یہ بھی ہدایت دے دی گئی ہے کہ مذہبی رشتہ اگرچہ قوی اور مضبوط ہے مگر معاہدہ کی پابندی اس سے بھی زیادہ مقدم اور قابل ترجیح ہے، مذہبی تعصب کے جوش میں معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اس طرح یہ ہدایت بھی دیدی گئی کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے ولی اور وارث ہیں ان کی شخصی ولایت ووراثت میں مداخلت نہ کی جائے دیکھنے میں تو یہ جزئی احکام اور فروعی مسائل ہیں مگر درحقیقت امن عالم کے لئے عدل وانصاف کے بہترین اور جامع بنیادی اصول ہیں اسی لئے اس جگہ ان احکام کو بیان فرمانے کے بعد ایسے الفاظ سے تنبیہ فرمائی گئی جو عام طور پر دوسرے احکام کے لئے نہیں کی گئی کہ اگر تم نے ان احکام پر عمل نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہوجائیگا، ان الفاظ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ احکام فتنہ وفساد روکنے میں خاص دخل واثر رکھتے ہیں، تیسری آیت میں مکہ سے ہجرت کرنے والے مہاجرین اور ان کی مدد کرنے والے انصار کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے سچا مسلمان ہونے کی شہادت اور ان کی مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

چوتھی آیت والذین آمنوا من بعد وهاجروا الخ مہاجرین کے مختلف طبقات کا حکم بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ ان میں بعض لوگ مہاجرین اولین ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دوسرے درجہ کے مہاجر ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی جس کی وجہ سے ان کے اخروی درجات میں فرق ہوگا مگر احکام دنیا میں ان کا حکم بھی وہی ہے جو مہاجرین اولین کا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض یہ سورۂ انفال کی آخری آیت ہے اس میں قانون میراث کا ایک جامع ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے جس کے ذریعہ اسی عارضی حکم کو منسوخ کر دیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کے ذریعہ ایک دوسرے کا وارث بننے کے متعلق جاری ہوا تھا۔

الحمد اللہ سورۂ انفال کی تفسیر وتشریح آج بروز جمعہ بوقت نو بجے صبح بتاریخ یکم شعبان ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ سورۂ توبہ کی تفسیر وتشریح کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یکم شعبان ۱۴۲۵ھ جمعہ

محمد جمال

استاذ دار العلوم دیوبند ہند

بحمد اللہ تمّ